

9/1-  
(جملہ حقوق طبع برائے پاکستان محفوظ ہیں)

DATA ENTERED تاریخ

# اسلام مکمل

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق  
مستند اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات  
پر مشتمل مکمل ترین کتاب  
تالیف

مولانا محمد عاشق الہی میسرٹھی

ناشر

ریز پبلشنگ کمپنی مشہور محل میکلوڈ روڈ کراچی

مشہور پریس کراچی

دکنہ نجی سوڈا



الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لَإِسْلَامِهِ وَالْعَمَلُوهُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْأَنَامِ وَعَلَىٰ آلِهِ

الْكَرَامِ وَأَصْحَابِهِ الْعِظَامِ صَلَوةً دَائِمَةً وَسَلَامًا سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ

اما بعد بانی اسلام سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پانک ندگی کے حالات بھی کس قدر پیار حالات ہیں کہ کتنا ہی پڑھتے مگر دل سیر نہیں ہوتا اور جتنا بھی بار بار دیکھتے قند کمر کا لطف آتا ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہاتھ کنگن آرمی کی ضرورت نہیں اور مشک ہی ہو جو اپنی خوشبو سے اپنا پتہ خود ظاہر کرے اس لئے آپ کی سوانح شریف ہر موافق و مخالف کے سامنے ظاہر کرنے میں ہل اسلام کو بالکل تامل نہیں ہو ایک کھلا مضامین ہو جو دنیا بھر کے سامنے پیش کیا گیا جس کی جی چاہے دیکھے اور عقل و تجربہ و تاریخی واقفیت کی کسوٹی پر جس پہلو سے دل چاہے پڑھے اور خوب پڑھے دعوے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ انشاء اللہ کوئی مخالف بھی اپنے بانی مذہب کی سوانح مقابلہ پیش کر نہ کی جرات نہیں کر سکتا اور نہ قیامت تک کر سکا اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے اپنے سراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خلق اور سردار اولین آخرین کہنے کا حق حاصل ہو عرصہ ہوا غالباً ۱۳۲۱ھ میں بندہ نے عربی کی مشہور کتب سیر خصوصاً تاریخ الکامل اور آثار الاول خاص مضامین لے کر مکہ کی ابتدائی تاریخ یعنی چارہ فرم کے نمودار ہونے سے سلسلہ اٹھایا اور شہر نبوی یعنی فتح مکہ تک کے حالات معتبرہ سنہ و اعام پسند سلیس اردو زبان میں مرتب کر کے تین حصوں پر منقسم کر دیا تھا یہ تالیف اسلام کے نام سے ہندوستان میں شائع ہوئی اور الحمد للہ کہ قوم نے اس کو نہایت پیاری قبول و نگاہ سے دیکھ کر اس کو دوبارہ طبع ہونے کا موقع دیا چونکہ اس تالیف کے وقت مؤلف کی عمر میں سال چند ماہ کی تھی اس لئے یہ دوسرے بھی نہ گذر تا تھا کہ ہر اور ان مذہب میں اس کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوگی مگر جب میں نے دیکھا کہ اس تمام کتاب کے بقیہ حصہ چارم کی فرمائش کثرت کے ساتھ ہوتی اور پگانہ و بیگانہ اجانب نے اقارب کا ہر طرف اصرار پر اصرار ہوتا ہے کہ اس کو مکمل کر دے تو میں اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قبولیت کی علامت سمجھا خصوصاً جب اس کی اطلاع بھی ملی کہ بعض اطراف میں بلا کسی تحریک کے دیندار اہل اسلام نے اپنے مدارس کے نصاب تعلیم کا اس کو جزو بنادیا اور تاریخی و زبان دانی کے درجہ میں سچی مذہبی پیاری اور خوب تاریخ اسلام کو انتخاب کیا ہے تو مجھے بہت مسرت ہوئی اور اپنے خدا سے بڑا شکر کرتے ہوئے نظر ثانی کرنے اور بالاختصار بعض مضامین کے اضافہ و ترمیم سے اس پرانی تالیف کو سنوارنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ تیسری بار کے طبع میں سیرۃ ابن ہشام جو اس فن میں مشہور و مستند کتاب ہے سامنے رکھ کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک حالات کی تکمیل کا قصد کرتا ہوں حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اتمام پہنچا کر مخلوق کیلئے نافع اور مؤلف گناہ کا کیلتے ذخیرہ آخرت بنائے۔ اہل علم و دیانت کے استدعا ہے کہ کہیں لغزش پائیں تو اصلاح فرمادیں اور مؤلف کم مایہ کے لئے غلطی کی مغفرت اور صواب کی قبولیت کی دعا فرمادیں۔ وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَمَلُوهُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

راقم محمد عاشق الہی عنہ یکم رجب ۱۳۳۰ھ



# فہرست مضامین تاریخ اسلام حصہ اول

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۶	باب ۱۔ سید نبویؐ مسلمانوں پر ایذا رسانی اور حبشہ کی جانب ہجرت	۴	اول چاہ زم زم
۷۳	باب ۲۔ نجاشی شاہ حبشہ کا اسلام	۱۱	دوم۔ ذبیح اللہ کا خطاب
۷۷	باب ۳۔ اسلام کی حقانیت	۱۲	سوم۔ خانہ کعبہ کی دوسری بار تعمیر
۸۰	باب ۴۔ حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کا اسلام اور اسلام کی توثیق	۱۶	چہارم۔ ہاشم کی مگر پر حکومت
۸۶	باب ۵۔ سید نبویؐ قریش کا باہمی اتفاق اور خاندان بنی ہاشم کی خطرناک مصیبت	۱۸	پنجم۔ عبد المطلب کی مگر پر حکومت
۸۹	باب ۶۔ سید نبویؐ ظالم صحیفہ کا نقص اور عہد نامہ کی مخالفت	۲۱	ششم۔ خواجہ عبد اللہ کا ذبیح ہونا
۹۲	باب ۷۔ سید نبویؐ غم کا برس اور خدیجہؓ کا انتقال	۲۵	ہفتم۔ عبد اللہ کا آمنہ سے نکاح
۹۷	باب ۸۔ حضرت کا قبائل مگر پر اپنے آپ کو پیش کرنا اور طائف کی سخت مصیبت و تکلیف	۲۷	ہشتم۔ اصحاب غیل
۱۰۱	باب ۹۔ سید نبویؐ مدینہ کی قوم میں اسلام کا پھیلنا اور بیعت عقبہ اولیٰ	۳۵	نہم۔ قریش کی واقعہ غیل کے بعد نئی ترانیاں اور بیعت
۱۰۷	باب ۱۰۔ سید نبویؐ مسراج	۳۵	دہم۔ حضرت کی ولادت اور خواجہ عبد المطلب کی کفالت
۱۱۵	باب ۱۱۔ سید نبویؐ بیعت عقبہ ثانیہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہجرت	۳۸	یازدہم۔ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پلانا اور شوق القدس
۱۲۴	باب ۱۲۔ سید نبویؐ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے رفیق مدین اکبر رضی اللہ عنہ کی مدینہ کی جانب ہجرت اور دار النہدۃ کی ذلت	۴۲	بازدہم۔ آمنہ و عبد المطلب کا انتقال اور آپ کا شام کی جانب پہلا سفر
۱۳۶	باب ۱۳۔ مدینہ منورہ اور مسجد نبویؐ کی تعمیر	۴۵	بیسرودہم۔ امین کا خطاب ملک شام کا دوسرا سفر
		۴۷	بچہار دہم۔ خدیجہ الکبریٰ سے نکاح
		۴۸	اب پانزدہم۔ حلف الفضول اور کعبہ کی تیسری بار تعمیر
		۵۱	اب شانزدہم۔ آپ کی خوش تدبیری، انسان کی کمکافات، سبر و تحمل اور رحمدلی
		۵۵	باب ہفتم۔ خلعت نبوت
		۵۹	باب ہشتم۔ سید نبویؐ کی حالت اور کفار کی بر ملا مخالفت

فہرست مضامین اختصار اس حصہ میں ہے

یہ سوال کہ حضرت سارہ حبشی ولیہ اور مقبول خدا کے بے کینہ سینے میں رشک کا مادہ کیوں پیدا ہوا ایسا سوال ہے جس کے جواب میں یہ کہنا تسلی بخش ہو سکتا ہے کہ جب امیاء علیہم السلام بشریت خالی نہیں تو اولیاء کرام کو



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# باب اول

## چاہ زمزم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچا زاد بہن اور منکوحہ بی بی حضرت سارہ بنت ہاران صرف لا ولد ہی نہ تھیں بلکہ قدرتی طور پر بانجھ اور عالم اسباب میں بطور ہمیشہ کے لئے اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں اور گو آخر عمر میں حضرت الحق علیہ السلام انھیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ تاہم یہ معجزہ کے طور پر ولادت پس پوسی کے ایک زمانہ کے بعد تھی جو حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنی عمر کے دھلتے وقت سے پیشتر ہو چکی تھی اور اسی حالت میں ہمارا سچا قصہ بھی شروع ہوا اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن شہر بابل دار السلطنت اور حاکم وقت الشہ کا فرمان بندہ مخروہ بن کوش، اُس کا پوتا مخروہ بن کنعان تھا اسی نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دعویٰ ربوبیت کا مخالف پاکر تہہ بہ تہہ آگ کے ڈھیر میں ڈلویا اور وہ آگ بجلم خدا کزار بن گئی تھی جس کا مشہور قصہ عام اہل ادیان کے ورد زبان ہے۔

جب مخروہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مطیع بنانے سے بالکل مایوس ہو گیا اور اندیشہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کا عام طور پر توحید کا اعلان و دوسری رعایا کے خیالات پر بھی اثر ڈالے گا تو اس نے ابراہیم علیہ السلام کو معاملہ خانہ کے جلا وطن ہو جانے کا حکم دیا۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پاس (آزیت تراش) کو نہایت نرم و مہذب الفاظ میں توحید کی طرف بلایا اور جب اُس کا جواب بھی سخت بایں الفاظ سنا کہ اے ابراہیم! کیا تجھ کو میرے معبودوں پر منہ و نعرہ؟ سو یاد رکھ اگر باز نہ آیا تو تجھ کو سنگسار کر ڈالوں گا۔ اور جا یہاں چلا جا۔ تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دین حق سنبھالنے اور ایسا مقام تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی جہاں با امن و امان اپنے بچہ پر ولادہ گار کی عبادت کر سکیں۔ چنانچہ آپ مع اپنی بی بی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے جو آپ پر ایمان لائے تھے، نہایت خوشی کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر فوراً کھڑے ہو گئے اور اس دار الکفر سے ہجرت کر گئے۔ اول مقام قرآن میں کچھ قیام ہوا اور اس کے بعد مصر پہنچے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعِزَّةُ وَالشَّلَامُ عَلَیْ رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

راقم محمد عاشق الہی عفی عنہ یکم رجب ۱۳۳۰ھ



شخص تھا جب اُس نے بی بی سارہ کے خُش کا شہرہ سنا تو طبیعت میں ولولہ پیدا ہوا اور ابراہیم علیہ السلام سے کہلا بھیجا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو سارہ کو بنا سنوار کر فوراً ہمارے حضور میں روانہ کرو۔  
 ابراہیم علیہ السلام کو گو تشویش زیادہ ہوئی لیکن حاکم و محکوم کا مقابلہ کیا۔ قہر و ریش بجان درویش سارہ کو فرعون مصر کی جانب روانہ کروا اور بارگاہِ اہلِ یزلی میں دستِ بدعا ہوئے کہ بارِ الہا غریب بندوں کی عزت آبرو تیرے ہی ہاتھ ہے۔

بی بی سارہ فرعون کے پاس پہنچیں اور بدکارِ ظالم بادشاہ نے پاکدامن خاتون کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا کہ ایک لخت اس کا ہاتھ شل اور تمام بدن بے حس ہو گیا گو یا کسی سخت پکڑنے والے نے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے فرعون اپنی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور بی بی سارہ سے بعجز و انکسار التجا کی کہ اللہ واسطے مجھ پر رحم کرو اور دُعا کرو کہ میں اس نیچے غصے سے نجات پاؤں۔

بی بی سارہ نے دُعا کی اور فرعون کے ہاتھ کھل گئے۔ لیکن اُس کے سر پر تو شیطان سوار تھا طبیعت میں ایک جوش تھا جس نے عقل و ہوش پر پردہ ڈال رکھا تھا پہلی ہی حرکت کی سزا سے متنبہ نہ ہوا اور پھر درازی شروع کی۔ ہاتھ کا بڑھانا تھا کہ پھر وہی حالت طاری ہوئی جو پہلی مرتبہ ہوئی تھی قصہ مختصر تین مرتبہ ہی واقعہ پیش آیا اور فرعون مصر نے بی بی سارہ کی یہ حیرت انگیز کرامت دیکھ کر اپنی ایک خاص اور خوب صورت لونڈی ہاجرہ نام ان کو بھیج کر رخصت کیا اور یہ مہنگی خوشی اپنے گھر واپس آئیں۔ بی بی سارہ کو چونکہ اولاد ہونے کی توقع نہ رہی تھی اس لئے انھوں نے واپس آکر اپنی ملکہ کو اپنے پیائے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبیہ کر دی جو حقیقت قبلی النسل تھیں، اور تھوڑے ہی دنوں بعد ہاجرہ کے لطف سے ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے منقول ہے کہ اُس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک کم سو برس کی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے نہ صرف اس وجہ سے زیادہ محبت تھی کہ یہ لختِ جگر بی بی سارہ کی جانب سے مایوس ہونے کے بعد پیدا ہوا تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس ہو نہا رہے تھے کی ملاحیت آمیز آنکھوں، خدا دادِ خُش اور قدرتی نورِ پیشانی سے جلوہ گر ہو رہا تھا کہ خلیل اللہ کا یہ پیارا بیٹا بھی اپنے زمانہ میں خلعتِ پیغمبری زیب تن کرے گا۔

اسماعیل علیہ السلام نے اپنے پیدا ہونے سے پہلے باپ کی توجہ اپنی ہی جانب زیادہ مبذول نہیں کی بلکہ اپنی ماں بی بی ہاجرہ کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی خاص محبت اور مخصوص عنایت کا مورد بنا دیا جو واقعہ میں حضرت سارہ کی عطا کی ہوئی لونڈی تھیں اور بظاہر ہی بی بی سارہ کے طال کا سبب ہوا۔

یہ سوال کہ حضرت سارہ جیسی ولیہ اور مقبولِ خدا کے بے کینہ سینے میں رُسک کا مادہ کیوں پیدا ہوا ایسا سوال ہے جس کے جواب میں یہ کہنا تسلی بخش ہو سکتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام بشریتِ خالی نہیں تو اولیاءِ کرام کو







بنادیا اسی حالت میں چھاتی میں دودھ کہاں کہ ٹھوکے پیاسے بتیاب بچہ کو ایک دو قطرے ہی سے بہلا دیا جائے۔  
 آہ۔ اس وقت ماں نے حسرت بھری نظر سے تڑپتے ہوئے بچہ کو دیکھا اور گھبرا کر اس خیال سے منہ پھیر لیا کہ  
 مصیبت زدہ بچہ کی یہ تنگ حالت رنجوں کی ماری ماں کی طرح اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے لیکن یہ بے چینی اسی نہ تھی  
 کہ بچہ کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے میں کم ہو جاتی۔ کلیجہ میں ایک آگ سی اٹھی جس کے سبب وہ نظر دوبارہ  
 بچہ پر پڑی اور حضرت ہاجرہ با یوسی اور گھبراہٹ کے جال میں تڑپ کر رہ گئیں۔

شیر خوار بچہ کے گورے گورے چہرے کا رنگ آنا فنا متغیر ہوتا جاتا تھا اور ٹھوک کی بتیابی سے روتے  
 روتے آواز پڑ گئی تھی۔ ہاجرہ کا بس نہ تھا کہ اپنے جسم و خون کا پانی بنا کر ان خشک ہونٹوں کو تر کر دیں اُن کا  
 کلیجہ منہ کو آتا تھا اور یہ بھی خبر نہ رہی تھی کہ میں خود ٹھوک کی پیاسی آب و دانہ کی محتاج ہوں اپنے لخت جگر کا  
 سسکنا، تڑپنا، اڑپاں رگڑنی اور جان دینے کے لئے ذرا ذرا سے نازک پاؤں ریتی زمین پر دے دے مالتے آنکھوں سے  
 دھکتیں اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتی تھیں آخر اس جانگزی کے دیکھنے کی تاب نہ لا کر وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس  
 امید پر کہ شاید کہیں قطرے دو قطرے پانی دیکھ سکوں یا کوئی رستہ چلتا سا نظر پڑ جائے کہ اس کے زاد راہ سے اس  
 آخری وقت میں کچھ مدد پہنچے۔ کوہ صفا پر چڑھیں جو وہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر ریت کا ساٹیلہ نظر آ رہا تھا  
 لیکن افسوس نہ کہیں پانی کا پتہ ملا اور نہ کسی آدمی یا جانور کا نشان نظر آیا۔

بے قرار ماں کو اتنا بھی صبر نہ تھا کہ تڑپتے ہوئے بچہ کو اتنی دیر تنہا چھوڑے رکھے کہ اپنی عدم موجودگی میں  
 وہ رُوح اللہ کے حوالے کرے اس لئے آخری صورت دیکھنے کے خیال سے بتیابانہ نیچے اُتر آئیں اور بچہ اسی تڑپتی  
 ہوئی حالت میں دیکھ کر گھبرا اٹھیں اور پہلے ہی خیال میں اس دوسری مرتبہ کوہ مروہ پر جا چڑھیں جو  
 کوہ صفا کے سامنے دوسری جانب واقع تھا لیکن وہاں بھی میدان صاف تھا کہ نہ کہیں آب تھا نہ دانہ۔  
 حضرت ہاجرہ کی کوشش تھی کہ میں ناز پروردہ نور نظر کی رُوح نکلتے ہوئے اپنی غم زدہ آنکھوں سے بچوں  
 لیکن وہ ماں کی مادرانہ محبت جس نے نوچنے بیٹ میں رکھوایا اور جب تک چھاتی میں خون دودھ نہ بکرا آتا رہا دودھ  
 پلوایا، کتب پیل پورا ہونے لگی تھی۔ ایک آگ تھی کہ سینہ میں شعلہ زن تھی اور ایک دھواں تھا کہ بار بار کلیجہ سے  
 اُٹھتا تھا نہ بچہ کی یہ دگرگوں نزع کی حالت دیکھے صبر تھا اور نہ آنکھیں پھیر یا دُور چلے جائے بن پڑتا تھا۔

اس محبت کے جوش اور جھپنی نے ہاجرہ کو سات بار صفا پر چڑھایا اور سات ہی بار صفا سے اُتار کر بیٹے کی ایک  
 جھلک دیکھانے کے بعد کوہ مروہ پر جا کھڑا کیا۔ گویا سات مرتبہ ہر دو پہاڑی کا طواف کر دیا جو آج تک عمر کے نام سے  
 مشہور اور قیامت کے دن تک کامل حج کا جزو بن کر رائج رہے گا جس کا اللہ کے مسلمان بندوں کو حکم ہے۔  
 اس طواف کی ساتویں دفعہ تھی اور بی بی ہاجرہ کی آزمائشی مصیبت کا آخری وقت تھا کہ مری حقیقی خالق



برحق خدا کی بے پایاں رحمت کے بحرِ رخا نے اُبلنا شروع کیا۔ اسمعیل علیہ السلام زمین پر پڑے بے چینی سے ایڑیاں رگڑ رہے اور جان توڑ رہے تھے کہ مقدس فرشتے جبریلؑ کی وساطت سے ایڑی رگڑتے رگڑتے زمین سے ایک قدر فی چشمہ نمودار ہوا اور پانی اس طرح اُبلنے لگا جیسے بی بی ہاجرہ کا کلیجہ اپنے بچے کی بیتابی سے کوہِ مروہ پر اُمنڈ رہا تھا۔

ماں نے اپنی عادت کے موافق اس ساتویں مرتبہ پیائے بچے پر اس گمان سے نظر ڈالی کہ غالباً اس کی روح نکل چکی ہوگی اور اس مرتبہ میری نظر اسمعیلؑ کی نعش پر پڑے گی جسے بے کفن بھی کوا اپنے ہاتھوں سے اس حلیل میدان کے کسی حصہ میں مٹی کے نیچے دبانا پڑے گا کہ یکایک وہ مایوس نظر حیرت اور تعجب سے بدل گئی اور اسمعیلؑ علیہ السلام کے پیروں کے نیچے اُبلتا ہوا صاف اور شیریں پانی نظر آیا جو درحقیقت اسمعیلؑ علیہ السلام کی حالت طفولیت کا ایک زندہ اور برقرار معجزہ تھا۔

بی بی ہاجرہ کی اس مسرت اور فرحت کا اندازہ نہیں ہو سکتا جو مایوس ہونے سے پہلے خلافِ امید مادہ حیات ہاتھ لگنے پر ان کو حاصل ہوئی: چنانچہ نہایت بیتابی اور شوق کے ساتھ غٹ غٹ پینا اور دونوں ہاتھوں سے اس کو اس خیال سے روکنا اور جلدی جلدی اس کی مینڈ کا پنانا شروع کر دیا کہ کہیں بہہ نہ جائے اور ختم ہو جانے والی مصیبت دوبارہ اپنی صورت نہ دکھائے۔ یہی پانی آبِ زمزم کہلاتا ہے۔

زمزم کا پانی کوئی معمولی پانی نہ تھا جو صرف پیاس بجھانے کا کام دیتا بلکہ اس میں نذرانیت تھی کہ جسم کو پروان چڑھاتا اور قوتِ ہاضمہ کو مدد دیتا تھا۔ اب ہاجرہ کی طبیعت کو معاش کی طرف سے بھی اطمینان ہو گیا اور یہ ہو کا میدان ایک سرسبز باغ نظر آنے لگا جس میں گویا ہر قسم کے عیش و آرام کے سامان ہی تھے حضرت خلیل اللہؑ کی دعائیں پھلنی تھیں اور رحمتِ خداوندی ظاہر ہونے کے لئے عالمِ اسباب میں کوئی سبب قائم ہونا لازمی تھا اس لئے چند ہی روز گزرے تھے کہ قبیلہ جرم کے چند تجارت پیشہ یمن سے آتے ہوئے مسافروں کا اس راستہ سے گزر ہوا اور اتفاقاً ریگستان کی کٹھن منزل طے کرنے کا وقت ختم ہو جانے کے سبب ان کا غیر معمولی قیام بھی اس موقع پر ہوا جس کے کچھ ہی فاصلہ پر بی بی ہاجرہ اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے چاہہ زمزم کے کنارے اپنے عزیز اوقات کو اللہ کی یاد میں صرف کیا کرتی تھیں۔

آبِ زمزم پر اللہ کی ہوائی مخلوق یعنی پرندوں کے اڑنے اور چھپانے کا ایک نیا عالم ان سوداگروں کی نظر پڑا تو متحیر ہو کے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم تجارت پیشہ لوگ ملکِ یمن سے شام اور ملکِ شام سے یمن آتے جاتے عموماً اسی راستہ سے گزرتے ہیں لیکن اس لق و دق میدان میں کہیں پانی کا نشان نہیں دیکھا پھر یہ پرندکیوں اڑتے نظر آتے ہیں؟ دیکھو کیا قصہ ہے چنانچہ ایک شخص اس کی ٹوہ میں ریگستان کے گرم ریت اور



اور پھر ملی زمین کے سخت پتھروں کو قلع کرتا ہوا اُس مقام پر آہنچا پیاں پرند اڑ رہے تھے اور ایک نوید چشمے کے کنارے ایک خوبصورت عورت کو مجسم لوزنگلاب جیسا نازک بچہ گود میں لئے ہوئے بیٹھا دیکھ کر حیران ہو گیا واپس آکر جب اُس شخص نے ہمارا ہیوں سے قلعہ بیان کیا تو ہر ایک نے بطور خود چارہ زمزم کے دیکھنے کی خواہش کی اور چند منٹ بعد بی بی ہاجرہ کو عالم تنہائی میں ایک عرصہ کے بعد آدمیوں کی صورت نظر پڑی جن کا دیکھنا اس جنگل میں عنقا ہو گیا تھا۔

قافلے والے گو اس عجیب منظر سے حیران تھے لیکن یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ یہ عفت تاب عورت کوئی معمولی عورت نہیں ہے بلکہ اللہ کی پیاری اور کوئی مقبول بندی ہے جس کی خاطر اس خشک ریتی زمین سے چشمہ اُبل آیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جرأت کر کے آگے بڑھے اور ایک شخص نے بی بی ہاجرہ کو مخاطب بنا کر کہا "کیا آپ اجازت دے سکتی ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں اس متبرک چشمے کے کنارے رہنا اختیار کریں تاکہ آپ کو بھی چند مجلس سکون کے پاس رہنے سے اُنسیت حاصل ہو اور ہم اس ہونہار لڑکے کو جوان ہونے پر اپنا سردار بنا کر حلقہ اطاعت کان میں ڈالنے کی عزت حاصل کریں۔"

ہاجرہ علیہا السلام نے جواب دیا کہ "تمہارے یہاں ٹھہرنے میں تو کچھ حرج نہیں البتہ اس کا اندیشہ ہے کہ تم اس چشمہ پر اپنا مالکانہ قبضہ کا استحقاق نہ قائم کرنے لگو۔ اہل قافلہ نے عہد کیا اور کہا کہ آپ اطمینان رکھیں ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ ہم اس نو بہال کے تابع رہیں گے اور جس وقت یہ بالغ ہو کر ہم کو یہاں سے بگاڑنا چاہیں گے تو ہم ضرور نکل جائیں گے۔" چنانچہ حضرت ہاجرہ نے اجازت دی اور قبیلہ جہرم سے مکہ کے آباد ہونے کی بنیاد قائم ہو گئی۔

اس کے بعد اس قافلہ نے اپنے قبیلہ کو تمام معاملہ کی خبر دی اور وہ لوگ مع اپنی قوم اور بال بچوں کے اپنے وطن سے منتقل ہو کر اس جگہ آ رہے اور مکانات تعمیر کرائے۔

سعیل علیہ السلام اپنی ماں کی تربیت میں نشوونما پاتے رہے اور جب جوانی کی عمر اور حد بلوغ کو پہنچے تو جہرم کی خاص ماورعی عربی زبان کے نہایت فصیح و بلیغ ماہر ہوئے۔ یہی وہ عربی اُخت ہے جس میں کلام مجید نازل ہوا جہرم نے اپنے کثیر المقدار مال میں ان کا حصہ لگا دیا اور اس تقریباً سعیل علیہ السلام اس قوم کے سردار اور سب سے زیادہ متمول شخص بن گئے۔ جہرم ہی کی ایک خوبصورت صاحب شرف و نسب عورت سے نکاح کیا اور تیر اندازی میں شہرہ آفاق ہوئے۔ بابرکت اوقات کا اکثر حصہ اللہ کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد مال کی اجازت سے شکار گاہ میں صرف ہوتا تھا۔



## باب دوم

### ذبیح اللہ کا خطاب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ سانحہ کے متعلق جو کچھ بھی کیا تھا چونکہ وہ محض اللہ پاک کے حکم کی تعمیل اور بی بی سارہ کی رضا جوئی کے لئے تھا اس لئے پدری شفقت نے خلیل اللہ کو اپنے بیٹے اسمعیلؑ اور بی بی ہاجرہ سے غافل نہیں ہونے دیا۔ بسا اوقات سال میں کئی کئی مرتبہ دونوں کو یہاں آکر دیکھ جاتے تھے تاہم وہ آنا جتنی مکرّب یعنی براق پر کچھ ایسا رواں دواں تھا جو بس حضرت خلیل اللہ ہی کی تسکین کے لئے کافی تھا۔ اسمعیل علیہ السلام بن بلوغ کو پہنچے تو خدا وادّٰخین صورت کو حسن سیرت سے وہ مناسبت ظاہر ہونے لگی جو گل کو بوسے اور جسم کو روح سے ہونی چاہیے۔ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہی ہونہار مصیبت کا پلا ہوا مال کا لادلہ وہ بچہ جو اپنے بڑے جتنے والی اولاد یعنی اہل عرب کو بنو ماہ السمارہ کے خطاب کا مستحق بنائے گا اور یہ کہ خبر تھی کہ اس نو نہال گلشن نبوت کی شریف نسل میں وہ گوہر بکتا پیدا ہوگا جس کی مرحومہ امت میں داخل ہونے کی آرزو تمام انبیاء علیہم السلام کریں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس قدر بھی نبی ہوئے وہ سب آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحقؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد میں تھے۔ حضرت اسمعیلؑ بن ابراہیمؑ علیہما السلام کی اولاد میں نبوت کا لباس پہننے والا صرف سید عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہے اور یہ شخصیں شاید اس لئے ہو کہ ایک مبارک و متبرک سدقہ میں صرف ایک ہی بے بہا گوہر کی گنجائش ہو سکتی ہے اور اُس دُرِّ فرید کا ہم پلہ کئی انبیاء علیہم السلام کا مجموعہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو سید ولد آدم کا بزرگ خطاب اور خاتم النبیین کا محترم لقب بارگاہِ لم نزلی سے آدم ابوالبشر کے ذی روح ہونے سے پیشتر ہی عطا ہو چکا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو خواب نظر آئی کہ کوئی غیبی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ ”اے ابراہیم اللہ کے نام پر اپنے بیٹے اسمعیلؑ کو ذبح کر دو“ جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں باقتضائے بشریت گونہ پریشانی اور فکر کا اثر موجود پایا۔ یہ صبح آٹھویں ذی الحجہ کی صبح تھی اور شام تک قاب کا یہ حال رہا کہ ایک خیال جاتا اور دوسرا آتا تھا کبھی دوسرے ہوتا تھا کہ یہ خواب کوئی شیطانی خیال ہے اور کبھی خیال گزرتا تھا کہ سبحان اللہ روئے صادق ہے جس کی تعمیل مجھے کرنی چاہیے۔ چنانچہ تمام دن اسی شک کی حالت میں گزر گیا اور کسی ایک خیال کو غلبہ ہوا اس لئے اس تاریخ کا نام اہل اسلام میں ”یوم الترویہ“ (شک کا دن) ہے۔



نویں ذی الحجہ کی شب تھی کہ پھر وہی خواب نظر آیا جس نے گزشتہ شب اضطراب میں ڈالا تھا جب صبح ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام کا وہ شک بالکل رفع ہو چکا تھا اور اس مذکری خواب نے بتلادیا تھا کہ وحی ربانی کو دوسو ستیسانی سمجھنا اللہ کے تابعدار بندے کی شان سے بعید ہے اسی وجہ سے اس دن کو مسلمان "یوم عرفہ" (علم و عرفان کا روز) کہتے ہیں۔

یہ تمام دن فرمان خداوندی کی تعمیل کے اہتمام میں خرچ ہوا اور دسویں کی شب میں تیسری بار بھی وہی خواب نظر آئی اور اگلے روز جس کا نام "یوم النحر" (قربانی کا دن) ہے اس کے لئے تجویز ہو گیا کہ آج پیارا بیٹا اسمعیلؑ باپ کے ہاتھ سے اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔

عالم کو منور کرنے والا آفتاب افق مشرق سے برآمد ہوا اور سورج کی لمبی لمبی کرنیں سورج کے اونچے پہاڑ اور ٹیلوں سے ٹکرانے لگیں۔ تجازی رنگستان کے درے اپنی چمک اور جھلک دکھلا چکے تھے کہ حضرت خلیل اللہؑ اس میدان میں آ موجود ہوئے جہاں بارہ برس ہوئے اپنے شیرخوار بچہ کو بکسوں کی گود کے گہوارے میں لٹایا ہوا چھوڑ گئے اور قدسے پانی کے ساتھ کچھ چھوڑوں کا گوشہ دے کر رخصت ہوئے تھے۔

اسمعیل علیہ السلام نے باپ کو دیکھا اور مریمؑ تعظیم آدا کئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے اسمعیلؑ میری اور سہیلی لے آؤ اور چلو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاؤ۔ اسمعیل علیہ السلام فوراً گھر میں گئے اور ایک تیز چھری اور لمبی سی رسی لے کر باپ کے ہمراہ اس جنگل کی جانب ہوئے جو کہ تیسرے کے نشیب میں واقع ہے۔

وہاں پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام نے اپنی سچی خواب کا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا کہ "اے اسمعیلؑ! آج تیرا تھری کیارائے ہے اور تم اپنی جان اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہو؟"

اسمعیل علیہ السلام نے گردن جھکالی اور عرض کیا کہ "وہ کار خیر حاجت ہیج استخارہ نیست" سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا صاحبزادہ ہے ایسے امر میں جس کو حکم الہی سمجھ چکے تھے مشورہ لینا ظاہر ہے اس نیت سے نہ تھا کہ تعمیل حکم الہی میں پس پیش تھا بلکہ اس میں خاندان نبوت کے نو نہال کی آزمائش مقصود تھی کہ بچوں اسمعیلؑ میرے کام میں مدد دینے کو کہاں تک آمادہ ہیں چنانچہ آپ کا خیال پورا ہوا اور سیدنا اسمعیل علیہ السلام نے باپ کی زبان سے اپنے ذبح کئے جانے کا مشورہ سن کر فوراً سر تسلیم خم کیا اور کہا کہ "ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل جلد کیجئے انشاء اللہ مجھ کو آپ متحمل اور صابر پائیں گے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدنا اسمعیلؑ کی زبان سے یہ کلمات سن کر نہایت خوش ہوئے اور اپنے فرمان برائے نخت جگر کو اس پتھر کے قریب لائے جو تہی کی پہاڑی پر واقع اور اب تک زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

عالم تاب آفتاب ایک نیزہ چڑھ چکا تھا اور ابراہیم علیہ السلام خوشی خوشی چھری کو پتھر پر رگڑ رگڑ کر تیز



کر رہے تھے فرشتوں میں ایک کھلبلی پڑی ہوئی تھی اور ملا بر اعلیٰ میں تختہ کا عالم۔ یہ ایسا عجیب منظر تھا جس کی کوئی مثال عالم میں اب تک نہ گذری تھی۔ نہ خلیل اللہ کے چہرہ پر کوئی پریشانی یا رنج کا اثر تھا نہ اسمعیل علیہ السلام کی صورت پر ایسی یا فکر و غم کا کوئی نشان نظر آتا تھا۔ چھری تیز ہو چکی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوان بیٹے کو ذبح ہونے والی بکری کی طرح زمین پر لا ڈالا غیبی مخلوق میں ایک کھرام مچ گیا لیکن کس کی طاقت تھی کہ جبروتی بارگاہ میں سوال کر سکے کہ یہ جگر اندوز سانحہ کس مصالحت سے ہو رہا ہے؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیارے بیٹے کو ذبح کے لئے لٹا چکے تو اسمعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ "اباجان! مناسب ہو گا کہ اپنے مقدس کپڑے سمیٹ کر اور مجھے رستی سے باندھ کر ذبح فرمادیں کہ تڑپنے کی وجہ سے خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں پر نہ جائیں اور چھری کو خوب تیز کر کے یکبارگی سرعت کے ساتھ حلق پر چلائیں تاکہ مجھ پر جان شکننا سہل ہو، اور کام سے فارغ ہو کر میری مادرِ شفیعہ کے پاس جائیں تو میرا سلام پہنچادیں اور میرے بدن کا گڑنا ان کے حوالہ فرمادیں تاکہ اُن کو اپنے اکلوتے بیٹے کی مفارقت پر سکون کا سبب بنے اور یہ یادگار نشانی اُن کی تسلی کرتی رہے۔ یہ کلمات سن کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صاف حیرت کے لمحے پر بوسہ دیا اور یہ فرما کر کہ الحمد للہ حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کیسا مددگار مٹایا عطا ہوا مسر ہو گیا اور یہ کہ اس کا اثر ہوا حضرت خلیل اللہ کے دل میں ایک قدرتی جوش تھا کہ نورِ نظر کو ذبح کرنے کے لئے حلق پر چھری چلا دی اور جب دو تین بار تیز کرنے پر بھی چھری نے کام نہ دیا تو دوبارہ بیٹے نے درخواست کی کہ اباجان مجھ کو منہ کے بل لٹا کر ذبح کیجئے تاکہ آپ ذبح ہوتے وقت مجھے نہ دیکھ سکیں اور میری نظر چھری پر نہ پڑے مبادا آپ کے دل میں شفقتِ پدری محبت جوش کرے اور میرے دل میں خوف یا پریشانی لاحق ہو اور یہ ہر دو امر تعمیل حکم خداوندی کے لئے مانع اور ہماری پاک نیتوں میں تکرر پیدا کر دینے کا سبب نہ ہو جاوے چنانچہ حضرت خلیل اللہ نے ایسا ہی کیا اور مردوشانے کے مابین کمر پٹھ گئے اور ایک بلند آواز سے بسم اللہ کہہ کر تلوار جیسی تیز اور آبدار چھری اسمعیل علیہ السلام کی گدھی پر چلا دی۔ ادھر گلستانِ نبوت کے باغبان نے باغِ رسالت کے نازک پھول پر چھری چلائی اور ادھر عالمِ قدسی میں ایک شور برپا ہوا جبرئیلؑ میں بے اختیار پکار اُسٹے: اللہ اکبر! واللہ اکبر! جس کے جواب میں ذبح ہونے والے اسمعیلؑ پیغمبر نے پڑے پڑے جوشِ مسترت سے جواب دیا کہ لا اِلهَ اِلَّا اللہُ واللہُ اکبر! اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ اکبر! واللہ اکبر! واللہ اکبر! یہی مقدس اور پُر جوش کلمات کا مجموعہ شہدِ ابراہیمی ہو کر اب تک ہر سال کے یوم النحر یعنی عیدِ قربانی کے دن بلکہ اور ادھر ادھر کے چار یوم ملا کر نویں فی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ایامِ تشریق میں ہر فرس من نماز کے بعد پکارے جاتے ہیں۔



دیکھتے فرماں بردار لاڈلے لیکن بہادر بیٹے کی نازک طبیعت کو کس قدر تی صبر نے ایسا سکون دے رکھا ہے کہ عجیب استقلال کے ساتھ سجدہ میں پڑا ہوا گردن کٹوا رہا ہے گویا ذبیح اللہ سمجھ ہوئے ہیں کہ اس فنا ہونے والی جان کا خالق کے نام پر قربان کرنا میری سعادت مندی اور اس فخر کا باعث ہے جو دنیا میں حاصل ہونا خوش قسمتی پر دلالت کر رہا ہے اس لئے کوشش ہے کہ کہیں تیز چھری جلد اپنا کام پورا کرے اور خون بہنے کی سرسراہٹ جلد وہ نئی خوشی پیدا کرے جس کا گھنڈہ بھر سے انتظار ہو رہا ہے۔

لیکن خدا جانے اس چھری کو کیا ہو گیا کہ خلیل اللہ کو دلی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیتی کچھ ایسی گنڈ اور بے کار ہو گئی ہے کہ ریشمی کھال بھی قطع نہیں کر سکتی۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب چھری کو گدھی پر رکھا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر زور سے چلایا تو غیب سے آواز آئی کہ "بس بس اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ الطاعت کا یہی منشا ہے جو تم سے ظاہر ہوا اور فرمان برداری اسی کا نام ہے جو تم نے کر دکھائی۔"

ابراہیم علیہ السلام اپنا کام پورا کر چکے تھے لیکن اللہ پاک کو جو صرف خلوص نیت کا دیکھنے والا ہے مقصود نہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی تیزی ہوئی چھری سے اسماعیل علیہ السلام کا حلق کئے اس لئے آسمانی مخلوق کی وساطت سے ایک آن میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک مینڈھا لا ڈالا گیا جو ذبیح اللہ کا فدیہ ہو کر خلیل اللہ کے ہاتھ سے ذبح ہوا اور سنت ابراہیمی بن کر امت محمدیہ میں ہمیشہ کے لئے رائج و شائع ہوا۔

منقول ہے کہ یہ مینڈھا وہ قربانی کا مینڈھا تھا جو آدم ابو البشر کے بڑے بیٹے قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی قابیل کی خاصیت پر تصفیہ ہونے کی علامت میں اللہ کے نام کی نذر بنا کر پہاڑ پر چڑھایا تھا اور وہ مقبول ہو کر جنت میں اٹھا منکا یا گیا تھا اور اب تک وہ جنت کا آب و دانہ کھا کر فرہ ہوتا رہا۔ واللہ اعلم بالصواب ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور فرحان و شادان بیٹے کا ہاتھ پکڑے واپس آئے \*

## باب سوم

### خانہ کعبہ کی دوسری بار تعمیر

بیت اللہ الحرام جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا معبود ہے دنیا کا پہلا گھر ہے جس کو اب ستاد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے یاقوتِ سرخ کا تعمیر کیا تھا۔

جب نوح علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں ان کی بددعا سے عام طوفان آیا تو اس وقت اللہ پاک فرشتوں کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ آسمان پر اٹھا لیا جائے۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا بیت اللہ کی بنیادوں



پر مٹی نے جتنے جتنے سطح زمین کو اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی صورت اصل بنیاد کے معلوم ہونے کی نہ رہی۔

جب اسمعیل علیہ السلام کی عمر تین سال ہوئی تو اُن کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ نے نوے برس کی عمر میں انتقال کیا اور حجر اسود کے متصل یا بروایت میراب رحمت کے نیچے سیدنا اسمعیل علیہ السلام نے اپنی پیاری ماں کو آنکھوں سے آنسو بہا بہا کے مدنون کیا فاتا للہ وانا الیوراجعون

حضرت خلیل اللہ کو اللہ کا حکم ہوا کہ جس بے آب و گیاہ میدان میں تم اسمعیل اور ہاجرہ کو چھوڑ آئے تھے وہاں جاؤ اور بیت اللہ کو اُس کی اصل بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرو۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام فوراً اُس مقام پر آ پہنچے اور حضرت ذبیح اللہ کو دیکھا کہ چاہہ زمرم کے کنارے بیٹھے تیر سیدھے کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ اے اسمعیل اللہ کا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ خانہ کعبہ کو اصل بنیادوں پر قائم کرواؤ۔ پس اٹھو اور میری امانت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ اسمعیل علیہ السلام فوراً کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور ہر خدمت کے انجام دینے کو بسر و چشم آمادہ ہوئے۔

بڑی وقت یہ تھی کہ امتداد زمانہ کے سبب خانہ کعبہ کی بنیادیں زمین میں دب گئی تھیں اُن کا ظاہر ہونا اور اُن پر چٹائی کے ردوں کا رکھنا ناممکن تھا۔ اس لئے حضرت خلیل اللہ نے دعا کی کہ ”بار الہا! تیرے مقدس گھر کی بنیادیں نظر آئیں تو تیرے حکم کی تعمیل ہو۔“ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور ایک اندھیا ڈچلا جس نے ریت کے تودے ادھر سے ادھر اٹھا پھینکے اور آنکھوں دیکھتے جو کچھ مٹی بنیادوں پر آجھی تھی سب دوسری جانب جا پڑی۔

جب بیت اللہ کی اصل بنیاد نظر آنے لگی تو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کا کام شروع کیا اور اسمعیل علیہ السلام نے نواحی کتبہ معظمہ کے پہاڑوں سے پتھر ڈھولنے شروع کئے۔ اُس وقت حضرت اسمعیل علیہ السلام کی عمر تین سال کی تھی۔

بڑے بڑے پتھروں کے تودے چند ہی رکھے گئے تھے کہ دیواریں قد آدم آگئیں اور اب ابراہیم علیہ السلام کو چٹائی پوری کرنے کے لئے ایک سڈول پتھر پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہوئی۔

جس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ تعمیر کیا گیا اس پر حضرت خلیل کے متبرک قدموں کے مہو ہونے کا اب تک موجود ہیں اسی کو مقام ابراہیم کہتے ہیں اور اسی کے قریب دو رکعت پڑھنی وَاَتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرٰہِیْمَ مُصَلًّیٰ سے ثابت ہیں۔ حضرت خلیل اللہ کا یہ پائدار معجزہ تا قیامت باقی رہے گا۔

اسمعیل علیہ السلام جن پہاڑوں کے پتھر ڈھول رہے تھے وہ پانچ ہیں یعنی کوہ خرا کوہ لبنان کوہ شہر کوہ جودی کوہ طور۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ پتھر کوہ خرا کوہ اوقبیش قدس ورفان رضوی



کے تھے۔ غرض دونوں باپ بیٹوں نے نہایت خلوص کے ساتھ تعمیر کو اختتام پر پہنچایا اور بارگاہِ رب العزت میں دستِ بدعا ہوئے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی بارگاہِ ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے شک تو بندوں کی دعا سننے والا اور خلوصِ قلب کا جاننے والا ہے۔

تعمیر بیت اللہ سے فارغ ہوئے تو حضرت خلیلؑ جبلِ البقیس پر چڑھے اور بہ آواز بلند پکار کر کہا کہ ”اے بندگانِ خدا! یہ اللہ کا مقدس گھر تمہاری زیارت گاہ ہے چلو اور یہاں آکر اس کا طواف کرو۔“ خدا جانے کس قسم کی آواز تھی کہ موجودہ بنی آدم اور قیامت تک آنے والی رُوحوں میں جس جس کی تقدیر میں حج کرنا و زائرل میں لکھا جا چکا تھا اپنے آبا کی اصلاب اور ماؤں کے پیٹوں میں بول اٹھے کہ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ ط

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن واپس ہوئے اور اسمعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے متولی بن کر اس کو صاف رکھنا، جھاڑو دینا، عبادت کرنا، دوسروں کو عبادت کی ترغیب دینا، طواف کرنا اور طواف کرانا اپنا فرض منصب اور نجات و برکت دارین کا وسیلہ سمجھا۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اپنی پہلی بی بی کو حضرت خلیلؑ اللہ کی مرضی کے موافق نہ ہونے کے سبب طلاق دے کر دوسری شادی و علہ بنتِ مضاضہ سے کر لی تھی جن کے بطن سے ایک لڑکی اور بارہ لڑکے یعنی ثباتِ قیڈار اذیل، میثا، مسیح، زما، آش، آزر، قلوڑا، قافلس، طمیا، قیڈان پیدا ہوئے۔

حضرت ذبیح اللہ کی عمر ایک سو پینتیس برس کی تھی کہ وقتِ اخیر قریب آگیا اور اللہ کے پیغمبر نے خانہ کعبہ کی تولیت اپنے بڑے صاحبزادے ثابت بن اسمعیل کے حوالہ کر اور اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی حضرت اسحق علیہ السلام کو اس بات کی وصیت فرما کر میری لڑکی کا نکاح اپنے صاحبزادے عیسیٰ بن اسحق سے کر دینا اور فانی سے رحلت فرمائی اور میرا و حجر کے ماہین اپنی والدہ بی بی ہاجرہ کے پاس مدفون ہوئے۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

## باب چہارم ہاشم کی مکہ پر حکومت

خانہ کعبہ کی تولیت اولادِ اسمعیلؑ میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوئی رہی اور قبیلہ جہرم جو حضرت ذبیح اللہ کی طفولیت ہی میں اس جگہ آباد ہو گیا تھا اولادِ اسمعیلؑ سے عداوت و مخالفت کرنے لگا چونکہ اولادِ اسمعیلؑ کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی اور جھگڑا ہوا تھا اس لئے دُبنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ جہرم کے ساتھ



اسلام  
تغیال کا رشتہ قائم تھا اس لئے جب کبھی کوئی جنگ لڑا کھڑا ہوتا تھا وہ فوراً ہی صلح سے ملے ہو جاتا تھا۔  
اسمعیل علیہ السلام کی اولاد کا جتنا جب زیادہ ہو گیا اور وہ لوگ مکہ میں باطمینان نہ رہ سکے تو خود متفرق ہو کر درونواح کے جنگلوں میں جا بسے اور اس طرح پر حوالی مکہ میں کئی قصبے آباد ہو گئے آخر کار جتنے کے متفرق ہو جانے سے مکہ کی حکومت اولاد اسمعیل کے ہاتھوں سے نکل کر جریم کے قبضہ میں آگئی اور مسلسلہ اولاد جریم منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ عمر بن حارث کی حکومت کا زمانہ آیا اور یہ ظالم سفاک خائن بدچلن شخص مکہ کا بادشاہ ہوا۔

اول تو عام طور پر جریم کی طبیعتوں میں حاکم وقت ہونے کے غرہ پر ظلم و زیادتی کا ادہ بڑھتا چلا تھا اور اب تو خود رعایا کے پاسان بادشاہ وقت کی نیت بگڑی ہوئی تھی اس لئے عمر بن حارث کے زمانہ سلطنت میں جو رجوع کا وہ بازار گرم ہوا کہ خدا کی پناہ۔

جو بیش قیمت ہدیے اور جواہرات کے بے بہا تحفے خانہ کعبہ کی نیاز چڑھانے کے لئے عام عقیدہ بنی آدم و دروازے بھیجا کرتے تھے وہ جریمی باشندے خاص اپنی ذات کے لئے سمجھتے اور اپنی شان و شوکت ان سے دوبالا کیا کرتے تھے۔ اوقاف پر مالکانہ قبضے اور آزادانہ تصرفات ہونے لگے اور پروری سے غفلت ہو کر انتظام و سیاست ضائع و برباد ہو گیا۔ بیرونی رعایا اور تجارت پیشہ بندگان کا کوئی پرسان حال نہ تھا کہ ان پر کیا زیادتیاں ہو رہی ہیں اور ان کو کیا کیا نقصان صد پہنچا یا جا رہا ہے۔

جب حق تعالیٰ کی نذر و نیاز میں علی الاعلان اس قسم کے بیجا تصرف لوگوں نے دیکھے تو عام طور پر نواحی عرب کے قبائل میں لڑائی کا جوش پیدا ہوا اور چند ہی دنوں میں جریم کے بچے بچے کو قتل کر دئے اور تمام قبیلہ کو نیست و نابود کر دینے کا منصوبہ بنچتہ ہوتا چلا گیا۔

قبیلہ جریم کو بھی اس کی خبر لگی کہ ہر چار طرف بنداوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور تمام عرب میں جنگی جوش طوفان کی طرح اُمنڈ رہا ہے۔ اس سیلاب کا روکنا کوئی آسان بات نہیں اور نہ تمام خطہ حجاز مقابلہ کرنا سہل کام ہے اس لئے سب کا مشورہ ہوا کہ اب اپنی جان کا بچانا غنیمت اور سلطنت ملک و مال پر خاک ڈال کر جس طرح بن پڑے ملک یمن کی جانب بھاگ چلنا بہتر ہے اس خیال کے مصمم ہونے پر عمر بن حارث نے حجر اسود اکھیر پھینکا اور ایک مجسمہ مللائی ہرنی کی بیش قیمت مورت جو جواہرات مزین اسفند یار فارسی نے خانہ کعبہ کو ہدیہ بھیجی تھی اور جس کا نام غزال الکعبہ مشہور تھا مع ان چند جڑ اذہتھیاروں کے جو اسی طرح بیرونی ممالک سے تحفہ آئے ہوئے اور بیت المقدس میں رکھے ہوئے تھے وہاں سے نکال کر چاہ زمزم میں لے آئے اور اوپر اس میں مٹی ڈلو کر زمین کی سطح کو ہموار بنا دیا گیا کثیر المقدار مال اور بے بہا جواہرات کے ساتھ مقدس



چشمہ چاہ زمزم کا نشان ایسا مٹا دیا کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم کرنے کی بھی کوئی صورت نہ رہی کہ وہ شیریں پانی شمس حکمت کا جو حضرت ذبیح اللہ کی ایڑیاں رگڑنے سے پیدا ہوا تھا۔ حاکم کی اس گستاخانہ حرکت اور عام خاندانِ جہم کی بد اعمالیوں پر اللہ کی طرف سے ایک و بار اُن میں پھیلی جس نے سیکڑوں کو ہلاک کر دیا اور بہتیرے جرمی بطور خودیہ حیرت زدہ عالم دیکھ کر حرم مکہ چھوڑ بھاگے۔ غرض یوں بغیر مقابلہ کئے مکہ کی حکومت بسہولت پھر اولادِ اسمعیل کے ہاتھ میں آگئی۔

اس کے بعد اولادِ اسمعیل ہی میں سلسلہ حکومت قائم رہا۔ البتہ قحطی بن کلاب بن مرہ اپنے زمانہ حکومت میں دیکھا کہ عبد مناف اور عبد مناف کے دونوں بھائی اپنے اپنے قابل ہو گئے اور امور ریاست کو سنبھال بیٹھے لیکن اُن کا بڑا بھائی عبدالدار کبررسی کے باعث ضعیف اور ان کا دست نگر اور محتاج ہے اس لئے سب کے مشورے اور رضامندی سے دار اللہ وہ اور حجاب کعبہ اور حجاج کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی خدمت کا شرف اور لوہار جنگ عبدالدار کو بالقطع دیدیا گیا لیکن عبد مناف کی اولاد یعنی عبد شمس ہاشم و مطلب و نوفل نے متفق ہو کر عبدالدار کی اولاد سے اس تمام میراث کو جبراً چھین لینا چاہا اور قحطی کی اولاد میں گویا خانہ جنگی کا تخم قائم ہو گیا۔

عام عرب میں اس کا شور مچ گیا اور مختلف قبائل نے جس کو برسرِ حق اپنے خیال میں سمجھا اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور ہر دو مخالف فریق کے اعوان و انصار میں قسام عہدی ہو گئی اور سخت جنگ کے لئے درپے ہو گئے لیکن چند دور اندیش تجربہ کاروں کی کوشش سے صلح کی گفتگو ہوئی اور اولادِ عبدالدار نے حجاج کی جہانداری کی قابلِ عزت خدمت بطیب خاطر اولادِ عبد مناف کے حوالے کر دی اور قرعہ ڈالنے سے اس کا بھی تصفیہ ہو گیا کہ اس جدی میراث پر ہاشم بن عبد مناف کا قبضہ رہے گا۔ چنانچہ ہاشم بن بلوغ کو پہنچے اور آبائی ترکہ پر قابض و متصرف ہو کر ہر دلعزیز جہان نواز بنے۔

## باب چہم عبد المطلب کی مکہ پر حکومت

ہاشم بن عبد مناف اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور مطلب سب سے چھوٹے تھے۔ ہاشم نہایت جہان نواز اور وجہ و خوبصورت جوان تھے۔ ایک مرتبہ کچھ مال تجارت لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں مدینہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا اور قبیلہ بنی نجار میں عمر بن لبید خزرجی کے مکان پر ٹھہرے۔ عمر کی بیٹی سلمیٰ نہایت خوبصورت لڑکی تھی ہاشم نے اُس کا حسن و جمال دیکھ کر عمر کو نکاح کا پیام دیا اور عمر بن لبید نے ہاشم کو اس شرط پر اپنا داماد بنانا منظور کیا کہ سلمیٰ کے بال بچہ یہیں مدینہ میں پیدا ہو یعنی ہر



حمل کی حالت میں میری پیاری اکلوتی بیٹی میرے پاس پہنچا دی جاتے تاکہ اس کی اور اُس کے لخت جگر کی غور و پرداخت اچھی طرح ہو سکے۔

ہاشم نے شرط کو منظور کر لیا اور نکاح سے فارغ ہوتے ہی ملک شام روانہ ہو گئے چند مہینے بعد واپسی میں مدینہ قیام کیا اور بیوی کو لے کر مکہ روانہ ہوئے۔

سلمیٰ بنت عمر کو حمل رہا اور ہاشم شرط کے بموجب ان کو مدینہ پہنچا کر خود ملک شام کی جانب ہی ہوئے لیکن افسوس ہاشم کی سلمیٰ سے یہ آخری ملاقات تھی کیونکہ اس سفر میں ہاشم کا بین اور بقولے پچیس برس کی عمر میں جو عین جوانی کا زمانہ تھا انتقال ہو گیا اور ہاشم کی ریاست اُن کے بھائی مطلب کے ہاتھ میں آئی۔

بیوی سلمیٰ کے بطن سے ہاشم کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا اور اس ہونہار یتیم بچے نے اپنے نانا عمر بن لبید خزرجی کے یہاں پرورش پائی۔

شیبہ بن ہاشم کی عمر سات سال کی تھی کہ بنی حارث میں سے ایک شخص کا مکہ سے ادھر آنے کا اتفاق ہوا اور اُس نے دیکھا کہ شیبہ چند لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی میں مشغول ہے اور جب اس نے پروردہ بچے کا تیر نشانہ پر پڑتا ہے تو یہ خوش ہو کر فخریہ باواز بلند بصورت رجز یہ کلمات کہتا ہے کہ میں ہاشم کا لڑکا ہوں، میں سردارِ مکہ کا بیٹا ہوں۔

حارثی مسافر شیبہ کی زبان سے یہ کلمات رجز سن کر سمجھ گیا کہ ہونہار بچہ سردارِ مکہ مطلب بن عبد مناف کا بھتیجا ہے چنانچہ اس نے فوراً مکہ میں آکر مطلب سے جو اُس وقت حجر میں کھڑے ہوئے تھے کہا کہ اے ہاشم کے سردار میں نے یرب میں چند لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے تمہارے بھتیجے کو دیکھا ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے خوبصورت حسین اور بہادر بھتیجے کی تم نے سات برس تک کچھ خبر نہ لی۔

مطلب کو بھتیجے کے پیدا ہونے سے بے خبر تھے مگر اس گفتگو سے سمجھ گئے کہ ضرور میرے متوفی بھائی نے اپنی نشانی چھوڑی ہے جس نے تنہا میں پرورش پائی ہے اور باپ کا خاندان اب تک آگاہ نہیں ہوا اس لئے اُن کے قرشی خون میں جوش آیا اور وہیں قسم کھائی کہ جب تک اُس کو میں لے نہ آؤں گا اپنے گھر واپس نہ جاؤں گا۔ یہ کہا اور اسی حارثی شخص کی اونٹنی پر سوار ہو مدینہ کی جانب رخ کیا۔

مطلب جب مدینہ پہنچے ہیں تو شام کا ٹھنڈا وقت تھا باؤنسیم کے جھوکے ماندہ طبیعتوں اور کمند حالتوں کو بھی آرام دے رہے تھے، طہور اپنے آشیانوں میں پہنچنے کی خوشی میں چھپا رہے تھے برسرِ راہ ایک پر فضا میدان میں چند لڑکے دلیرانہ کھیل میں مشغول تھے مطلب نے گوباب کی صورت شہادت میں ملتی جلتی اپنے بھائی ہاشم کی نشانی دور سے دیکھتے ہی پہچان لی تھی تاہم مزید احتیاط لڑکوں سے پوچھا کہ ہاشم کا بیٹا تم میں کون ہے؟



اجنبی ساندنی سوار سفر کی زبان سے سوال مُنکر شیبہ بن ہاشم آگے بڑھے اور جواب دیا کہ میں نے کبھی نہ کہا ہے؟  
مطلب کو کہنا سنا کیا تھا یہ تو اپنے متوفی بھائی کی نشانی اور نورِ نظر بھتیجے ہی کے طلبکار تھے اس لئے  
ساندنی سے اتر کر شیبہ کو فوراً گود میں اٹھا لیا اور اونٹنی پر سوار ہو کر سیدھا مکہ کا راستہ لیا راتوں رات چلے  
اور صبح سویرے جبکہ بادِ صبا کے خوشگوار فراتوں سے دل کی کلیاں کھلی جاتی تھیں مگر کے قریب آ پہنچے۔ ایک رُوا  
میں یوں آیا ہے کہ ماں کے پاس لیجا کر اصرار کے ساتھ باجارت لے کر آئے۔ واللہ اعلم۔

جفاکش عرب اور عالی حوصلہ و باہمت باشندگانِ حجاز کے نزدیک ایسے طویل سفر کا اس قدر مستعدی  
کے ساتھ جلد طے کر لینا کچھ قابلِ تعجب امر نہیں خصوصاً جب کہ پہاڑی راستوں اور کوہی نشیب و فراز سے  
واقف ہوں۔ غرض لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف تھے آفتاب اُفقِ مشرق سے نکل چکا تھا کہ مطلب  
اپنے پیچھے ایک لڑکے کو سوار لے ہوئے مگر میں داخل ہوتے جن کسی نے بھی سوال کیا کہ آپ کے پیچھے کون سا  
ہے اس کو مطلب نے یہی جواب دیا کہ میرا غلام ہے اس وجہ سے شیبہ کا لقب عبدالمطلب مشہور ہو گیا جس کے معنی ہیں  
مطلب کا غلام۔

مطلب اپنے بھتیجے کو لئے ہوئے گھر آئے اور چونکہ لاوارث یتیم بھتیجے کی حالت اس وقت شکستہ اور غریب بچوں  
کی سی تھی اس لئے مطلب کی غیرت مند طبیعت نے یہاں تک احتیاط کی کہ اپنے اہل عیال اور بی بی خدیجہ  
بنتِ سعید سے بھی اس بچہ کو اپنا غلام ہی بیان کیا اس کے بعد بازار گئے اور نو عمر بچے کے جسم پر آجانے والا امیرانہ پیش  
قیمت حلقہ خرید کر لائے۔ شام کا وقت ہوا تو عبدالمطلب کو قیمتی لباس پہنایا اور بنا سنوار کر بنی عبدمناف کی اُس  
مجلس میں لائے جہاں سردارانِ در و سارِ کتب جمع تھے اور اپنی ملکی وضع پر دل بہلانے میں مصروف تھے وہاں  
ظاہر کیا کہ یہ نورِ نظر میرا بھتیجا اور تمہارے سردار متوفی بھائی ہاشم کی نشانی ہے جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور مجھے  
بھائی سے زیادہ عزیز ہے۔ اُس وقت سب کو عبدالمطلب یعنی شیبہ بن ہاشم سے واقفیت حاصل ہوئی اور اب  
ہر شخص ان کو خاص نگاہِ محبت و عظمت اور شفقت و توقیر سے دیکھنے لگا۔

چند روز بعد مطلب نے ہاشم کی وہ تمام ریاست جو ان کے انتقال پر اپنے قبضہ میں لے آئے تھے شیبہ  
بن ہاشم کے حوالے کر دی اور عبدالمطلب نے اپنی میراث پر پورا قبضہ کر لیا۔

عبدالمطلب کے ہاتھ میں مکہ کی حکومت نہایت سہولت آگئی لیکن کیا ضرور ہے کہ سائے چچا اپنے بھتیجے  
کو یکساں شفقت کی نگاہ سے دیکھیں اور انصاف و حفاظتِ حقوق کو خیر و انسانیت و شرافت سمجھیں اس لئے  
مطلب کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے اس پریشانی کا سامنا ہوا کہ ان کے دوسرے چچا نوفل ابن عبدمناف نے ایک قطعہ  
زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور ہر چند کہ عبدالمطلب نے اس ظالمانہ کارروائی کا انسداد قریش سے چاہا اور درخواست کی



کہ مجھ مظلوم کی اعانت کی جائے اور میرا حق انصاف کے ساتھ مجھ کو واپس دلایا جائے لیکن کسی نے حامی نہ بھری اور سب نے جواب دیدیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ معاملہ میں نہ بولیں گے کیونکہ دوسرے کے پھٹے میں پاؤں ڈال دینا مفت کی مصیبت مول لینا ہے۔ مجبور ہو کر عبد المطلب نے اپنی تنہیال بنی نجار کو مدینہ میں لکھ بھیجا اور اطلاع دیدی کہ قریش نے میری مظلومیت پر نہ ترس کھایا اور نہ مذکھی۔ اہل مدینہ بھی شرافت و عصبت اور قومی حمیت و پاسداری میں اہل مکہ سے کچھ کم نہ تھے۔ اس اطلاع نے ان کے خون میں حرارت پیدا کر دی اور یوں سمجھ کر کہ بھانجہ کو لاوارث سمجھ کر اہل مکہ نے دبا نا چاہا فوراً ہی ابوسعید بن عدس نجاری اپنے ہمراہ اتنی سوار لے کر مکہ میں آ موجود ہوئے برسرِ راہ عبد المطلب کھڑے انتظار ہی کر رہے تھے کہ اپنے اموں کو دیکھ کر گلے سے چپٹ گئے اور درخواست کی کہ پہلے گھر چل کر راستہ کی تکان رفع کر لیجئے۔ مگر ابوسعید نے انکار کیا اور سیدھے نوفل کے پاس پہنچے تاکہ کھانے پینے سے قبل اس کام سے فارغ ہوں جس کے لئے سفر اختیار کیا ہے۔

نوفل کو کچھ خبر نہ تھی کہ مظلوم بھتیجے کے اموں پھوپھا بھی بڑے جتھے اور دل جگرے کے لوگ ہیں اور عبد المطلب اپنی اعانت کے لئے ان کو بلارہا ہے مگر جب ابوسعید نے تلوار سُونت کر نوفل سے ایک سخت آواز اور ترش لہجہ میں خطاب کیا کہ ”اوپلا لم یغف اکیش امیرے یتیم بھانجے کا قطعہ زمین جلد اس کے حوالہ کر ورنہ ابھی سرتن سے جدا کئے دیتا ہوں“ تو نوفل کے ہوش پراں ہو گئے۔

نوفل نے اُسی وقت رت کعبہ کی قسم کھائی کہ میں مغصوبہ قطعہ عبد المطلب کو دے چکا مگر جب تک اقرار نامہ تحریر ہو کر حاضرین کے دستخط اور شرفاء و سرداران قوم کی شہادت سے مکمل نہ ہو چکا اُس وقت تک نہ ابوسعید نے نوفل کو اس جگہ سے ہٹنے دیا اور نہ اپنی چمکدار تلوار کو نیام میں رکھا۔

جب معاملہ ایسی سہولت کے ساتھ اس قدر جلد طے ہو لیا تو ابوسعید عبد المطلب کے گھر گئے اور تین روز وہاں ٹھہر کر مدینہ واپس آئے۔

## باب ششم

### خواجہ عبد اللہ کا ذبیح ہونا

جب عبد المطلب مکہ کی حکومت پر باطمینان قابض ہو چکے تو ایک رات ان کو خواب میں نظر آیا کہ ہاتھ غلیبی کہہ رہا ہے ”اے عبد المطلب اپنے جدِ امجد حضرت اسماعیل کا پاہ زمزم جو عمر بن حارث ملیا میٹ کر گیا ہے ظاہر کرو کہ عبد المطلب کی آنکھ کھلی اور اُسی وقت سے اس خواب کو روایاتے صادقہ سمجھ کر چاہ زمزم کے دوبارہ آشکارا کرنے کے درپے ہوئے لیکن چونکہ ہمارے زمین پر بے نام و نشان کنویں کا پتہ لگنا اور بغیر پتہ



معلوم کئے ہوئے کنویں کے خیال میں تمام زمین کا کھودنا نامکن تھا اس لئے حیران تھے کہ کیا کروں ؟ آخر یہ سوچ کر کہ زمزم کھودنے کا غیبی حکم اگر حق ہے تو اس کا مقام بھی خواب میں معلوم ہو جائے گا دوسری شب بھی اسی جگہ سوئے جہاں پہلے دن سوئے تھے۔ چنانچہ پھر غیب سے ندا آئی اور بتایا گیا کہ اصفان و زالمہ بتوں کے مابین چاہ زمزم کی وہ جگہ ہے جہاں صبح کو کوٹھونگیں مارتا تم کو نظر آئے۔ چنانچہ عبد المطلب صبح کو اٹھے تو یقین کر لیا کہ چاہ زمزم ہونہ ہو قریش کے اُن دو بتوں کے مابین ہے جن کا اَصافان و زالمہ ہے۔

اصاف ایک مردانہ دیوتا کی شکل پتھر کا بنا ہوا بت تھا جس کی قریش تعظیم کرتے اور اپنا معبود سمجھا کرتے تھے اور زالمہ عورت کی شکل پر بنی ہوئی مورت تھی جو اصفان کے کچھ فاصلہ پر قریش کی دیوی بنی کھڑی تھی۔

عبد المطلب اپنے اکلوتے بیٹے سارث کو اپنا ہر از اور قوت بازو بنا کر ان دونوں بتوں کے درمیان کی زمین کو آموجد ہوئے اور گو تمام قریش مانع آئے لیکن عبد المطلب ایک تہی دونوں باتیں اپنی دھن کے پتے بنے ہوئے اپنے کام میں لگے رہے یہاں تک کہ غیبی نصرت یہ نتیجہ نکلا کہ تمہوڑی سی زمین کھودنے پر وہ ہتھیار اور مرنی کی مورت نکل آئی جو مکر بن سارث نے چاہ زمزم میں ڈال دی تھی اور اس کے بعد کچھ ہی فاصلہ پر آب زمزم بھی نمودار ہو گیا۔

عبد المطلب اس اتفاق کا سیلابی پر خوشی کے مائے جامہ میں پھولے نہ سائے اور عام باشندگان عرب میں عبد المطلب کی نام آوری کا نقارہ بج گیا۔

۱۳۲۸

چونکہ اس واقعہ نے عبد المطلب کی عزت کو دو چند کر دیا اور عبد المطلب کے بہنہ آدم پر فخر کرنے کا موقع ہاتھ آگیا اس لئے اس خوشی میں عبد المطلب نے نذرانی کہ اگر میرے دین لڑکے ہوئے اور رسول خدا بلوغ تک پہنچ کر میرے قوت بازو بنے تو اُن میں سے ایک کو میں اللہ کے نام پر قربان کر دوں گا۔

جوابات ہوئی مقدر ہو چکی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔ عبد المطلب جیسے راست گو حاکم کہہ گا اپنی عزت افزائی پر منت ماننا بے وجہ نہ تھا حق تعالیٰ کو اس کی جانچ کر لی منظور اور اس خاندان کی خاندانی عظمت و شرافت کا اظہار مقصود تھا اس لئے عبد المطلب کے یکے بعد دیگرے دین لڑکے پیدا ہوئے اور وہ سب زندہ و تندرست رہ کر سن بلوغ کو پہنچ گئے۔ یہاں تک زمانہ پہنچا مگر افسوس کہ عبد المطلب کو اپنی بانی ہوئی منت یاد نہیں رہی کہ دین جوان لڑکوں کا باپ ہونے پر کیا کرنا چاہیے ؟

ایک رات کعبہ معظمہ کے قریب عبد المطلب بٹے سوئے تھے کہ خواب میں کسی کہنے والے نے کہا : عبد المطلب اس گھر کے پروردگار کے لئے اپنی نذر پوری کرو۔ عبد المطلب کی فوراً آنکھ کھل گئی اور



صبح ہوتے ہی ایک مینڈھا اللہ کے نام پر قربان کیا اور مسکینوں کو کھلا دیا۔ دوسری شب پھر ہی خواب نظر آیا، کہ کوئی شخص نظر کا ایغا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے بہتر جاندار کو قربانی کرو۔ اب بیدار ہوئے تو صبح کو گائے قربانی کی اور محتاجوں کے پیٹ بھرے تیسری شب پھر اسی مضمون کا خواب دیکھا اور صبح کو اونٹ ذبح کیا۔ چوتھی رات ہوئی اور عبد المطلب کو پھر خواب نظر آیا تو اس وقت عبد المطلب نے غیبی منادی نہایت بھولے پن کے ساتھ سوال کیا کہ آپ ہی فرمادیجئے مجھ کو کیا چیز قربانی کرنی چاہئے؟ جواب ملا کہ اے عبد المطلب اپنے اُس بیٹے کو قربانی کرو جس کے قربانی کرنے کی کئی برس ہوئے تم نے منت مانی تھی۔

یہ چوتھا خواب دیکھ کر جس وقت عبد المطلب کی آنکھ کھلی تو سخت پریشانی اور رنج و غم کا سامنا تھا اپنی تمام اولاد کو پاس بلا کر اس وحشت ناک خواب کو ظاہر کیا اور جواب کے انتظار میں بچوں کی صورت دیکھنے لگے۔ اُس وقت سب سے زیادہ تشویش خواجہ عبد المطلب کو اس کی تھی کہ دیکھئے کونسا نورِ نظر خوش کن جواب زبان سے نکالتا ہے؟ اور کون اس کو خیال محض کہہ کر مالتا ہے مگر شریف خاندان کی ساری اولاد باپ کی مطیع اور شریف تھی اس لئے سارے بیٹوں نے باپ کا کلام سُکر اپنے سر جھکائے اور مودبانہ عرض کیا کہ ابا جان! ہم سب ذبح ہونے پر راضی ہیں آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیں اللہ کے نام پر قربانی کریں۔ چونکہ عبد المطلب کو اپنی زبان سے مانی ہوئی منت کا پورا کرنا ضرور تھا اس لئے بیٹوں کی اس اطاعت پر خوش ہوئے اور کہا کہ تم دسوں کے نام پر قرعہ ڈالتا ہوں جس کا نام نکل آئے گا میں نہایت خوشی کے ساتھ اپنے پروردگار کے نام پر اُسی کو قربان کر دوں گا چنانچہ عباسؓ حمزہؓ عبد اللہؓ ابوطالبؓ یعنی عبد منافؓ زبیرؓ حارثؓ ثعلبہؓ مشقومؓ ضرارؓ اور ابولہبؓ یعنی عبد العزیٰ کے ناموں پر قرعہ ڈالا گیا اور عبد المطلب کے نزدیک سب سے زیادہ پیارے بیٹے خواجہ عبد اللہ کا نام نکلا جس کے مُلب میں نورِ محمدی جلوہ گر تھا۔

عبد اللہ کچھ ابتداء ہی سے نہایت شجاع اور خوبصورت سُکیل اور بہرہ صفت موصوف شخص تھے قرعہ میں اپنا نام نکلنے پر بجائے اس کے کہ متفکر یا رنجیدہ ہوں خوش ہوئے اور باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کو اپنی عزت و سعادت سمجھ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے کہ چلئے اور مجھ کو ذبح کر کے اپنی منت پوری فرمائیے۔ ناظرین! سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں یہ دوسری جان ہے جو اپنے جدِ امجد حضرت اسماعیلؑ کے بعد اللہ کے نام پر باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کے لئے کعبہ کے قریب اصاف وائلہ کے پاس پہنچی۔ قریش یہ دیکھ کر کہ ہمارا سردار آج اپنے بیٹے کو قربانی کرنا چاہتا ہے مانع آئے اور خصوصاً عبد اللہ کی ننھیال بنی مخزوم نے عبد المطلب کو عبد اللہ کے نازک گلے پر چھری نہ رکھنے دی لیکن جب مکہ کے سردار عبد المطلب کو اپنے قصد و ارادہ میں بے انتہا پختہ پایا تو مجبور ہو کر یہ مشورہ دیا کہ اُس کا ہنہ عورت سے چل کر تمام قصہ



بیان کر جس کے فہم و فراست کا ڈنکا تمام حجاز میں بج رہا ہے اور جو کچھ وہ رائے دے اُس پر عمل کرو۔

عبد المطلب اپنی سسرال کے رشتہ داروں سے بگاڑ نہ سکتے تھے اس لئے اس رائے کو مان لیا اور کاہنہ کے پاس آکر تفصیل کے ساتھ اپنی منت اور چاروں خوالوں کا قصہ اول سے آخر تک بیان کیا۔ کاہنہ عورت نے دریافت کیا کہ اگر تم میں کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو تم اس مقتول کی دیت قاتل سے کس قدر لیتے ہو؟ عبد المطلب نے جواب دیا کہ میرے زمانہ حکومت میں ایک شخص کی دیت دین اونٹ مقرر ہیں، کاہنہ نے کہا کہ چونکہ دیت ایک نفس کا عوض اور فدیہ ہے اس لئے جاؤ اور اس ہونہار لڑکے کے سامنے دین اونٹ کھڑے کر کے دونوں میں قرعہ ڈالو، اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو اس کے عوض وہ اونٹ فسخ کر دو اور اگر لڑکے کے نام نکلے تو ان دین اونٹوں کے ساتھ دین اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر بیٹل اونٹوں میں اور اس لڑکے میں قرعہ ڈالو، اس طرح جب تک اونٹوں کے نام پر قرعہ نہ نکل آئے، اُس وقت تک ہر مرتبہ ایک نفس کی دیت یعنی دین اونٹ بڑھاتے رہو۔

کاہنہ کی یہ رائے سنکر تمام لوگ تکر واپس آئے اور کاہنہ کے حکم کی تعمیل شروع کی جس وقت ہر مرتبہ دین اونٹ بڑھاتے بڑھاتے دسویں مرتبہ تو اونٹوں اور ایک عبد اللہ کے درمیان قرعہ ڈال گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا عبد المطلب نے کہا کہ میں اس اتناقی امر کا اعتبار نہیں کرتا اس لئے دوسری بار پھر قرعہ ڈالو اور جب دوسری مرتبہ قرعہ ڈالنے پر بھی اونٹوں کے نام نکلا تو تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالو ایسا اور آخر کار تین مرتبہ اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلنے پر عبد المطلب نے وہیں کھڑے کھڑے تمام اونٹوں کو اللہ کے نام پر قربانی کر کے مساکین اور وحوش و طیور کو کھلا دیا اور پیارے بیٹے عبد اللہ کا ہاتھ پکڑ کر شاداں و فرماں گھر واپس آئے۔ اسی وقت ایک نفس کی دیت بجائے دین اونٹ کے تو اونٹ مقرر ہوئے اور اسلام میں بھی اسی پر عمل درآمد قائم رہا۔

اس قصہ کی وجہ سے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن الدبیحین یعنی دو ذبح کا بیٹا کہا جاتا ہے کیونکہ ایک ذبح اللہ آپ کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں اور دوسرے آپ کے جد امجد حضرت اسماعیل ذبیح اللہ بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما وعلیٰ نبینا السلام ہیں۔

حدیث میں بھی وارد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو کسی یہودی نے ”یا ابن الذبیحین“ کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرما کر صحابہؓ کو اپنے دو ذبح کے بیٹے ہونے کا قصہ سنا یا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبد المطلب کے چھ لڑکیاں تھیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں ہوئیں۔ یعنی صفیہ، ام حکیم، عاتکہ، امیمہ، ارویٰ اور برہ۔



# ماہنامہ

## عبد اللہ کا آمنہ سے نکاح

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب نہایت حسین اور خوبصورت جوان تھے اور اس پر طرہ یہ کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اکا نوران کی پیشانی میں جلوہ گر تھا اس لئے کچھ طبعی طور پر زنان قریش کی طبیعتوں کا میلان عبد اللہ کی جانب ہوتا تھا بہتیری حسین سے حسین اور والد ارعوز بن عبد اللہ سے ہم صحبت ہونے کی خواستگار تھیں لیکن اول تو عبد اللہ کی ذاتی شرافت فعل زنا کی اجازت نہ دے سکتی تھی اور پھر وہ گوہر یکتا جو عبد اللہ کے صلب سے رحم آمنہ میں منتقل ہوئے والا تھا اس کی حفاظت اللہ کی طرف سے تھی اس لئے عبد اللہ کے دامن عفت پر کوئی دھبہ نہ آیا۔

عبد اللہ کی شہرت اس ذبح کے قصہ سے اور بھی زیادہ ہو گئی جو گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے عبد اللہ جو کہ بچپن سے عالی ہمت، دلیر اور شکار کے شوقین تھے اس لئے وقت کا اکثر حصہ جنگل کی جھاڑیوں اور ریگستانی لق و دق میدانوں میں تنہا گزر جاتا تھا۔

اہل کتاب یعنی قوم یہود جو اس وقت عرب میں بکثرت آباد ہو گئے تھے، اپنی آسمانی کتاب یعنی توریت شریف میں خاتم النبیین کے وجود باوجود کا عنقریب ظاہر ہونا معلوم کر چکے تھے اور اب ان کو عملی فراست اور ظاہری آثار سے اس کا یقین ہوتا جاتا تھا کہ وہ نور عبد اللہ سے ظہور کرنے والا ہے اور چند ہی دنوں بعد نبوت کا سلسلہ خاندان بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر قریش میں پہنچا جاتا ہے اس بناء پر خواجہ عبد اللہ سے قلبی بغض رکھنے لگے تھے کئی یہودی یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ عبد اللہ کا اگر کسی بُت کی جانب گزر رہا ہے تو اس سے یہ آواز آتی ہے کہ ملے عبد اللہ ہمارے پاس نہ آؤ کیونکہ تمہارے صلب میں وہ نور موجود ہے جو ہماری ہلاکت و بربادی کا سبب ہوگا۔

ایک بار چند حاسد یہودیوں نے مشورہ کیا کہ جس طرح بن پڑے عبد اللہ کو قتل کر ڈالو اور بہتر ہو کہ عبد اللہ کا خون کسی ریگستان میں اُس وقت بہایا جائے جب کہ وہ شکار کھیلنے تنہا کسی جنگل کو قطع کر رہے ہوں تاکہ قاتل کا پتہ نہ چلنے پر قصاص کا کوئی مدعا علیہ بھی نہ بن سکے چنانچہ عین اس وقت جب عبد اللہ تنہا جنگل میں شکار کھیل رہے تھے دفعۃً چند یہودی تلواریں لٹکائے ہوئے شکار گاہ میں آہنچے۔ وہب بن مناف یعنی آمنہ خاتون کے باپ بھی اتفاق سے اس جنگل میں آئے ہوئے تھے اور عبد اللہ



سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے دشمن یہودیوں کے بچا جملے دیکھ رہے تھے۔

دہیب بن مناف نے دیکھا کہ یہودی عبد اللہ پر تنگی تلواروں کے وار کرتے ہیں اور عبد اللہ کے مددگار چند سوار کھڑے ہوئے جفاکیش ظالم یہودیوں کے وار روک رہے ہیں مگر ان سواروں کی پوشاک کچھ اس قسم کی انوکھی ہے جس کو دنیا کے لباس سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

ان غیبی سواروں کا یہ عالم تھا کہ دشمن قتل کا منصوبہ سوچ کر جس طرف آتے ہیں اس جانب ان سواروں کے رخ ہو جاتے ہیں اور بے باک تسمکاروں کو عبد اللہ کے قتل کر ڈالنے کا کوئی پہلو راستہ نہیں آتا۔ ہر چند کہ یہودی نے اپنا خیال پورا کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر کامیاب ہوتے پر نہ ہوئے۔

تھوڑی دیر میں وہ یہودی پسپا ہو کر خائب و خاسر واپس ہوئے اور غیبی سواروں نے بھی اپنے آپ کو غائب کر لیا عبد اللہ صبح سلامت شکار گاہ سے لوٹ چلے۔

دہیب بن مناف یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھ کر گھر آئے اور اپنی بی بی سے قصہ بیان کیا اور یہ بھی کہندے کہ میرے خیال میں پیاری بیٹی آمنہ کو عبد اللہ سے بہتر شوہر نہیں مل سکتا اس لئے اگر عبد المطلب رضی ہو جائیں تو میں بے شک عبد اللہ کے ساتھ آمنہ کا نکاح کر دوں گا۔ آمنہ بنت دہیب، شرف حسب نسب میں ممتاز اور حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھیں۔ فوراً ہی ایک عورت کی وساطت سے عبد المطلب کو آمنہ کے پیغام دینے کی بابت رائے دی گئی اور گویا لے کر دیا گیا کہ عبد اللہ کا نکاح آمنہ بنت دہیب سے ہو۔

عبد المطلب بھی آمنہ کے محمودہ خصائل اور شرافت و حسن ظاہری و معنوی کا شہرہ شن چکے تھے، اور خوب جانتے تھے کہ مجھ کو آمنہ سے بہتر عبد اللہ کے لئے دوسری بہو نہیں مل سکتی اس لئے بلا تاخیر عبد اللہ کے نکاح کا پیام دہیب بن مناف کو دیدیا اور جانبین سے بات نچتے ہوئے پر ساعت سعید میں عبد اللہ بن عبد المطلب کا آمنہ بنت دہیب کا نکاح ہو گیا۔ آمنہ خاتون اپنے زمانہ میں قریش کی تمام عورتوں پر شرافت پوری و نجابت مادی میں فوقیت رکھتی تھیں اس لئے کہ آپ کی والدہ بڑہ بنت عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب اور والد دہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب اور نانی ام جلیبہ بنت اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب کا سلسلہ نسب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں پشت پر جا ملا ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

اب اس کا بیان کرنا چنداں ضروری نہیں کہ ان عورتوں کا کیا حال ہوا جو عبد اللہ کے وصال کی عرصہ سے خواہشمند تھیں اور جب نور محمدی صلب عبد اللہ سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں پہنچ گیا تو ان پر کیا گذری۔ عام ناظرین کے کانوں میں پڑ چکا ہوگا کہ دو نوجو عورتیں اس رشک و افسوس میں دنیا سے



اسلام  
انتقال کر گئیں جو ان کو بی امنی کے اس لازوال دولت مالا مال ہونے پر ہوا تھا۔ وَاللّٰهُ عَلٰمُ الْغُیُوبِ۔

## بائیسواں باب اصحابِ فیل

جس زمانہ کا ہم حال بیان کرتے ہیں اس وقت حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا۔ حبشہ کی سلطنت وسعت پکڑ گئی تھی۔ ملک یمن بھی اسی کا ایک صوبہ تھا جس پر نجاشی کی طرف سے ایک شخص نصرانی المذہب ابرہہ نام حکمران تھا۔ بیت اللہ صرف اہل مکہ ہی کے نزدیک باعزت نہ تھا بلکہ عام طور پر ملک حجاز کے باشندے اس کو محترم اور متبرک سمجھتے تھے اور دور دور سے لوگ اس کی زیارت کو آتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق نیازیں چڑھایا کرتے تھے۔ عام خلقت کا بیت اللہ کے ساتھ یہ محبت کا برتاؤ اور احترام کا طریقہ دیکھ کر ابرہہ کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک گرجا اپنے دار الخلافہ یعنی شہر صنعاء میں بڑا عالی شان تعمیر کرایا اور لوگوں کو حکماً اس کی تعظیم و طواف کرنے اور بیت اللہ کی ہتک حرمت پر مجبور کیا۔ نجاشی کو بھی لکھ بھیجا کہ میں نے حضور کے لئے ایک قابل دید گرجا کے مشہور گھر سے بہتر تعمیر کرایا ہے۔ میں اس کی آبادی میں انتہا درجہ کی کوشش کروں گا اور جب تک لوگ بیت اللہ کو چھوڑ کر اس کو اپنا معبد نہ سمجھ لیں گے اس وقت تک کوشش سے ہاتھ نہ روکوں گا۔

ابرہہ کی یہ نازیبا حرکت تمام باشندگان عرب اور خصوصاً اہل مکہ کو سخت ناگوار گذری قبیلہ بنی نضیم میں سے ایک شخص غصہ میں آکر صنعاء میں پہنچا اور تھوڑا سا رسوخ و سائر شہر سے پیدا کرنے کے بعد اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ شب کے وقت اس جڑاؤ و مرتع گرجا میں جا کر بول و براز سے اس کے باعزت موقعوں کو نجس کر دیا اور جگہ جگہ نجاست ڈال کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

اتفاق سے اسی شب میں اہل مکہ کا ایک نووارد قافلہ رات گزارنے کے خیال سے اسی گرجا کے نیچے مقیم تھا جس نے درندوں وغیرہ سے حفاظت کے لئے جنگل کے بڑے بڑے تنے جمع کر کے ایک بڑا لاؤ لگایا اور اس میں آگ لگا رکھی تھی۔ شب کو ہوا چل رہی تھی نیز ایک اندھیا و سا چلا جس نے گرجا میں جا آگ لگائی۔ گرجا میں آگ کا لگنا تھا کہ تھوڑی دیر میں سب بھسم ہو گیا اور وہ عالی شان جگہ کا تا ہوا مکان ایک جھلسا ہوا منارا معلوم ہونے لگا۔ ابرہہ کو اس کی خبر پہنچی تو غصہ کے مارے سرخ و سپید ہو گیا اور قسم کھائی کہ جب تک مکہ کے متبرک گھر یعنی خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجالوں گا اس وقت تک آرام نہ کروں گا۔



جہتی لشکر میں شاہی حکم کی تیاری کے لئے منادی ہو گئی اور ایک مشہور جنگی ہاتھی جس کا نام محمود مشہور تھا خانہ کعبہ کے گرانے کے لئے ساتھ لیا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ تیرہ ہتھی جنگی اور بھی ہمراہ تھے۔ غرض ابراہیم کا لشکر ملک یمن سے نکلا اور ملک حجاز کے دار الخلافہ یعنی مکہ کی جانب طمراق کے ساتھ طبل بجاتا ہوا روانہ ہوا۔ اہل عرب کو بھی اس ہولناک جنگ کی خبر ہوئی اور عام طور پر مذہبی جوش نے ترقی کی۔ ہر شخص کا خیال تھا کہ بیت اللہ کے بچانے کو اپنی جان کا دینا ہم پر واجب اور ابراہیم جنگ کرنا ہر عربی النسل پر فرض ہے۔ شرفا رہمن میں سے ایک شخص جس کا نام ذونفر تھا مذہبی جوش میں اس لشکر جرار کے سامنے مقابلہ کے لئے آکھڑا ہوا لیکن فوراً ہی قید کر لیا گیا۔

ابراہیم کا لشکر مکہ کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا کہ راہ میں دوسرا شخص نفیل بن حبیب خثعمی نے آسا منا کیا۔ لیکن یہ لشکر ایسا نہ تھا کہ ایک یا دو آدمی کے بس میں آئے اس لئے نفیل بھی گرفتار ہو کر حراست میں لے لیا گیا۔

قید ہونے پر نفیل کو رہبری کا ذمہ لینا پڑا اور نفیل راستہ بتاتا ہوا سیدھے راستہ پر ابراہیم کے لشکر کو لئے چلا آیا جس وقت طائف پر گذر ہوا تو قبیلہ طائف نے ایک شخص ابورغال نامی کو رہبری کے لئے بطور خود بھیجا مگر ابورغال کی عمر نے وفانہ کی اور جس وقت لشکر منہس میں پہنچا تو ابورغال کا دم نکل گیا۔ عرب نے اس کی قبر پر پتھر مارے اور اب تک عرب کے ہاتھوں اس کی قبر سنگسار کی جاتی ہے۔ اس بے باک لشکر نے مکہ کے وادی محرمین میں آخیرے نصب کئے۔ اس وقت مکہ والوں کے خوف و ہراس کی جو کچھ حالت ہو گئی اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

ابراہیم نے اسود بن مقصود کو مکہ میں بھیجا جس نے مکہ میں گھس کر دلخواہ لوٹ کھسوٹ شروع کی چنانچہ مشہور ہے کہ سردار مکہ عبد المطلب کے دو سوا دنٹ بھی اسی لوٹ میں شامل تھے جو اسود بن مقصود مکہ سے اپنے ساتھ ابراہیم کی نذر گزارنے کے لئے بطور تحفہ خوش ہوتا ہوا لے گیا تھا۔

ابراہیم نے اس کے بعد جنابہ حمیری کو مکہ بھیجا جس نے شاہی سفیر بن کر اپنے لشکر کی طرف سے اہل مکہ کو با د از بلند پیام سنایا کہ ”اے اہل مکہ شاہ یمن کا یہ جرار لشکر تم کو تباہ و ہلاک کرنے کے ارادے سے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد صرف اُس اونچے گھر کا منہدم کرنا ہے جس کو تم بیت اللہ کہتے اور تعظیم کرتے ہو اگر تم اس کے گرا دینے میں مانع نہ آؤ گے تو تمہارا بال بھی بیکار نہ ہوگا ورنہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تم میں اس کے مقابلہ کرنے کی کس قدر ہمت ہے۔“ عبد المطلب چونکہ مکہ کے سردار تھے اس لئے جواب دینے کے لئے اٹھے اور بولے کہ ”لشکر کو اطمینان رکھنا چاہیے، ہمیں لڑنے سے



کیا واسطہ ہے۔ یہ گھر جس کے گرانے کا تمنا را خیال ہے اللہ کا گھر اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم ؑ کا بنایا ہوا محترم مکان ہے اگر مالک مکان کو اپنا گھر بچانا ہو تو وہ خود بچالے گا اور اگر اُس کو گروانا ہی مقصود ہے تو ہمارے روکے رک نہیں سکتا۔ حناطہ نے یہ کلام سنکر عبد المطلب سے کہا کہ ”اے عقلمند قریشی کیا اچھا ہو کہ یہ کلمہ تم خود ہمارے سردار ابرہہ سے کہہ کر سب کو مطمئن بنا دو۔ اور اپنی اور اپنے اہل وطن بھائیوں کی قتل و غارت گان اور مال بچالو۔“

عبد المطلب تن تنہا اس جگہ آئے جہاں لشکر پڑا ہوا تھا اور سپاہیوں سے ذونفر کو پوچھا، جو عبد المطلب کا پڑانا دوست تھا اور اب ابرہہ کی قید میں مقید تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ باغی متاثر کرنے کے جرم میں شاہی حراست میں ہے۔

عبد المطلب قید خانے میں گئے اور کہنے لگے کہ دوست اگر کچھ میری مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ ذونفر نے جواب دیا کہ بھائی تم دیکھتے ہو کہ میں ایک ظالم بادشاہ کے ہاتھ میں گرفتار خود ہی مدد کا محتاج ہوں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟ البتہ ایک فیل بان جس کا نام انیس ہے میرا دوست ہے یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس سے سفارش کر کے ابرہہ تک تم کو پہنچا دوں تم خود اپنے لئے جو مناسب سمجھو بالموافقہ کہہ لو عبد المطلب نے اسی کو غنیمت سمجھا اور ذونفر کی سفارش اور انیس کی وساطت سے عبد المطلب ابرہہ کے سامنے پہنچے۔

عبد المطلب نہایت باوجہ امت جسم اور شکیل سردار جوان تھے۔ جس وقت دربار میں پہنچے تو ابرہہ کے قلب میں خود بخود ایک ہیبت پیدا ہوئی وہ اپنے تخت سے اتر کر نیچے ہو بیٹھا اور عبد المطلب کو پاس بٹھا کر ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔

سب سے پہلے عبد المطلب نے مطلب کی بات زبان سے نکالی کہ ”میرے ذونٹوانٹ جو اسود بن مقصود لوٹ لایا ہے واپس کر دیجئے“ ابرہہ یہ سنکر مسکرایا اور ترجمان سے کہلوا یا کہ ”اے عبد المطلب میں تو صورت دیکھ کر تمہیں نہایت فہم سردار سمجھا تھا، لیکن افسوس میرے خیال نے غلطی کی تم کو اپنے معبد اور محترم بیت اللہ کا خیال نہ آیا۔ تم کو اپنے آبائی مذہب کا پاس نہ ہوا اور حالانکہ میں بیت اللہ کو منہدم کرنے آیا ہوں لیکن تم نے اس کے بدلے اپنے اونٹ واپس کرنے پسند کئے“ عبد المطلب نے جواب دیا کہ ”میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں البتہ اونٹوں کا مالک ہوں اور اسی وجہ اپنی چیز واپس مانگتا ہوں، اس گھر کا مالک دوسرا ہے اور وہ اپنے گھر کو خود بچالے گا۔“

ابرہہ نے مسکرا کر اونٹوں کے واپس کرنے کی اجازت دیدی اور کہا کہ اب میرے یہاں تک آنے پر اس گھر کو بچا کون سکتا ہے؟ عبد المطلب اٹھے اور اونٹوں کو واپس سے ہٹا کر حرم میں لاکھڑا کیا



تمام اونٹوں کو تو اللہ کی نذر کر کے بدیر بنا دیا اور کل باسندگان مکہ کو رائے دی کہ پہاڑ کے غاروں اور جنگل کی وادیوں میں پناہ گزین ہو جاؤ اور اللہ پر نظر رکھو دیکھو پر وہ غیب سے کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہی غرض تمام عورتیں بچے اور بہتر سے مرد پہاڑوں میں جا چھپے اور عبد المطلب نے چند قریشیوں کو ساتھ لے خانہ کعبہ کے دروازہ کا کنڈا جا پکڑا اور سب سے رو کر اللہ سے مدد مانگنی شروع کی۔ عبد المطلب نے حلقہ پکڑے پکڑے جو شعر پڑھے، اُن میں سے دو شعر یہ بھی ہیں :

يَا رَبِّ لَا اسْجُوْلَهُمْ سِوَاكَ  
يَا رَبِّ فَاَمْنَعُ مِنْهُمْ جِهًا كَا  
اِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مِنْ عَادَاكَ  
اَمْنَعُهُمْ اِنْ يُخَذِّبُوا فِتْنَاكَ

اے میرے پروردگار! تیرے سوا اس لشکر کے مقابلہ کی مجھے کسی سے اُمید نہیں ہے، بار الہا تو ان کے اپنے حمایتی بیت اللہ کو بچالے۔ اس گھر کا دشمن دُوی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ اگر یہ تیرے صحیح خانہ کو ویران بنائیں تو ان کو اس کا باز رکھ۔ اس کے بعد عبد المطلب بھی مع اُن ہمراہیوں کے پہاڑ میں جا چھپے بعض موثر خین نے لکھا ہے کہ عبد المطلب نے خوف سے چھپنا گوارا نہ کیا تھا اور مکہ میں سوائے اُن کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا۔ بہر حال صبح ہوئی اور آفتاب افق مشرق پر نمودار ہوا۔ ابرہہ کے لشکر نے تیاری شروع کی اور محمود نامی ہاتھی آراستہ کیا گیا۔ نفیل بن حبیب حشمی نے جو اب تک مقتید تھا یہ دیکھ کر کہ اب بیت اللہ پر حملہ ہوا چاہتا ہے ٹپک کر محمود ہاتھی کا کان پکڑا اور یہ لفظ کہے کہ ”ارجع محمود“ ارجع راشد آمن حیث جئت فانک فی بلاد اللہ الخراہم یعنی اے محمود لوٹ جا، اے محمود سیدھا جہاں سے آیا ہے واپس ہو جا کیونکہ تو اللہ کے باعزت شہر میں ہے۔

یہ کہنا تھا کہ ہاتھی گھٹنے ٹیک کر وہیں بیٹھ گیا۔ اور نفیل بان نے ہر چند مار مار کر اٹھانا چاہا، لیکن محمود نہ اٹھا۔ نفیل بان نے ہاتھی کا منہ ملک شام کی طرف پھیرا تو ہاتھی نے اٹھ کر دوڑنا شروع کیا۔ پھر نفیل بان نے یمن کی طرف متوجہ کیا تو ہاتھی اُدھر ہولیا۔ پھر مشرق کی طرف رخ کیا تو اسی طرف چلنے لگا اور پھر جب جانب مغرب یعنی بیت اللہ کی طرف موڑا تو فوراً زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ نفیل تو ہاتھی کے گھٹنے ٹیکتے ہی بھاگ کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا اور یہاں ہاتھی نے اس پریشانی میں مبتلا کر ہی رکھا تھا کہ دفعہ جدہ کی طرف چڑیاں جن کی چونچوں میں ایک ایک کنکری اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں چمکا ڈروں کی طرح پربانڈھے نمودار ہوئیں اور کنکریاں لشکر پر پاری شروع کیں۔ وہ کنکریاں تو عذاب کی کنکریاں تھیں جس سوار کے بھی سر پر پڑیں اسی کا بھیجا پھوڑ کر پیٹ سے نکل کر گھوڑے کی کمر سے گذرتی ہوئی پیٹ سے باہر ہو کر زمین پر گریں سیکڑوں یوں ہلاک



ہوئے اور ہزاروں اس طرح مرے کہ دریا کی طرف سے ایک پرجوش سیلاب آیا جس نے لشکری سپاہیوں کو خس و خاشاک کی طرح سمندر میں لے جا ڈالا۔ جو بچے وہ شتر بے ہار کی طرح جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلے مگر عجیب بے سرو سامانی تھی، نہ راہبر ساتھ، نہ راستہ معلوم۔ اب پوچھیں تو کس سے اور جا میں کھو؟ نفیل نے پہاڑ کی چوٹی سے ہزیمت خوردہ فوج کی یہ حیرانی دیکھی تو ہنسنا اور شتر پڑھانے لگا۔

آيْنَ الْفَرِّ وَالْاِلَالَةُ الطَّالِبِ وَالْاَشِدُّ الْمَغْلُوبُ غَيْرُ الْغَالِبِ

جب اللہ طلب کے درپے ہے تو آب جائے فرار کہاں؟ اور متکبر مغلوب ہوا غالب نہ آیا۔ اس نفسا نفسی کے عالم اور بھگی کی حالت میں ابرہہ کے جسم پر سخت چوٹ آئی اور عضو عضو کا چور ہو گیا۔ فوجی سپاہی اپنے محسن سردار کو یوں بے دست پا جنگل میں چھوڑنا ننگ حرامی سمجھے اور چڑیا کے بے بال و پر بچے کی طرح لوتھو کو کاندھوں پر لا کر بدقت ریگستان قطع کرتے دارالخلا صنعار میں پہنچے۔

چند دنوں بعد ابرہہ کا قلب بھی سینہ سے الگ ہو گیا اور اُس نے تڑپ کر جان ملک الموت کے حوالے کی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا یکتوم بن ابرہہ تخت نشین ہوا۔ اس واقعہ کا نام واقعہ نفیل ہے۔ اس کے پچھن روز بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اللہ پاک نے قرآن مجید سورۃ التہ تکوین میں بھی باشندگان عرب کو یہی احسان یاد دہلایا ہے۔

ابرہہ کی تباہی کے اگلے روز عبد المطلب ابو مسعود ثقفی کو اپنے ساتھ لے کر گذشتہ دن کا نتیجہ دیکھنے پہاڑی سے نیچے اترے اور کسی کی آمٹ نہ پا کر تعجب کرتے ہوئے چھاؤنی کی طرف ہوئے وہاں جا کر سیکڑوں لاشوں کو ریت پر پڑا ہوا دیکھا تو خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سائے اور بڑے بڑے ڈوگرھے کھود کر لشکری سپاہیوں کے گرے پڑے ساز و سامان سے چاندی، سونے اور جواہرات سے اُن کو بھر دیا اور باواز بلند اپنے اُن ہم وطنوں کو بلا یا جو جرار لشکر کے خوف سے چھپے پہاڑیوں میں بیٹھے تھے، چنانچہ سب آموجود ہوئے اور حقہ رسد اس غلیبی مدد کے مال غنیمت سے بہرہ یاب ہوئے۔ عبد المطلب کے حصہ میں جو مال آیا وہ بھی اس قدر تھا کہ ایک آدمی نہایت تو نگری کے ساتھ اُس میں مال دار بن کر زندگی بسر کر سکتا تھا۔



# ماہنامہ

## قریش کی واقعہ فیل کے بعد لن ترانیاں اور بدعتیں

ابراہیم خائب و غائب شکست کھا کر صناعہ جانے سے عام طور پر اہل عرب کے دل میں قریش کی عزت اور توقیر پیدا ہو گئی اور ہر شخص قائل ہو گیا کہ قریش کی خاطر اللہ پاک نے بیت اللہ پر حملہ کرنے والے کو ذلیل و رسوا کیا۔

قریش نے اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر نخوت و غرور میں قدم رکھنا شروع کیا اور ایک مرتبہ یہی میں یہ تجویز پیش کی کہ ہم ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد اور قریشی النسل ہیں عرب میں کسی کو ہم جیسا کہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم میں اور عام باشندگان عرب میں کوئی فرق اور امتیاز ضرور ہونا چاہئے۔ ہم اہل حرم ہیں، ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، ہم اصل ساکن مکہ ہیں اس لئے ہم کو زیارت ہے کہ حرم کے علاوہ کسی دوسرے مقام کی عزت نہ کریں اور حج پورا کرتے وقت میدان عرفات میں ٹھہرنا بالکل چھوڑ دیں، نہ ہم کو عرفات میں جانا چاہئے نہ اُس میدان کی عزت کرنی چاہئے۔ چنانچہ تمام قریش نے عرفات کے میدان میں جانا چھوڑ دیا اللہ پاک نے وَافِیْضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ میں اسی مختصر بدعت کے ترک کرنے کا حکم قرآن میں فرما کر متنبہ کیا ہے کہ عرفات میں دوسرے حجاز کی طرح قریش کو بھی ٹھہرنا ضروری ہے، الغرض قریش نے اپنی برابر کسی کو نہ سمجھا البتہ اگر کسی عرب کے قریشیہ عورت سے لڑکا پیدا ہو جاتا تو وہ اس سلسلہ کے رشتہ سے قریش میں شامل ہو کر اہل حرم بن جائے تھا چنانچہ کنانہ اور خزاعہ اور عامر اسی بنا پر قریش کے ہم مرتبہ اور ہم خیال تھے۔ اس کے بعد دوسری تجویز یہ ملے ہوئی کہ حج کا احرام باندھ کر سوائے چرمی خیموں کے اُون یا پشم کے بٹنے ہوئے خیموں میں جانا نہ چاہئے اور جب تک حج یا عمرہ کا احرام باندھے رہیں اُس وقت تک حرم کے اندر حرم کے باہر سے لائی ہوئی چیز کالھانا حرام سمجھیں اگر روٹی بھی کھائیں تو وہی جو حرم کے اندر لپی ہو و نیز بیت اللہ کا طواف قدوم کر وقت ہر شخص کو قریش کے کپڑے پہن کر طواف کرنا فرض ہے۔ اگر قریش کے کپڑے دستیاب نہ ہوں تو اُس کو اپنے تمام کپڑے اتار کر اور ننگے ہو کر طواف کرنا چاہئے۔ اور اگر بالفرض کوئی شرمیلہ شخص قریشی کپڑے دستیاب نہ ہونے پر ننگا ہونا گوارا نہ کرے اور اس عذر کے سبب اپنے پہنے ہوئے کپڑے میں بیت اللہ کا طواف کر لے تو اُس پر واجب ہے کہ طواف سے فارغ ہوتے ہی ان کپڑوں کو پھینکے اور پھینکنے کے بعد وہ کپڑے کسی مصرف کے نہ رہیں گے کیونکہ نہ یہ خود اُن کو پہن سکے



کوئی دوسرا ان کو ہاتھ لگا سکے گا۔ البتہ عورتیں صرف اوڑھنی سے بال چھپائے رہیں اور باقی تمام کپڑے اتار کر مجبوراً برہنہ ہو کر طواف کریں۔ یہ جدید قوانین تمام اہل عرب کو ماننے پڑے اور گو شروع شروع میں کسی کو یہ باتیں ناپسند بھی ہوئی ہوں، لیکن تھوڑے دنوں بعد ان رسوم کی ایسی عادت ہو گئی کہ آنے والی نسلیں ان بیہودہ اور لغو باتوں کو اصل شریعت اور دینی مسائل سمجھنے لگیں۔

غرض اہل عرب کی حالت بگڑ چلی اور اپنی تجویز کردہ شریعت پر عمل اور باہم معاہدہ و قسمی ہونے لگی۔ ہر قبیلہ نے ایک نیا مذہب تجویز کیا اور نئے طریقہ پر چلنا دین معلوم ہونے لگا۔ شروع شروع میں محض بیت اللہ کی تعظیم اور حرم شریف کے احترام کی نیت سے جہاں کہیں سفر میں جاتے تو حرم شریف کا کوئی پتھر تبرک پاس رکھ لیتے اور ساتھ لیجا یا کرتے تھے اس کے بعد سفر میں طواف کو بھی چاہتا تو اسی پتھر کو بوسہ دینے اور بیت اللہ کی طرح اُس کے گرد پھرنے لگے۔ ہوتے ہوتے اس عظمت کی نوبت شرک و کفر تک پہنچی اور کھلم کھلا بت پرستی ہونے لگی۔

عمر بن لُحی کو ایک بار ملک شام کی جانب سفر کا اتفاق ہوا تو خطہ بلقار میں مارتب مقام پر قیام ہوا، جہاں قوم عمالقہ آباد اور بتوں کی پرستش سے اپنے کو برباد کر رہی تھی۔ عمر بن لُحی نے طرح طرح کے بنے بٹے دیکھے تو اُن سے خواہش کی کہ مجھ کو بھی ایک مورت دیدو تاکہ وطن لیجا کر تمھاری طرح ان سے مدد چاہنے اور قحط میں بارش مانگنے کا سلسلہ قائم کروں۔ چنانچہ مہبل نامی پتھر کی مورت اپنے ساتھ لایا اور وسط کعبہ میں اُس کو قائم کر کے باشندگان مکہ کو اُس کی عبادت و تعظیم کی ترغیب دے کر ترویج کی۔ شدہ شدہ لات و عزیمت اور مناة، اصاف، نائلہ نامی طرح طرح کے بت قائم ہو گئے اور مجسمہ و تصاویر مختلفہ سے ایام سال کی مقدار میں سو ساٹھ بتوں سے نواح و اندرون بیت کو لبریز کر دیا۔

معاشرت و معاملات میں بھی طرح طرح کی ایجادیں کیں اور ہر مضمون میں رسم داخل کر کے شریعت ابراہیمی کی جگہ اپنی نئی شریعت قائم کر لی۔ چونکہ اُن کی جائداد اور مال و متاع کا بڑا ذخیرہ اونٹوں کے گٹے تھے اس لئے بتوں کی نیاز میں انھیں کے چڑھاوے چڑھتے اور من گھڑت خیالات کو عقائد بنا کر متاثر ہوا کرتے تھے جس اونٹنی کے پے درپے دس بارہ بچے پیدا ہوتے وہ آزاد کر دی جاتی تھی کہ اس پر چڑھنا حرام اور ان کا کٹنا ناجائز اور جہان کے سوا دوسروں کو اُس کا دودھ پینا ممنوع تھا۔ ایسی اونٹنی کا نام ”ساربتہ“ تھا اور جو مادہ بچہ بھی اُس کے پیٹ سے پیدا ہوتا وہ بھی اپنی ماں کی طرح متبرک بنا کر سواری و انتفاع سے آزاد بنا دیا جاتا تھا۔ اور اس آزادی کی علامت



میں اس کا کان کاٹ کر چھوڑ دیا جاتا تھا کہ جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے، اس کا نام مُحْمِرہ تھا اور عرب میں ایسے جانور بکثرت ہو گئے تھے۔

مردار گوشت کھانے میں کوئی پرہیز نہ رہا تھا اور ذبح کی عادت ہی گویا جاتی رہی تھی اگر کسی بکری کے پانچ بطن میں دنل بچے مادہ پیدا ہوئے کہ ایک بھی نرنہ ہو تو اُس کے بعد پیدا ہونے والا بچہ مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھا جاتا تھا۔ البتہ اگر مر جاتا تو عورت مرد سب اس سے نفع اٹھانے میں شریک ہو جاتے اور اُس مردار کو حلال سمجھتے تھے۔

اسی طرح جس نر اونٹ سے دنل بارہ بچے پیدا ہوتے وہ بھی ساند بنا ہوا چھٹا پھرتا تھا کہ نہ کوئی اُس پر سوار ہو سکتا تھا اور بجز جفتی کے اُون وغیرہ حاصل کرنے میں کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا سکتا تھا۔

ادھر میراث کو اولادِ ذکور کے ساتھ مخصوص بنا کر بہنوں اور لڑکیوں کو یہ کہہ کر محروم کر دیا تھا کہ جو تلوار لے کر میدان میں نکلے اور دشمن سے مقابلہ کر سکے وہی پدری میراث کا مستحق ہے اور اُدھر ذکور کے حقِ وراثت کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ لڑکا اپنے متوفی باپ کی منکوحہ یعنی اپنی سوتیلی ماں کا وارث ہو کر صرف ایک چادر ڈال دینے سے خاوند بنجایا کرتا تھا۔

دُختر کشی کی رسم عام طور پر بڑھ چلی اور لڑکی کا پیدا ہونا اپنے لئے عار و ذلت اور رات دن کی خانہ جنگیوں میں مبتلا ہونے کے سبب کسی وقت میں ننگ و ناموس برباد کرنے والا سمجھا جاتا تھا اس لئے سخت برہمی کے ساتھ اس بے زبان لختِ جگر کو زندہ درگورتے اور اپنے ہاتھوں گڑھا کھود کر منوں مٹی کے نیچے دبا کر خوشی خوشی واپس چلے آیا کرتے تھے۔

یتیم و لاوارث بچیوں اور نابالغ بکیں لڑکیوں کے حقوق کا تو پوچھنا ہی کیا کہ کس سخت دلی و بے رحمی کے ساتھ تلف ہوئے اور فریاد رسی کے نام سے ناآشنا ہو کر اس ظلم و زیادتی کو نیک نامی و شجاعت سمجھا کرتے تھے۔

شعرو شاعری کے یہودہ مشغلہ میں رات دن منہمک رہتے، قمار و جوئے بازی میں مال لٹا دیتے اور سبھی و تفاخر کے ساتھ رات دن کی لڑائیوں میں خون بہایا کرتے تھے۔ حرم محترم میں آتے تو بالائے بجائے بیٹیوں کے شور سے زمین سر پر اٹھاتے بیہی مذاق کی مجلسیں میں قائم کرتے اور خوفِ خداوندی سے لرزنے کے قابل مقدس مقام کو بیٹھک و چوپال قرار دے کر ہر قسم کا مجمع وہیں منعقد کیا کرتے تھے۔ غرض ظلم و زیادتی کا ایک ظلمت خیز بادل تھا جو ان کے سروں پر سایہ کئے ہوئے تھا اور جب الت و



بدراہی کی اندھیری و تاریک گھنگور گھٹائیں جو اُن پر اُڑی ہوئی تھیں، جس نے اخوت و ہمدردی یکدم چھین لی اور حمیت و انسانیت قلوب سے بالکل نکال لی تھی۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر کو اس گندگی و نجاست سے پھر صاف کرنا چاہا اور سید اولادِ آدم سرورِ عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی و راہبر بنا کر بھیجا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور ظاہر فرمایا کہ ہمیشہ بدعتوں کی تردید کیج اور ناجائز امور کے پسندیدہ ہونے کے ایسے ہی وسائل ہوتے ہیں۔

چالیس برس بعد جب کلام مجید نازل ہونے لگا تو اُن کی اصلاح ہوئی اور شریعت محمدیہ نے اللہ کا سیدھا راستہ دکھا کر ان کے رفتار یوں سے لوگوں کو بچا یا۔ چنانچہ قرآن شریف کی بہتری آیتوں میں صراحتاً ان مختصر رسوم کی اصلاح مذکور اور ہر قسم کی درستی و ہدایت کا طریق مسطور ہے\*

## باب دہم

### حضرت کی ولادت اور عبد المطلب کی کفالت

فخر عالم سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں ۱۲ برس بعد از ولادتِ آدم علیہ السلام سے چھ مزار ایک سو تیرہ برس بعد بارہویں ربیع الاول ۵۷۰ھ کے کسروی مطابق ۲۹ اگست کو دو شنبہ کے دن بوقت صبح پیدا ہوئے۔

آپ بلبن مادری میں تھے کہ آپ کے دادا عبد المطلب آپ کے والد خواجہ عبد اللہ کو بغرض تجارت ملک شام کی جانب روانہ کیا لیکن افسوس خواجہ عبد اللہ نے پچیس برس اور کئی مہینے کی عین شباب خیر عمر میں مدینہ پہنچ کر انتقال کیا اور اس احاطہ میں مدفون ہوئے جہاں آپ کی تھپال کے لوگ مدفون تھے۔ آپ کی والدہ آمنہ خاتون کو آپ کے حمل کی تسلیف مطلق نہ ہوئی اور چھ مہینے تک یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ آمنہ حاملہ ہے حالت حمل میں وہ وہ عجائبات نظر آئے جس سے حیرت ہوتی تھی۔ چلتی تھیں تو قدموں کے نیچے سخت پتھر نرم ہو جاتے تھے۔ نوراتی ابرو دھوپ کے وقت سر پر سایہ کرتے اور کنویں سے پانی لیتے وقت پانی خود بخود اُبل کر من کے کنارے آگاتا تھا۔

آپ فرماتی ہیں کہ جب وضع حمل کا وقت قریب پہنچا اور مجھ کو خواب میں کسی کہنے والے نے اس کی اطلاع دی کہ اے آمنہ! تم کو مبارک ہو تم خیر الانبیاء کے وجود و باجود کی حاملہ ہو۔ اُس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے والد خواجہ عبد اللہ کی نشانی وجود کا خلعت پہننے والی ہے۔ غرض پورے نو مہینے گزر گئے پر دروزہ محسوس ہوا تو میں دیکھتی تھی کہ ستارے آسمان سے جھکے آتے ہیں اور اندیشہ ہے کہ



مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ چند ساعت کے بعد جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو مجھ کو اپنے بدن سے ایک نور جدا ہوتا نظر آیا جس نے تمام گھر روشن کر دیا اور وہ نور آسمان کی طرف چڑھا اور مشرق و مغرب کے مابین پھیل گیا جس کے باعث بصرے اور روم کے محل مجھ کو نظر آنے لگے میں نے اپنے پیٹ سے جدا ہونے والے نور نظر پر نظر ڈالی تو سجدہ میں پڑا ہوا پایا۔ آپ کی انگلی آسمان کی جانب اٹھی ہوئی تھی گویا آپ کسی معاملہ میں انتہا درجہ کی عاجزی و انکساری کا اظہار کر رہے ہیں۔ آپ کے چہرے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، آپ کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں اور آپ کی زبان پر تھا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ إِيَّايَ رَسُولُ اللَّهِ

اُس وقت ملک فارس میں نوشیروان عادل کی سلطنت تھی جس کا لقب "کسری" تھا ایک اُس کا وہ عالیشان اور مضبوط محل جو تنوگزا اونچا تھا ایک سخت زلزلہ سے لرز اٹھا اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اسی رات شاہ کسری نے خواب میں دیکھا کہ چند عربی گھوڑے وحشی زبردست اونٹوں کو کھینچے لے جاتے ہیں اور نہرو جگہ ٹوٹ کر تمام بلاد میں پھیل گئی ہے معاً آنکھ کھل گئی اور نوشیروان کے قلب میں ایک قدرتی ہیبت سما گئی کسری صبح کو نہایت پریشان اٹھا لیکن شاہی ہمت و شجاعت کے خلاف سمجھ کر اس قلبی ہیبت کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہوا شرمایا جو رات سے اس کے دل میں پیدا تھی لیکن یہ سمجھ کر کہہ دیا اس خواب کا اثر ظاہر نہ ہونے لگے اُس نے دربار عام میں اراکین سلطنت کو اپنی خواب کہہ سنائی۔

دربار ہی میں خبر پہنچی کہ اہل فارس کے بڑے آئندہ کی وہ آگ جو ہزار برس سے جل رہی تھی اور جس کی پرستش تمام پاری کرتے ہیں آج رات دفعۃً ٹھنڈی ہو گئی، نہ معلوم کیا سبب ہے؟ اُسی وقت حاکم ایلخا کی عرضداشت موصول ہوئی کہ آج کی شب دریائے سادہ یک لخت خشک ہو گیا۔ اور فوراً ہی دوسری اطلاع طبریہ کے عامل کی آئی کہ آج کی رات طبریہ کے دریا کی روانی بالکل بند ہو گئی اور یہ دریا پھ سوکھ گیا۔

یکے بعد دیگرے ان وحشتناک خبروں نے نوشیروان کو ہراسہ اور مضحک بنا دیا اور فوراً فارس کے قاضی القضاۃ موندان کو تعبیر خواب کے لئے بلا یا گیا۔ موندان نے عرض کیا "حضور معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں کوئی بڑا ذی شان شخص پیدا ہوا ہے جس سے نواح عرب میں کسی بڑے حادثہ کے ظاہر ہونے کی توقع ہے۔" نوشیروان شاہ ایران کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے نعمان بن المنذر کے نام فرمان جاری کیا کہ کسی مشہور اور زبردست عالم کو فوراً ہمارے پاس بھیج دو چنانچہ ایک جہاندیدہ ڈیڑھ سو برس کی عمر کا زبردست عالم عبد المسیح نام نعمان کی طرف سے آیا اور اس نے بھی وہی تعبیر بیان کی جو موندان بیان کر چکا اور



نوشیروان سن چکا تھا عبدالمسیح نے دیکھا کہ بادشاہ وقت کی تسلی نہ ہوئی اور خواب کی تعبیر اطمینان حاصل نہ ہو اس لئے عرض کیا کہ جہاں پناہ اگر اجازت ہو تو اس کی تعبیر میں اپنے ماموں سلطج سے دریافت کروں جو آجکل ملک شام میں مقیم ہے یقین ہے کہ وہ اس کی تعبیر قابل تسکین دے گا کیونکہ اس سے بہتر عالم دارالسلطنت میں نہیں ہے۔ عرض شاہی اجازت عبدالمسیح سلطج کے پاس پہنچا لیکن افسوس کہ اُس وقت پہنچا جب کہ وہ نزع کی حالت میں گرفتار اور آخرت کے لمبے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔

غنیمت تھا کہ سلطج پر ابھی بیہوشی طاری نہیں ہوئی تھی اس لئے عبدالمسیح کو شاہی خواب بیان کرنے اور اپنی سفارت کا کام انجام دینے کی ہمت ہو گئی چنانچہ سلطج اپنے بھانجے عبدالمسیح کا کلام سُکر بہت ہلکا ہوا اور تمام ماجرا سُکر کہنے لگا کہ ”اے عبدالمسیح اس رات عرب میں ایک اللہ کا پیارا ذیشان بندھ پیدا ہوا ہے جس وقت شاہی محل کے کنگروں کی مقدار کے موافق یعنی چودہ بادشاہ اس تخت پر نہ بیٹھ لیں گے اُس وقت تک تو یہ سلطنت بادشاہان فارس کی طرف منسوب ہوتی رہے گی لیکن اس کے بعد ایسی کاپالٹ جائے گی کہ گویا کبھی بابل پر کوئی آتش پرست پارتی قابض ہی نہ ہوا تھا۔“ اس کے بعد سلطج کا انتقال ہو گیا اور عبدالمسیح نے نوشیروان کے پاس آکر تمام ماجرا کہہ سنایا۔ نوشیروان یہ سمجھ کر کہ چودہ نسل کی سلطنت ختم ہونے کے لئے مدت برد اور زمانہ بعید کی ضرورت ہے مطمئن ہو گیا لیکن کہے خبر تھی کہ زمانہ گزرتے کیا دیر لگتی ہے اور یہ باقی ماندہ سلطنتیں کیسی جلد جلد گزریں گی۔ چنانچہ نصف صدی کے اندر یہ سلطنت تمام ہو گئی اور نوشیروان کی اولاد میں اس پایہ تخت کے چودھویں حاکم یزدجرد نے اپنی وسیع سلطنت ۳۱۰ ہجری نبوی میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر اپنی جان ملک الموت کے حوالہ کی۔

عبدالمطلب اُس وقت کعبہ میں تھے یکایک دیکھا کہ خانہ کعبہ کی دیواریں دفعہ جھمک گئیں اور پھر خود بخود سیدھی ہو گئیں۔ یہ تعجب خیز معاملہ دیکھ کر گھر آئے تو ہونہار پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری کانوں میں پڑی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والد خواجہ عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے آپ کی کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لی اور اس پر فخر کیا کہ یہ یتیم اور پیارا فرزند ازجہند میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر میرے پاس رہے گا۔ ساتویں روز عبدالمطلب نے ایک ذبیحہ قربانی کر کے آپ کا عقیقہ کیا اور تمام قریش کی دعوت کی۔ اسی روز آپ کا اسم مبارک محمد تجویز ہوا۔ \*



# باب یازدہم

## حلیۃ سعدیہ کا دودھ پلانا اور شوق الصدقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سات روز اپنی والدہ آمنہ کا دودھ پیا اور پھر ابولہب کی آزاد شدہ کنیزک ثویبہ نے آپ کو آٹھ دن دودھ پلایا۔ یہ ثویبہ وہی ہیں جنہوں نے آپ کے چچا ابولہب کو آپ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تھی اور ابولہب نے اس خوشی میں ان کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ ہی نے آپ کے دوسرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے رضاعی بھائی ہوئے۔

بعد ازاں خولہ بنت المندر نے اور پھر حلیمہ کے علاوہ ایک دوسری عورت نے جو قبیلہ بنی سعد میں سے تھیں اور اس کے بعد تین اور عورتوں نے آپ کو دودھ پلایا جن سب کا نام عاتکہ تھا۔ غرض جب آپ کی عمر شریف کم و بیش ایک ماہ کی تھی تو آپ دانی حلیمہ کی تحویل میں گئے۔

عرب میں قحط کی عالمگیر وبا نے بڑے بڑے متمول سرداروں کے بھی چھکے چھڑا رکھے تھے۔ بارش بند تھی صحرا میں سبزہ کا نام و نشان نہ تھا۔ تمام ریگستان آگ کا تودہ بنا ہوا تھا جس میں سوائے لٹاؤر تیش کے پھل یا پھل پالی کا پتہ نہ تھا۔ عربی رواج کے موافق قبیلہ بنی سعد کی عورتیں شیرخوار بچوں کی تلاش اور اجرت پر دودھ پلانے کی غرض سے صاحب ثروت بچوں کی جستجو میں آئی ہوئی تھیں انھیں عورتوں میں ابو ذؤب کی بیٹی حلیمہ سعدیہ بھی اپنے شوہر عمارت بن عبد العزی کے ہمراہ بھوک پیاسی دہلی پتلی سواری پر سوار ہو کر مکہ میں دو شنبہ کو داخل ہوئیں۔ قریب قریب سب عورتوں نے سردار ان مکہ اور متمولان قریش کے بچے لے لیے اور صرف حلیمہ باقی رہ گئیں جن کو کوئی بچہ دلخواہ اور منشاء کے موافق نہ ملا۔

حلیمہ کو خبر لگی کہ سردار مکہ ملالت بن عبد مناف کا پوتہ محمد بن عبد اللہ کو بھی دایہ کی ضرورت ہے لیکن بچہ یتیم ہے اور باپ کا سایہ سر سے اٹھے ہوئے کئی چہینے ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی دایہ ایسی نہ تھی جس پر آپ پیش نہ کئے گئے ہوں مگر آپ کی یتیمی کے سبب کسی نے آپ کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ ہر مرضہ اپنے حق الخدمت کی متوقع ہوتی ہے اور بھرپور معاوضہ باپ ہی سے ملا کرتا ہے۔ حلیمہ حیران تھیں کہ کیا کروں، خالی ہاتھ واپس ہونے کی ہمت تھی نہ یتیم بچہ کو لینے کی رغبت مگر ان کو کیا خبر تھی کہ سلطنت دنیا کو خیر بنا دینے والی نعمت اور ہر قسم کی دینی و دنیوی برکات کا بھرپور خزانہ کاتب ازل نے ان کی تقدیر میں لکھا ہے جس کو بادل ناخواستہ بھی انھیں منسلو کرنا پڑے گا اس لئے حلیمہ نے اپنے شوہر



مشورہ لیا اور آخر کار کچھ پس و پیش کے بعد آمنہ کے گھر روانہ ہوئیں۔ یہاں آکر دیکھا کہ نسیم بچہ خواب استراحت میں ہے اور چمکدار پیشانی سے ایک ایسا نور جلوہ گر ہے جو ہر واقعہ و واقف کے دل میں آپ کی محبت پیدا کرتا ہے۔ آپ کے خداداد حسن نے حلیمہ کو بھی متحیر بنا دیا اور بے اختیار انہوں نے نہایت محبت کے ساتھ آپ کو گدگد کر اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس کے بعد آمنہ خاتون کی اجازت لے کر وہاں رخصت ہوئیں اور قیام گاہ پر آئیں تو سونگھی ہوئی دونوں پستانوں کو دودھ سے لبریز پایا آپ کے طفیل میں آپ کا شیر خوار بھائی بھی سیر ہو کر کئی دن کے بعد آرام کی نیند سو گیا۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم سب گھر والوں کو کئی وقت کا فاقہ تھا اور بچے تک بھوک کی تکلیف سے ہلکے رہے تھے رات بھر سوئے نہ تھے بکری کوڑے میں کھڑی ہوئی تھی جس کے تھن فاقوں کے سبب بالکل خشک اور شوکھے ہوئے تھے ہیں نے اپنی چھاتی میں دودھ دیکھا تو خاوند سے کہا کہ جاؤ بکری کو بھی دیکھو شاید اس بچے کی برکت سے وہ بھی دودھ دیدے۔ چنانچہ عارث نے تھنوں کو ہاتھ میں لیا تو شہ سے لبریز پایا، خوشی خوشی دوہا اور سائے گھر نے اچھی طرح سیر ہو کر پی لیا۔ اُس وقت سب پر کریمیشی نیند سوئے اور غسرت و تکلیف کی زندگی کو نعمت و رفاهیت سے بدلا ہوا پاکر بچے کی برکت کے معترف ہوئے اس کے بعد ہمیشہ خلاف معمول برکت کے وہ آثار ظاہر ہوتے رہے جو حلیمہ کی حیرت اور مسرت ہر وقت برٹھانے رہتے تھے۔

صبح ہوتے قافلہ نے کوچ کیا اور حلیمہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگائے اپنے لاغر مرکب پر سوا ہوئیں یہی مرکب تھا جو آج سے ڈوون پہلے چابک پر چابک کھانا اور مار مار کر ہٹکایا جاتا تھا اور آج اس کی مبارقاری کا یہ عالم ہے کہ لوگ پیچھے چنچ رہے ہیں کہ حلیمہ ذرا آہستہ چلو آہستہ چلو اور یہ ٹھہرنا نہیں جانتا۔ کو حیرت تھی کہ آج اس گھسٹنے اور مار کھانے والے گدھے کو کیا ہو گیا کہ ہوا سے باتیں کرتا اور برکت کی طرح اڑتا چلا جا رہا ہے قافلہ سے علیحدہ ہونا خطرناک ہونے کے علاوہ انسانی مروت کے بھی خلاف تھا اس لئے ہر چند حلیمہ اور حلیمہ کے شوہر باگ کھینچتے اور سواری کو روکتے تھے لیکن اس وقت تو وہ نبی کا مرکب بنا ہوا کسی دوسری سہار پر جارہا تھا انسان پر مرکب کیسے رک سکتا اور اپنے ہم جنس سوار یوں کے مساوی کیوں کر رہ سکتا تھا غرض حلیمہ اپنے قبیلہ کی تمام بدوی عورتوں سے پہلے اپنی جائے سکونت یعنی اُس پہاڑی درے میں پہنچ گئیں جو سلسلہ طائف سے جنوب کی طرف چلا گیا ہے۔

انہیں دنوں میں وہ قحط بھی رنج ہو گیا جس نے عورتوں کو اپنے پیارے بچوں کے کھانے تک پر مجبور کر دیا تھا حلیمہ کے مال اور مواشی میں وہ برکت ہوئی کہ تمام قبیلہ حیران تھا۔ ہر صاحب مواشی اپنے چرواہے کو تاکید کیا کرتا تھا کہ اسی جنگل میں چراؤ جس میں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ صبح کو بھوکے لگی جنگل کو جاتی



اور شام کو پیٹ بھری دودھ سے لبریز ہو کر واپس آتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشو و نما دوسرے بچوں کی طرح نہ تھا بلکہ جو بالیدگی اطفال کو ایک برس میں ہوتی تھی اس قدر آپ کو ایک دن میں ہوتی تھی، آپ دوسرے مہینے اشارہ کرنے اور تیسرے مہینے گھٹنیوں چلنے لگنے چوتھے مہینے اٹھ کر اپنے پاؤں سے کھڑے ہوئے اور پانچویں مہینے ہاتھ دیوار پر تکی کر ایک دو قدم چل لیتے تھے۔ چھٹا مہینہ تھا کہ آپ میں طاقت خرام آگئی اور ساتویں مہینے تیز رفتاری بھی پیدا ہو گئی۔ آٹھویں مہینے دوڑنے لگے اور نویں مہینے استعداد گفتار پیدا ہو گئی۔ دسویں مہینے فصیح اور دل آویز گفتگو کرنے لگے اور گیارہویں مہینے باتوں کا دانشمندانہ جواب دینے اور تیر و کمان لیکر جنگل میں بچوں کے ساتھ جانے لگے۔ بارہواں مہینہ تھا کہ آپ اپنی عمر سے کئی حصہ بڑے لڑکوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتے تھے اور طبعی جرات و دلیرانہ قوت سے ہوشیار بچوں کو پست کر دیتے تھے۔

جس وقت سے آپ میں طاقت گفتار پیدا ہوئی، کوئی چیز آپ نے بسم اللہ کہے بغیر ہاتھ میں نہ لی، آپ کو کبھی بستر پر بول و براز کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوتے۔ حلیمہ سعدیہ کو ہمیشہ اس بات پر فخر رہا کہ میرے موہن ہمارے منصف مزاج بچے نے کبھی بائیں پستان کا دودھ نہیں پیا کیونکہ پہلے روز آپ کو دائیں پستان سے لگایا گیا اور بائیں جانب کی پستان حلیمہ کے بیٹے مسرود کے لئے رہی تھی چنانچہ جب تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تو ہمیشہ اس تقسیم کا خیال رکھا اور گویا بچپن کے عہد کا نباہ فرمایا۔ دوسرے برس کے اختتام پر آپ کا دودھ چھڑا گیا اور تیسرے سال حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں تاکہ آمنہ خاتون کا دُرِ فریدان کے حوالہ کریں۔

حلیمہ سمجھ چکی تھیں کہ میرے گھر کی تمام خیر و برکت محمدؐ ہی کی وجہ سے ہے اور قبیلہ بنی سعد کا تمام جنگل انہی بچے کے فیضان آباد و فیض یافتہ ہے اس لئے آمنہ خاتون درخواست کی کہ بی بی اگر آپ اس لاڈلے نورِ نظر کو تاحینِ بلوغ میرے ہی پاس رہنے دیں تو میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔

مکہ میں اُن دنوں دبا کا چرچا تھا اور بہترے آدمی بھیج رہے تھے۔ صبح کو تندرست اٹھے اور شام کو رہی دار البقا ہوئے شام کو اچھے بچے سوئے اور صبح ہوئے ہی خبر سنی گئی کہ فلاں شخص مر گیا۔ اس نازک وقت میں آمنہ خاتون نے غنیمت جانا کہ پیالے بچہ کو اس آفت سے محفوظ رہنے کے لئے حلیمہ ہی کے پاس چھوڑ دینا مصالحت و غرض آمنہ خاتون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگالیا اور حلیمہ کے اصرار و نیز و بار کے اندیشہ سے حلیمہ کی درخواست منظور فرما کر اجازت دیدی کہ چند روز اپنے پاس محمدؐ کو اور رکھ لو حلیمہ سعدیہ خوشی خوشی آپ کو لے کر اپنے گھر واپس آئیں اور روز بروز برکت کے اثر زیادہ دیکھ کر آپ کو دل سے پیار اور آپ پر جان تک نثار کرنے لگیں۔



تیس برس آپ نے درخواست کی کہ اماں ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جایا کریں اور گو حلیمہ سعدیہ کو یہ مفارقت گوارا نہ تھی لیکن آپ کی دل شکنی کے اندیشہ سے انکار بھی نہ کیا اور صبح کو اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل روانہ ہوئے وہاں فرشتوں نے آپ کو زمین پر لٹا کر جبریل امین نے سینہ مبارک چاک کیا اور آپ کا دل نکال کر صاف کیا وہ سیاہ خون جو نبی آدم میں زمانہ آدم علیہ السلام سے پشت در پشت چلا آتا ہے اور درحقیقت گناہ کی وہی اصل و بنیاد ہے نکال پھینکا۔ پھر آپ کے دل عرش منزل کو معرفت و نبوت کا نور بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا اور سینہ برابر کر دیا اور ٹانگے لگا دیئے۔ سیون کی سیاہ دھاری آپ کی چہرہ گردن سے ناف تک مدت العمر باقی رہی۔ یہ کیفیت دیکھ کر حلیمہ کا لڑکا مسرور دلرزا کا پتا اور دڑتا پتا ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اماں! جلد دڑو دیکھو ہمارے قریشی بھائی کو انسان میدان میں ڈو سپید پوش آدمیوں نے پکڑ لیا اور جنگل میں لٹا کر پیٹ بھاڑ ڈالا۔

یہ وحشت اثر خبر سن کر حلیمہ اپنے شوہر حارث کو ہمراہ لے کر روتی ہوئی اُس جانب روانہ ہوئیں حلیمہ کا رنج و پریشانی کے مارے بڑا عالم تھا۔ پیر رکھتی کہیں تھیں اور پڑتا کہیں تھا۔ چہرہ پر ہوا تیاں اڑ رہی تھیں رنگ فق تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ہائے افسوس میں لٹ گئی۔ لوگو! میری چار برس کی کمائی برباد ہو گئی اور میں مگر جانے کے قابل بھی نہ رہی، اب آمنہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔

حلیمہ پریشان و سراپیمہ جنگل میں پہنچیں اور دیکھا کہ ایک ہرے بھرے درخت کے نیچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میچ و سالم بیٹھے ہیں۔ حلیمہ نے دڑ کر آپ کو چھاتی سے لگایا اور نورانی رخساروں پر بوسے لے کر اپنی بے قراری بیان کی۔ آپ نے تمام قصہ من و عن بیان فرما کر سب کی تسلی کی۔ اور فرمایا کہ نہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں گو اُس وقت حلیمہ کے بے چین دل کو تسکین ہو گئی لیکن یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس خطرناک حالت میں آمنہ کے نہ ہال کو اپنے پاس رکھنا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنتا ہے۔ حلیمہ کے شوہر حارث نے بھی اپنی بی بی سے کہا کہ تم جاؤ اور عبد المطلب کی امانت عبد المطلب کے حوالہ کر آؤ کیونکہ کسی آسیب کے خلل اور بھوت یا پری کے سایہ سے پہلے پہلے آمنہ کا لاڈ لایچہ آمنہ کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔

آپ کی عمر کچھ کم چار برس کی تھی کہ حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں اور آمنہ کو شوق الصدر کا خوفناک حبرا سنا کر درخواست کی کہ محمد کو لیجئے اور محمد کو واپس ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ آمنہ مسکرائیں اور یہ کہہ کر چپ ہو رہیں کہ اس ذی شان ہونہار تجھ پر آسیب یا جتوں کا اثر نہیں ہو سکتا۔

آپ کے دادا عبد المطلب نے حلیمہ سعدیہ کو ایک ہزار اونٹنی اور چار پس رطل سونا حق خدمت گزار میں بطور انعام دے کر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ اور آپ اپنی ماں بی بی آمنہ کے پاس



اتم امین کی پرواخت میں ہے جو درحقیقت خواجہ عبداللہ کی نوٹدی تھیں اور آپ کو ترکہ پوری میں ملی تھیں +

## باب دوازدہم

### آمنہ و عبد المطلب کا انتقال اور آپ کا شام کی جانب پہلا سفر

آپ کو چٹا سال تھا کہ آمنہ خاتون نے اپنے خسر عبد المطلب چند روز کے لئے اپنے میکہ قبیلہ بنی نجار میں جانے کی اجازت لی اور اُمّ امین کو مع محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کر مدینہ پہنچیں۔ ممکن ہے کہ بی بی آمنہ کا یہ سفر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دادھیال قبیلہ بنی عدی بن نجار کی جانب ہو کیونکہ عبد المطلب ابن ہاشم کی والدہ سلمیٰ بنت عمر اسی قبیلہ کی تھیں اور ان کے سارے رشتہ دار عبد المطلب کی نصیال اور اور ان کی اولاد کی دادھیال تھے۔ واللہ اعلم عبد المطلب کو کیا معلوم تھا کہ ہوگا یہ سفر سفر آخرت کی تمہید ہے کیونکہ آمنہ خاتون مدینہ میں ایک ماہ ٹھہر کر مکہ واپس ہوئی تھیں کہ راستہ میں موضع دوان کے قریب ابو ارمقام میں راہی ملک بقا ہو کر وہیں مدفون ہوئیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی دایہ اُمّ امین لے کر مکہ پہنچیں۔

آپ کو والدین کے کنارہ عاطفت میں جو بچپن کے لئے ایک بڑی نعمت و تربیت پانے کا اتفاق نہ ہوا کیونکہ چھٹے سال کے ختم ہونے سے پہلے آپ بے مال کے بھی ہو گئے اور آپ کو اُمّ امین نے عبد المطلب کے پاس مکہ پہنچا دیا۔ عبد المطلب کا زخمی دل اس عالمِ ضعیفی میں چند سال ہوئے ساری اولاد سے پیالے بیٹے عبد اللہ کا سدہ اٹھایا چکا تھا اور اس اتفاقہ لائق ہو کے انتقال نے رہا سہا اور کمر کو شکستہ کر دیا۔ عبد المطلب آٹھ آٹھ آنسو روئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا کر بیٹے کا جان نشین سمجھا اور درحقیقت محبت و حفاظت میں کوئی دقیقہ باقی بھی نہیں چھوڑا لیکن مشیت ایزدی کچھ اسی طرح واقع ہوئی تھی کہ خواجہ عبد المطلب پرانہ حیات بھی لبریز ہوتا جاتا تھا۔

عبد المطلب مکہ کے حاکم تھے اور ان کے لئے حرم شریف میں کعبہ کے نیچے فرش بچھا یا جاتا اور اُس ممتاز جگہ پر جس وقت اگر بیٹھتے تو ان کی ساری اولاد اُس کے کنارے ارد گرد آ بیٹھا کرتی تھی ہر والا مکہ یا اولاد عبد المطلب میں کسی کی ہمت نہ تھی کہ فرش پر آکر بیٹھتا یا قدم رکھتا البتہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بزمانہ طفولیت تشریف لاتے تو بے تکلف اُس فرش پر جا بیٹھتے تھے ہر چند کہ آپ کے چچا تائے آپ کو وہاں سے ہٹاتے اور پیچھے بٹھانا چاہتے تھے مگر عبد المطلب آپ کی اس جرات کو نہ نگاہِ شفقت دیکھتے اور اپنے بچوں سے کہتے کہ رہنے دو رہنے دو تمہیں کیا خبر کہ یہ بچہ کس مرتبہ کا ہے یہ کہہ کر آپ کی کمرھوکتے



سر پر محبت سے ہاتھ پھرتے اور اپنے پاس بٹھالیا کرتے تھے۔

ساتویں سال آپ کی آنکھیں جوش کرائیں اور عبد المطلب دوائی علاج سے افاقہ نہ دیکھ کر آپ کو ایک راہب کے پاس لائے جو اپنے گرجا میں دروازہ بند کئے بیٹھا تھا۔ عبد المطلب نے دستک دے کر اُس کو پکارا۔ لیکن راہب نے جو خلوت میں بیٹھا اپنی مذہبی عبادت میں مشغول تھا جواب تک نہ دیا۔ چند ہی منٹ گزرے تھے کہ کلیسہ کو سخت زلزلہ آیا اور راہب گھبرا کر بدحواسی کے عالم میں کھول کر دروازہ کھول باہر آکھڑا ہوا۔ عبد المطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے کیا اور آنکھوں کا علاج چاہا۔ راہب سمجھ چکا تھا کہ کلیسہ کا لرز اٹھنا میرے ایک آدمی رتبہ حاجتمند شخص کے بلانے پر بھی باہر نہ آنے کی وجہ سے تھا اس لئے فوراً ہی راہب نے غسل کیا اور اندر سے ایک پاک صحیفہ نکالا اس کو کھول کر پڑھنا شروع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدیم پیشین گوئیاں آپ کے چہرے مطابقت کر کے عبد المطلب کہنے لگا کہ اے عبد المطلب یہ لڑکا پیغمبر آخر الزماں ہونے والا ہے، اگر میں گرجا سے ذرا دیر اور نہ نکلتا تو یقیناً کلیسہ چھ پر گرجا ہوتا، میں اللہ کے رسول کا کیا علاج کر سکتا ہوں، جاؤ اور انھیں کالعب میں ان کی آنکھوں کو لگا دو اور ہمیشہ اس ہونہار کی خبر گیری کو سبب عزت سمجھو۔ عبد المطلب آئے اور لعب دہن مبارک لے کھتی آنکھوں کو لگا یا چنانچہ شفا ہو گئی اور پھر آپ کو آنکھیں دیکھنے کی تکلیف نہ ہوئی۔

آمنہ خاتون سے دو سال دو ماہ اور دس یوم بعد جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی عبد المطلب ایک سو بیس برس کی عمر میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دست بھری شفقت بھری نظر سے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر گئے اور اسی وقت اپنی اولاد کو بلا بھیجا کہ آپ کو ان پریش کریں اور جس کی تربیت میں آپ بخوشی رہنا چاہیں اپنی زندگی میں اس کے حوالہ کر کے خیر خواہی و خبر گیری کی وصیت کر دیں۔ چنانچہ بوجہ بات چند در چند ابوطالب اس خدمت کے اہل سمجھے گئے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو انتخاب فرمایا اور چونکہ ابوطالب آپ کے والد عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے کیونکہ دونوں کی ماں فاطمہ بنت عمر ایک ہی تھیں اس لئے عبد المطلب کو بھی دیریمیم کی کفالت کے لئے یہی بھلے معلوم ہوئے اور عبد المطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے حوالہ کر کے اس طرح وصیت کرنی شروع کی کہ، "اے ابوطالب! یہ دیریمیم نہیں جانتا کہ باپ کی آغوش کا کیا لطف اور ماں کی تربیت کا کیا مزہ ہوتا ہے۔ اس کو ہر دنیا کی خدمت و حقیقت خوش نصیبی ہے۔ افسوس میں اس دولت غنمی سے زیادہ مدت بہرہ یاب نہ ہو سکا۔ تجھ کو مناسب ہے کہ اس کو اپنی اولاد سے زیادہ سمجھ کر اس بڑاؤ کے کام لے جس کے باعث یہ مجھ کو بھی بھول جائے۔"



عبدالملک نے یہ کہہ کر آہ سرد کھینچی اور محبت کی آخری نگاہوں سے ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر نظر نیچی کر لی اور اس کا جواب بھی نہ سنا تھا کہ ناک کا بانسا پھر گیا، آنکھیں پتھر اگئیں، جلد جلد سانس آنے لگا گو یا وہ حالت طاری ہو گئی جو آخرت کا دشوار گزار راستہ طے کرنے والے پر نمایاں ہوتی ہے اسی سال ایران کا مشہور بادشاہ نو شیروان عادل مر گیا اور اسی برس شہرہ آفاق کریم و سخی حاتم طائی نے قضا کی، گو یا دونوں نام آور شخص عبدالملک سردارِ مکہ کے شریک سفر ہوئے۔

درحقیقت ابوطالب نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا حق ادا کر دیا اور باپ کی آخری وصیت ہر وقت نظر کے سامنے رکھی۔ آپ کو ہمیشہ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے اپنے پاس سلاتے ہر جگہ اپنے ہمراہ لے جاتے اور ہر وقت میٹھی باتوں سے آپ کا دل بہلاتے رہتے تھے۔

— ابوطالب علاوہ اس بزرگی جو خانہ کعبہ کی تولیت کے سبب ان کو حاصل تھی، قریش کے بڑے تاجر اور خصوصاً اس قافلہ کے معاون تھے جو ملک شام سے یمن کی طرف جاتا اور آپ کے جدِ امجد ہاشم کا جاری کیا ہوا تھا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک نو برس کا تھا کہ ابوطالب نے ملک شام کے سفر کا قصد کیا اور مصائب سفر کے خیال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لڑکوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑ جانا چاہا جب ابوطالب اونٹ پر سوار ہونے لگے تو حضرت ان کے زانو سے لپٹ کر رونے لگے اور کہا کہ چچا مجھے یہاں کس پر چھوڑے جاتے ہو؟ یسکر ابوطالب کا دل پھرایا اور آپ کو اس سفر تجارت میں اپنے ساتھ لے لیا اور دونوں چچا بھتیجیوں نے ملک شام کی طرف باگ اٹھا دی۔

سرحدِ شام پر شہر بصری کے قریب قافلہ ٹھہرا اور اس جگہ بحیرہ راہب کے ملاقات ہوئی جو ابوطالب کا دوست اور اپنے مذہب نصرانیت کا بڑا زبردست عالم تھا۔

بحیرہ اگر جہاں بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ آپ پر ابرسایہ کئے ہوئے ہے اور درختوں کی ٹہنیاں آپ پر جھکی پڑتی ہیں۔ اس قبل یہ خلوت گزیں راہب کسی آئندہ دروندہ مسافر سے بات بھی نہ کرتا تھا مگر اب کی بار بحیرہ نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کہلا بھیجا کہ اے جماعت قریش مناسب ہے کہ بچے اور بوڑھے حُر اور غلام تم سب ہی آؤ اور میری دعوت میں شریک ہوؤ۔ چنانچہ سب گئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچہ ہونے کے سبب قافلہ میں درخت کے نیچے بٹھا گئے۔ جس وقت بحیرہ نے دیکھا کہ قریش آگئے مگر وہ نور و برکت نہیں ہے جس کی توقع میں دعوت ہوئی تھی تو دریافت کیا کہ کس کو چھوڑ آئے ہو چنانچہ حضرت بلائے گئے اور آپ کو بحیرہ نے نہایت شوق و عظمت کے ساتھ اپنی گود میں بٹھالیا آپ کی نشیمن پر چہرِ نبوت دیکھی اور ابوطالب سے آپ کا نام اور بچپن کے کل حالات بھی دریافت کئے۔ غرض



انجیل شریف کی بشارتوں کے بالکل موافق پاکر آپ کے نبی آخر الزمان ہونے سے ابوطالب کو مطلع کیا اور بڑے زور سے نصیحت کی کہ خبردار ابوطالب ان کو ملک شام میں نہ لے جاتا، یہودی دیکھ پائیں گے تو بُری طرح پیش آئیں گے اور آئندہ ہر جگہ اور ہر وقت اس لڑکے کی حفاظت کرتے رہنا کیونکہ یہ اپنے ملک آزاد کرنے والا اور اپنے زمانہ میں نبی ہوگا۔ چنانچہ ابوطالب نے اپنا سفر جلد ختم کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بعثت مکہ واپس ہوئے۔ غرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی تربیت میں پرورش پاتے اور چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب کے ساتھ دل بہلاتے رہے۔

## باب سیزدہم

### امین کا خطاب اور ملک شام کا دوسرا سفر

نخلہ اور طائف کے مابین شہر فتن کی طرف بڑے میدان میں ایک بازار لگتا اور میلہ ہوتا تھا اس مشہور بازار کا نام سوق عکاظ تھا اس میں دور و نزدیک کے قبیلے جمع ہوتے اور خرید و فروخت کرتے اور اپنے آباؤ اجداد کی فضیلت کے فخر پر اشعار باوازا بلند پڑھ پڑھ کر ایک دوسرے پر تفاخر ظاہر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اسی قسم کی جہالت آمیز باتوں میں اکثر کٹ مارتے تھے۔ برسوں لڑائیاں چھنتی اور ہزاروں خون ہو جایا کرتے تھے۔ اسی قسم کی لڑائی کتناہ و قریش اور بنی ہوازن کے درمیان چھڑ گئی اور کامل نو برس تک بھٹی رہی ان لڑائیوں میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سین چوڑا ہندو شاہ برس کا تھا مگر اپنے چچا کے ساتھ ملکر شریک ہوئے اور اپنے لوگوں پر ثابت کر دکھایا کہ محافظین کعبہ کے خاندان میں آپ بھی ایک نبرد آزما اور دلیر شخص ہیں کیونکہ آپ اپنے چچا زبیر کو تیروں کے دینے اور وقت پر ڈھال و تلوار حوالے کرنے میں بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی جوانمردی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس جنگ کا نام عرب میں حرب الفجاء کے نام سے مشہور ہے۔

گو آپ نے اس زمانہ سے پچیس برس کی عمر تک کوئی ایسا مشہور رفاہ عام کا کام نہیں کیا جس کو تخصیص کے ساتھ بیان کیا جائے تاہم آپ کی رحمدلی، اخلاق، وفاداری، سچائی، دیانتداری، نیک چلنی، غربانوازی، قومی ہمدردی اور انصاف پسندی نے آپ کو ہر دلعزیز بنایا اور قوم سے ”امین“ کا خطاب دلایا۔

عبدالطلب کا تمام خاندان متمول اور شریف تھے سمجھا جاتا تھا لیکن عزت و آبرو کے مصارف



اور آہنی سے زیادہ امیرانہ خرچ نے اس خاندان کی حالت عرصہ ہوا کمزور کر دی تھی اور خصوصاً ابوطالب کثرت عیال کے سبب اور بھی زیادہ فکر معاش میں پریشان و منہمک رہتے تھے۔

ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہنے لگے کہ بھتیجے اگر تم بھی خدیجہ سے مال تجارت لے کر ملک شام کی طرف جاؤ اور میرے بار فکر کو ہلکا کرو تو بہتر ہے کیونکہ میرا حال اس وقت یکساں انا صد بیمار کا مصداق ہے اور میری نظر تمھاری ہی جانب جاتی ہے کیونکہ تم سچائی و صفائی معاملات میں مشہور اور برکت و خوارق عادات کے منظر ہو اور ایسی حالت میں خدیجہ کا تم کو مال و دنیا کوئی مشکل بات نہیں ہے، اور امید ہے کہ تمھارے معاملہ میں برکت بھی ہوگی۔

خدیجہ مکہ میں قوم قریش کی ایک مالدار بیوہ عورت نہایت حسینہ اور عاقلہ تھیں، ان کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان کے آخری شوہر بھی جو بڑے متمول مشہور تاجر تھے انتقال کر چکے تھے اس لئے ان کو اپنی تجارت کی ترقی کے لئے تنخواہ اور حصہ منافع کی صورت پر مال تجارت دینے کو دیانت دار اور امین آدمیوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔

خدیجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و تدبیر کے حالات خود بھی سن چکی تھیں اور اپنے بھتیجے فطیم کی زبانی آپ کے ذاتی اوصاف حمیدہ پورے طور پر ان کے ذہن نشین ہو گئے تھے اس لئے وہ بطور خود آپ کی خواہشمند تھیں اور اتفاقاً جب کہ ابوطالب کا یہ خیال بھی خدیجہ نے سن پایا تو اپنی طرف سے خدیجہ کو درخواست کرنے میں بھی کچھ تاثر نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ اگر محمد اس کام میں مشغول ہوں گے تو میں ان کو دوسروں کی نسبت المضائق و آفات دور کی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے خاص غلام میسرہ اور ایک عزیز خرمیہ بن حکیم کی ہمراہی میں مال تجارت لے کر خدیجہ کی طرف سے ملک شام روانہ ہوئے اور اس مرتبہ بصرہ کے قریب بحیرا کے قائم مقام نسٹورا رہا جس کے ملاقات ہوئی اور نسٹورا نے آپ کا جمال باکمال دیکھ کر جسم کی دیکھ بھال شروع کی اور آخر پکار اٹھا کہ ہونہ ہو یہی نبی آخر الزماں ہیں۔ دیکھو یہ درخت جس کے نیچے محمد بیٹھے ہیں وہ مبارک درخت ہے جس کے نیچے نبی کے سوائے کوئی دوسرا آدمی کبھی نہیں بیٹھا۔

غرض آپ مال تجارت میں دو چند نفع پیدا کر کے واپسی میں دوپہر کے وقت مکہ کے اندر داخل ہوئے چنانچہ خدیجہ نے جو اپنے بالا خانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں دُور سے آپ کی جہاں آرا صورت دیکھی اس وقت آپ کے سر پر نورانی غیبی پرند ٹکڑی باندھے سایہ کئے ہوئے تھے اس کے بعد خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ سے حالات سفر اور آپ کی عجیب کرامتیں اور نسٹورا کا قول بھی سنا تو آپ کے



ساتھ نکاح کرنے کا خیال دل میں پیدا ہو گیا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مال رب المال کے حوالے کیا اور اپنا حق جو معاملہ مقررہ میں آپ کو خدیجہ کی طرف سے دیا گیا، لے کر اپنے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور اپنی کمائی ان کے سامنے رکھ دی۔

یہ پہلا اتفاق تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے ذریعہ سے حلال مال طلب فرمایا اور اپنے مربی و محسن چچا کو اپنا بڑا سمجھ کر اس سعادت مندی کا ثبوت دیا جو ہر شریف النسل کو زیبا ہے \*

## باب چہارم خدیجہ الکبریٰ سے نکاح !

خدیجہ نے اپنے خاوند ابوبالہ کے انتقال پر ایک شب خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور وہ روشن مانتاب میرے گھر میں اتر آیا اس کا نور تمام گھر میں پھیل گیا اور مگر کا کوئی گھر ایسا باقی نہ رہا جس میں اس کے عالمتاب نور کی روشنی نہ گئی ہو جب آنکھ کھلی تو خواب کی تعبیر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے پوچھی جو توریت کے زبردست عالم تھے۔ ورقہ نے کہا کہ تم نبی آخر الزماں کے نکاح میں آنے والی ہو اس لئے باوجودیکہ اکثر متمولان قریش اور سرداران عرب خدیجہ کے ساتھ صلح کرنے کے خواہشمند تھے لیکن خدیجہ کوئی رشتہ منظور نہیں کرتی تھیں۔

بی بی خدیجہ جس طرح مال کے اعتبار سے اپنی قوم میں افضل تھیں اسی طرح شرافت نسب کے لحاظ سے بھی ممتاز و اشرف تھیں کیونکہ آپ کا نسب باپ کی طرف سے بایں صورت کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ نوین پشت پر اور ماں کی طرف سے بایں وجہ کہ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زید بن اسم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیض بن عامر بن لوی دسویں پشت پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی دسویں پشت کے ساتھ لوی بن غالب بن فہر پر جا ملا ہے۔ بی بی خدیجہ کی مائی کا نام بالہ بنت عبد مناف بن حرث بن عمر بن شقد بن عمر بن معیض بن عامر بن لوی ہے اور بالہ بنت عبد مناف کی والدہ کا نام قلابہ بنت سعید بن سعد بن شہم بن عمر بن معیض ابن کعب بن لوی ہے۔

میسرہ کی زبانی سفر شام کے حالات سن کر خدیجہ کے دل میں خیال گذرا کہ معلوم ہوتا ہے میری خواہش کی سچائی کے واقع ہونے کا وقت آگیا اور کیا عجب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نبوت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے، مجھے اپنی زوجیت میں قبول کر لیں اس لئے تاخیر کو خلاف مصلحت سمجھ کر خود ہی اپنے نکاح کا پیام دیا اور ایک عورت نفیہ نام کی معرفت ابوطالب کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد تجھ سے نکاح کرنا چاہیں



تو میں راضی ہوں کہ اپنے نفس کو ان کی زوجیت میں دوں اور اس شرف و فضل کو اپنی عزت سمجھوں۔

ابوطالب کو خود بھی خیال تھا کہ آپ کا کسی شریف زادی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے اس لئے اس موقع کو غیبی نصرت سمجھ کر فوراً راضی ہو گئے اور حمزہ بن عبد المطلب آپ کو لے کر خدیجہ کے والد خویلد بن اسد کے پاس آئے تاکہ باقاعدہ ادھر سے پیام دیا جائے۔ چنانچہ منگنی ان کے باپ کی مرضی سے اور بروایت باپ کے انتقال ہو جانے کے سبب بی بی خدیجہ کے چچا عمر بن اسد کی تولیت چار سو درہم ہر پر حضرت خدیجہ کو پیچہ آخر الزمان کے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ اس تقریب کا رخ ہونے کے بعد ابوطالب نے ایک اونٹ کا ولیمہ کیا اور تمام سرداران مکہ اور اشراف قریش کی دعوت کی۔

خدیجہ الکبریٰ کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی لیکن تناسب اخیار اور قدرتی حسن کے سبب جوان معلوم ہوتی تھیں۔ انھیں کے عفت مآب بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں رقیہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور چار صاحبزادے محمد اللہ طیب طاہر اور قاسم تولد ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادے ابراہیم ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے جو شاہ اسکندریہ مقوقس نے آپ کو بدیہ بھیجی تھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ طیب اور طاہر قاسم ہی کا لقب ہے جن کے نام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کو بی بی خدیجہ سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور جب تک بی بی خدیجہ زندہ رہیں آپ نے نکاح ثانی کا خیال بھی نہیں کیا۔ اس عقد سے آپ کی عزت ہم وطنوں میں اور زیادہ ہو گئی اور آپ نے نسواری کی تمام ریاست کو نہایت معقول انتظام اور طبعی لیاقت کے ساتھ تمام لیا۔

اس کے بعد آپ حوائج ضروری سے آزاد ہونے کے سبب ہمہ تن روحانی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ کی مرضہ حلیمہ سعدیہ نے بھی آکر اپنی غربت کا حال بیان کیا اور حضرت خدیجہ نے ان کی چالیس بکریوں سے مدد کی \*

## باب پانزدہم

### حلف الفضول اور کعبہ کی تعمیر

عبد المطلب کے بعد مکہ کی حکومت چونکہ کم و بیش تقسیم ہو گئی تھی اس لئے کوئی عدالت یا محکمہ ایسا نہ رہا جس عام باشندوں کے مال اور حقوق کی حفاظت رہتی۔ حرم مکہ میں وہ بے ضابطگی اور بدعنوانی



پھیل گئی جس نے دن دھاڑے بڑا ایسی حرکتیں سرزد کرانی شروع کر دیں جن کو منکر مردہ انسان جس کے دل میں تھوڑی سی بھی انسانیت ہو کانپ اُٹھے۔

یظلم کا عالم دیکھ کر مگر کے بڑے خاندانوں یعنی بنو ہاشم بنو مطلب۔ اسد بن عبد العزیٰ زہرہ ابن کلاب اور نسیم و مرہ میں ”حلف الفضول“ کے اس معاہدہ کی تجدید و توثیق کا خیال پیدا ہوا جو فضیل بن حارث ابن وداعہ قطوری نے قائم کیا تھا یعنی یہ کہ کمزور اور مظلوم بندگان خدا کی سرپرستی اور اعانت کی جائے اور جس پر بھی حرم میں زیادتی دیکھی یا سنی جائے اُس کی دستگیری اپنا فرض سمجھا جائے چنانچہ یہ لوگ عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور باہم قسام بندی کر کے یہ معاہدہ مکمل کیا اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف شریک ہی نہیں ہوئے بلکہ اس معاہدہ کا استحکام و حقیقت آپ ہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی کہ اہل مکہ میں خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ موجودہ خانہ کعبہ بنابر ابراہیم پر غیر مسقف قائم تھا اور اُس کی دیواریں چھوٹی تھیں بارش کا پانی اندر آ جاتا تھا اور اس مقدس مکان میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کعبہ میں نذر و نیاز کی بیش قیمت اشیاء کا کچھ حصہ خاندان بنی ملیح بن عمر کے غلام دویک نامی شخص کے پاس پایا گیا جس سے پتہ چلا کہ خزانہ بیت اللہ میں چوری ہوئی اور یہ غلام یا چوری میں شریک تھا اور یا چوروں نے اُس کے پاس مال امانت رکھ دیا۔ بہر حال اس کی حفاظت بھی آئندہ کے لئے ضروری سمجھتے تھے اس لئے کم و بیش ہر شخص تعین بیت اللہ کا خواہاں اور خواہشمند تھا۔

انہیں دنوں جدے کے کنارے کسی بڑے تجارتی جہاز کے ٹوٹ کر تباہ ہو جانے کے سبب لکڑی اور لوہے کا سامان مفت ہاتھ لگ گیا تھا اس لئے اس خیال میں خشکی پیدا ہو گئی۔ لیکن اس کنوئیں میں جس کے اندر خانہ کعبہ کی نیاز اور نذرین قبولیت کی اُمید پر ڈال دی جاتی تھیں، ایک زہر ملا خونخوار اژدہا رہتا تھا جس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کو کنوئیں سے نکل کر کعبہ کی دیوار پر آ بیٹھتا اور جو کوئی اس کے پاس جاتا وہ بچپن اُٹھاتا اور مُنہ پھاڑ کر اس پر حملہ آور ہوتا تھا اس لئے یہی ہمتیں اُست ہو گئیں اور کسی نے خانہ کعبہ کے پاس جانے کا نام نہ لیا۔

ابتدائی شان ایک روز صبح کے وقت وہ اژدہا حسب معمول دیوار پر بیٹھا اپنی خوفناک نظروں سے اہل مکہ کو خوف زدہ بنا رہا تھا کہ دفعۃً ایک پرند آسمان سے اُترا اور اژدہے کو اپنے سخت پنجوں میں داب کر اڑا لے گیا۔ اس وقت مگر کے ہر فرد بشر کا خوف زدہ دل مطمئن ہوا اور جگہ جگہ تذکرے ہونے



لگے کہ رت البیت کو اپنے گھر کا دوبارہ تعمیر کرانا چونکہ منظور ہو اس لئے اس بلاتے بے درمان سے قدرتی طور پر ہم کو نجات ملی تاہم یہ کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ محترم گھر کی دیوار پر کھڑا ہوا اور اس پر بچاؤ اچلائے۔ ایک بار ابو وہب بن عمر نامی ایک شخص جرات کر کے آگے بڑھے اور بیت اللہ کا ایک پتھر اکھاڑ کر زمین پر ڈالنا چاہا بھی مگر کامیابی نہ ہوئی کیونکہ پتھر ابو وہب کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ اپنی جگہ جا چسپاں ہوا کہ گویا کسی نے پھین کر اس کو اس کی جگہ پہنچا دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر رہی سہی ہمت سب کی جاتی رہی اور یہ خیال ذہن میں جم گیا کہ حق تعالیٰ کا گھر تعمیر کرنا ہر شخص کا کام نہیں چند روز اسی حالت پر گزر گئے کہ کبھی تعمیر بیت اللہ کی ہمت باندھتے اور کبھی مایوس ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے جو ایک دل چلا بہادر جوان تھا اس کا بیڑہ اٹھایا اور بچاؤ ڈالے کر یہ کہتا ہوا کعبہ کی دیوار پر جا چڑھا کہ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہماری نیت مجز بھلائی کے اور کچھ نہیں اور ہم تامل مکان تیرے گھر کا ادب پورا ملحوظ رکھ کر اس خدمت کو انجام دیں گے۔ یہ کہہ کر ولید نے سب سے پہلے رکن یمانی کے متصل بچاؤ اچلایا اور خانہ کعبہ کو شہید کرنا شروع کر دیا۔

رات بھر باشندگان مکہ اس کے منظر سے کہ دیکھ کر ولید پر کوئی آسمانی آفت نازل ہوتی ہے یا نہیں اور صبح ہوتے جب دیکھا کہ ولید بچاؤ ڈالے ہوئے ہنستا اور خوش ہوتا کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب بل کر بنیادوں تک خانہ کعبہ کو شہید کر دیا۔

یہ بات پہلے طے ہو چکی تھی کہ ٹوٹ کھسٹ یا کسی کا ناجائز پیسہ کعبہ کی تعمیر میں ہرگز نہ لگایا جائے اور صاف ستھری کمائی سے اس کی تعمیر ختم ہو غرض بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی اور جب وقت آیا کہ حجر اسود اپنی جگہ رکھا جائے تو قبائل مکہ میں چھوٹ پڑ گئی کیونکہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں اپنے مقام تک پہنچے۔

عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہیں کہ ان میں جھگڑا پڑے پیچھے بات کا سلجھنا کوئی آسان بات نہ تھی اس لئے خانہ کعبہ کی تعمیر تو یہیں رک گئی اور اب ہر قبیلہ کو لڑکر اپنی جان کا دے دینا آسان نظر آنے لگا۔ بنو ہمدی و بنو عبد الدار نے خون کے بھرے پیالہ میں ہاتھ ڈبوئے اور گویا عملی طور پر قسم کھائی کہ خون پیادیں گے مگر حجر اسود کو دوسروں کے ہاتھوں رکھتے ہوئے نہ دیکھ سکیں گے۔

اللہ پاک چونکہ اپنے پیارے پیغمبر کے ہاتھوں اس بڑے جھگڑے کا طے کرنا منظور تھا جو اس تعمیر میں شریک اور پتھر اٹھا اٹھا کر لانے میں قریش کا معاون بنا ہوا تھا اس لئے پانچ دن بعد مسجد حرام میں کمیٹی ہوئی اور باہمی مشورہ سے منصفانہ فیصلے ہوئے لگے بہتری رڈ و بدل کے بعد آخر



چند ٹوڑے سرداروں اور قوم کے سربراہ اور وہ تجربہ کاروں نے مشورہ دیا کہ اچھا صبح ہوتے سب سے پہلے جو شخص حرم شریف کے اس دروازہ سے ہو کر گذرے اُس کو منصف قرار دے لو جس کو وہ شخص کہے وہی حجرِ اسود اس کی جگہ رکھ دے۔ چنانچہ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور اگلے دن پرانی اپنی تقدیر کا آخری فیصلہ محول کر کے سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

صبح کو اس جانب سے پہلے گزرنے والے شخص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو پہن ہی سے اپنی بچائی کا سگہ جما اور قوم میں ہمدردی و عزت کی شہرت حاصل کر چکے تھے اس لئے سب نے آپ کا حکم نہایت غلط پسند کیا اور آپ سے درخواست کی کہ حجرِ اسود کو اس مقام تک پہنچانے کی جو مناسب تدبیر آپ چاہیں وہ عمل میں لا دیں۔ چنانچہ آپ نے سر پہ بن کر اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک بڑی چادر میں حجرِ اسود رکھ لیا جائے اور ہر قبیلہ کا صاحبِ عزت سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ تمام قبائل مکہ کے ہاتھوں یہ پتھر اپنی جگہ پہنچے۔

اس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے مدائے آفرین بلند ہوئی اور قبائل کے سرداروں نے اس طرح حجرِ اسود کو اُس کی جگہ پہنچایا۔ اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور بہ نفس نفیس خود اس پتھر کو چادر سے باہر نکال کر اُس جگہ رکھ دیا جس جگہ وہ پہلے رکھا ہوا تھا۔ غرض بیت اللہ کی تعمیر قریش کے ہاتھوں پوری ہو گئی لیکن سامان کم ہو جانے کے سبب حطیم کاٹھوا سا حقہ چھوڑنا پڑا جو موجودہ تعمیر بیت اللہ میں اب بھی چھوٹا ہوا ہے اور طواف کرتے وقت اس حصہ کو اندر لے لیا جاتا ہے۔

## باب شانزدہم

آپ کی خوش تدبیری احسان کی مکافات صبر و تحمل اور رحم دلی

اس سے فراغت کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا کام اور بھی کیا جس کا احسان درحقیقت عرب کے بچے بچے پر ہے وہ یہ کہ حویرث کا بیٹا عثمان ایک عرب تھا جس نے قسطنطنیہ میں عیسائی دین قبول کر لیا اور تجاز میں آکر اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ مکہ کی حکومت کو رومیوں کے ہاتھ میں دیدے اور اس مقدس خطہ پر نصرانیوں کا خاطر خواہ قبضہ ہو جائے لیکن اس کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ہوشیاری اور تدبیر و دور بینی کے سبب اس کی ساری دغا بازی و شرارت ظاہر ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عرب نے اپنی ملکی حفاظت کا



پورا انتظام کر لیا اور اپنی عزت و حکومت کے ساتھ ملک و مذہب کو بھی بچا لیا اس کے بھید کا کھل جانے غنیمت ہوا۔ ورنہ اہل عرب کا عیسائیوں کے ہاتھ قتل ہونا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے ملک کی خدمت کی اور اس کی بھی کوشش کی کہ اپنے چچا ابوطالب کے احسانات کا معاوضہ ادا کر چنانچہ ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا جس سے لوگ بلبلا اٹھے اور ابوطالب نہایت مغموم اور پریشان ہوئے کیونکہ ابوطالب کا کنبہ زیادہ تھا اور ان کی وسعت و مقدرت لڑکوں کی تربیت کے لئے کافی نہ تھی۔ البتہ حضرت عباس ابوطالب کے بھائی خوش حال تھے اپنے محسن و مہربان چچا کی پریشان حالی دیکھ کر آپ کا دل بھرا آیا اور آپ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ابوطالب کے ایک بیٹے کو آپ متبنی بنا لیجئے اور ایک کی تربیت میں اپنے ذمہ لئے لیتا ہوں چنانچہ عباس نے جعفر رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ لائے عقیل اپنے باپ کے ساتھ رہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کل لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے صرف حضرت علی کی محبت سے آپ کے محزون دل کو تسلی رہتی تھی۔ یہ بات یقینی ہے کہ آپ نے اپنی قوم پر ہمیشہ جان نثار کی، لیکن افسوس آپ کی قوم کے اکثر افراد نے آپ کے احسان نہ مانے بلکہ بدلہ دیا تو یہ کہ آپ کے معصوم بچوں کے مرنے پر آپ کو آہر کہا جس کے معنی دم پریدہ یعنی بے اولاد اور مقطوع النسل کے ہیں۔

اول تو اس متواتر اولاد کے انتقال اور دوسرے قریشیوں کے ان نازیبا، دل افروزہ کرنے والے کلمات سے آپ کے دل پر رنج کا ہڑاڑ پڑا مگر پھر بھی آپ کے متحمل قلب نے اپنے کنبہ قبیلہ اور قوم کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی، ہمت کے ساتھ عدالت برداشت کرتے اور قریش کی سنگدلی و سخت زبانی کا تحمل فرما کر سچے معبود کی تلاش اور سیدھی راہ ہدایت کی جستجو میں بدستور سعی فرماتے رہے۔

آپ کی انسانیت و رحمدلی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حارث کے بیٹے زید کو (جو ظلم و دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلاموں کے زمرہ میں بیچ دیے گئے تھے اور ام المومنین خدیجہ کے چچا زاد بھائی نے انہیں خرید کر حضرت خدیجہ کو تحفہ دیا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ سے مانگ لیا اور آزاد کر دیا اور ایک ماہ کے بعد زید کا باپ حارث جو بیٹے کے فراق میں روتا اور نور نظر کی جستجو میں ادھر ادھر مارا پھرتا تھا کہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرا نور نظر ہے آپ فدیہ لے کر اس کو رہا کر دیجئے میں عمر بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔ تو آپ نے زید سے فرمایا کہ ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو بلا فدیہ جیتے اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو چکے ہو یا چاہو تو یہاں میرے پاس رہو۔



اگرچہ زید نے اپنے معنی ہی کے پاس رہنا پسند کیا اور ایسی دولت چھوڑ کر باپ کے ساتھ جانا برگزینہ کیا تاہم آپ کی رحمدلی جو کچھ اس سے ظاہر ہوئی اس کو ہر انصاف پسند طبیعت سمجھ سکتی ہے۔

اس کے بعد آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدتِ عمر وہ برتاؤ رکھا جو باپ اپنے بیٹے کے ساتھ رکھتا ہے اور اسی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ناز پروردہ شامی غریب الوطن لڑکے کا نام زید ابن محمد ہو گیا۔ غرض ان نیک کاموں میں گو آپ مصروف رہتے تھے لیکن آپ کا دل اپنی قوم کے لئے رویا ہی کرتا تھا۔ آپ گھر میں رہتے یا باہر ہمیشہ اور ہر جگہ دریائے فکر میں غرق رہتے تھے۔ آپ کو تنہائی سے عشق تھا ہر سال ماہِ رمضان میں آپ مع اہل و عیال کوہِ حرا پر جا کر رہتے اور شب و روز دُعا مانگتے اور غریب اور بھولے بھٹکے مسافروں کی مدد کرتے تھے بسا اوقات دوسرے مہینوں میں مکر سے باہر جانے اور کسی غار یا خالی میدان میں بھی آپ کو کچھ دن گزارنے کا شوق تھا۔ ایسی حالت میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا چند روز کا کھانا پکا کر باندھ دیتیں اور مناسب مقدار تو شہ ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔

آپ کو چالیسواں سال شروع ہوا اور آپ سچی خوابیں اور اللہ کے نورانی فرشتے نظر آنے لگے گویا اُس وقت کے عنقریب آجانے کی خبر دی گئی جس کی طرف ایک عالم کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور آپ کو بار رسالت کے متحمل ہونے کے لئے مستعد اور تیار ہو جانا تھا۔

رات کی سُنسان گھڑیوں میں صبح کے سُبھانے وقت میں تنہائی کے عالم میں بادِ صبا کی طرح ایک آواز سنائی دیتی کہ ”تم بشر ہو لیکن اللہ کے پیغمبر جس جانب آپ جاتے اُس طرف ہر شے پر جبروتی جلال کے آثار ہویدا اور مَبتُول کو یہ کہتا پاتے تھے کہ ہم سے علیحدہ رہتے کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہماری نگوں ساری و ہلاکت کا باعث ہوں گے آپ کی عادت تھی کہ قضاے حاجت کے لئے جنگل جاتے تو آبادی سے بہت دور ایسی جگہ نکل جاتے جہاں آدمی نہ ہو، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو جاتے اور آتے وقت درخت اور پتھروں سے ”اَسْلَامٌ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ“ آواز سنائی دیتی اور آپ حیران ہو ہو کر دائیں بائیں آگے پیچھے چار طرف نظر دوڑاتے مگر بجز درخت اور پتھروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا غرض ہر طرح آپ پر وہ حقائق منکشف ہونے لگے جس سے آپ نے جہان کو متور کیا۔

ابن الہییمان ایک شامی یہودی اپنے مذہب کے صاحبِ کرامت درویش تھے قحط سالی میں مخلوق اُن کے پاس جمع ہوتی اور بارش کی دُعا کرایا کرتی تھی۔ یہ خلوت گزین عبادت گزار شخص مشاب الدعار ہونے میں مدینہ کے اندر مشہور اور مزجِ عوام و خواص بنا ہوا تھا جس وقت ان کا پیمانہ حیات لبریز ہوا اور خود ان کو بھی یقین ہو گیا کہ میں دنیا چھوڑ رہا ہوں تو اپنی قوم کو پاس بلایا اور کہنے لگے کیا تمہیں معلوم



ہے کہ میں نے تمام کاسرین ملک چھوڑ کر یشرب میں کیوں سکونت اختیار کی؟ سن لو عیش و آرام پر بھوک  
پایس اور حب وطن پر جلا وطنی کی صعوبت کو ترجیح دینا محض نبی آخر الزماں کی زیارت و خدمت کا شرف  
حاصل کرنے کی طمع میں تھا۔ یاد رکھو ان کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے اور یشرب کی یہ پاک زمین ان کی  
ہجرت گاہ قرار پائی ہے سو افسوس کہ میں اس دولت لازوال سے محروم دنیا سے چلا کر تم کو وصیت  
کرتا ہوں کہ اُس پاک پیغمبر کے قدم لینا اور دوسری مخلوق سے پہلے اس نعمت کی طرف لپکنا۔  
یہ کہہ کر انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

سنام طور پر یہود اہل کتاب ہونے کی وجہ سے آپ کا زمانہ نبوت کا قرب یقینی سمجھے ہوئے تھے اور جب کسی  
حجازی یا قریشی باشندے سے کوئی نزاع ہوتا تو اس طرح دھمکایا کرتے تھے کہ اچھا ممبر کرو، اب  
عنقریب پیغمبر آنے والے ہیں ہم ان کے خادم بن کر تم کو عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے اور بتائیں  
گے کہ بُت پرستی و جہالت کیسی بُری بلا ہے۔

حضرت عمرؓ اسی زمانہ جہالت میں ایک باری بُت کے پاس کھڑے تھے اور کسی بُت پرست  
ایک گوسالہ نیاز چڑھا کر قربانی کی تھی۔ حضرت عمرؓ جو اس وقت کے خیالات باطلہ کی بنا پر اس  
گوشت کو تبرک سمجھے ہوئے تھے اس کے تقسیم ہونے اور اپنا حقہ لینے کے منتظر تھے کہ گوسالہ کے  
پنیٹ میں سے یہ آواز آئی کہ "ہاں ہاں عنقریب کامیابی کا وقوع ہوگا اور وہ شخص آئے گا جو لا الہ الا  
اللہ کی پکار بلند کرے گا۔" حضرت عمرؓ نے بغور اس کلام کو سنا اور یاد بھی رکھا مگر اُس وقت اُس کی  
طرف کوئی توجہ نہ ہوئی اور نہ مطلب سمجھ میں آیا کہ کیا مراد ہے۔

عرب کے کاہن اور منجمین کو حجازی باشندوں نے غیب دان اور مشکلات کا حل کنندہ  
سمجھ رکھا تھا قرب زمانہ نبوت سے اس طرح باخبر ہوئے کہ شیاطین کا در و دان پر دن بدن کم  
اور آسمانی خبروں کی اطلاع نایاب ہونے لگی۔ جنات آسمانی دروازوں کی محافظت کے سبب  
خود پریشان اور سبب کی جستجو میں ادھر ادھر گر دان پھر لگے۔

سنگستان عرب کی بلند پہاڑیاں جب اس آواز سے گونجنے لگیں اور ہر چار طرف اس چرچا  
بڑھا تو یہی لوگ جمع ہو کر اپنے اس مشہور اور زبردست کاہن کے پاس پہنچے جو کہ کے اونچے پہاڑ پر خلوت  
میں رہا کرتا تھا آخر طلوع آفتاب کے بعد جب وہ خلوت خانہ سے نکلا تو کمان پر سہارا لگا کر کھڑا  
ہو گیا اور دیر تک آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ باندھ کر بیہوش و شہر بنا ہوا تکتا رہا۔ اس کے بعد کہنے  
لگا کہ "لاریب خدا نے محمدؐ کو منتخب فرمایا اور ان کا قلب پاک کر کے صلاحیت سے پُر کر دیا۔"



لوگو! سن لو کہ تمہارے اندر ان کا قیام چند روزہ ہوگا۔ اس کے بعد تیزی کے ساتھ اٹے پاؤں پہرا اور لیکن ہوا اپنے خلوت خانہ میں گھس گیا۔

غرض ریگستانی زمین کی ریت کا ہر ذرہ اور اونچے اونچے پہاڑوں کا ہر قطر نصاریٰ کے گرجا اور یہود کے کلیسا گویا آب کے وجود یا جوہ کی ہر وائے و صادر کو بشارت دے رہے ہیں اور بزبان حال پتھر پہ تھے کہ جہالت و کفر کی ظلمت کو مٹانے والا پیغمبروں کا سردار اور ساری زمین کو ماتحت و ہدایت کی روشنی سے منور بنا دینے والا نبی بہت جلد دنیا میں آنے والا ہے۔

## باب ہفتم خلعت نبوت

جبروتی جلال اور ربانی رافت کے ظہور کا وقت قریب آگیا کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا پالیسواں سال شروع ہو گیا۔ چرکہ زمانہ کی کاپیٹے والی تھی اور کفر کی تاریکی کے کافور ہونے کا زمانہ آگیا تھا صحف سابقہ کی پیشین گوئیاں اور آسمانی کتابوں کی خوش کن خبریں پوری ہوتی تھیں۔ مذاہب متفرقہ کے ذمی ہوش متوحّد علماء و عبادت کیش صوفی راہب منش درویش اور زائد قوم کے خاص افراد بت پرستی کی غلامی سے آزاد کرنے والے پیغمبر کے منتظر تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے فیضان ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

آپ حسب عادت مکہ سے تین کوس کے فاصلہ پر کوہ حرا کے غار میں سوچ اور فکر کا کتل اوڑھے

۱۔ توحید کا باشندگان مکہ میں قبل از زمانہ نبوت محمدیہ قدرتی طور پر چھپا ہوا تھا اور بت پرستی سے لوگ بیزار ہو چلے تھے چنانچہ درتہ بن نوفل نے اول بمعیت قبول کی اس کے بعد نصرانی ہوئے آخر پانی اسلام کی زیارت کی تمنا و آرزو میں قبل اعلان رسالت انتقال کیا خود بھی امیہ بنت عبد المطلب کے لڑکے عبید اللہ بن جحش بھی بت پرستی چھوڑ چکے اور زمانہ رسالت میں مسلمان اور حبشہ کے مہاجرین مگر افسوس کہ حبشہ میں نصرانی ہو کر انتقال کیا۔ عثمان بن حویرث نے بھی بت پرستی چھوڑی اور شاہ روم کے پاس آکر نصرانیت قبول کر لی اور قبل از زمانہ محمدیہ انتقال کیا۔ عمر بن نفیل جو سیدنا عمرؓ کے والد یعنی خطاب کے ماں شامل سوتیلے بھائی کے لڑکے تھے خود بخود تارک بت پرستی بن کر علی الاعلان اپنی قوم کو دعائے اہم بت پرستی پر معن کیا کرتے تھے آخر ان کے چچا خطابؓ ان کو مکہ سے نکال کر کوہ حرا میں نظر بند کیا اور آدمی مقرر کر دیے کہ یہ مکہ میں آکر قومی مذہب کو بگاڑ نہ دیں۔ عمر بن نفیل نے تنگ آکر موصل کا راستہ لیا اور پھر ملک شام میں ایک راہب کا دین ابراہیمی طلب کیا۔ راہب نے جواب دیا کہ مکہ جاؤ نبی آخر الزماں کا زمانہ قریب آگیا۔ چنانچہ عمر بن نفیل عجلت کے ساتھ وطن واپس ہوئے مگر افسوس کہ بلاد الخمر تک پہنچے تھے کہ اہل عرب نے ان پر حملہ کیا اور آخر مقتول ہو کر تیغہ مقام میں مدفون ہوئے۔ اور بعض مؤرخین کا قول ہے کہ کوہ حرا کی جڑ میں قبر ہے۔ واللہ اعلم ۱۲۔



کسی گہرے فکر میں مستغرق بیٹھے تھے رمضان کا مبارک مہینہ تھا کہ اللہ کے بزرگ فرشتے جبریلؑ نے بصورت بشر سامنے آکر ریشمین کپڑے پر لکھی ہوئی سب سے پہلے وحی "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" سامنے کی اور کہا پڑھو۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حض اُمّی یعنی اُن پڑھتے تھے نہ کسی معلم کے سامنے آپ نے کبھی کتاب رکھی تھی اور نہ کسی سے ایک حرف پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے جواب دیا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔

جبریل امینؑ نے آپ کو چھاتی سے لگا یا اور معانقہ میں خوب بھیج کر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا اور پے درپے تین بار ایسا ہونے پر آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر وحی ربانی کو پڑھا اور جبریل امینؑ نے سمجھا دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول پیغمبر ہیں، خلق کی ہدایت آپ کا فرض منصب اور توحید کی تعلیم آپ کا ہتم بالشان کام ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روح القدس کے دہانے اور بھیجنے کے سبب ایک کشف کی خاص حالت طاری ہو چکی تھی آپ کا سینہ علم لدنی کا گنجینہ بن گیا تھا۔ آپ سب کچھ پڑھ اور سیکھ گئے تھے اور آپ کا قلب نزول اجلال الہی کا مورد بننے کے سبب لرز اٹھا تھا اور آپ کے ریاضت و عبادہ کیش جسم پر کیکی پیدا ہو گئی تھی گویا آپ کو چار چوڑھ آیا تھا اس لئے خوف زدہ ہو کر آپ اپنے گھر واپس آئے اور خدیجہؓ سے یہ کہہ کر کہ مجھ کو جلد کچھ اڑھاؤ۔ لیٹ رہے۔ اس حالت سے جب کچھ افادہ ہوا تو آپ نے سارا قصہ بی بی خدیجہؓ سے حرف بحرف بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ بی بی خدیجہؓ کوئی معمولی عورت نہ تھیں، اول تو خود سمجھ دار تھیں دوسرے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کی زبانی خواب کی تعبیر سنکر اس بابرکت زمانہ کی متوقع تھیں اس لئے صورت حال سمجھیں اور آپ کو تسلی دینے کے لئے عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھالے، بیوہ اور راہلہ عورتوں پر رحم کرنے اور ہمیشہ سچ بولنے والے ہیں، آپ کی نیک عادت، آپ کے پاکیزہ خصال اور آپ کی محمودہ صفات ہر شخص جانتا ہے اور آپ کی جہان داری، غربا نوازی، برادر پروری، ضرورت اچھا اور بہتر نتیجہ دکھائے گی۔ پس آپ ہرگز خوف نہ کریں اور بالکل اطمینان رکھیں، آپ کا محفاظ خداوند تعالیٰ جو ان پسندیدہ اوصاف کا قدردان ہے، آپ کا بال بھی بیکانہ ہونے دے گا۔

اس کے بعد بی بی خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور سارا قصہ اُن سے بیان کیا۔ چونکہ ورقہ بن نوفل مذہب یہودیت و نصرانیت کے بڑے زبردست عالم



علامات نبوت کے ماہر، اصول دین کے شناسا، توریت و انجیل کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے اور بوجہ ضعف بصارت سوائے نیک نیش باخبر علماء کی صحبت میں وقت صرف کرنے کے کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ اس لئے یہ مبارک قصہ سنتے ہی ”قدوس قدوس“ پکار اٹھے اور کہا یہی ”ناموس“ یعنی جبریل فرشتہ تھا جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اعتکاف و خلوت سے فارغ ہو کر شریف لاتے تو مساکین کو کھانا کھلاتے اور سب سے پہلے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا کرتے تھے اس کے بعد گھر پہنچتے اور دیگر مشاغل میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس مرتبہ بھی جب بی بی خدیجہؓ نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کا قول آکر سنا یا اور تسلی دی تو آپ اٹھے اور کعبہ کے طواف میں مشغول ہو گئے۔ آپ صبح اف کر رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل بھی حرم شریف میں داخل ہوئے اور آپ کے پاس آکر سارا قصہ آپ کی زبانی سنا۔ اس کے بعد آپ کے سر مبارک پر ٹھک کر بوسہ دیا اور کہا کہ ”اے محمد! گھبراؤ نہیں تم کو پیغمبری کا خلعت مرحمت ہوا ہے اور بیشک تم وہی نبی ہو جن کی بشارتوں سے آسمانی کتابیں تمام اہل مذاہب کو تمھارا منتظر بنا رہی تھیں، تم کو مبارک ہو یہ جاوید دولت تم کو عطا ہوئی، تم کو یاد رکھنا چاہئے وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ تمھاری قوم تم کو جھٹلائے گی اور تمھاری مخالف اور دشمن ہو کر تم سے لڑے گی، تم کو ستائے گی اور آخر تم کو جلا وطن کرے گی پس تم کو مکہ چھوڑنا پڑے گا اور اگر اس وقت میں زندہ رہا تو دل و جان سے تمھاری مدد کر کے عزت حاصل کروں گا۔“

ورقہ کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی اس لئے کہ چند روز بعد ان کو دنیا چھوڑنی پڑی اور راہی دار البقار ہوئے۔

اس کے بعد پھر آپ کو جبل حرا پر جانے کا اتفاق ہوا تو غیب سے ندا آئی کہ ”اے محمد! تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل فرشتہ ہوں۔“ اس موقع پر آپ نے جبریل امین کو نظر بھر کر دیکھا اسی صورت میں کہ ایک عجیب الخلق بڑا جسم اپنے بازو پھیلائے آسمان کے دونوں کنارے گھیرے ہوئے پس آپ ڈرے اور کانپتے ہوئے اپنے مکان پر واپس تشریف لائے۔

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لا چکی تھیں اور ہمیشہ اس خوش قسمتی پر ناز کرتی تھیں کہ اللہ کے سچے اور پیارے پیغمبر پر سب سے پہلے ایمان لانے اور حبیب خدا کی پہلی بی بی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب روز نماز و عبادت الہی میں مشغول اور مفتول خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف رہنے لگے اسی اثنا میں چند روز کے لئے وحی کا نزول رک گیا



اور اس کی وجہ سے حضرت پر قبض کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ کو خود کشتی پہل معلوم ہوتی تھی  
آخر چند روز بعد سورہ قہر نازل ہوئی۔ سورہ فاتحہ اتری اور سورہ مزمل کا نزول ہوا۔ پھر  
متواتر قرآن شریف اترنا شروع ہو گیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کے مقصد بالشانِ امر میں پوری ہمت صرف  
کرنی شروع کر دی تھی۔ ادھر حضرت خدیجہؓ نے اسلام کی ترغیب اور اپنے محترم خاوند کے  
پاکیزہ خیالات کی ترویج میں سعی و کوشش کرنا ثمرہ ایمان سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے  
چند روز میں دس ہزار آدمیوں کا مجمع گروہ اسلام کہلانے لگا اور سچ پوچھو تو انھیں کو  
سابق الایمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

جس طرح عورتوں میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں اسی طرح بالغ  
مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باسلام ہوئے جن کی عمر اس وقت کم و بیش اڑتیس  
برس کی تھی، ہاں لڑکوں میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب اور آزاد شدہ غلاموں میں زیدؓ ابن حارثہ  
کو سبقت و پیش قدمی کا اعزاز حاصل ہوا۔

سیدنا ابوبکرؓ قوم قریش میں نہایت مالدار تاجر اور متمول سوداگر ہونے کے علاوہ مدبر و منتظم  
عقیل فہیم اور ذکاوت و دور اندیشی میں شہرہ آفاق تھے معزز محفلوں میں میر مجلس بنائے جاتے  
اور عام باشندگان عرب میں قابل وقعت سمجھے جاتے تھے۔ جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر  
معجزہ دیکھے بغیر صرف اصول دین اور دل لگتے عقائد و پاکیزہ خیالات سن کر ایمان لے آئے تو تمام  
قوم میں اس کا شور مچ گیا اور عام طور پر جگہ جگہ برحق دین کا ذکر ہونے لگا۔

سیدنا ابوبکرؓ کی ترغیب کا نتیجہ جلد ظاہر ہوا کیونکہ ان کے سمجھدار احباب اور پاس آٹھ بیٹھے  
والہ مصباحین میں سے عثمان بن عفانؓ، زبیر بن عوامؓ، طلحہ بن عبد اللہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ،  
عبد الرحمن بن عوفؓ رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ غرض سلسلہ بڑھتا رہا اور جس جس صاحب نصیب  
شخص کی تقدیر میں ابتداء اسلام کی دولت تصدیق و مقدر تھی وہ مسلمان ہوتے اور حضرت کے  
ساتھ مخفی طور پر نماز پڑھتے رہے۔ چنانچہ ابو عبیدہ بن جراحؓ، ابوسلمہؓ، آرقم بن ابی ارقم اور منطلقون  
ابن حبیب کے تینوں بیٹے عثمانؓ، قدامہؓ و عبد اللہؓ، جبیدہ بن حارثؓ، سعید بن زید اور ان کی بی بی  
یعنی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ، سیدنا ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں اشمار و عائشہؓ، خبابؓ  
ابن ارتؓ، عیمر بن ابی وقاصؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ و مسعود بن قاریؓ، عباسؓ بن ابی رہیعہ اور ان کی



بی بی اسماء بنت سلامہ خنیس بن حذافہ۔ عامر بن ربیعہ۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی۔ ابوالاحمد حضرت علی کے بھائی۔ جعفر اور ان کی بی بی اسماء بنت عمیس۔ حاطب بن حارث اور ان کے بھائی۔ خطابؓ اور ان کی بی بی فکیہہ بنت یسار۔ معمر بن حارث۔ سائب بن عثمان بن مظعون۔ مطلب بن ازہر اور ان کی بی بی۔ رملہ بنت ابی عوف سلمان ہوئے اور پھر اسی سلسلہ میں نعیم بن عبداللہ۔ عامر بن فہیر۔ خالد بن سعید اور ان کی بی بی امینہ بنت خلف۔ حاطب بن عمر۔ ابو خذیفہ۔ واقد بن عبداللہ اور بکیر بن عبد اللہ کے بیٹے اسحاق۔ خالد۔ عامر۔ عاتل۔ ایاس۔ عمار بن یاسر۔ صہیب بن سنان نے بھی مذہب حق قبول کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے باہر پہاڑی وادی میں کھڑے تھے کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور وادی کی ایک جانب پاؤں مارا جس سے چشمہ نمودار ہوا۔ روح الامین نے اس میں وضو کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے رہے۔ جب اس طرح وضو کی تعلیم ہو چکی تو حضرتؐ نے بھی وضو کیا۔ اس کے بعد جبریلؑ نے نماز پڑھائی اور آپؐ اقتدا کیا۔ پہلے دن پانچوں نمازیں اول وقت اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھا کر ارشاد فرمایا کہ لے محمدؐ! نمازوں کے اوقات ان دو وقتوں کے درمیان ہیں جو تم نے دو دن میں دیکھے۔

وضو اور نماز کی تعلیم حاصل فرما کر آپؐ اپنے گھر تشریف لائے اور بی بی خدیجہؓ کو عملی حالت سے اس کی تعلیم فرمائی چنانچہ بی بی خدیجہؓ اپنے گھر میں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہؓ کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنی قوم اور تمام باشندگان مکہ سے چھپ کر کسی پہاڑی درہ میں چلے جاتے اور نماز ادا فرماتے رہے۔

## باب ہشتم

### رسول نبویؐ تک کی حالت اور کفار کی بے ملامتی الفت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ابھی تک خفیہ اور خاص لوگوں میں محدود تھی جس کو آپؐ اپنے خیال میں سمجھ دیتے تھے اس کو نہایت نرمی سے توحید کے اصول سمجھاتے اور ایمان کی رغبت دلاتے تھے تاہم آپؐ کے یہ نئے پاکیزہ خیالات آپؐ کی قوم میں قابل ملامت سمجھے جاتے تھے اور اسی بنا پر ان خیالات کے اتباع کرنے والے مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ایذا میں دی جاتی تھیں۔

حضرتؐ مومنین کی تعداد بڑھتی دیکھ کر خوش ضرور ہوتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی مغرور و سرکش باشندگان عرب کی طرف سے فکر بھی لاحق ہوتا تھا کیونکہ بنی امیہ اور قوم قریش کا سردار ابوسفیان



ابن حرب آپ کا سخت دشمن اور اس امر پر ٹلا ہوا تھا کہ جو شخص مذہبِ اسلام اختیار کرے اُس کو بالو کے میدان میں گرم ریت پر لٹایا جائے اور کہہ دیا جائے کہ یا بُت پوجے یا ملکِ عدم کی راہ لے۔

آپ کے اغراض مقاصد چونکہ نہایت پاکیزہ تھے اس لئے تھوڑی بہت آپ کو کامیابی ہوتی رہی اور چند ہی سال میں اہل اسلام کی شمار اتالیس پر پہنچ گئی۔

پورے تین برس تک آپ اپنی قوم کو بُت پرستی سے بچانے کے لئے مخفی کوشش کرتے رہے مگر مسلمان آپ کی ہر اہی یا علیحدگی میں اپنی قوم سے چھپ کر پہاڑوں کے غاروں یا کسی گھائی میں پھول وقت کی دو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتے تھے کیونکہ اُس وقت ہر وقت میں دو رکعت ہی فرض تھیں۔ اس کے بعد سفر میں دو رہیں اور حضر میں چار کر دی گئیں۔

ابو طالب کو شروع میں یہ حال معلوم ہو چکا تھا کیونکہ ایک مرتبہ تیسرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کو ساتھ لئے نماز کو جا رہے تھے کہ ابو طالب نے دیکھا اور پوچھا کہ بھتیجے یہ کون مذہب جس پر تم چلتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ چچا جان! یہ خدا کا، اُس کے فرشتوں کا پیغمبروں کا اور ہمارے دادا ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔ اللہ نے مجھے پیغمبر بنایا ہے کہ اس کے بندوں کے پاس جاؤں اور ان کو حق کی طرف بلاؤں، اے میرے چچا! تم سب سے زیادہ مستحق ہو چاہئے کہ تم سب سے پہلے حق کو قبول کرو اور اُس کے پھیلانے میں میری مدد کرو۔ ابو طالب نے کہا کہ میں اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ نہیں سکتا لیکن قسم ہے خدا کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی تم کو ضرر بھی نہیں پہنچا سکتا۔ پھر ابو طالب نے اپنے بیٹے علیؑ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اسی کے ہمراہ جاتا ہوں۔ ابو طالب نے کہا جاؤ اس کے پیچھے رہو وہ بھلائی کے سوا بُرائی کی طرف نہیں بلائے گا۔

تین برس بعد آیت کریمہ وَإِنِّي دَعَا رَبِّيَ بِالْقُرْبَىٰ کا نزول ہوا جس سے آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریب تر رشتہ داروں کو عذابِ الہی سے ڈرائیں اور توحید کا مسئلہ سمجھائیں۔

چونکہ آپ اپنی قوم کی سرکشی و نا عاقبت اندیشی سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے گو تعمیلِ حکم میں پس و پیش نہ ہوا، تاہم بشری حیثیت سے آپ کی طبیعت کچھ گھبرائی اور خیال ہوا کہ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا پیدا ہو۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے حالت ظاہر کی اور سامانِ ضیافت ہتیا کر کے سردارانِ قریش کی دعوت کر دی۔

آپ کے قریبی رشتہ دار عباسؓ، ابو جہلؓ، ابو لہبؓ، ابو طالبؓ وغیرہ تقریباً چالیس نفر شریک



طعام ہوئے اور وہ کھانا جو صرف ایک آدمی سیر ہو کر کھا سکتا تھا، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بکیت سے چالیس آدمیوں کو کافی ہو گیا۔ فراغت کے بعد اپنے حرفِ مطلب زبان پر لانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ابولہب یہ کہہ کر کہ ”بھائیو! محمدؐ نے کھانے پر جادو کر دیا“ کھڑا ہو گیا اور دوسری باتوں کا سلسلہ شروع کرتا لوگوں کو اٹھالے گیا۔ اس طرح جلسہ کے منتشر ہونے پر صرصر کی دل ہی میں ہی تانے پڑ پائی اپنے چند روز بعد دوسری مرتبہ سامانِ ضیافت فراہم کیا اور پھر صنادید قریش کو مدعو کیا۔ اس مرتبہ بھی وہ لوگ کھانا کھانے آئے اور سیر ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ سگو یہ کہہ کر توڑا کہ ”اے بنی عبدالمطلب! اللہ کے اس وسیع ملک میں اب تک مجھ سے بہتر دین اور دینِ اسلام سے بہتر آئین لیکر کوئی بشر نہیں آیا۔ میں اللہ کا وہ فرمان لے کر آیا ہوں جو تمہاری دینی ضروریات کو حاوی اور تمہاری آخرت کی بہبودی کو کافی ہے۔ مجھ کو اللہ کا حکم ہے کہ میں وہ بہتر طریقے تم کو سکھاؤں جو دیکھتے تم میں کون اس سعادت کو حاصل کرتا اور میرا کہا مان کر اللہ کا پیارا اور اللہ کے رسول کا مددگار بنتا ہے؟“ یہ نصیحت کے سیدھے سیدھے کلمات درحقیقت انصاف پسند طبیعت میں پورا اثر کرنے والے تھے، لیکن ازلی بد بخت ابولہب نے قہقہہ مارا اور یہ کہہ کر کہ ”لو ابوطالب تمہارا بھتیجا جو تم کو بیٹے سے زیادہ عزیز ہے تمہیں کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابع رہنا“ مذاق اڑانا شروع کیا، دوسرے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا اور یہ لوگ حق بات کا محول بنانے لگے، یہ سماں بھی عجیب سماں تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعجب اور حیرت کی نظر سے ایک ایک کو تنکے تھے اور اُدھر فراتشی قہقہہ پڑھ رہا تھا۔ غرض وہ لوگ کھڑے ہو گئے ابوطالب پر آوازے کتے وہاں سے چلے اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نازک طبیعت پر ملال و تنکدہ اور خاطرِ عاظر پر عجیب انقباض پیدا ہوا یہاں تک کہ ”فَامْدَحْ بِمَا تُؤْمَرُ الْآخِرَ“ کا نزول ہوا اور اب آپ کو علی الاعلان تبلیغِ اسلام کا حکم ہوا چنانچہ آپ تعمیلِ حکمِ خداوندی کے لئے فوراً کھڑے ہو گئے اور تمام اہل ملک و اہل وطن قوم کو کھلم کھلا عذابِ الہی سے ڈرانے کی غرض سے کوہِ صفا پر جا چڑھے۔

عرب کا رواج تھا کہ جس وقت کوئی قومی یا ملکی مشکل پیش آتی تھی تو خیر خواہ قوم کسی اونچی جگہ پر چڑھ کر چٹیا اور لوگوں کو بہ آواز بلند پکار کر یکجا جمع کرتا اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا کہہ دیا کرتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت کوہِ صفا پر چڑھنا بھی عرب کے اسی عام دستور کے موافق تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کی چوٹی پر ”اے جماعتِ قریش“ ”اے بنی نضر“ ”اے بنی غالب“ ”اے بنی عدی“ کہہ کر عرب میں بلچل ڈال دی اور آپ کی اس آواز پر تھوڑی ہی دیر میں سب چھوٹے بڑے کوہِ صفا کے چار طرف آ جمع ہوئے۔



جس وقت آپ نے دیکھا کہ سفاہی کے نیچے کامیڈان گھبرائی ہوئی آنے والی مخلوق سے بھر گیا اور آنے والا ہر شخص پریشانی کی صورت بنائے گویا بصورت حال دریافت کر رہا ہے کہ جلدی بتاؤ کیا مصیبت پیش آئی؟ تو آپ نے کمر بستہ باندھی اور محض حق تعالیٰ کے بھروسہ پر کھڑے ہو کر اس طرح وعظ شروع کیا کہ ملے باشندگان عرب! اور ملے سرداران قریش! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر اپنے اونچے پتھروں سے چھپا ہوا تمہارا مخالف لشکر اس تاک میں بیٹھا ہوا ہے کہ موقع پائے تو تم پر حملہ کرے اور تم کو ہلاک و برباد کر دے، تو کیا تم میری بات سچ سمجھو گے؟ چاروں طرف سے آواز آئی کہ بیشک بیشک اے محمد ہم تمہاری بات کا یقین مان لیں گے کیونکہ تمہاری سچائی کا بارہا تجربہ کر چکے اور یقین کر چکے ہیں کہ تم جھوٹ بولنا جانتے ہی نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ”اچھا سنو! تمہارے پیچھے سخت عذاب آنے والا ہے، میں تم کو جلد آنے والی تباہی سے ڈراتا ہوں اور وہ آنے والی مصیبت اللہ پر ایمان لائے بغیر ٹل نہیں سکتی اس عذاب تمہارے ہاتھوں سے گھرے ہوئے بت تم کو کسی طرح نہیں بچا سکتے۔ ان پتھروں کی مورتوں میں ہرگز قابلیت نہیں کہ انسان اپنے باعزت و معنوی پیشانی کو ان کے سامنے جھکائے یا ناک رگڑے اور ان کو دعوؤں کا سننے والا یا مرادوں کا پورا کرنے والا سمجھے۔ پس اے قوم! میرا کہنا مانو، مجھ پر ایمان لاؤ اور اللہ کو ایک سمجھو اور خوب سن لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مجھ کو پیغمبر جانو اور شرک و بت پرستی سے توبہ کرو تاکہ آخرت کی کٹھن منزل بسہولت ملے ہو، اور قادر مطلق کے ناقابل برداشت عذاب سے بچ سکا رہو۔“

حاضرین یہ سن کر ہنس پڑے کوئی ترش رو ہوا اور کسی نے قہقہہ مارا ابوہب نے غصہ میں جواب دیا کہ ”تَبَّالَہَا اَیْہَذَا اَدْعُوْتَنَا“ یعنی اے محمد! تم ہلاک ہو کیا اسی لئے تم نے ہم کو بلایا تھا؟ یہ کہہ کر سب چلے گئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تنہا کھڑے رہ گئے۔

ابوہب تھا تو حضرت کا رشتہ کا چچا لیکن اس مذہبی مخالفت کے سبب آپ کا جانی دشمن ہو گیا تھا اس کو اس کی تو نگری و سرداری نے انتہا درجہ کا مغرور اور تند مزاج بنا دیا تھا اس کی سختی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس کی عداوت کے یومافیمو زیادہ ہونے کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ اس کی بی بی ام جمیل ابوسفیان کی بہن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی پیاسی تھی اس کی ہمیشہ کوشش تھی کہ زن مریہ شوہر کی آتش عداوت کو شعلہ زن کرتی رہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا علی الاعلان جھنڈا نصب کر کے جس طرح بن پڑے اس نے دین کا گلا گھونٹ دے یہی جو حضرت کی آمد و رفت کے راستہ میں کانٹے بچھاتی تھی تاکہ آپ شب کے وقت آنے جاتے ٹھوکر کھائیں اور گر کر چوٹ کی ایذا پائیں۔



ایک وقت یہ بھی تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یعنی اُمّ کلثوم اور رقیہ کائنات ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عقیبہ کے ساتھ زمانہ رسالت کے بیشتر کشتی ہی میں ہو چکا تھا اور ان بے زبان نبی زادیوں پر اس گھر میں جو سختیاں ہوتی تھیں وہ پیارے باپ کو زیادہ صدمہ پہنچا بیوی کی سختی علی الاطلاق و غلطی کے سنیے سے عام مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُمّ جمیل نے ابولہب کو مشورہ دیا کہ میں اپنی دونوں بیویوں کو گھر میں رکھنا نہیں چاہتی مناسب ہے کہ عتبہ اور عقیبہ اپنی بی بیوں کو طلاق دیکر خمد کو صدمہ پہنچائیں چنانچہ عتبہ اور عقیبہ نے والدین کی اطاعت کی اور اس طرح حضرت اُمّ کلثوم اور حضرت رقیہؓ مطلق ہو کر اپنی والدہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئیں۔

درحقیقت اس میں اللہ کی بڑی مصاحت تھی کیونکہ اس صورت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تکالیف و مصائب آرا مہل گیا جو آپ کو معصوم بچوں کی طرف اٹھانے پڑتے تھے یہ دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفانؓ کے نکاح میں آئیں اور اسی امر نے خلیفہ سوم کو ذوالنورین کے خطاب کا مستحق بنایا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بر ملا بتوں کا ضعف و عجز اور بت پرستوں کی کوتاہ نظری و حماقت بیان کرنی شروع کی تو آپ کی قوم بھی علانیہ آپ کی مخالفت کرنے لگی۔ آپ کو کعبہ میں و غلطی سے روک دیا اور آپ کو ہر طرح پرانڈا پہنچانے کے درپے ہوئے لیکن ابوطالب آڑے آئے اور آپ کو شریہ کافروں کی دست درازی سے ہمیشہ بچاتے رہتے۔ آخر کفار قریش نے باہم مشورہ کیا اور کہا کہ خمد کو اس نئے طریق کی ترویج سے کسی طرح روکنا چاہئے ورنہ ایک دن کمر کے اندر خون بہے گا اور مذہبی تفریق قومی تفریق بن کر بہن کو بھائی سے اور ماں کو بیٹے سے جدا کر دے گی۔ اس لئے مشفق ہو کر سردارانِ مکتب یعنی رقیہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور عقیبہ ابوالختری ہشام اسود بن مطلب و لید بن مغیرہ ابوجہل بن ہشام عاتق بن وائل اور حجاج کے دونوں بیٹے بنیہ اور مکیہ مع ان عوام الناس کے جو ان کے ہم خیال و ہم زبان تھے ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لے ابوطالب! ہم لوگ تمہاری عمر اور تمہارے درجہ کی تعظیم کرتے ہیں لیکن آخر ہماری تعظیم کی کوئی حد بھی ہے؟ ہم سے نہیں ہو سکتا کہ تمہارا بھتیجا ہم کو اور ہمارے معبودوں کو بڑا کہے اور ہمارے باپ دادا کو گالیاں دے گمراہ بتائے اور ہم خاموش بیٹھے مٹے جائیں تم اس کو ان باتوں سے روکو نہیں تو اس کو ہمارے حوالے کر دو اور تم کچھ نہ بولو تاکہ ہم اپنا بدلہ کر دل کی سوزش رفع کر لیں۔ ابوطالب نے ملائم الفاظ اور اخلاق کے بتاؤ کام لے کر ان کو ٹالا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی ثنِ درہی سے اپنا فرض منصب ادا کرنے رہے۔



ازلی بدبخت اور اسلام کے دشمن کافر ہر وقت مختلف تدبیریں سوچتے رہے۔ جگہ جگہ کمیٹیاں ہونے لگیں۔ زبان زبان پر یہی ذکر پھیل گیا اور اب کوئی گھریا کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی جہاں نئے مذہب اسلام کا چرچا اور بانی اسلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہ ہو۔

یہ لوگ جھنڈ کے جھنڈ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابوطالب! اب محمد کی زبان درازی حد سے گزر گئی تم باوجودیکہ ہماری طرح اس جدید مذہب کے مخالف اور اپنے آبائی دین یعنی لات و عزی کی تعظیم اور بت پرستی کے عقیدے پر مستحکم ہو مگر افسوس ہے کہ نہ اس کا انسداد کرتے ہو نہ اس کی تدبیر میں ہمارے ہم خیال ہوتے ہو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم اپنے بھتیجے کو روکو، نہیں تو اس کے نزدیک ہو جاؤ تا کہ اس کا تصفیہ جنگ سے ہو جائے اور معاملہ کیسو ہو؟

یہ کہہ کر وہ لوگ تو چلے گئے اور ابوطالب کو عجیب تشویش پیدا ہوئی کہ نہ اپنی قوم سے جدا ہو سکتے تھے اور نہ اپنے پیارے بھتیجے کو کفار کی بے رحمیوں کے حوالے کر سکتے تھے نہ اتنی طاقت تھی کہ بھتیجے کے موافق بن کر باشندگان عرب کا مقابلہ کریں اور نہ غیرت و حمیت اس کی مقتضی تھی کہ جس لادکھ بچہ کی معاونت کا بیڑا اٹھایا اور متوفی باپ کی وصیت پر کاربند رہنے کا وعدہ کر چکے ہیں اس کو چھوڑ دیں کہ دشمن جو چاہیں کریں۔ آخر انھوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور نہایت فکر و یاس کے الفاظ میں قوم کی ساری تقریریں کر کہا کہ ”اے محمد! تم اپنے مقصد سے باز آ جاؤ اور میرے بڑھاپے کی لاج رکھ کر اپنی جوانی پر ترس کھاؤ“

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے کہ آج چچا کی نظر بدلی ہوئی اور ارادہ میری حفاظت سے ہاتھ اٹھالینے کا ہے۔ لیکن اس سے آپ کے مضبوط ارادہ میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی اور آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ”اے میرے چچا! اگر کفار میرے واسطے ہاتھ میں آفتاب و ربابیں ہاتھ میں مانتا دیں اور مجھ سے اس کام کو چھوڑ دینے کو کہیں تب بھی اپنے ارادے سے باز نہ آؤں گا میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا میں اپنے مقصد سے ڈگنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ اپنے مقصد کو پورا کر دکھائے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں۔ آپ اگر میری حفاظت سے گھبرا گئے ہیں تو میرا معاملہ میری تقدیر کے حوالے کیجئے اور آپ اپنے آرام میں خلل نہ آنے دیجئے، بس میں جانوں اور میرا کام تمام“ تاہم آپ کو اپنے اس مہربان محافظ سے چھوٹنے کا افسوس ہوا جس کے کنارِ عاطفت میں آپ تین برس کچھ اور گزار چکے تھے، اس لئے آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چچا کے پاس سے اس طرح اٹھ چلے گویا یہ محبت بھری نظریں پلٹ گئیں اور یہ دینی خیالات سرسری ملاقات کو آخری



ملاقات بنا چکے۔

ابوطالب کے قلب پر ایک چوٹ لگی اور آپ کو زور سے پکارا جب آپ واپس آئے تو کہا کہ "اے میرے بھائی کے بیٹے! جو کچھ تمہارا جی چاہے سو کہو اور جودل میں آئے بے کشکے کرو، قسم ہے خدا کی میں تم کو نہیں چھوڑوں گا" ہاں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ ہر چار طرف دشمن چھائے ہوئے ہوں اور ملک قوم کا بچہ بچہ خون کا پیاسا بنا ہوا ہو، اپنے دعوے پر قائم رہنا معمولی ہمت والے کا کام ہے آج دنیا کی تاریخ کے ورق اٹھے جائیں تو یہ نظیر استقلال جس نے محض حق تعالیٰ پر اعتماد و وثوق کی بدولت یکسی و تنہائی میں ملک بھر کی دشمنی کو پھر کی عداوت کے برابر بھی نہیں سمجھنے دیا اور پاک لادہ میں ذرہ برابر بھی لغزش یا جھجک پیدا نہیں ہوئی نبوت اور رسالت کی کھلی دلیل ہے۔

قریش نے تیسری مرتبہ ابوطالب کے پھر استدعا کی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں بلکہ مخزوم خاندان کے ایک خوبصورت نوجوان کو جن کا نام عمارہ بن ولید تھا آپ کے عوض دینا میں قبول کیا۔ لیکن ان کی کوشش نے کچھ نتیجہ نہ دکھایا اور ابوطالب نے یہ جواب دے کر کہ "واہ میں اپنے پالے ہوئے بیٹے کو تمہارے حوالے کروں تاکہ تم اس کا خون بہاؤ اور تمہارے لڑکے کی پرورش کا بار اٹھاؤں تاکہ موٹا تازہ میرے روئے ہو اور جوان تمہارا کہلائے" قریش کو اپنا بھی دشمن بنا دیا اور آپ مخالفت کھلم کھلا ہونے لگی۔ ابوطالب قبیلہ بنی ہاشم کو ان کی خاص عظمت ان کا خیال و عزت ہمیشہ یاد دلاتے رہے تاکہ قریش ان کے خاندان کے ایک معزز امین اور ان کی برادری کے ایک بہادر اور منتخب شخص کو نہ قتل کرنے پائیں قصائد تصنیف کئے اشعار بنائے اور جلسوں میں محفلوں میں یہاں تک کہ کعبہ کے متصل مسجد حرام میں آواز بلند ان کو پڑھ کر حمیت و مصیبت کی آگ بھڑکا دی اور گویا قریش کے دلوں میں پلا دیا کہ اگر کوئی قبیلہ محمد بن عبد اللہ کو ترچھی نظر سے بھی دیکھے گا تو تمہاری شرافت اصالت اور قومی اعزاز پر حرف گیری کرے گا۔ ابوطالب کی جاؤ و بیانی خالی نہ گئی اور اس قومی جوش کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک ابولہب کے سوا نکل بنو ہاشم ابوطالب کے شریک حال رہے۔

ہر روز اہل مکہ کا غصہ بڑھتا جاتا تھا اور گو شروع شروع میں ابوطالب کی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر کوئی حملہ نہ ہوا پھر بھی جو جو آفتیں صحابہ پر پڑیں نہایت خوفناک تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اپنے رفقاء کی مختصر جماعت کو ساتھ لے کر پہاڑی گھاٹی میں نماز پڑھنے جا رہے تھے کہ کفار کو اس کی اطلاع ہوئی اور جھنڈ کے جھنڈ ان پر آچڑھے یہاں تک نوبت آئی کہ حضرت سعد نے مرے ہوئے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر کسی دشمن کے ایسی ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ



اسلام پر کھلم کھلا حملہ آور ہونے کی گو کسی میں نہمت نہ تھی مگر پھر بھی جہاں آپ عبادت میں مشغول ہوتے دشمن آپ پر پتھر پھینکے ہمنجاست ڈالتے اور جب آپ کھانا کھاتے، کھانے میں گرد ڈالتے تھے کعبہ کے پاس آپ کو نماز پڑھنے سے روک دیا غرض ستانے میں ان لوگوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں اٹھا رکھا۔ آپ کو سجدہ کی حالت میں ایذا زیادہ دی جاتی تھی جسم مبارک پر ہمنجاست ڈالی جاتی تھی۔ آپ کو شاعر خرقہ کاہن، مجنوں، پکارا جاتا تھا اور جو آپ کا رفیق بن کر اعانت کرتا تھا اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر کھینچے جاتے اور اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ بیہوش ہو ہو جاتا تھا۔

## مسلمانوں پر ایذا رسانی اور حبشہ کی جانب ہجرت

اسلام کی شروع تاریخ میں ایسے درد انگیز حادثے بہتیرے ملیں گے جن کو سن کر یا پڑھ کر مروغٹھا کھڑا ہوتا اور آٹھ آٹھ آنسو رونا آتا ہے بت پرست اہل مکہ جس عورت یا مرد کو تارک بت پرستی پاتے اس کو نظر حقارت سے دیکھنے یا بدزبانی و فحش کلامی کی ایذا رسانی پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ قابو پاتے ہی بالوں کے میدانوں میں نکال دیتے اور ہر طرح سے بھوک پیاس کی تکلیف دے کر صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ "یا بت پوجو یا ملک عدم کی راہ لو۔"

ہم چند نو مسلم صحابہؓ کے حالات لکھنا چاہتے ہیں جس سے مختصر اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقدس مذہب کس کس مصیبت سے پھیلا ہے اور اس کے پیشوا کیسے تمہل اور مصیبت کے برداشت کرنے والے اور اللہ کے نام پر جان نثار کرنے والے تھے۔

مکہ کے مشہور و توغر کا فروں میں اُمیہ بن خلف جمعی بھی ایک تجارت پیشہ مالدار شخص تھا جس کو اللہ پاک نے ہر طرح فارغ البال اور نقدی و مواسی اور غلام باندیوں سے بہرہ یاب کر رکھا تھا اس کے پاس ایک حبشی غلام تھا جس کا نام تھا بلال بن رباح۔

بلال کی سلیم طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مذہب اسلام کے پاک اصول مسنے کے بعد ہاتھوں کی بنائی ہوئی صورتوں کی پرستش کریں اس لئے بچے دل سے ایمان لائے اور کلہ طیبہ پڑھ چکے تھے چونکہ اس زمانہ جہالت میں ہر کلہ گو مسلمان مسابی "دین سے پھر جانے والا" کہا جاتا تھا اس لئے اُمیہ کو خبر لگی کہ آج بلال حبشی بھی مسابی ہو گیا

یہ خبر سن کر اُمیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے نہایت غصہ میں بلال کو بلا کر کہہ دیا



اوکم بخت یا تو اس نئے مذہب سے توبہ کر ورنہ اپنے آپ کو تکلیفوں کا تختہ مشق بنانا قبول کر۔ بلالؓ ایمان ایسا نہ تھا کہ دھمکیوں میں اڑ جاتا۔ اس لئے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں سیدنا محمدؐ علی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کھرا جواب سنکر اُمیہ میں تاب کہاں تھی کہ ضبط کر جائے۔ نئے غلاموں کو حکم دے دیا کہ دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہو جایا کرے تو بلالؓ کو بالوکے میدان بدن پر بول کے کانٹے چھو کر کبھی منہ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل لٹاؤ اور سینہ پر ایک بھاری بھلتا دانتھر رکھ دو چاروں طرف آگ ملگا دو اور اس سے کہہ دو کہ پتھر اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے یہاں تک کہ وہ مرنے یا محمدؐ کا کفر کرے، اس پر بھی اگر باز نہ آئے تو شب کو زنجیروں میں جکڑ کر تنگ و ریک حجرے میں بند کرو اور باری باری کمر پر دڑے لگاؤ تاکہ زخمی ہو جائے اور یہ زخم اگلے دن دھوپ کی تیش میں دوبارہ تکلیف زیادہ پہنچائیں۔

اُمیہ ظالم کا حکم ایسا نہ تھا جس کی تعمیل نہ کی جاتی چنانچہ اگلے ہی دن سے سیدنا بلالؓ حبشی پر ظالمانہ کارروائی کا عمل شروع ہو گیا اور متواتر کئی دن اس حالت گزر گئے کہ بدن زخموں سے پھوٹتا تھا، خون کبھی بہتا اور کبھی قوائے کی طرح ابلتا تھا مگر بلالؓ رضی اللہ عنہ کی زبان سے بجز احد احد کے دوسرا نہ نکلتا تھا۔ ورقہ بن نوفل کا ایک بار اسی حالت میں بلالؓ پر گذر ہوا اور وہ یہ حالت دیکھ کر پتھر اٹھے دوڑ پھڑے ہو کر ان کی آمد احد کی چیخ بکارتی اور کہنے لگے کہ بخدا سچ ہے اے بلالؓ احد احد کے سوا کوئی نہیں سیدنا ابوبکرؓ بھی چونکہ صاحب مال اور مشہور تاجر تھے اس لئے ہم پیشہ تجارت سے گودنی حیثیت میں منان نام آبرو اور وقعت دی قائم تھی جو اسلام لانے سے پہلے تھی حضرت صدیقؓ کو خبر لگی کہ بلالؓ حبشی رضی اللہ عنہ کے سبب سخت تکلیف میں مبتلا ہے تو اُمیہ کے پاس آئے اور اول اسلام کی خوبیاں بیان کیں اس کے بعد سلسلہ گفتگو میں بلالؓ کا ذکر چھڑا اور کہہ دیا کہ اگر تم اس کو مجھے دینا پسند کرو تو میرے غلاموں سے جس غلام کو پسند کرو اس کے عوض لے لو۔ اُمیہ دل سے چاہتا تھا کہ بلالؓ علیحدہ ہو اور ابوبکرؓ کا بی بیچہ وار غلام ہاتھ لگے اس لئے منظور کر لیا اور سیدنا ابوبکرؓ نے فطراس رومی غلام کو معہ چالیں اوقیہ نقدی کے تیرے حوالہ کیا اور سیدنا بلالؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

جن دونوں حضرت دامن کوہ صفا میں آرم بنی ارم کے گھر تشریف فرما تھے اور کچھ اوپر میں آدمی بیان لا چکے تھے حضرت عمارؓ مع اپنے والدین یعنی یاسر اور ہنسیہ کے اسلام سے مشرف ہوئے سیدنا عمارؓ قومی غزوہ کے حلیف تھے ایمان لائے پیچھے ان حضرات کے ساتھ اس کارروائی کا معمول ہو گیا کہ چاشت کے وقت ان کو ریگستان میں نکالا جاتا اور رمضان پہاڑی کی کھاد اور گرم تر اول کی تیش سے ان کو بھلا جاتا تھا۔



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر گزر ہوتا تو آپ کے قلب پر ایک صدمہ گزرتا تھا۔ لیکن عجب بے بسی تھی کہ کسی قسم کی امانت نہ کر سکتے تھے۔ آخر اپنے دوستوں کی مصیبت جب نہ دیکھ سکتے تو یہ فرما کر کہ ”اے آلِ یاسر صبر صبر“ چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت یاسرؓ اس تکلیف کے تحمل نہ ہو سکے اور چند دن بعد اسی حالت میں انتقال کر گئے۔

تمسارؓ کی والدہ حضرت سُمَیہؓ اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اس مصیبت میں بیٹے کی شریک ہیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابو جہل کا اس طرف گزر ہوا اور اس کی نازیبا گفتگو پر ضبط کی قدرت نہ رہنے کے سبب حضرت سُمَیہؓ نے سخت کلامی سے کام لیا تو ابو جہل نے جھلا کر مظلومہ کی پیشانی گاہ میں برچی ماری اور حضرت سُمَیہؓ نے رُوح اپنے مولیٰ کے حوالہ کی۔

اب ایک عمارؓ کا دم صدمہ اٹھانے کو باقی رہ گیا اور اُن کے ساتھ روزانہ نئی تکلیف کے سامنے پیدا ہونے شروع ہوئے۔ کبھی بالو کے میدان میں ان کو لٹایا جاتا تھا کبھی سخت گرم پتھر آگ جیسا سُرخ اُن کی چھاتی پر رکھا جاتا اور کبھی ان کو ندی یا نالے میں ڈبوایا جاتا اور گہرے پانی میں اُچھالا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ ”یا محمدؐ کا انکار کرو یا ملکِ عدم کی راہ لو۔“

عرصہ تک یہ ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے لیکن کہاں تک آخر تقیہ کرنے کی نوبت آئی اور یہ ظاہری اجرِ بکلمہ کفر پر کافروں کے ہاتھ سے نجات پا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زار زار رونے لگے۔ حضرت نے آنسو پوچھے اور تسلی دے کر فرمایا کہ ”کیا ہوا ایسے موقع پر زبان سے اجرِ بکلمہ کفر جائز ہے۔ اُسی وقت اللہ پاک نے اَلَا مَن اٰكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ نازل فرما کر اطمینان دلایا کہ جو شخص کسی جبر کے باعث زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دے اور قلب اُس کا ایمان سے مطمئن ہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں۔“

خباثت بن ارت جن کو قومِ ربیعہ کے چند ظالم غلام لاپرواہ لائے اور غلام بنا کر مکہ میں سباغ بن عبد العزیٰ خزاعی کے ہاتھ بیچ گئے تھے اور یہ خفیہ مسلمان ہو گئے تھے۔ کافران کو رمضان پر لیجاتے شکار کے اس پر لٹاتے اور آگ میں خوب گرم کئے ہوئے پتھر سے اُن کے دماغ اور تمام بدن کو داغنے لگتے۔ یہ ان مصیبتوں کو جھیلنے اور خاموش پڑے اللہ اللہ کہتے جاتے تھے یہاں تک کہ ہجرت کا وقت آیا اور یہ ضعیف مسلمانوں کے ساتھ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔

صہیب بن سنانؓ رومی بھی اسی مصیبت میں گرفتار تھے جس وقت ہجرت کرنے لگے تو قریش نے روک لیا اور کہا کہ ”ہمارا غلام ہماری بلا اجازت کیوں کر جاسکتا ہے“ اس پر انھوں نے اپنا سارا



ل فدیہ میں دے کر چھپا چھڑایا اور ان مصیبتوں سے نجات پائی جو ان کو مکہ میں کافروں کے ہاتھوں پیش  
تی تھیں۔

عامر بن فہیرہ بھی اپنے ظالم آقا کے بچہ ظلم میں گرفتار اور ایسی ہی ناقابل برداشت مصیبتوں کے  
غٹے مشق بنے ہوئے تھے یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی خرید اور مصیبتوں کی قید کے ساتھ  
لامی سے بھی لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

ابو فکیہہ اُمیہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے غلام حضرت بلال حبشیؓ کے ساتھ خفیہ ایمان لائے تھے  
متیہ مطلع ہونے پر حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں رسی باندھو اور گھسیٹتے ہوئے رمضان پر لیجاؤ چنانچہ  
لاموں نے ان کو پانچ بجیر کیا اور کشاں کشاں لے چلے پتھروں کنکروں سے ان کا سر ٹکراتا تھا اور  
لام کافر ان کو مردہ جانور کی طرح گھسیٹتے لے جاتے تھے یہاں تک کہ گرم ہوا پر لٹا کر ان کے سینہ  
رگرم پتھر رکھ دیا گیا، زبان منہ سے باہر نکل پڑی اور مجنونا وار پڑے پڑے ایک ایک کا منہ تکتے  
یہ نہ کسی بے رحم کو ترس آیا اور نہ کسی نے انسانیت کا برتاؤ برتا۔ اگر کہا تو یہ کہا کہ لات وعزی  
یہ ایمان لاؤ مگر یہ یہی کہتے رہے کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوق کا پروردگار تو اللہ ہے۔  
ایک مرتبہ اُمیہ اپنے بھائی اُبی بن خلف کی ہمراہی میں ان کے پاس گیا اور کفر کرنا چاہا۔ لیکن  
انہوں نے زبان سے وہی کلمہ توحید نکالا جس پر ان کا دل مستحکم ہو چکا تھا۔ اُبی نے کہا کہ بھائی  
ما جب یہ کجخت باز آنے والا نہیں ہے رسی کا پھندا اس کے گلے میں ڈال کر جھٹکا دلو ایسے اور  
حلیف بڑھاتے رہا کیجئے یہاں تک کہ اُس کا آقا اپنے جادو کے زور سے اس کو چھڑا لے جائے۔  
چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور ان کا گلا یہاں تک گھونٹا گیا کہ لوگوں کو ان کے مرجانے کا یقین  
ہوا۔ اسی حالت میں مبتلا تھے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ادھر گزر ہوا اور انہوں نے اُمیہ کو خاطر خواہ  
قیمت دے کر ابو فکیہہ کو خرید لیا اور اللہ واسطے آزاد کر دیا۔

بہتیری بیکس عورتیں اور بے زبان باندیاں بھی انہیں مصیبتوں میں گرفتار تھیں چنانچہ  
زیر جو بنی مخزوم کے قبضہ میں تھیں دولت اسلام سے مشرف ہوئیں اور ابو جہل نے انہیں رسانی  
شروع کی یہاں تک کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں اور ابو جہل نے طعنہ دیا کہ دیکھ لات وعزی نے  
یری آنکھیں چھین لیں۔ زیرہ یہ کہہ کر کہ لات وعزی کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی کون سی پیش کرتا ہے  
نپ ہو رہی اور اس کے بعد کہا کہ ہاں میرے خدا کا حکم سب پر غالب ہے اسی کا نام تقدیر ہے اور  
میرا سچا معبود بنیائی دوبارہ دینے پر بھی قادر ہے۔ اللہ کی شان صبح ہوتے ہی ان کی آنکھوں کا



نور آنکھوں میں آگیا اور زنجیر بھلی چنگی جیسی بیناتھیں لپی ہی ہو گئیں۔ ابو جہل نے زنجیر کو دیکھا تو ہنسا ہو گیا اور بولا کہ محمدؐ کا جادو چل گیا۔ غرض لیتے، ام سہیل، ہندہ اور بہتری عورتیں کافروں ہاتھوں میں پڑی ہوئی مصیبتوں کا نشانہ اور تکالیف کی تختہ مشق بنی ہوئی تھیں اور کوئی ان کی حالت پر تڑپ نہ کھانے والا نہ تھا یا تھا مگر بے بسی اور خود اپنی خطرناک حالت کی سبب کچھ نہ کر سکتا تھا۔ یوں تو عداوت و مخالفت کی آگ عام طور پر بھڑکی ہوئی تھی لیکن جس قدر ایذا رسالہ ابولہبؓ، اسود بن عبد یغوثؓ، حرث بن قیسؓ، ولید بن مغیرہؓ، امیہ بن خلفؓ، ابی بن خلفؓ، ابوقیسؓ، بن وائلؓ، نصر بن حارثؓ، ابو جہل بن ہشامؓ، حجاج کے دونوں بیٹے، نہیہؓ و منبہؓ، زبیر بن ابی اسودؓ، عقبہ بن ابی معیطؓ اور اسود بن مطلبؓ تھے دوسرے اس قدر نہ تھے ان کو بغیر مسلمانوں پر صدمہ یا رنج پہنچائے کھانا ہضم نہ ہوتا تھا۔ ان کے خیالات ان کے ارادے اور ان کے منصوبے رات ہی تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل یا جلا وطن کر دیا جائے اور ان کے ساتھیوں کی ایذا پہنچا کر یا تو حضرتؐ کا دشمن اور اپنا ہم خیال بنالیا جائے یا ملک عدم پہنچا دیا جائے۔ مگر کسی ارادے سے کیا ہوتا ہے ان کے کرو چیلے سب ناکام رہے اور ترقی کرنے والے مقدس مذہب کے خلاف کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔

جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کافروں کی ایذا رسانی ضعیف مسلمانوں پر دن بدن بڑھتی جاتی ہے تو اپنے اپنے لوگوں کو ہدایت کی کہ جب تک قریش کا دل بہتری اور بھلائی کی بات نہ ہو اس وقت تک مکہ میں رہنا خطرناک ہے، جادو ملک حبش میں جا رہو وہاں کا حکم نصرانی ہے لیکن سنا ہے کہ نہایت رحمدل، حق شناس اور علم دوست ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بیوی یعنی حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے اور ابو حذیفہؓ بن عتبہؓ مع اپنی بیوی سہیل بنت کے اور زبیر بن عوامؓ وغیرہ قریب پندرہ آدمیوں کے ماہِ رجب سنہ نبوی مطابق ۱۵ھ کے میں ملک حبش کی طرف چلے گئے۔ ان حضرات کا دار الکفر چھوڑ کر دار الامن میں جانا اور مکہ کو خیر کہہ کر حبشہ کی جانب ہجرت کرنا اسلام کی پہلی ہجرت کہلاتا ہے۔

ان لوگوں کو حبشہ گئے ہوئے تیسرا مہینہ تھا کہ افواہ اُڑی جس کو انہوں نے بھی سنا کہ رسول مشرق باسلام ہو گئے اور اب مکہ دار الکفر نہیں رہا اس خبر کے سنتے ہی یہ لوگ وہاں سے مکہ کی روانہ ہوئے لیکن ان کو اپنے خیال کی غلطی اور اس بازاری خبر کی تکذیب اس وقت معلوم ہوئی جب کہ وہ مکہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور اب اُلٹے پاؤں پھرنا آسان نہ تھا۔



یہ وقت عجیب پریشانی کا تھا کہ نہ واپس ہوتے بن پڑتا تھا نہ مکہ میں داخل ہونے کی ہمت ہوتی تھی آخر بدرجہ مجبوری مکہ میں آنا ہی سہل سمجھا گیا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ جو کوئی بھی مکہ میں گھسنا وہ کسی دوست یا رشتہ دار کی پناہ میں امن کا طالب ہو کر داخل ہوا تاکہ اس کے جوار اور اس کے ذمہ کا لحاظ کیا جائے اور یہاں سے بھٹو کے پیاسے مصیبت زدہ بندگانِ خدا کو اذیت پہنچائی جائے اور یا خفیہ داخل ہوا اور اپنے اسلام کو چھپائے رہا کہ ظالم قریشیوں کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنے۔

غلط افواہ پر مکہ آنے والے ہاجرینِ حبشہ میں جو حضرات تھے انہیں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مع اپنی بی بی حضرت رقیہ بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ زبیر بن عوام۔ عثمان بن مظعون اور ابوسلمہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہم بھی داخل تھے۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کی پناہ لے کر مکہ میں آئے اور امن و امان کے ساتھ زندگی گزارنے لگے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ میرے دوسرے دینی بھائی کافروں کے تختہ مشق بنے ہوئے اور اللہ کی راہ میں اُس کا دین قبول کرنے کی بدولت صبح و شام نئی مصیبت کا نشانہ بن رہے ہیں تو اُن کو غیرت آئی اور اپنی عاقبت و قابلِ اطمینان زندگی کا نشان کر نظر میں چھپنے لگی۔ آخر ولید بن مغیرہ کے پاس آئے اور کہا کہ مائے ولید تمہاری ذمہ داری ختم ہو چکی اور اب میں تمہاری حفاظت و پناہ تم کو واپس کرتا ہوں۔ عرب میں پناہ و امن کی ذمہ داری ایک ایسی عجیب و فاداری تھی کہ کوئی شخص کسی کی شخص کے پناہ دیتے ہوئے شخص کو آکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا اور اگر کسی نے بُری نگاہ سے دیکھا تو پناہ دہندہ شخص کے لئے اس سے زیادہ ہتک و بے عزتی کسی دوسری صورت میں نہ تھی اور اسی وجہ سے بدسلوکی کرنے والا شخص قوم میں بڑے جرم کا مرتکب اور سخت گناہ کا مجرم سمجھا جاتا تھا۔ ولید نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے واپسی ضمانت کا حکم سنا تو حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کیوں خیر تو ہے کیا کسی نے کچھ اذیت پہنچائی اور میری عزت و شرافت میں بے لگا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں الحمد للہ تمہاری پناہ میں مجھے ہر طرحِ امان ملا مگر اس کو کیا کروں کہ مجھے تمہاری پناہ میں رہنا گوارا نہیں اور میں اپنے لئے اپنے سچے خدا کی پناہ کافی سمجھتا ہوں۔

غرض ولید و سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجدِ حرام میں آئے اور ولید نے باوازِ بلند پکار دیا کہ عثمان بن مظعون موجود ہے جس نے میری پناہ میں رہنا ترک کیا اور میں نے اپنا ذمہ واپس لے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا کہ بیشک سچ ہے ولید کو میں نے وعدہ کا پکا اور عہد کا پورا پکا کر چوکہ مجھے بجز خدا کے کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا منظور نہیں ہے اس لئے میں نے بخوشی ولید کی ذمہ داری واپس



کردی، اب ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے میرے ساتھ سلوک کرے۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلے اور قریش کی اس بھری مجلس میں آ بیٹھے جہاں سرداران قوم بیٹھے ہوئے ملک کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کے شمار میں رہے تھے۔

لبید کے شعر سن کر حضرت عثمانؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور اعتراض کر بیٹھے۔ حاضرین جلسہ کو کہاں تاں تھی کہ خلاف مذہب کسی گرفت کی برداشت کر جاتیں اس لئے نزاع شروع ہو گیا اور کسی شفیق نے حضرت عثمانؓ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھ پھوٹ گئی یا سخت صدمہ مصدوم ہو کر پھوٹنے کے قریب ہو گئی۔

ولید بن مغیرہ پاس کھڑا ہوا یہ سانحہ دیکھ رہا تھا اس لئے خاموش نہ رہ سکا اور کہنے لگا کہ بھائی تم نے اے عثمانؓ تم کو میرے ذمہ وجوہ کی قدر نہ ہوئی اور میری پناہ سے باہر نکلتے ہی مصیبت اٹھانی پڑی تھی عثمانؓ اب وہ عثمانؓ نہ تھے کہ خدا کے راستہ میں اٹھانی ہوئی تکلیف کو مصیبت سمجھتے اس لئے مسکرائے اور جواب دیا کہ اے ولید آج عثمانؓ تم سے زیادہ زبردست اور عزت والی ذات کی پناہ میں داخل ہوا میری درست آنکھ بھی بعد تمنا اس مصیبت کی مشتاق ہے جو اس کی ساتھن کو خدا کے راستہ میں پہنچ رہے جاؤ اپنا کام کرو اور اس کی امید نہ رکھو کہ میں ایسی تکلیفوں گھبرا کر پھرتھاری پناہ میں آنا پسند کروں گا۔

ابو طلحہ بن عبد اللہ بن جوحہ ابوطالب کے بھانجے اور ان کی بہن برہ بنت عبد المطلب کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اس لئے اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ لے کر کہ میں داخل ہوئے تھے قریش نے دیکھا کہ ابوطالب نے بھتیجے کے ساتھ بھانجے کو بھی ہمارے پنجہ ظلم سے بچایا اور اپنی پناہ میں لے لیا تو جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو کر ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابوطالب اے ہمارے سردار کیا غضب ہے کہ تم ہمارے دشمنوں کو پناہ میں لیتے اور امن و امان کی زندگی گزارنے کا موقع دیتے ہو تاکہ یہ آہستہ آہستہ اپنا دین پھیلانے اور ہمارے آباد اجداد کے لئے جوئے مذہب کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش میں لگے رہیں آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے اور تم باوجود ہمارے ہم مذہب اور ان کے خلاف ہونے کے اپنے دین کی پاسداری و لحاظ نہیں کرتے۔

ابوطالب پریشان تھے کہ کیا جواب دوں آخر یہ تو اتنا کہہ کر کہ ”ایک بھائی کا بیٹا ہے اور دوسرا بہن کا پس میرے ذمہ بھتیجے اور بھانجے دونوں کے حق برابر ہیں“ خاموش ہو گئے مگر ابوطالب باوجود شدید الکفر ہونے کے اپنے بھائی پر قریش کے بار بار حملے نہ دیکھ سکا اور غصہ میں بیتاب ہو کر کہنے لگا کہ ”اے قریش! کیا سبب ہے کہ بار بار میرے بھائی کے سر ہوتے اور جو چاہتے ہو بڑا بھلا بنا جاتے ہو کیا ہم عبد المطلب کے بچے تمہاری نظروں میں ذلیل بن گئے اگر ایسا ہے تو صاف کہو تاکہ میں بھی کھلم کھلا اپنے بھائی کا ساتھ دوں اور دیکھوں کہ



م کتنے پانی میں ہوئے لوگوں نے جو ابولہب کا غصہ دیکھا تو سب لرز اٹھے اور یہ کہہ کر کہ "نہیں نہیں اے عتبہ کے  
الذہب زکوار" آپ ناراض نہ ہوں جو بات آپ کو ناگوار گذرے ہم کبھی اُس کی جرأت نہیں کر سکتے یہ سب نے  
پناہ پناہ راستہ لیا۔

ایک دو شخص کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں پر کفار کی ایذا رسانی کا معیار اسی حالت پر قائم تھا کہ اسلام  
نے والوں کو کپڑوں کی جگہ لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جائے اور گردنوں میں رتیاں ڈلو کر  
تچوں کے ہاتھوں گلی کوچوں میں گھسیٹا جائے گا۔ نماز کا پڑھنا اللہ والوں کو کلام مجید کی تلاوت کرنی خفیہ طور  
پر بھی مشکل اور دشوار ہو گئی اس لئے دوبارہ پھر مسلمانوں نے حبشہ کا راستہ لیا اور اس مرتبہ یکے بعد دیگرے  
لتر مسلمان مگر چھوڑ گئے یہاں تک کہ بیاسی یا تراسی مرد اور اتھارہ عورتوں نے حبشہ کو جائے پناہ بنایا \*۔

## باب ۲۰

### نجاشی شاہ حبشہ کا اسلام

جب ننگدل کافروں نے دیکھا کہ ان مسلمانوں کو اچھی پناہ مل گئی کہ جو مسلمان ہوتا ہوا وہ حبشہ جا آباد ہوتا  
وہ جس کی آگ میں جل مرتے اور یوں خیال کیا کہ اگر یہی حال رہا تو اسلام ترقی پکڑ جائے گا اور ہمارے شکار  
ہمارے پنجے سے نکلے رہیں گے اس لئے اس تدبیر میں مصروف ہوئے کہ کسی طرح ملک حبش دارالامن نہ رہے اور  
مسلمان بذلت و خواری حاکم حبشہ کے حکم سے وہاں سے نکلے جائیں تاکہ ہم کو آوازے کئے اور دل کی بھائی  
نکلنے کا موقع ملے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مجلس منعقد کی اور اس خیال کو مشورہ میں ڈالا۔ آخر حاضرین جلسہ  
میں اس تدبیر کی فکر طے ہو گئی اور بلا اتفاق کفار کہ میں سب کی رائے سے یہ منصوبہ بچتے ہو گیا۔

چنانچہ عمر بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کی طرف حاکم وقت شاہ حبشہ اور اراکین دولت کے  
لئے بہت کچھ تحفے تحائف ساتھ لے کر حبشہ آئے اور وہ بیش قیمت ہدیے اُن اراکین سلطنت کی نذر گزارے جن  
کی وساطت سے آخر شاہی دربار تک رسائی پانے اور بارگاہ سلطانی میں پہنچ کر مطلب براری کے متوقع تھے  
انہوں نے اہل حبشہ سے ظاہر کیا کہ یہ بدین بے وقوف لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں گورشتہ میں ہمارے  
بھائی بند ہیں لیکن ایک یہود مذہب کے موجد اور محض لغو باتوں کے قائل ہو کر چاہتے تھے کہ ہم شرفاء  
قوم ان کے تابع و غلام بن جائیں اور جب ہماری طرف سے ایسے ہو گئے تو مقدس مذہب عیسویت  
پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صاحب کو آگاہ رہنا چاہئے کہ ان کا من گھڑت مذہب نہ ہمارے دین



کے موافق ہے نہ آپ لوگوں کے پاک اصول سے ملتا اور نصرانیت کی تائید کرتا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ ہمارے ان فراری مجرموں کو یہاں سے جلا وطن کرادیں اس لئے کہ شاہی حکم سے ان کا ہمارے قبضہ میں آجانا شاید ان کی حالت سنوارے اور ہم کو اور ہماری قوم کو دعائے ترقی و دولت و اقبال کا موقع ملے۔ چنانچہ رشوت لینے والے اراکین دولت نے ہاں میں ہاں ملائی موافقت ظاہر کر کے کامیابی کی اُمید دلا کر مطمئن بنا دیا۔

صبح کو حبشہ کے بادشاہ جس کا نام اسٹو اور لقب نجاشی تھا جس وقت دربار میں بیٹھا تو قریرہ کے بیش قیمت تحفوں کے ساتھ سفیر ان قریش کی درخواست بھی پیش ہوئی اور منصب مزاج نجاشی یہ کہہ کر کہ جو لوگ میرے انصاف اور رحمدلی کی امید پر اپنا وطن مالوف چھوڑ کر میرے ملک میں آئے تھے میں ان کو ہرگز نہیں نکال سکتا۔ امور سلطنت میں مشغول ہو گیا البتہ اتنی اُمید دلائی کہ فریق کی گفتگو جس وقت بالمواجہ ہوگی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون برسرِ ناحق ہے اور کون برسرِ حق؟ غرض مہاجرین مسلمین کے پاس شاہی حکم پہنچا اور تمام مسلمان یہ خیال پختہ کر کے کہ جو کچھ بھی ہو بولنا بہتر ہے دربار میں آ موجود ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں کا دربار میں آنا زالی آدا اور سیدھے صاف طریقہ پر اہل دربار کے بالکل ناپسند تھا کیونکہ ان لوگوں نے شاہی آداب کو ملحوظ رکھنا بادشاہ کو برا کیا نہ تخت کو بوسہ دے کر عاجزی و ذلت کا اظہار کیا بلکہ محض اسلامی قاعدے پر سلام کر کے جہاں پانی وہاں بیٹھ گئے۔

شاہی مضاحبوں میں سے ایک ندیم آگے بڑھا اور مسلمانوں کو مخاطب بنا کر پوچھا کہ تم بے گنواروں نے جہاں پناہ کو سجدہ کرنے کی تنظیمی رسم کو کیوں نہیں آدا کیا؟ مسلمانوں میں سے حضرت جعفر طیار نے آگے بڑھے اور ولیزادہ اسلامی قوت سے جواب دیا کہ ہم اللہ کے مسلمان بندے اس کی غلطی کو سجدہ نہیں کرتے کیونکہ ہمارے پیغمبر کی ہم کو سب سے پہلی نصیحت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی قابل پرستش نہیں ہے۔

اس صاف جواب نے حاضرین جلسہ کی طبیعتوں پر گویا ہی اثر کیا ہو لیکن نجاشی کے دل پر وہ پاک اثر کیا جو درحقیقت انصاف پسند پاک قلب پر ہونا چاہیے چنانچہ نجاشی نے ایک وقعت کی نظر سے مسلمانوں کے گردہ کو دیکھا اور ترجمان کی معرفت محض امتحان کی غرض سے سوال کیا کہ بتاؤ وہ کونسا مذہب ہے جس کے لئے تم نے اپنے آبائی دین کو ترک کر دیا اور نہ میرے مذہب کو قبول کیا نہ دوسروں کے حضرت جعفر بن ابی طالب حضرت علیؓ کے بھائی سب کی طرف سے وکیل بن کر آگے بڑھے اور اس طرح



تقریر فرمائی کہ ملے منصف بادشاہ! ہم جہالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم لوگ بتوں کو پوجتے تھے  
مردار کھاتے تھے، جھوٹ بولتے اور زنا و فسق و فجور کو اچھا سمجھتے تھے، انسانیت سے ناواقف تھے، مسافر  
وہمان نوازی کی رسم سے آگاہ نہ تھے، ہم لوگ ظلم کے سوائے دوسرے قانون نہ جانتے تھے کہ کیا ایک  
ہمارے ہر بان پر ورد گارنے ہم پر رحم فرمایا اور ہماری شریف تر قوم میں ایک پر دلخیز شخص کو کھڑا  
کیا جس کی نجابت ستیائی، ایمانداری اور نیک چلنی سے ہم سب لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ اس پر  
اللہ کا پاک کلام نازل ہوا اس نے ہم کو اللہ کی وحدانیت بتلائی، شرک سے روکا، بتوں کے پوجنے، آہستہ  
میں خیانت کرنے اور پڑوسیوں پر ظلم کرنے سے منع کیا، سچ بولنے کی ہدایت کی، اللہ کے کمزور بندوں  
پر رحم کرنا سکھایا، مروت اور انسانی ہمدردی سے آگاہ کیا اور کہا کہ کسی پر جھوٹی تہمت نہ دھرو، قیول  
کا مال ظلمانہ کھاؤ، اس نے یہ حکم کیا کہ گناہوں سے بچو، نماز پڑھا کرو، خیرات دو، روزہ رکھو، جھوٹ نہ بولو،  
کسی کی غیبت نہ کرو، انصاف کرو اور ہمیشہ ایک اللہ لاشریک کے قائل رہو۔ چونکہ ہم لوگ اس پر ایمان  
لے آئے، ہم نے اس کو سچا پیغمبر سمجھا، اس کی تمام ہدایتوں کو مان لیا اور شرک سے کنارہ کش ہو گئے، اس  
لئے ہمارے ہر وطن اور کنبہ کے بھائی جو جہالت و بت پرستی کے دریا میں ڈوبے ہوئے اور نخوت و کبر کا جانا  
پیسے ہوئے تھے ہم لوگوں کے دشمن بن گئے، ہم کو ہمارے قومی وطنی بھائی اس وجہ سے تکلیف پہنچاتے اور  
ایذا دیتے ہیں کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کو چھوڑ کر ان کی کاٹھ کی مورتوں کو پوجنے لگیں، ان  
لوگوں نے ہم کو یہاں تک تھمایا اور اس قدر ایذا پہنچائی کہ ہم تاب نہ لائے اور اس کو برداشت نہ کر کے آخر مجبور  
ہو کر آپ کے ملک میں آئے ہم کو اپنا وہ وطن چھوڑنا پڑا جس میں ہم پیدا ہوئے، بڑے پھولے پھلے ہم نے اپنے مال  
کی پروا نہ کی ہم نے اپنی جان کا خیال نہ کیا، ہمیں ہماری جائداد ملک اور مال و متاع کی محبت نے نہ روکا البتہ  
یہ بات کہ دین کا بھی خیال نہ کریں ہم سے نہیں ہو سکتا۔ ہمیں گوارا نہیں کہ جس آگ سے اللہ نے ہم کو نکال لیا ہے  
ہم پھر اس میں آنکھوں دیکھتے کو دپڑیں۔ ہم یہاں تک صرف اس امید پر آئے تھے کہ منصف رحم دل بادشاہ  
کی رعایا بن کر ظالم بت پرستوں کے شر سے محفوظ رہیں گے اور کافروں کے نیچے ظلم سے نجات ملے گی سو ہمارا دشمن  
قبیلہ یہ بھی نہ دیکھ سکا اور چاہتا ہے کہ جس رحم دل بادشاہ کی سلطنت میں حیوان اور طیور تک ظلم سے امن  
میں رہیں ہم دور افتادہ مسافروں کو وہاں بھی پناہ نہ ملے اور تنگ آکر دوبارہ انہیں ظالم پنجوں کا  
شکار بنیں جن کے تختہ مشق عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ سو تقدیر کا حکم ٹل نہیں سکتا اور ہمارے لئے جو کچھ  
مشیت الہی سے صادر ہو، ہمیں بخوشی اس کے منظور کرنے میں تامل نہیں ہے، **هُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ**  
**الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ**



نجاشی نے یہ پراثر تقریر سنی تو حیران رہ گیا اور سچائی کے سچے اثر سے متاثر ہو کر سوال کیا کہ وہ کلام الہی جو تمہارے پیغمبر پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا میں سُننا چاہتا ہوں چنانچہ سیدنا جعفر و ذوالنورین بیٹے اور سورہ مریم کی شروع آیتیں سُنائیں۔ نجاشی کا دل بھر آیا اور آنکھوں میں سے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔ اراکین سلطنت پر بھی ایک بعد کیسی حالت طاری ہوئی اور سلطان حبش نے کہا کہ سبحان اللہ سبحان اللہ کس قدر شیریں اور پیارا کلام ہے اور اس لذیذ کتاب کی آیتوں کو انجیل شریف کیسی کچھ مشابہت ہے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں ان بندگانِ خدا کو اپنے رحم و انصاف کے محروم و مایوس بناؤں اور ان کو قریش کے حوالہ کروں۔ سو اُنے سفیرانِ قریش بہتاری و رجوت نامنطور سے جاؤ اور آئندہ کبھی اسی بے موقع تو قح مجھ سے نہ رکھو۔

سفیرانِ مکہ بے نیل مرام و بارے لوٹے تو شرم و ندامت کے عالمے سر نیچے اور عقدہ طال کے سبب چین تھے۔ آخر عمر بن عاص اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں کل یہاں پھر آؤں گا اور دوسری چال چلوں گا۔ عبد اللہ بن ابی امیہ نے منع بھی کیا لیکن اس نے ایک نہ سنی اور اگلے روز شاہی مراسمِ تعظیم ادا اور سجدہ کرنے کے بعد مودبانہ عرض کیا کہ جہاں سپاہ یہ رہا ہے فراری مجرم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا یا اور دریافت کیا کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ حضرت جعفر نے جواب دیا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر نے ہم سے کہا ہے کہ **هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْفًا إِلَى مَوْلِدِهِ وَرُوحُ مَوْلَاهُ** یعنی وہ اللہ کے بندے اور اُس کے پیغمبر ہیں اور اُس کے حکم میں جو مریم کی طرف کہلا بھیجا تھا اور اس کی جانب سے خاص روح ہیں۔

نجاشی نے کہا سچ ہے انجیل شریف کا بھی یہی مفہوم ہے اور گو علمائے نصاریٰ اس کے خلاف ہوں لیکن میرا عقیدہ اسی کو حق مانے ہوئے ہے۔ مسلمانوں! تم پر اور تمہارے رسول پر صد مرحبا۔ بیشک وہ سچے نبی ہیں اور میرا جہاں تک خیال ہے محمد وہی رسول ہیں جن کی تعریف میں نے انجیل شریف میں دیکھی اور پڑھی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ عیسیٰ بن مریم کی بشارت پوری ہوئی اور میرا زمانہ حکومت خاتم النبیین کے زمانہ رسالت کے موافق ہوا۔ بخدا اگر انتظامِ سلطنت میرے سپرد نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کے ہمراہ ضرور چلتا اور ان کی جوتیاں اٹھا کر سر پر رکھتا۔ آفتاب لے کر وضو کرتا اور اُن کی قدمبوسی کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھتا اس پر اراکینِ سلطنت میں ایک مخالفانہ جوش پیدا ہوا اور نجاشی نے بات ٹال کر سلسلہ گفتگو بدل دیا تاہم نجاشی کا اسلام مذکورہ بالا کلمات سے ثابت ہو گیا اور ان کے انتقال پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ اُن کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی۔

نجاشی نے قریش کے تحفے واپس کر دیئے اور کہہ دیا کہ جاؤ مجھ سے یہ اُمید ہرگز نہ رکھو کہ میں دینی



معاملہ میں رشوت قبول کر دیں گا۔ یا مال کے لالچ میں اللہ کے ان بندوں کو جو میرے رحم کی امید پر میری مملکت میں آ رہے ہیں ظالموں کے حوالہ کر دیں گا۔ نجاشی شاہ حبشہ نے اظہار اسلام کی وجہ سے اپنی قوم اور رعایا کا رخ پھرا ہوا دیکھا تو ایک کاغذ پر کلمہ توحید لکھ کر گرتے کے نیچے سینہ پر چسپا لیا اور برسر دربار عام رعایا سے سوال کیا کہ آخر کس بات پر تم لوگ کشیدہ اور مجھ سے ناراض ہو؟ قوم نے جواب دیا کہ اپنے مذہب بدل دیا اور خدا کے بیٹے عیسیٰ کو ابن اللہ نہیں سمجھتے اس سے ہمارے دل دکھے اور ہماری محبت آپ کے ساتھ جاتی رہی۔ اُس وقت شاہ حبش نے توریہ کیا اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بس میرا یہی عقیدہ ہے کسی کو کیا خبر تھی کہ سینہ پر کیا تحریر ہے جس پر عقیدہ ہونے کا بادشاہ نے اقرار کیا۔ یوں سمجھ کر کہ ہمارے عقیدہ سے موافقت کی اور سیدنا عیسیٰ کو ابن اللہ سمجھ لیا سب راضی ہو گئے اور بغاوت کا جوش فرو ہو گیا۔

سلطان حبش کی اس صاف نامنتظوری پر سفیران مکہ بے نیل مرام واپس ہوئے اور چند روز بعد نجاشی کو ایک اتفاقیہ غنیم سے مقابلہ کرنا پڑا جس کو چند ناقبت اندیش نصرانی نوادر مسلمانوں کی نحوست اور سرداران مکہ کو ناکام واپس کر دینے کا وبال سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کو بھی اپنے زحمت آقا کی اس تشویش سے فکر ہوا اور ان کا جی چاہا کہ کاش نجاشی کو نمایاں فتح اور دشمن پر کھلا غلبہ حاصل ہو چنانچہ راتوں رات رو کر اللہ سے دعائیں مانگنے لگے بلکہ حضرت زبیر ابن عوام کو لشکر کے ساتھ اس غرض سے بھیج دیا کہ ان کی وساطت سے جنگ کی خبریں باقی ماندہ مسلمانوں کو پہنچتی رہیں۔

سلطان حبش کا پڑ غلیبی نصرت کے سبب بھاری تھا اور مسلمانوں کی مخلصانہ دعائیں خالی جانے والی نہ تھیں اس لئے چند ہی روز میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور قحطی کے نقابے بجا آہوا لشکر حبش میں واپس ہوا چاروں طرف خوشی کے نعرے اور شادی و خرمی کے شادیاں بچنے لگے۔ اس موقع پر نجاشی کی فتح سے جو خوشی خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو ہوئی ہوگی اُس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

درحقیقت حضرت جعفرؓ نے اپنے مذہب کے لوگوں کے لئے ایسی جرات اور جوش سے بحث کی تھی جو بہت کم کسی کی ہوگی۔ اب مسلمان حبش میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور کامل اطمینان کے ساتھ اپنی معاش کے حصول میں جو سبب قائم کرنا چاہتے کر سکتے تھے۔

۲۱

اسلام کی حقانیت

جس وقت مسلمان اپنے دشمنوں کی ایذا رسانی کے سبب غیر ملک میں جا بے تھے اُس وقت بھی سیدنا



محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دلیری سے اپنی جگہ قائم اور مستعدی سے اپنی رسالت کے کام پر جے ہوئے تھے۔  
 ایسی نازک حالت میں جب کہ چار طرف سے مخالفت کے بادل اُٹھنے لگے ہوئے چلے آتے ہوں تجھ پر جان کا دشمن  
 اور خون کا پیاسا بنا ہوا ہو، بغض و عداوت کے شعلے بھڑک رہے ہوں، ہتھول سردار قتل کے بار بار برسرے  
 اٹھاتے ہوں اہل ملک اور اہل وطن قوم اور قبیلہ گنہ اور برادری ایک سرے سے سب ہی برسرِ خاش  
 اور آمادہ فساد ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سچے ارادوں پر مستقل رہنا اپنی تنہائی کا  
 خیال نہ کرنا اپنے معتقدین متوسلین کی آسائش کو مقدم رکھنا، اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں رکھنا اور  
 ساتھیوں کو دارالامن میں روانہ کر دینا انصاف پسند طبیعت کو بتلا سکتا ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اور کس  
 استقلال کے ساتھ اس کے سچے اصول قائم ہوئے ہیں اس مقدس مذہب کا محفظہ حامی کون زبردست  
 ذات تھی اور اس چمنستانِ توحید کا مالی کیسا باہمت، متحمل بردبار عالی حوصلہ شخص تھا جس نے اس کے نیولانے  
 سینچنے اور بار آور ہونے کی طرح میں کترا اور ذلیل غلاموں کی بھی گالیاں سُنین۔

ایک دن کا ذکر ہے آپ حرم شریف میں تنہا بیٹھے تھے کہ ایک قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور  
 کہنے لگا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے بیشک تم شرافت و لیاقت میں مشہور ہو لیکن افسوس تم نے ہم لوگوں میں  
 تفرقہ ڈال دیا ہمارے گھروں میں جھگڑا پھیل دیا۔ تم ہمارے دیوتاؤں اور دیویوں کو بُرا کہتے اور ہمارے باپ  
 دادا کو گنہگار اور بد دین، مشرک ٹھہراتے ہو۔ اس لئے ہم لوگ تم سے کچھ کہا چاہتے ہیں تم اس پر غور کرو  
 اور اس کو منظور کر لو۔ آپ نے فرمایا کہ اے ولید کے باپ کہو میں سُنتا ہوں۔ ابو الولید نے کہا کہ اے میرے بھائی  
 کے بیٹے! اگر تم اپنی ان باتوں سے دولت پیدا کرنی چاہتے ہو تو ہم لوگ چندہ کر کے تمہارے لئے اتنی دولت  
 جمع کر سکتے ہیں کہ اس قدر ہم میں سے کسی امیر سے امیر قریشی کے پاس بھی نہ ہوگی اور اگر اس سے تم اپنی عزت  
 اور نام چاہتے ہو تو ہم لوگ تمہیں اپنا سردار بنالیں کہ کوئی کام تمہاری رائے کے بغیر خلاف نہ کریں اور  
 اگر تم ملک چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ قرار دیں اور اگر تم کو آسیب کا نمل ہے اور وہ بھوت جو تم  
 پر سوار ہے اس سے نہ اترے تو ہم لوگ روپیہ خرچ کر کے حکیم لائیں اور حاذق طبیب سے تمہارا علاج  
 کرائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مجھ کو تمہارا روپیہ چاہیے نہ تمہاری سلطنت درکار ہے نہ تمہارا  
 جاہ و شہ میری نظر میں کوئی چیز ہے، میں تم کو اللہ ہی کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور سورہ سجدہ  
 کی شریف آیات تلاوت فرمائیں آپ چلتے جاتے اور اخلاص کے ساتھ قرآن کی وہ مبارک آیتیں تلاوت فرماتے  
 جاتے تھے جن کا مضمون یہ ہے کہ یہ کتاب رحمن رحیم کی اتاری ہوئی ہے اس کے دلائل صاف صاف ہیں



مگر قرآن ہے جس کی زبان عربی ہے یہ سمجھ والوں کے لئے ہدایت ہے یہ خوشخبری ہے عینے والی اور ڈرانے والی ہے، لیکن  
 یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس کو سننے نہیں اور کہتے ہیں ہم تمہاری باتوں کو نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ سن  
 سکتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ایک پردہ ہے اس لئے کرو تم جیسا کہ تم مناسب سمجھو اور کریں گے ہم  
 یہ ہم مناسب سمجھیں گے۔ کہہ دے (محمد) کہ میں تمہاری ہی طرح پر ایک آدمی ہوں، یہ بات مجھ پر کھول  
 دے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے اس لئے سیدھے اُسی کی طرف جاؤ اور گزشتہ کے لئے معافی مانگو اور  
 نہ ہے ان بُت پرستوں پر جو صدقہ نہیں دیتے اور آنے والی زندگی کا یقین نہیں کرتے۔ لیکن لوگ  
 نہ لائے اور نیک کام کرتے ہیں وہ ابد الابد کے لئے انعام پائیں گے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی یہ آیات سنا چکے تو فرمایا کہ "اب تم نے سن لیا کہ میرا مقصود کیا ہے  
 مطلب تم پر ظاہر ہو گیا اور میرا منشاء تم معلوم کر چکے سو اب جو مناسب سمجھو کرو۔"

عقبہ بن ربیعہ اسمانی وحی سے اس قدر متاثر ہوا کہ آپ کی تلاوت شروع کرتے ہی دونوں ہاتھ پیچھے  
 نب زمین پر ٹیک کر بیٹھتے بنائے تار با اور جب تک آپ نے آیت سجدہ تک تلاوت ختم نہ کی اسی طرح  
 وحی حرکت بنا رہا آخر اپنے رفقاء قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اے قوم! آج میں نے محمد کی زبان  
 یا شیریں کلام سنا کہ واللہ نہ اُس کو سحر و کھانت کہہ سکتا ہوں نہ شعر و شاعری۔ اے قوم میرا کہنا مانو محمد کی  
 بات نہ کرو اور جس کام میں لگے ہوئے ہیں اس کے مزاحمت نہ بنو یاد رکھو مجھے اُس کے کلام سے اُس کے  
 مد میں کامیابی کی بُرائی آتی ہے سو اگر کسی عربی دشمن نے اُن کو ہلاک کر دیا تو اچھا ہے کہ تمہارا کام ہو  
 اور اگر محمد کو غلبہ حاصل ہوا جیسا کہ متوقع ہے تو اُن کی عزت تمہاری عزت ہے اور اُن کا ملک تمہارا  
 وہ قریش نے عقبہ کی یہ تقریر سنی تو ہنسے اور جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے محمد کے جاؤ نے تم پر بھی اثر کر دیا  
 یہانی کے جال میں تم بھی پھنس گئے۔ اب اولید نے یہ لایعنی جواب سن کر سکوت کیا اور یہ کہہ کر کہ  
 تو جو خیال تمہارا ظاہر کر چکا اب تم جانو اور تمہارا کام۔ بات کو مثال دیا۔

کفار ایک مرتبہ اور بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دولت و عزت کے لالچ دلا  
 پھر آپ نے یہی جواب دیا کہ میں نہ دولت کا بھوکا ہوں نہ مجھے نام کی خواہش ہے نہ مملکت کی تم  
 ن تو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں کہ تمہیں خوش خبریاں سناؤں، میں تم کو خدا کا کلام سناؤں،  
 میحت کرتا ہوں، اگر تم نے میرا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی چین سے رہو گے اور آئندہ بھی  
 رہو گے تم نے نصیحتوں پر کان نہ دھرا تو میں صبر کروں گا اور اپنے معاملہ کو خدا پر چھوڑوں گا وہ  
 دے اور ہمارے درمیان تصفیہ کر دے گا۔



سبحان اللہ ان جلالت مآب باتوں سے کسی عظمت اور عالیٰ حوصلگی ظاہر ہوتی ہے لیکن افسوس ہر طرف  
قوم نے جواب بھی دیا تو ایسا نامعقول جس سے خدا ڈپکتا تھا یعنی یہ کہ اے محمد! تم خوب سمجھ لو ہم لوگ تم کو  
کبھی وعظ نہ کہنے دیں گے یہاں تک کہ تم فنا ہو جاؤ یا ہم۔

اللہ کے محبوب پیغمبر کو باوجودیکہ ہر طرح کی سختیاں پیش آئیں اور مزاحمتیں ہوتی تھیں لیکن اللہ  
کی مدد پر بھروسہ کئے ہوئے وعظ و نصیحت کے کام پر ہی تنہا رہے مستعد اور مصروف رہے آپ کو ذرا غم نہ  
نہیں ہوئی آپ کے خیال نے ذرا پلٹنا نہیں کھایا آپ کو کبھی ہراس نہیں ہوئی، اگر آپ نے اپنی رسالت کی حقانیت  
دلیل پیش کی تو یہی کہ میری پسندیدہ نصیحتیں عقل سلیم کے موافق اور میرے پاکیزہ اقوال انسانی سمجھ کے مطابق  
ہیں کلام جو محمد پر نازل ہوتا ہے اللہ کا کلام ہے اس جیسا فصیح کلام بنا نا بشری طاقت سے باہر ہے اگر کسی  
دعویٰ ہو تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لائے سورت نہ سہی پوری ایک آیت ہی بنائے اپنے حمایتیوں کو بلا  
اور اس وقت ملک عرب حالانکہ فصحاء کا معدن اور بلاغت کا گنجینہ بنا ہوا تھا لیکن کسی سے نہ ہو سکا  
باوجود اس سخت مخالفت اور بار بار دعویٰ مزاحمت و مقابلہ کے کوئی اپنا قصیدہ یا مستمع مضمون پیش  
اور کہتا کہ یہ قرآن جیسا فصیح کلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بند کرنے کے لئے ہے۔

## باب ۱۰

### حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کا اسلام اور اسلام کی قوت

جب کافروں کو مال و عزت کے لالچ دلانے میں بھی ناکامی ہوئی تو انھوں نے معمول سے زیادہ آپ  
مفسک اڑانا شروع کیا۔ جدھر آپ جاتے اپنے متعلق نازیبا اور سخت الفاظ سننے تھے بازاری اور باش آب  
پھبتیاں اڑاتے، طعن کرتے، شریعے کنکریں مارتے، خاک اڑاتے اور یہودہ طریقہ سے آپ کو پریشا  
کرتے تھے۔ غلام اور باندیاں آپ کو دیکھتیں تو مذاق اڑاتیں، ہنستیں اور دل آزار تشنیع سے بار  
دل دکھایا کرتی تھیں۔ سب کچھ تھا مگر اللہ نے ہمت و حوصلہ کہ باوجود ذی عزت و شرف خاندان  
دونہال اور قریشی حاکم مکہ کے ناز پروردہ پھول ہونے کے کبھی کسی رذیل سے رذیل شخص کی بدگوئی کا  
بھی بدگوئی سے نہ دیا اور معاملہ سپرد خدا کر کے صبر فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کو وہ صفائے دامن میں ارقم بن ابی ارقم کے مکان پر تشریف رکھتے تھے  
ابو جہل بن ہشام کا اس جانب گذر ہوا اور اس نے آپ کو وہ صفائے دامن کے پاس کھڑا دیکھ کر بہت



سنت شست کہا۔ حضرت نے سب کچھ سنا اور حسب عادت تختل سے کام لے کر خاموش ہو رہے اور جواب میں نہ بانی  
 ہے ایک کلمہ بھی نہ نکالا۔ عبد اللہ بن جبرعل کی باندی ابو جہل کے یہ ناشائستہ کلمات سن رہی اور سیدنا محمد صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا صبر دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت کے چچا حمزہ بن عبد المطلب جو اس وقت تک  
 اپنے مذہب کے معتقد تھے، کمان کندھے پر ڈالے شکار گاہ سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں اس باندی نے  
 یکھ پایا اور کہنے لگی کہ اے حمزہ نہایت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ تمہارا بھتیجا تمہارے بھائی عبد اللہ  
 کا بیٹا عام لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل بن جائے کہ کے بازاروں میں جس کا بھی جی چاہے اُن کو گالیاں  
 سنائے اور تم کو کچھ شرم و حیا نہ آئے اگر آج تم دیکھتے کہ ابو جہل نے اُس شریف زادے کو کیسی گالیاں دیں اور  
 اُس نے کس قدر صبر کیا اور چپکا گھر چلا گیا تو تم کو حیرت ہوتی، کیا دنیا کے خون سپید ہو گئے یا قومی حمیت  
 کوئی چیز نہیں رہی؟ کیا محمدؐ عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا نہیں ہے یا عبد اللہ تمہارا بھائی نہ تھا، اے  
 قریشی سردار! تم تو بڑے شریف اور خاندانی کہلاتے ہو، کیا اہل عرب کی نظروں میں تمہارا کنبہ یعنی  
 ہاشم کی اولاد بالکل ہی ذلیل اور بے وقعت ہو گئی؟

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جو رشتہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ثویبہ کی وساطت سے  
 رضاعی بھائی ہوتے تھے نہایت غصیاریے اور غیور طبیعت شخص تھے، یہ کلمات سن کر غصہ کے مارے  
 سرخ ہو گئے آنکھوں میں خون اُتر آیا اور سیدھے مسجد حرام میں ابو جہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ  
 "او خبیث! تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ میں اُس کے دین پر ہوں؟" کمان کندھے  
 سے اتار کر ایسے زور سے سر پر ماری کہ دماغ پر کاری زخم لگا۔

سیدنا حمزہؓ کا معمول تھا کہ شکار گاہ سے واپس ہو کر سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور راستہ میں قومی  
 مجلسوں میں ٹھہرتے، سلام علیک کرتے بیٹھتے، کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر گھر واپس آتے تھے لیکن اس غصہ  
 کی حالت میں یہ عادت ترک ہو گئی اور سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ ابو جہل سے اپنے بھتیجے کا انتقام لیا اور  
 یہی جوش و حمیت قومی دولت ایمان کا سبب بن گئی۔

حمزہ کی یہ حرکت دیکھ کر حاضرین مجالس اپنے سردار ابو جہل کی طرف داری میں بھڑکے اور پایا کہ حمزہؓ  
 سے انتقام لیں مگر اول تو حمزہ بھی آبرو دار شخص اور قریشی سردار تھے دوسرے خود ابو جہل نے یہ کہہ کر ٹھنڈا  
 کر دیا کہ حمزہ معذور ہیں میں نے ان کے بھتیجے پر حقیقت میں زیادتی کی اور ایذا پہنچائی ہے اگر یہ اس کا بدلہ  
 مجھ سے نہ لیتے تو اس وقت قابل ملامت ہوتے اور بے حیائی کا دھبہ ان کی ذات پر لگایا جاتا۔

اس کے بعد سیدنا حمزہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ



میں ایمان لایا اللہ پر اور اللہ کے سچے رسول محمد پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مہربان چچا اور سرور خرد سردار قریش کی زبان سے کلمہ توحید سن کر نہایت مسرت ہوئی اور آب قریش کا بھی زور ٹوٹ گیا، کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان امر نہ تھا۔

قریش کی ہمتیں پست ہو چلیں اور کمریں ٹوٹنے لگیں، لیکن چند لوگوں نے پھر آخری کوشش پر کمر بستہ کو حثیت کیا اور مجلس منعقد ہوئی جس میں بڑے بڑے تاجر، مالدار، متمول، سردار، بہادر، اولوالعزم و کرام اور سفاک لوگ جمع ہوئے۔ ابو جہل نے میر مجلس بن کر کہا: اے اہل عرب! اور اے سرداران قریش سخت افسوس اور شرم کی بات ہو کہ تم جیسے بہادر جنگ جو مالداروں کی جماعت میں سے ایک ضعیف لڑکا نکلا تمہاری مخالفت کا جھنڈا کھڑا کرے اور تم اس کا کچھ نہ کر سکو، تمہاری عزت کہاں گئی؟ تمہاری ہمت کیا ہوئی؟ کیا سے نہیں ہو سکتا کہ اس کا سر کاٹ لاؤ؟ کیا کوئی شریف تم میں ایسا نہیں رہا کہ اس کا سرتن سے جدا کر کے میرے پاس لائے اور تنواؤنٹ کے علاوہ ہزار اوقیہ نقرہ کا انعام مجھ سے لے۔

یہ سن کر کمیٹی کے ایک معزز ممبر عمر بن خطاب جو دلیری و شجاعت کا عزم میں مشہور اور اپنے عقائد میں مضبوط و مستحکم ہونے کی وجہ سے اسلام اور بانی اسلام کے دشمن تھے، کھڑے ہوئے اور کہا کہ تم اطمینان رکھو میں جلد ان کا سر کاٹ کر تمہارے حوالے کر دوں گا، یہ سن کر تمام حاضرین جلسہ کو خوشی ہوئی کیونکہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اپنی دھن کا پکا عمر جیسا بہادر شخص بیشک ناکام واپس نہ آئے گا۔

عمر نے تلوار ہاتھ میں لی اور اپنی دھن میں مستغرق مجلس سے اٹھ کر سیدے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں نعیم بن عبد اللہ نے جو اپنی قوم کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے، انہوں نے عمر بن خطاب کو تیوری چڑھائے، تلوار لٹکائے غصیاریے چہرہ میں دیکھا تو پوچھا کہ لے عمر کہاں جاتے ہو؟ عمر بن خطاب نے جواب دیا کہ محمد کا سر کاٹنے جا رہا ہوں کیونکہ انہوں نے قریش میں پھور ڈال دی، ان کے معبودوں کا ہتک کیا۔ ان کے بزرگوں کو گمراہ اور بڑوں کو جہنمی بتایا اور ان کے قدیمی دین کو بُرا کہہ کر سرداران قریش کے دل دکھا رہے ہیں۔ میں نے آج بیڑا اٹھایا ہے کہ اس فساد کی جڑ بنیاد کاٹ دوں۔ نعیم نے کہا کہ لے عمر! تم کو تمہارے نفس نے دھوکہ دیا بھلا محمد کے قتل ہوئے پیچھے عہد مناف کی اولاد تم کو زندہ چھوڑ دے گی؟ جاؤ اور اپنی جوانی پر رحم کھاؤ۔

عمر بن خطاب کے غصہ کا دریا اس وقت جوش زن اور طوفان کی موجوں کی طرح متلاطم تھا آنکھوں میں سُرخ کی ڈور سے نمودار تھے۔ نعیم کی زبان سے یہ کلمات سن کر اور بھڑکے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر محمد کے طرفدار اور صابی بن گئے ہو بہتر ہے کہ اول تمہارا ہی معاملہ طے کر دیا جائے۔



نعم نے جواب دیا کہ اے عمر جوش میں آؤ اور محمدؐ یا میرے قتل سے پہلے اپنے گھر کی حالت تو درست کر لو  
دیکھو تمہاری حقیقی بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی سعید بن زید کس دین پر ہیں کیا تمہیں خبر نہیں  
کہ یہ بھی اسی مذہب کے پیرو ہیں جس کی جر کاٹنے کا تم قصد کر کے اٹھے ہو۔ یہ خبر سن کر عمر بن خطابؓ کی حالت  
متغیر ہو گئی اور یہ اُس راستہ کو چھوڑا اب اپنے گھر کی طرف چلے۔

فاطمہ بنت خطابؓ اور اُن کے شوہر سعید بن زید ایمان لا چکے تھے لیکن خوف کے سبب اظہار نہ  
کر سکتے تھے حضرت خطاب بن اُرت اُن کو خفیہ طور پر قرآن مجید پڑھانے اور علم دین سکھانے آجاتے تھے۔  
اتفاق ایسا ہوا کہ اُس وقت جب کہ عمرؓ غصہ میں بھرے ہوئے اپنے گھر آ رہے تھے، حضرت خطابؓ کلام مجید  
باواز بلند پڑھ رہے اور فاطمہ سعیدؓ مودب بیٹھے سن رہے تھے۔ عمر بن خطابؓ کو اڑکھٹا کھٹانے تو سب گھبرا  
اٹھے اور خون کی وجہ سے دل کانپنے لگے آخر حضرت خطابؓ تو جلدی لپک کر گھر کے گوشہ میں چھپ گئے اور فاطمہؓ  
نے مقدس صحیفہ کو اپنی ران سے چھپالیا۔ سعید بن زیدؓ نے کو اڑکھول دیئے۔ چونکہ عمر بن خطابؓ کے کانوں  
میں کلام الہی کے چند کلمے پڑ چکے اور ان کو نعیم رشک کے قول کی تصدیق ہو چکی تھی اس لئے گھر میں قدم رکھتے  
ہی غصہ کے ساتھ لٹکار کر پوچھا "بتاؤ یہ بھنبنا ہٹ جو میرے کانوں میں پڑی، کس چیز کی تھی؟" بہن  
بھائی کی تیوری بے طور دیکھی تو بات کو ٹالا اور کہا بھائی جان! کچھ بھی نہیں تھا آپ کو وہم ہوا۔

یہ سن کر عمر بن الخطابؓ کے غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُنھوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ  
پر دست درازی شروع کی، حضرت فاطمہؓ اپنے بھائی کے ہاتھوں بلا وجہ خاوندی اس ذلت کو کب  
گوارا کر سکتی تھیں، اُنھیں اور بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر عمر بن خطابؓ غصہ میں ایسے مدہوش تھے کہ نہ  
بہن کا امتیاز تھا نہ بہنوئی کا۔ اس لئے حضرت سعیدؓ کو چھوڑ کر اب بہن پر ٹوٹ پڑے۔

عمر بن الخطابؓ نے اپنی بہن پر معمولی زیادتی نہیں کی بلکہ اس قدر مارا کہ فاطمہ کے نازک بدن  
پر زخم آئے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔

فاطمہؓ نے جب دیکھا کہ بھائی نے غصہ اور سختی کے برتاؤ میں حد کر دی تو سمجھ لیا کہ اب حق کا چھپانا  
کمزوری ہے اب صاف صاف کہہ دیا کہ ہاں ہاں بیشک ہم دونوں اللہ اور اس کے رسول محمد صلی  
اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں، تم کو جو کچھ کرنا ہو کر گذرو، ہمیں اپنا ایمان اپنی جان سے زیادہ  
عزیز ہے، ہم مرجائیں گے لیکن تمہارا کہنا کبھی نہ مانیں گے۔

عمر بن خطابؓ کے غصہ کا دریا دھڑلہا رہا اور اللہ جل جلالہ کی بے پایاں رحمت کا  
سمندر اُدھر جوش زن تھا۔ یہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ تلخ و ناگوار برتاؤ پر تلے ہوئے تھے اور بارگاہ



احدیت سے اُن کے سخت قلب میں ایمان کی جلالت ڈالی جا رہی تھی۔ بہن کو مارنے کے بعد جوش فرو ہو گیا اور غبارِ نکل چکا تھا خصوصاً جب کہ بہن کے جسم سے خون بہتا دیکھا تو رحمہ اللہ اور نرمی کے ساتھ اپنی بجا حرکت پر ندامت ہو چلی تھی اس لئے ہوش و حواس درست کر کے کہا کہ اچھا وہ صحیفہ مجھ کو دکھا جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں رقت و نرمی کا اثر دیکھا تو خوشی پیدا ہوئی اور جواب دیا کہ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اُس کے ساتھ گستاخی کرو گے۔ وہ پاک صحیفہ میرے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور تمہارے ہاتھ میں جا کر پُرزے پُرزے ہو جائے گا۔" عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی اور کہا کہ میں تمہارا صحیفہ تم کو واپس کر دوں گا۔ تم جانتی ہو کہ عمر وعدہ خلاف اور بات کا کچا نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالت تو اُس وقت کچھ اور ہی تھی اُن پر بھائی کی ہدایت و خوف کا نشان تک نہ تھا اس لئے بے تکلف جواب دیا کہ ہمارا مقدس صحیفہ ہمارے ہر بان خدا کا پاک کلامِ مُشرک اور بُرست کا فروں کے نجس ہاتھوں میں کیونکر جاسکتا ہے۔ تمہارا قلب نجس، تمہارا بدن ناپاک، تمہارے ہاتھ پلید ہیں وَلَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْکَاطِرُ وَنَدَا اور اس کو سوائے پاک بندوں کے کوئی چھو نہیں سکتا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اُس وقت ایک علیحدہ مکان میں گئے اور وہاں غسل کیا اور کہا لاؤ آب و کھاؤ کہ صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خطابات وہ صحیفہ شریفہ اٹھا لائیں جس میں سُورَةُ طه لکھی ہوئی تھی چنانچہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں پڑھیں اور بے اختیار بول اُٹھے کہ "کیا شیریں کلام ہے اس کی جلالت اور اس کی بزرگی میری رگ رگ میں سرایت کرتی جاتی ہے" سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہ پیارے کلمات حضرت خطاب رضی اللہ عنہ کے گوشے میں چھپے ہوئے سن رہے اور حق تعالیٰ کی قدرت و رحمت کا کرشمہ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے آخر باہر نکل کر کہا "مرحبا مرحبا خوش ہوا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے بارے میں قبول ہوئی کیونکہ میں نے کل آپ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا تھا کہ بارِ اکبر! اسلام کو عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ساتھ عزت سے ان دونوں میں سے جس کو تو چاہے مسلمان بنا اور دولتِ ایمان سے مالا مال فرما۔"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دل نورِ ایمان سے منور ہو چکا اور ابو جہل سے قبل اس نعمت کی طرف لپکنے کا شوق بھرپور اٹھا تھا اس لئے خلاصانہ طور پر درخواست کی کہ اے خباب! محمد کہاں ہیں مجھ کو اُن کے پاس لے چلو اور مسلمان کرالو۔

غرض یہ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں لی اور اس دائرہ کی طرف اب ایمان کی نیت چلے جس کی جانب ابھی چند گھنٹے ہوئے کسی گستاخ اور نازیبا ارادہ سے جا رہے تھے۔ یہاں حاضر ہو کر دروازہ پر دستک دی اور اندر آئے۔



کی اجازت چاہی۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ کواڑ کی درزوں میں سے دیکھا تو تلوار لٹکا ہوئے عمر بن خطابؓ نظر آئے صحابہ پریشان ہوئے اور کواڑ کھولنے میں تردد ہوا۔ حضرت حمزہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عمر کو اندر آنے کی اجازت دیجئے اگر اُن کا ارادہ بھلائی کا ہے تو ہم بخوشی اطاعت کریں گے اور اگر کسی گستاخانہ حرکت کے قصد سے آئے ہیں تو انھیں کی تلوار ان کا خون بہائے اور گردن اڑائے گی۔ غرض حضرت نے اجازت دی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ عمر تلوار کو میان میں کئے گردن میں ڈالے اندر آئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور عمرؓ کی چادر کا کونہ پکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ ”اے عمر! کیا تو باز نہ آئے گا یہاں تک کہ کوئی کھڑکھڑا دلنے والی مصیبت تیری آنکھیں کھولے؟ خدا جانے اس جھٹکے میں کسی مقناطیسی قوت تھی کہ عمر بن خطابؓ کا نور ایمان چمک اٹھا اور دینداری کے ماہتاب کی شعاعیں پھوٹنے لگیں ایمان کی دلی ہوئی محبت مشتعل ہوئی اور ان کی زبان سے بیاختہ نکلا کہ یا رسول اللہ! میں تو ایمان ہی لانے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں۔

یہ سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوش مسرت آواز تکبیر بلند کی اور سارے گھر والوں کو اطلاع دل گئی کہ عمر مسلمان ہو گئے۔ اب مسلمانوں کی مسرت کا کیا پوچھنا شخص اپنے پاک خدا کے احسان کا شکر گزار بنا ہوا اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتا تھا۔ عمر بن خطابؓ نے سب سے پہلے جمیل بن عمر کو اپنے اسلام کی اطلاع دی کیونکہ عرب میں یہی ایک شخص پیٹ کا انتہا درجہ کا ہلکا اور بات کا زیادہ مشہور کرنے والا تھا۔

جمیل نے یہ حیرت انگیز اطلاع پائی تو چادر کندھے پر ڈال گھبرا یا ہوا حرم محترم کے دروازہ پر آیا اور آواز بلند پکارا کہ ”اے جماعت قریش اور اے مکہ کے باشندو! عمر بن خطاب صابی ہو گیا۔“ سیدنا عمر بن خطابؓ نے جو برابر ہی کھڑے تھے فوراً جواب دیا کہ ”جھوٹا ہے کج بخت! بخدا میں تو مسلمان بنا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے دوسرا کوئی معبود نہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں۔“ غرض فوراً ہی یہ بات ہوا کی طرح اڑی اور چند منٹ میں تمام اہل مکہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عمر جو محمدؐ کا شمار کرنے گئے تھے خود شکار ہو گئے اور سرداران مکہ کی قوت کافروں سے منتقل ہو کر اسلام کی طرف چلی گئی۔ یہ خبر پا کر کفار قریش جھنڈ کے جھنڈ آئے اور جھگڑتے شور مچاتے اور بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا سب سے لئے صرف ایک جواب تھا اور وہ یہ کہ ”تم سے جو ہو کر لو میں تو ایمان لا چکا اور اب کسی طرح اس برحق مذہب کو چھوڑنے والا ہوں نہیں عزت جائے“



مال جائے، جان جائے، جو کچھ بھی ظہور میں آوے سب گوارا ہے۔ مگر قسم ہے خدا نے برتری کہ اسلام کو نہ چھوڑوں گا اور کبھی نہ چھوڑوں گا۔

آفتاب ایک نیرہ چڑھ گیا دھوپ کی تیزی نے دماغ پریشان کر دیئے مگر لوگوں کا غصہ میں اہل اہل کر آنا اور جوش و طیش میں اٹھنا کم نہ ہوا یہاں تک کہ عاتل بن وائل آیا اور اپنی قوم کو مخاطب بنا کر کہا کہ اے قوم! آخر تمہارا مقصد کیا ہے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ عمر کا گنبد بنی عدی بن کعب اپنے بہادر شیر کو تھامے حوالہ کر دیں گے کہ تم جو چاہو کرو؟ اے قوم ہوش میں آؤ اور عقل سے کام لو جو ہونا تھا وہ آدا ہو چکا۔ عمر نے اپنے لئے جو بہتر سمجھا اختیار کیا تم اپنے لئے جو بہتر سمجھو وہ اختیار کرو۔ باقی قتل و قتال اور نزاع و جدال کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اس وقت سب لوگ واپس ہوئے اور سیدنا عمر بن الخطابؓ اپنے گھر کا راستہ لیا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام نے درحقیقت کافروں کا زور توڑ دیا اور مسلمانوں کی کمر کمر قدر مضبوط کر دی کہ اب علی الاعلان اسلامی وعظ ہونے لگے۔ خانہ کعبہ میں کھل کھلا نماز پڑھی جانے لگی۔ گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں اسلامی جھنڈا اُٹھانے لگا۔ کفار کے ارانے پست اور منصوبے بے بنیاد ہو گئے اسلام کا آفتاب دن کے شروع حصہ کی طرح اوپر چڑھنے اور حجازی دُورے روشن کرنے لگا۔ مسلمانوں کے گروہ میں روز بروز ترقی اور کافروں کی جماعت میں دن بدن تنزل کے آثار نمایاں ہونے لگے مسلمانوں کی تعداد چالیس لاکھ سے متجاوز ہو چکی اور حق تعالیٰ نے یا اَیُّهَا الَّذِیْ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمِنْ اَتْبَاعِکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ نازل فرمائی \*

## باب ۸ و ۹

### قریش کا باہمی اتفاق اور خاندان بنی ہاشم کی خطرناک مصیبت

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا آفتاب اُن کے خاک ڈالنے سے مکدر نہیں ہوتا اور ابوطالب اپنے بھتیجے محمدؐ کو جنہیں باہمی فساد سمجھے ہوئے ہیں ہمارے حوالے نہیں کرتے، ادھر نجاشی شاہ حبش نے بھی روکھا جواب دیا اور دین اسلام نہایت اطمینان کے ساتھ قدم بڑھاتے چلا جا رہا ہے تو یکم محرم الحرام ۶ سنہ نبوی کو ایک بڑا جلسہ منعقد کیا جس میں تمام قبائل مکہ کے رؤساء و سرداران قریش نے مشورہ سے یہ تجویز پختہ کی کہ ابوطالب اور تمام بنو ہاشم کے خاندان کو برادری سے گرا دو۔ اُن سے شادی بیاہ اور خرید و فروخت کا معاملہ قطعی نہ کرو، نہ ان کی موت زندگی کے ہم ساتھی اور نہ ہماری موت و زندگی کے یہ شریک، نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان سے بات کرو، نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچو، نہ دوسری جگہ کے آنے والے تاجروں کو ان کے ہاتھ



کوئی چیز بیچنے دو۔ اور جس بھاد بھی جو چیز ملے نقد قیمت پر سب کی سب خرید لو۔ ایسا کرنے سے یہ لوگ تنگ آجائیں گے اور پھر ان کو ہماری خوشامد اور اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یہ معاہدہ محض زبانی معاہدہ تھا بلکہ تحریر ہو کر چہروں کے لئے سردارانِ مکہ کے سامنے لارکھا گیا، اور آخر کار دستخطوں سے مکمل ہو کر پابندی کی غرض سے خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا اگرچہ اس ظالمانہ معاہدہ کے لکھنے والے یعنی منصور بن عکرمہ عبدی کو اس کی پاداش اسی وقت مل گئی تھی کہ اُس کا ہاتھ شل اور آلہ کتابت ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا لیکن آبرو دار حاضرین جلسہ کے لحاظ و دباؤ نے کسی کو بدایت نہ ہونے دی اور اس وقت سے یہ کاغذ گویا رچسٹری شدہ دستاویز بن گیا جس کا انکار کرنا گویا تمام مکہ کا مخالف بننا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابوطالب نے اپنی قوم بنو ہاشم کو ان کی خاندانی عزت بار بار یاد دلا کر اس میں اپنا ہم خیال بنالیا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے نہ کیا جائے اس لئے سوائے ابولہب کے جس نے حضرت کی مخالفت و عداوت کی وجہ سے اپنے کنبہ کی علیحدگی اختیار کی باقی تمام بنو ہاشم یک زبان و متفق ہو گئے اور قریش کے اس معاہدہ پر جو کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا بطور رسد ہمراہ لے کر مع سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب شہد ابوطالب کے اس وسیع میدان میں جا۔ جو مکہ کی شرقی جانب ایک تنگ پہاڑی کے پرے واقع تھا اور جس کو پہاڑی چٹانوں اور گوبی دروں نے شہر سے بالکل علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کی آمد و رفت ایک درہ کوہ سے تھی اور یہ حصاری مقام ایک مختصر قلعہ کی طرح نہایت حفاظت کی جگہ بنا ہوا تھا۔ اسی جگہ پناہ کا نام ”شعب ابی طالب“ ہے۔

خاندان بنی ہاشم کی یہ علیحدگی و حقیقت ایسی تھی جیسے ہندوستان کی اکثر بیچ قومی کسی قومی جرم کی سزا دینے کے لئے ہوا کرتی ہے بلکہ اس میں ظلم و بے رحمی کا زیادہ اثر تھا اس لئے کہ یہ اہل شعب کسی بیرونی تاجر سے بھی غلہ نہ خرید سکتے تھے اور نہ ان کو یہ اجازت تھی کہ یوسیم ج میں اپنے شعب سے باہر نکل کر کرکے دیکھ سکیں اور اگر وہ لوگ آتے بھی تو کیا نتیجہ تھا اس لئے کہ جس سے وہ بات کرنی چاہتے وہ ان سے منہ پھیرتا اور جس سے رحم کے خواستگار ہوتے وہ خون بہانے کی خواہش ظاہر کرتا تھا۔

چونکہ یہ مخالفت مذہبی مخالفت کی جگہ قومی لڑائی بن گئی تھی اور اہل شعب میں جو کوئی کسی ضرورت پریشان ہو کر باہر نکلتا تھا وہ مارا پٹیا جاتا اور ایذا پہنچایا جاتا۔ قلیل غلہ ختم ہو جاتا تھا اس لئے چند ہی روز بعد ان کی حالت نازک ہو گئی اور فاقہ کشی پر نوبت پہنچ گئی۔ کوئی رحم دل رشتہ دار اگر اپنے کسی ناتے والے ہاشمی شخص کو چھپا کر کوئی چیز بھیج بھی دیتا تو اس کی اطلاع ہونے پر وہ بھی عہد شکن مشہور ہوتا



اور قریب قریب پڑانداری سے خارج سمجھا جاتا تھا۔

ہاشمی بیکس عورتیں اور مطلبی معصوم نظام بچے بھوک پیاس سے بیتاب ہو ہو کر شور مچاتے تھے اور ان کے مصیبت زدہ خاوند اور جان نثار والدین ان کی آہ وزاری اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں میں آنسو بھر بھر لاتے تھے۔ اہل شعب مسلمان نہ تھے تاہم قومی حیثیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور خاص کنبہ کے لوگ تھے۔ آپ کے ساتھ آپ پر ایمان لانے والے مسلمان اور سارا خاندان سب ہی اس مصیبت کے شریک رہے۔ نہ کسی سے یہ ہو سکا کہ عہد و پیمان توڑ دے اور نہ اس کو گوارا کیا کہ قوم سے جا ملے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے۔ کامل تین برس یہی رہی اور بنو ہاشم فاتون کی تکلیف سے گھبرا اٹھے۔ قریش اس حصار کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور مسلمان اپنے دین پر اسی مضبوطی سے قائم تھے کہ اگر فاقہ ہوتے ہوتے دم نکل جائے گا تب بھی اسلام سے نہ پھریں گے بھوک کے مارے پاؤں زمین پر تھراتے اور لغزش کھاتے تھے لیکن دین سے نہ ڈگے تھے۔

آخر بنو ہاشم کے ان قریبی رشتہ داروں کو بھی جنہیں محض قومی حیثیت اپنے کنبہ کو علیحدہ کرنا پڑتا ہے بھائیوں کی اس بھوک و پیاس کے نازک حال کو دیکھ کر رونا آگیا اور حکیم بن حزام بن خویلد اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے کچھ گہیوں لے کر شعب کی جانب روانہ ہوا۔ اکثر تجربہ ہوا ہے کہ چھپا کر کام کیا جائے تو چھپتا نہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حکیم بن حزام کو جاتے ہوئے ابو جہل نے دیکھا اور اس بد نصیب سنگدل نے حکیم کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ کیا مخالفانہ کارروائی ہے میں تجھ کو رسوا کئے بغیر چھوڑوں گا کیونکہ شعب والوں اور خصوصاً بانی فساد محمد کی بی بی خدیجہؓ کو غلہ پہنچانا تو سخت بناوت ہے۔ اتفاقاً ابو النختری بن ہشام بھی ادھر سے آگیا اور اس نے ان دونوں کی ٹوٹوٹ میں دیکھ کر ابو جہل سے کہا کہ تو حکیم کو چھوڑ کیوں نہیں دیتا اس سے اپنی پھوپھی کا فاقہ نہیں دیکھا جاتا پس اگر وہ انسانی مروت سے کام لیتا اور اس کو غلہ پہنچائے دیتا ہے تو اس میں دخل دینے والا تو کون ہے؟ ابو جہل ابو النختری کا کلام سن کر غصہ سے بھرک اٹھا اور اس کو بھی سخت مسست کہنے لگا۔ ابو النختری بھی آخر اسی کا بھائی تھا غصہ سے اس کا چہرہ بھی تہمتا لگا۔ قریب ہی اونٹ کی ایک بڑی بڑی دیکھ کر اس کو اٹھالیا اور اس زور سے ابو جہل کے اری کہ خون کا فوارہ چھوٹ گیا اور زمین پر ڈال گھوسوں اور لاتوں سے برا حال کر دیا۔ ابو جہل کو مار کھانے سے زیادہ اس کی خیریت تھی کہ اتفاقاً حضرت حمزہؓ کھڑے اس معاملہ کو دیکھ رہے تھے اس کا خیال تھا کہ یہ سارا معاملہ اہل شعب کو سنا دیں گے اور میرے دشمنوں کو مجھ پر آوازے کئے گا مگر اس کی اختیاری کیا بات تھی۔ آخر نادم و پشیمان ہو کر وہاں سے چل دیا اور حکیم بن حزام نے اپنا خیال پورا کیا



سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمانہ میں بھی پے درپے وحی نازل ہوتی رہی اور آپ چھپے اور ظاہر ستر اور جہراً تبلیغ رسالت میں مصروف رہے آپ کو آپ کے پاک ارادوں کے طعن و تشنیع نے روکا اور نہ فاقہ کشی کی تکلیف نے۔ اہل مکہ نے دیکھا کہ اس پر بھی آپ اپنے کام سے باز نہ آتے تو مذاق و استہزاء اور تحفانہ و تحقیر کے کلمات و برتاؤ سے آپ کے دل کو صدمہ پہنچا یا مگر یہ دل وہ دل نہ تھا کہ ایسی باتوں سے اپنے کارِ منصب میں سست یا محمل ہوتا آپ برابر اسی استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے اور اسی دلیری کے ساتھ ان سزاؤں کا اظہار فرماتے رہے جو ان کافروں کے لئے حق تعالیٰ نے تجویز فرما کر کلام اللہ میں ذکر فرمائیں \*

## باب ۲۲ نہ نبوی

### ظالم صحیفہ کا نقص اور عہد نامہ کی مخالفت

سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ہشام بن عمر بن حارث کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہائے افسوس ہم اور ہمارے بال بچے کھاتیں پئیں اور ہمارے بھائی بنو ہاشم واندہ سے تریس اور فاقہ پر فاقہ اٹھاتیں کسی بے حیائی ہے اس نفس پروری میں اور کیسا بے غیرت ہے وہ شخص جو اس کو گوارا کرے۔ اس خیال کے آتے ہی ہشام بن عمر کا تو معمول ہو گیا کہ شب کے وقت غلہ سے بھرا ہوا اونٹ شعب کی جانب ہٹاتا اور درہ کوہ میں پہنچ کر باگ چھوڑ دیتا چنانچہ وہ اونٹ شعب میں پہنچتا اور فاقہ کش بنو ہاشم میں تقسیم ہو جایا کرتا تھا۔

چند روز اسی حالت پر گزرے تھے کہ ہشام بن عمر کو خیال ہوا کہ اس طرح خفیہ اعانت کرنا کب تک مفید ہو گا کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ چند حملہ قریش اس ظالم صحیفہ کی مخالفت پر میرے ہم خیال بن جائیں اور ان کے اتفاق سے کھلم کھلا اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنے کا دروازہ کھل جائے یہ سوچ کر ہشام اٹھا اور سیدہ ہازنہ بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گیا جس کی ماں عاتکہ عبد المطلب کی بیٹی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی تھی۔ ہشام نے زہیر کو غیرت دلائی اور کہا کہ لے زہیر! تم کیونکر کھاتے پیتے اور کس طرح کپڑے پہنتے ہو جب کہ تمہارے ماموں اور تمہاری نفعیال واندہ واندہ سے محتاج اور آنے جانے تک معذور ہے واللہ اگر ابو جہل کے ماموں خالو اس تنگ حال میں ہوتے تو وہ اس عہد نامہ کا کبھی لحاظ نہ کرتا اور جس طرح بن پڑتا اپنی نفعیال کا مددگار بنتا۔

زہیر نے کہا کہ اے ہشام! حقیقت میں یہ بے رحمی مجھے ناگوار ہے مگر تمہیں سوچو کہ میں تنہا کیا کر سکتا ہوں قوم کو چھوڑ کر علیحدہ ہو بیٹھنا سہل نہیں ہے۔ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا اسی خیال کا ہوتا تو میں چاہتا کہ گزرنا۔ ہشام نے کہا مگر ہمارا تم کو خوش ہونا چاہیے کہ ایک تمہارا بھتیجا ہے اس بیٹھا اور تم



گفتگو کر رہا ہے۔ زہیر نے کہا اچھا ایک آنٹی اپنا ہم خیال اور کرو تاکہ مطلب پورا ہو اور کامیابی منشا کے موافق ہو جائے۔  
ہشام بن عمرو وہاں سے اٹھ کر مطعم بن عدی کے پاس پہنچا اور کہا کہ اے نوفل بن عبد مناف کے پوتے بڑی شرم کی بات ہے کہ ہاشم بن عبد مناف کا خاندان بھوکا پیاسا تباہ ہو اور تم لوگ عیش کر دیکھا دنیا میں رشتہ ناما کوئی چیز ہی نہیں رہا اگر تمھارے ساتھ وہ کارروائی ہوتی جو بنو ہاشم کے ساتھ ہوتی اور بنو ہاشم تمھارے قائم مقام عہدہ کے موافق ہوتے تو ذرا سوچو تو یہی کہ تم کو کیسا کچھ خیال ہوتا اور سچ تو یہ ہے کہ بنو ہاشم کی غیرت یہ تقاضا بھی نہ کرتی جو تمھاری غیرت کر رہی ہے کبھی کے عہد نامہ کو چھوڑ بیٹھے ہوتے اور جس طرح بن پڑتا تم کو کھانا پانی پہنچاتے۔

مطعم نے کہا کہ ہشام بات تو بالکل صحیح ہے بھلا میں تنہا کیا کر سکتا ہوں کوئی ہم خیال پیدا ہو تو میری بھی ڈھارس بندھے اور شاید کچھ کر سکوں۔ ہشام نے یہ جواب سنکر اپنا مددگار بنونا ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ زہیر اب اپنی امیہ بھی ہمارے موافق ہے۔ مطعم نے جواب دیا کہ بہتر ہے میں بھی تمھارا ساتھی ہوں مگر ایک آدمی ہم خیال اور کرو کچھ چار آدمی مل کر جو ارادہ ہے اس کو بے تامل کر گزرو۔ چنانچہ ہشام وہاں سے اٹھا اور اب ابوالخزری بن ہشام کے پاس گیا۔ یہاں بھی وہی گفتگو کی جو مطعم بن عدی سے کی تھی۔ غرض ابوالخزری نے بھی ہم خیال پیدا ہونے کی درخواست کی اور یہ معلوم کر کے کہ مطعم زہیر و ہشام متفق ہو چکے ہیں کہا کہ پانچواں مددگار اور بناؤ۔

ہشام وہاں سے روانہ ہو کر زمر بن اسود کے پاس آیا اور بنو ہاشم کی قرابت و رشتہ داری اور مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقتِ خواری یاد دلایا کہ اس کو بھی اپنا ہم خیال بنایا۔ اس کے بعد پانچوں یک زبان و ہم خیال شخص مقامِ جنوں میں جمع ہوئے اور باہم عہد و پیمان کیا کہ اس ظالم عہد نامہ کا پاس و لحاظ بالکل نہ کیا جائے اور زہیر بن ابی امیہ نے ذمہ لیا کہ اس کی ابتدا میرے ہاتھوں ہوگی۔

صبح ہوئی اور اہل مکہ اپنی عادت کے موافق بن ٹھنی کر مجالس میں آ بیٹھے زہیر بھی گھر سے نکلا اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے سردارانِ قریش کے پاس اکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ "اے اہل مکہ میری بات خور سے سنو" تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے کذب قبیلہ اور باپ دادا کی اولاد بنو ہاشم کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کر رکھا ہے بھلا تمہیں بتاؤ ہمیں کھانا کیونکر مضمر ہو جب کہ ہمارے بھائی ہاشمی بھوکے پیاسے ہلاک ہوں، قسم ہے خدا کی میں نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالم معاہدہ کو نہ پھاڑ دیا جائے۔ ابو جہل نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں یہ عہد نامہ نہیں پھاڑا جاسکتا۔ زمر بن اسود جو وہیں بیٹھا ہوا تھا اس نے لگا کر کہا کہ "او دغا باز جھوٹے جس وقت تو نے اس کو لکھا تھا ہم جب ہی اس پر راضی نہ تھے" اس کے بعد ابوالخزری نے کہا کہ "بے شک زمر سے کتنا سچ کہتا ہے کچھ شک نہیں کہ ہم اس تحریر کے برخاستے خود قاتل نہیں ہوتے" پھر مطعم بن عدی نکلا اور کہا کہ "بے شک تم دونوں سچے ہو میں بھی اس کا ہمیشہ مخالف رہا مگر لحاظ کے سبب کچھ



ایسا۔ اور سے ہشام بن عمر نے کہا۔ واقعی صحیفہ بھاڑے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس کی بے رحمی سے  
ری ہوئی وفات سب کی مرضی کے خلاف ہیں۔

ابوہبل کے بعد دیگرے سرداران قبائل کی گفتگو سن کر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یہ رات کاٹے کیا ہوا  
مال ہے اور خدا جانے کون کون اس راتے میں شریک ہو چکا ہے ابو طالب بھی خانہ کعبہ کے کسی گوشہ میں بیٹھے  
ام گفتگو سن رہے تھے اس لئے جرات کر کے سامنے آئے اور کہا کہ بھائیو! رات محمد نے مجھ سے کہا ہے  
میں ہمد نامہ کے تمام الفاظ و یک چاٹ گئی ہے صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے اور اس کے علاوہ تمام  
غذ صاف ہو گیا اور یہی اس بات کی علامت ہے کہ اس تحریر کا منشاء بے خطاؤں پر صرف ظلم و زیادتی کرنا ہے  
رئس۔ میری بات سنو اور مانو کہ ذرا اس صحیفہ ہمد نامہ کو منگاؤ اور دیکھو اگر محمد کا قول سچا ہے تو ہم کو نجات  
و کہ تمام مخلوق کی طرح ہم بھی کھاتیں پئیں اور زندگی کے دن بسر کریں ورنہ تم کو اختیار ہے محمد کے ساتھ  
و سلوک چاہو کرو میں بھی اُس کی بیجا طرف داری نہ کروں گا۔ یہ عجیب خبر سن کر سارا مجمع حیران ہو گیا اور اسی  
وقت صحیفہ منگا یا گیا۔ دیکھا تو حقیقت میں سوائے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ جو بطور عنوان ہر صحیفہ کے شروع میں  
لکھا جاتا ان کے یہاں بھی مروج تھا اور علاوہ اللہ کے ان ناموں کے جو اثنائے تحریر میں کسی موقع پر لکھے  
ہوئے تھے باقی حروف نذر دہو گئے اور کاغذ میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

ابو طالب کا خیال بار بار تجربہ کے بعد نچتے ہو چکا تھا کہ محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ یقیناً سچ ہے اور اسی بنا پر  
اس شخص کی کے ساتھ صحیفہ کے متعلق یہ گفتگو بھی کی تھی اور جب اپنے خیال کے موافق اس کو بھی سچا دیکھا تو وہ حیران  
بند گئی اور اب وہ زبان نہایت تیزی اور سرعۃً چلنے لگی جو کچھ خوف و ہراس اور کچھ دگدہ و تاثر کے ساتھ بول  
رہی تھی۔ ابو طالب نے خوشی کے لہجہ میں نہایت بلند آواز سے کہا۔ دیکھو دیکھو اب تو تم کو معلوم ہو گیا کہ برسرِ ناحق تم  
ہی ہو قلعِ رحمی تم ہی نے کی؟ اس پر سب کی گردنیں نیچے جھک گئیں اور تھوڑی دیر سکوت کا عالم رہنے کے  
بعد ہٹ و ہرم کا فوں نے کہا تو یہ کہا کہ ہونہ ہو یہ بھی محمد کا جادو ہے جو اس تحریر پر چلا یا گیا ہے۔

وہی پانچوں مخالف پھر کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ ہم اس رومی پر کیونکر کار بند ہو سکتے ہیں جس کے  
حروف تک نذر دہی وہاں سے چلے گئے۔ اس طرح عام طور پر ہمد نامہ باطل ہوا اور شیدنا محمد صلی اللہ علیہ  
و سلمؐ میں نبوت کے دسویں برس میں اپنے خاندان بنی ہاشم و بنی مطلب کے پہاڑ کی گھاٹی سے نکل کر پھر  
مکہ میں آئے۔ باہمی خرید و فروخت جاری ہو گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلمؐ نے بدستور غلط  
وضاحت میں مشغولیت ظاہر فرمائی \*



## باب ۳۵۔ سلمہ نبوی

### غم کا برس اور خدیجہؓ و ابوطالبؓ کا انتقال

مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ابوطالبؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے انتقال کیا یا بعد  
بہر حال کثرت رائے اس جانب ہو کہ اول ابوطالبؓ قضا کی اور بعد میں نبیؐ خدیجہؓ کا وصال ہوا۔  
نبوت کے دسویں سال ماہ شوال تھا۔ بنو ہاشم شعب سے نجات پا چکے تھے کہ ابوطالبؓ سخت بیمار ہوئے اور  
ان کو خود اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مہربان چچا سے محبت تھی کیونکہ آپ کو آٹھ سال کی عمر سے انہیں کی  
عاطفت میں پرورش پانے کا اتفاق ہوا تھا۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ کاش ابوطالبؓ مشرف ہاتھ  
ہوں تاکہ آخرت میں ان کے ان احسانات کی تلافی اللہ کی طرف سے ہو سکے جو انہوں نے اللہ کے رسولؐ  
کے ساتھ دنیا میں کئے ہیں۔

سردارانِ قریش ابو جہل، ابوسفیان اور عتبہ و شیبہ مع دیگر شرفاء قوم ابوطالبؓ کی عیادت کے  
لئے آئے اور کہنے لگے کہ "اے ابوطالبؓ! اے ہمارے سردار! تم جانتے ہو کہ تمہاری قوم تم کو کیسی وقعت  
اور احترام کی نگاہ سے دیکھتی رہی۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے بھتیجے نے ایک فضول دعویٰ کر کے  
قوم میں پھوٹ ڈال دی کہ بھائی بھائی میں عداوت ہو گئی، بیٹا ماں کو چھوڑ بیٹھا اور نبیؐ نے میاں سے علیحدہ  
اختیار کر لی۔ تم بستر مرگ پر پڑے ہو اور کیا خبر ہے کہ انجام کیا ہو اس لئے جی چاہتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں اسے  
بھتیجے کے ساتھ مصالحت کر اگر جاؤ اور ہر دو فریق کو ان کے حقوق واجبہ دے کر پابند بناؤ کہ ایک دوسرے  
پر زیادتی نہ کرے" ابوطالبؓ کو آخری وقت میں اس سے زیادہ خوش کن کنسی بات تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم کی راحت کا فکر کریں اس لئے انہوں نے فوراً آپ کو بلا بھیجا اور جب آپ تشریف لے آئے  
شرفاء قوم اور سردارانِ قریش کی درخواست بیان کر کے کہا کہ "ہمیں حقوق کی محافظت کے ساتھ اگر صلح ہو  
تو میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی کوئی بات نہیں" سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت توجہ سے  
کی آخری وصیت سنی اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ "چچا جان! یہ لوگ میری ایک درخواست  
قبول کر لیں تو سارا عرب اور سارا عجم ان کی اطاعت کے لئے حاضر ہے" اس سے قبل کہ ابوطالبؓ  
جواب دیں ابو جہل بولا "ہاں ہاں! اے محمد! ایک بات نہیں ہم تمہاری دس باتیں ماننے کو موجود ہیں  
کسی طرح یہ نزاع رفع بھی ہو" آپ نے ارشاد فرمایا کہ صرف یہ درخواست ہے کہ بت پرستی چھوڑ کر



اب خدا کو مان لو اور کہہ دو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

سردارانِ قریش نے یہ جواب سنا تو ندامت و غصہ سے کانپ اٹھے اور تعجب کے ساتھ تالیاں بجا کر لے واہ و اُمید کیونکر ہو سکتا ہے کہ متعدد معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود قرار دے لیں تمہاری یہ بات عجیب انوکھی ہے جو کبھی نہیں مانی جاسکتی۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر یہ منظور نہیں تو مصالحت کا نام نہ لو، ورنہ جو تم کو کرنا ہے۔ اس کے بعد آپ چچا کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت نرم و محبت آمیز انداز سے کہا کہ چچا جان! اب آپ آخری وقت ہے دنیا سے معاملات ختم ہو چکے آخرت کی کٹھن متریں آپ کے سامنے ہیں، دائمی عذاب و ثواب کا معاملہ درپیش ہے اگر آپ ایک بار کلمہ طیبہ زبان سے نکال کر میرے ہاتھ تحت دیدیں تو مجھے اپنے مہربان پروردگار کے روبرو شفاعت کرنے کا اور آپ کو جنت میں لیجانے کا موقع مل جائے۔ ابوطالب نے سکوت کیا اور کچھ سوچنے کے بعد جواب دیا کہ بھتیجے مجھے تیرا دل خوش کر دینے میں کوئی تامل نہ تھا لیکن اندیشہ یہ ہے کہ زمانِ قریش مجھ پر طعن کریں گی اور کہیں گی کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا اور آخری وقت میں بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات سن کر باپوسانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب کی شناسی برس کی عمر میں روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ دنیا کا تماشا ختم ہو لیا اور طعنِ مٹنے والے کان بند ہو گئے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سکرانِ موت کی بیہوشی میں ابوطالب کی زبان پر کلمہ جاری ہوا لیکن تھوڑی دیر بعد افاقہ ہونے پر ابوجہل نے ملامت کی کہ افسوس ابوطالب تم موت سے ڈر گئے اور آخری وقت میں اپنے سامنے کے پیدا ہوئے لڑکے پر ایمان لائے۔ تو ابوطالب نے انکار کیا اور حاضرین کو اس پر گواہ کیا کہ وہ اپنے آبائی دین پر قائم ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔

غرض حضرت کو خوشی کے بعد مایوسی ہوئی اور آپ یہ کہہ کر کہ چچا جان بیشک تم نے دنیاوی سلوک میں میرے ساتھ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن افسوس آخرت سے بالکل بے بہرہ ہے، میں تمہاری آبدی مئی تکلیف کو حتمہً برابر کم نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ وہاں سے کھڑے ہو گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کافروں میں سب کلم عذاب ابوطالب پر ہے کہ پاؤں میں جہنمی آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوئے ہے جس کی پیش تلوؤں سے دماغ تک پہنچتی اور بھیجا بھلس دیتی ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار سردار ہی نہیں بلکہ وہ مہربان محافظ دنیا سے اٹھ گیا جس کی وجہ آپ کو ہر طرح کی اعانت ملتی تھی۔ اس وقت حضرت کا سن شریف انیسائیس برس آٹھ مہینے گیارہ روز کا تھا ان کے انتقال کے بعد جو جو معیبتیں آپ پر پڑتی گئیں ان میں اُم المؤمنین حضرت خدیجہ سے آپ کو



بڑی تسکین ملتی تھی۔ آپ کا پریشان دل خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ٹھہر جاتا اور تسلی پاتا تھا لیکن بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا  
پیمائے حیات بھی لبریز ہو چکا تھا اور ابوطالب کے چند روز بعد اسی سال پاک بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی حیات  
سے فرامی قاتلہا دانتا لئید راجعون

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۶۵ برس کی عمر میں بیاہ شوال انتقال فرمایا۔ اس روا  
ت میں اس قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا حادثہ ابوطالب کے انتقال کے قبل ہوا۔ واللہ اعلم  
ان دونوں ہریانہ مدوکاروں کے یکے بعد دیگرے مرنے سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو جس قدر  
رنج و غم ہوا اُس کو بیان کرنا فصول ہے آپ غایت حزن کے سبب غمگدہ سے باہر کم نکلتے تھے اور چند روز  
کے لئے تو رنج کے سبب سوائے احکام الہی اور ضروری امور کی سرانجامی کے تمام کام قریب قریب متروک ہو گئے  
اہل اسلام میں اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا برس ہے۔

اسی سال اس حادثہ سے پہلے شاہ روم اور والی فارس میں ملکی جنگ ہو چکی تھی اور خسرو پروزہ شاہ فارس  
نے اپنے دو بہادر سپاہیوں شہریار اور فرخان کی ماتحتی میں ایک لشکر جرار روانہ کر کے روم پر حملہ کیا اور روم کے  
چند سرحدی شہر فتح کر لئے تھے۔ اس اخلاص پر کفار قریش کو خوش ہونے اور اہل اسلام پر آوازے کئے کا موقع  
مل گیا تھا کہ جس طرح نصاریٰ روم کو باوجود اہل کتاب ہونے کے آتش پرست فارس کے ہاتھوں مغلوب و مغلوب  
اسی طرح بت پرست باشندگان مکہ بھی کوئی دن میں محمدی اہل کتاب پر غالب آئیں گے۔ یہ اس لئے کہ روم  
اہل کتاب کی مغلوبیت و ہزیمت حجازی اہل اسلام کی مغلوبیت و خواری کی فال ہے۔

اللہ جل جلالہ نے سورہ روم کے شروع آیتیں اَللّٰهُ غَلَبَتِ الرُّومَ نازل فرما کر مسلمانوں کو خبر دی کہ  
دنس برس کے اندر اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو جائے گا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عام طور پر اس  
اعلان کردیا بلکہ انی نے ابوبکر سے شرط بھی کی کہ اگر ایسا ہو گیا یعنی دنس سال کے اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو گا تو میں  
تواونٹ ہار جاؤں گا۔ چنانچہ پوسے نو سال کے بعد دونوں سلطنتوں میں دوبارہ لڑائی ہوئی اور اب  
مرتبہ نصاریٰ روم نے اہل فارس پر کھلی فتح پائی یہ مژدہ خطہ عرب میں عین اُس دن پہنچا جس روز  
مسلمانوں نے جنگ بدر میں کفار مکہ پر فتح پائی تھی۔

انہی کا انتقال اس سے پہلے غزوہ اُحُد میں ہو چکا تھا اس لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شرط کے بموجب انہی کے بانی  
ماندہ وراثت سے تواونٹ کے طالب ہوئے اور چونکہ قمار کی حرمت پہلے کا یہ واقعہ ہے اور اس وقت  
کافروں سے دارالحرب میں اس قسم کے معاملات جائز تھے اس لئے کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ  
نے تواونٹ پر مالکانہ قبضہ بھی کر لیا۔ واللہ اعلم۔



درحقیقت یہ واقعہ ایک مستقل معجزہ سچی پیشین گوئی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق نبی ہونے کی دلیل تھی اس لئے کہ دوزیر دوست سلطنتوں کے بارے میں برسوں پہلے ایسے وثوق کے ساتھ ایک قطعی فیصلہ دیدینا نہ بغیر وحی کے ممکن ہے اور نہ پیغمبر کے سوائے دوسرے سے ہو سکتا ہے لیکن ازلی بدبختوں کو اس سے ہدایت کیونکر ہو سکتی تھی اور اب تو ابوطالب کا مرنا گویا قریش کے واسطے اجازت تھی کہ وہ اپنی اذارسانی کو دو چند کر دیں اور سیدنا محمد و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عداوت و تکالیف کا تختہ مشق بنالیں۔ اس لئے ظالم قوم کا ظلم و ستم بڑھ گیا اور مسلمانوں پر ناگفتہ بہ زیادتیاں ہونے لگیں۔

بنو ہاشم بھی اپنے سردار ابوطالب کے نہ رہنے کے سبب آپ کی حفاظت نہ کر سکے۔ ابولہب نے قومی حمیت کی بناء پر کچھ سرپرستی کا ارادہ کیا بھی تھا لیکن ایک دوست کی زبانی یہ سن کر کہ محمد تو عبد المطلب و عبد المطلب کی قوم کو دوزخی بتاتے ہیں صرف بیزار اور کنارہ کش ہی نہیں ہوا بلکہ ہر وقت نئی اذارسانی کے ذریعے ہو گیا۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد اسی سال اپنے پہلے نکاح زمزمہ کی بیٹی حضرت سودہؓ سے بوجہ چار سو درہم ہر اہل بیت روز بعد بیاہ شوال دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ صدیقہؓ سے جن کی عمر اس وقت چھ سال چند مہینے کی تھی کیا۔ سودہ بنت زمزمہ یہ کہیں کیونکر ان کے مسلمان شوہر سکران بن عمر جو ان کے چچا زاد بھائی بھی تھے ایک لڑکا عبد الرحمن نامی چھوڑ کر حبشہ میں بعد ہجرت حبشہ انتقال کر گئے تھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خصوصاً ابتدائی زمانہ کے ایسے عجیب اور درد انگیز ہیں جن کی نظر تاریخ کے اوراق میں مل نہیں سکتی باوجودیکہ آپؐ دنیا میں بے بس اور بے کس تھے آپؐ کے دعویٰ رسالت نے قوم اور ملک کو آپؐ کا دشمن بنا دیا تھا۔ پیارا وطن جس کو راحت کا گھر کہنا چاہتے، مصیبت کے تیروں کا ترکش بنا ہوا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس نازک وقت میں آپؐ کو عزت و نام آوری اور حکومت بانی کی نامی کے ساتھ شہرت حاصل ہونے کی کچھ بھی طمع یا توقع ہوگی۔ جس وقت آپؐ توحید کی تعلیم اور ان واپی تباہی رواج اور رسوم کے چھوڑنے کی ترغیب شروع کی ہے جس میں آپؐ کا ملک ڈوبا پڑا تھا تو آپؐ چار طرف نظر اٹھاتے مگر ایک نفس پر بھی آپؐ کو اطمینان نہ تھا کہ یہ میرا ساتھ دے گا اور کہنا مان لے گا۔ دن گذر کر مہتے ہوتے اور ہفتے گذر کر مہینے بنے مہینے گذر کر سال ہوتے اور سال ہی نہیں بلکہ ساہا سال کہ آپؐ اسی ہمت و دلیری اور استقامت و استقلال کے ساتھ اپنی گمراہ قوم کو ہدایت و راستی کی طرف بلاتے رہے متکبر و سربرآوردہ قوم نے آپؐ کی اہانت و تحقیر اور روحانی و جسمانی اذارسانی کا کوئی دقیقہ دوسرے کے لئے اٹھا کر نہیں رکھا۔ جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے وہ ایسے ضعیف و کمزور تھے کہ ان کو ایمان لا کر اپنی جان و مال اور آبرو کا بچاؤ نہ سوار ہو گیا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان کا ایمان نہ پختہ و مضبوط نہ ہوتا



تو وہ کسی طرح اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکتے تھے وہ لوگ دفعۂ پیدایا ہو جانے والے اس انقلابِ عظیم کو دیکھتے تھے کہ پھول کانٹے بن گئے اور عزت و بشارت، ذلت و تنگدلی کے ساتھ بدل گئی۔ وطنِ خون کا پیاسا دشمن بن کر کاٹنے لگا اور گوشۂ عافیت کا ملنا گویا ناممکن بن گیا مگر ان کے مضبوط قدم جو اسلام کی سیدھی سڑک پر جمے تھے وہ نہ ڈگنے تھے نہ ڈگے۔ اور ایمان کی حلاوت جو رگ رگ اور پٹھے پٹھے میں سرایت کر چکی تھی، وہ نہ جاتی تھی، نہ گنتی پر نہ گنتی۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے دین کافروں نے بجائے محمد (قابلِ تعریف) کے مذموم (قابلِ مذمت) رکھ لیا تھا۔ مگر آپ اس پر بھی خوش ہوتے اور حق تعالیٰ کا شکریہ ادا فرما کر یوں کہا کرتے تھے کہ میرے رب نے میری قوم کے ناشائستہ کلمات سے مجھ کو بچانا چاہا تو نام کے بدل ڈالنے کا خیال ان لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا تاکہ جو گالیاں پڑیں وہ مذموم پر پڑیں نہ کہ محمد پر سو برا وہ مانے جس کا نام ہو، نہ میرا نام مذموم ہے اور نہ مجھے اس بدگویی کی کسی سے شکایت یا گلہ ہے۔

امیہ بن خلف جب آپ کو دیکھتا تو استہزار کرتا، ہاتھ ٹسکتا اور آنکھوں کے اشارے مارا کرتا تھا۔ آپ کا دل اپنی قوم کی بد حالی اور بد دینی اور معصیتِ کفر و شرک دیکھ دیکھ کر بے چین ہوتا اور اس حزن و غم میں جھڑے جاتے تھے۔ آپ کوئی آن اور کوئی لفظ اپنی قوم کی فلاح و بہبودی سے غافل نہ رہتے۔ مگر ناقدِ روانوں نے آپ کی قدر نہ جانی اور محنون و دیوانہ یا کاہن و جادوگر خطاب دے دیے۔ آپ کا دل دکھایا۔ آپ عبرت دلانے کو گذشتہ انبیاء کی ہلاکت ہو جانے والی امتوں کا دورِ ثمود کے قصے بیان فرماتے تو لوگ آپ کا مذاق اڑاتے اور نصر بن حارث جو شاہانِ فارس کی دربار میں کرچکا تھا آپ کی جگہ بن بن کر بیٹھتا اور رستم و اسفندیار کی داہی تباہی کہانیاں سناتا کہ قوم سے لیا کرتا تھا کہ کہو میری کہانیاں زیادہ دلچسپ ہیں یا محمد کے بیان کئے ہوئے قصے؟ ایک مرتبہ آپ نے قرآن کی وہ آیت سنائی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ کافروں کو جہنم میں کھانے کے لئے زقوم درخت دیا جائے گا ابوجہل ہنسا اور کہنے لگا کہ اے اہل مکہ! جانتے بھی ہو کہ زقوم کیا چیز ہے؟ شربت کی تازہ کھجور کا نام ہے جس میں مسکر ملا ہوا ہو، سو اگر ہمیں زقوم ملا تو مزے لے لیکر کھائیں گے۔ غرض آپ کو اپنی قوم کی اصلاح کے لئے دوسرا کام نہ تھا اور آپ کی قوم نے آپ کی توہین اور ایذا رسانی کی نئی تدبیر سوچنے میں اپنا وقت گویا کر رکھا تھا کہ سحر اس کے دوسرا مشغلہ نام کو بھی باقی نہ رہا تھا۔

آپ کے صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بنو نضیر نے کچھ مال اُن سے اُدھار خریدا اور جب روپیہ کا تقاضہ کرنے کو حضرت خبابؓ اُس کے پاس گئے تو



نئے تو اُس نے یہ کہہ کر کہ ”اے خبیاب! تمہارے پیغمبر جن کے تم مذہب پر چلتے ہو اس کے قابل ہیں کہ ،  
 پامت ہوگی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا پڑے گا۔ پھر وہاں اُن کے مذہب والوں کو جنت ملے  
 گی جس میں ساری نعمتیں موجود ہوں گی، جاؤ وہیں مجھ سے روپیہ بھی وصول کر لیجو۔ آخر تم جیسے لوہاروں  
 سے تو مجھے وہاں زر و مال زیادہ ہی ملے گا پھر آد کر دینا کون مشکل ہے؟“ قرض کا انکار کر گیا۔  
 سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل نو سال گزر گئے کہ آپ اپنے وطنی ہر چھوٹے بڑے کو سلام کی  
 وہاں سناتے اور وحدانیت کی طرف بلاتے رہے مگر بجز تھوڑی سی جماعت کے جن میں اکثر حصہ ان  
 معیفت و ناتوان مسلمانوں کا تھا جو اپنا اسلام ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور کوئی حق کی طرف  
 متوجہ نہ ہوا بلکہ آپ کا دشمن بن کر اپنی طاقت کے موافق ایذا پہنچانے پر تیار رہا۔

## باب ۲۶

### حضرت قبائل مکہ پر اپنے آپ کو پیش کرنا اور طائف کی تکلیف

جب آپ نے دیکھا کہ قریش بت پرستی سے باز نہیں آتے اور اُن کی ایذا رسانی دن بدن بڑھتی جاتی  
 ہے تو آپ اپنے خادم زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر نواحی مکہ میں تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ سب سے پہلے آپ قبیلہ  
 بنی بکر میں گئے اور کہا کہ ”بھائیو! اہل مکہ نے لازوال نعمت کو اٹے ہاتھوں واپس کیا، میری ہمدردی  
 و اعانت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تم لوگ میرے حواری بنو اور ابد الابد کی جاوید نعمتوں کو دنیا کی  
 فانی لذتوں پر مقدم سمجھو۔ لیکن یہ قبیلہ بھی قریش کا ہم خیال تھا کسی نے آپ کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا  
 اور صاف جواب دیدیا کہ ہم اپنا پُرانا مذہب نہیں چھوڑ سکتے۔“

یہاں سے مایوس ہو کر آپ قوم قحطان میں تشریف لے گئے اُن کو محاسن اسلام سمجھائے اور اعانت  
 چاہی۔ لیکن افسوس قحطان نے بھی آپ کو وہی رُکھا جواب دیا جو بنی بکر دے چکے تھے۔ غرض آپ  
 ان سنگدلوں کے ایمان سے مایوس ہو کر اسی سراسیمکی و پریشانی میں تنہا یا زید بن حارثہ رضاکو لئے ہوئے  
 طائف میں پہنچ گئے جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر قوم ثقیف سے آباد تھا۔

طائف میں سب سے پہلے آپ سرداران ثقیف عمر بن عمیر کے تین بیٹوں عبد اللیل اور مستور اور  
 حبیب کے ملاقی ہوئے اور اس مومون خیال پر کہ شاید یہ لوگ خدا ترسی کا شیوہ اختیار کریں اور دولت  
 اسلام سے دامن بھریں۔ فرماتے لگے کہ ”اے سرداران ثقیف! اہل مکہ نے اللہ کی ہدایت قبول نہ کی اور



اس کے رسول کو ایذا پہنچا کر جلا وطن کر دیا۔ اگر تم لوگ حامی اسلام و مددگارِ ان رسول بنو تو تمہاری سعادت نصیبی اور خوش قسمتی ہے۔

ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ مسافر مہمان کی خاطر داری کرتے، ناشائستہ گفتگو اور یاس بھری کلمات کا کام لیا اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ چند گھنٹے یہاں ٹھہر کر سفر کا مکان ہی رفع کر لیں، مذاق و استہزاء شروع کر دیا۔ ایک نے کہا: "آخاہ، آپ ہی میں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے، دوسرا ہوا جی ہاں، خدا کو رسول بنانے کے لئے کوئی دوسرا ملا ہی نہیں" تیسرے نے کہا: "میاں تم سے بات کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں" غرض غضب ناک ہوتے اور کہہ دیا کہ "اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ" سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اس بیہودہ انداز سے جو کچھ صدمہ گزرا، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، آپ ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلتے وقت آپ نے درخواست کی کہ اس قصہ کی اطلاع اہل مکہ کو نہ کرنا ورنہ میرا مذاق اڑائیں گے اور اس کا جوش غضب بھڑک اٹھے گا۔ مگر یہ لوگ باز نہ آئے اور بے وقوف احمق لڑکوں، بازاری ادباش لوگوں کو بھڑکا دیا اور اس غرض سے آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ پر اینٹوں کا مینہ برسا پا جائے۔

جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر نکلے تو چاروں طرف رنج و پریشانی کا بحجم تھا ہر جانب یاس و ناامیدی اپنی بھیانک صورت دکھائی تھی۔ بچے اور بازاری لوگ آپ پر پتھر پھینکتے اور غلام آوازے کتے اور گرد و غبار اڑا کر آپ کو تنگ کرتے تھے گوزید بن حارثہ اپنے بدن کو سہا بنانے اور کافروں کے حملے اپنے جسم پر روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن پھر بھی آپ کا تمام جسم ہلکا زخمی ہو گیا پاؤں میں آبلے پڑ گئے کسی ظالم کا پتھر ٹخنہ میں آکر ایسا لگا کہ خون بہنے لگا اور آپ شکستہ و منہموم و پریشانِ عتبہ و شیبہ کے باغ کے قریب ایک کھجور کے سایہ کے نیچے ٹھہرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بادلِ منہموم و شکستہ خاطر لوں دعا مانگی "اللہ العالمین میں اپنی کمزوری و بے کسی لوگوں میں رسوائی اور ذلت کی شکایت تیرے سوا کس سے کروں؟ اے ارحم الراحمین تو میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، تو مجھے میرے دشمنوں کا ستارہ بنا اور مخالفوں کو مجھ پر قابو نہ دے اگر مجھ سے ناراض نہیں ہوا ہے تو بیشک مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں، تیری رحمت مجھے درکار اور تیری مہربانی مجھے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے کل تاریکیاں روشنی سے بدل جائیں ہیں اور دنیا و آخرت کے معاملے بن جاتے ہیں کہ تو مجھ سے ناراض نہ ہو اور میری مشکلوں کو جس طرح حل ہو چل کر، تیرے سوا طاقت ہے نہ مدد۔"



جبار و قہار خدا کی جبروتی شان حلم و بردباری لئے ہوئے جوش زن بھتی اور خالق ذوالجلال کی نظر کے سامنے اُس کے نازک مزاج پیارے پیغمبر کو زخمی کیا جا رہا تھا دفعۃً اللہ کے مقدس فرشتے جبرائیل نے اسلام کیا اور اپنے ہمراہ دوسرے فرشتے کو لائے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ یہ وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد پہاڑوں کی خدمت ہے، اللہ پاک کا اس کو حکم ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر طائفہ گرد لی و دیوؤں پہاڑیاں باہم ٹکرا دی جائیں اور اہل طائفہ کو دیوؤں کے بیچ ایسا دل دیا جائے جس طرح چکی کے دو پاٹوں میں دانہ دل دیا جاتا ہے۔ پس آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو حکم مناسب ہو فرما دیں اور قدرت حق جل شانہ کا تماشا دیکھیں۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے رحم یا انتقام کے خوگر نہیں بنائے گئے تھے۔ آپ انتہا درجہ کے کریم نفس اور خیر خواہ قوم تھے قومی اصلاح آپ کا دلی منشاء اور مخلوق کی ہدایت و رہبری آپ کا قلبی مقصد تھا بااِیں تکالیف و مصائب آپ نے اپنے دشمنوں کی مصیبت کو ارا نہ فرمائی اور جواب دیا کہ اے ارحم الراحمین! تو نے مجھ کو سخت دل پیدا نہیں فرمایا، میں ان پر عذاب نازل کرانے نہیں آیا۔ مجھے اپنی قوم کے ہلاک و تباہ ہونے کا سبب نہ بنا۔ اگر یہ نیست و نابود ہو گئے تو اس سے مجھے کیا مل جائے گا اور اگر زندہ رہے تو امید ہے شاید ان کی نسل میں کوئی فرماں بردار بندہ پیدا ہو جائے لوگ میرے مرتبہ سے ناواقف ہیں، اندھے ہیں، اگر ان کو وہ بینائی مرحمت فرمائے جس سے یہ میری شان پیغمبری دیکھ لیں تو امید ہے کہ ایمان سے مشرف ہو جائیں۔

اس باغ کے مالک جس کے سامنے آپ پریشان حال بیٹھے تھے، رنج و غم کے دو بیٹے عتبہ اور نبیہ کو کافر تھے لیکن آخر انسان تھے اس لئے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کسی و بے بسی اور معویت و مشقت دیکھ کر افسردہ دل اور مغموم ہوئے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھائی صاحب سردارِ مکہ عبد المطلب کے ناز پرودہ پوتے کو دیکھتے ہو کہ کس بے کسی و پریشان حالی اور بھوک و پیاس کی شدت میں مبتلا ہے یہ کہہ کر اپنے غلام عداس کو بلایا اور طباق میں ایک خوشہ انگور کا رکھ کر عداس کو دیا اور کہا کہ اس شخص کے پاس لیجاؤ اور درخواست کرو کہ تناول فرما دیں۔ چنانچہ عداس نے طباق پیش کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمتِ خداوندی بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیا۔ عداس جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے وطن شہر ینوے کا باشندہ تھا عربی رواج کے خلاف کھاتے وقت بسم اللہ سن کر حیران ہوا اور آپ کا نام دریافت کرنے لگا۔ آپ نے اپنا نام اور قصہ بیان فرمایا۔ تب عداس نے آپ کے پاؤں چومے اور عرض کیا کہ میں آپ کی تعریف تو ریت شریف میں دیکھ کر آپ کا فتنہ طر تھا۔ الحمد للہ جو



یہ دولت نصیب ہوئی۔ میں آپ پر ایمان لاتا اور توریت کی خبر سنائے دیتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ کو ایذا نہیں پہنچائے اور جلا وطن کرے گی لیکن انجام کار غلبہ آپ ہی کو ہوگا کیونکہ الحق یعلو ولا یُعْلٰی۔

غرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ لوٹے اور چونکہ مکہ کی خطرناک و غیر مومن حالت اور باشندگان مکہ کی فتنہ پر دازی و شرارت سے غایت درجہ بیزار تھے اس لئے مقام نخلہ میں قیام فرمایا جو مکہ سے باہر واقع تھا آخر شب میں آپ اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے کہ جنات نے کلام اللہ سنا اور اس شیریں کلام سے متاثر ہو کر بعد فراغ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایمان لائے اور بیعت کر کے اپنی قوم کو تبلیغ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اہل مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر مجھ کو امن ملے اور میری حفاظت کی جائے تو میں مکہ آؤں ورنہ جدھر منہ اٹھے چلا جاؤں۔

کسی نے آپ کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا البتہ مطعم بن عدی کا دل آپ کی بے بسی دیکھ کر بھرا۔ وہ وہاں سے آپ کو اپنی حفاظت میں اپنے گھر لے آیا۔ صبح ہوئی تو مطعم نے ہتھیار باندھے اور اپنی بیٹوں بھتیجیوں کو بھی مسلح کیا۔ اس کے بعد اعلان کر دیا کہ میں محمد کے نئے دین کا قائل نہیں ہوں لیکن ان کا حامی و مددگار ضرور ہوں میں نے ان کو امن دیدیا ہے اگر کوئی ان کو ایذا پہنچائے گا تو گویا مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہوگا۔ قریش یہ سن کر آپ کی کھلم کھلا مخالفت اور ایذا رسانی سے کچھ رک گئے اور آپ کو نے پردیسی لوگوں اور باہر سے آنے والے مسکنداروں، سوداگروں اور اشراف و سرداران قبیلہ کو وعظ و نصیحت شروع کی۔

آپ اپنے ہم وطنوں سے جدا رہتے اور موسم حج یا فصل کے موقع پر جو اجنبی شریف آدمی یا قبیلہ کا باعزت سردار مکہ میں آتا اس کو تبلیغ کرتے اور اس توقع و امید پر اسلام کی جانب بلا تھے کہ شاید کسی کو ہدایت نصیب ہو اور راہ پر آجائے جس وقت آپ وعظ فرماتے اس وقت آپ کے مقابلہ میں ابو لہب یہ منادی کرتا کہ ”اے بھولے بھالے پردیسی لوگو! محمد تم کو نئی راہ دکھاتا اور غیب و گمراہی کی طرف بلاتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لات و عزیٰ کی پرستش تم سے چھڑائے، دیکھو خبردار خدا کوئی اس کا کہنا نہ مانو۔“

ایک مرتبہ قبیلہ بنی کلب کی ایک شاخ بنی عبد اللہ میں آپ نے جا کر وعظ فرمایا اور کہا کہ اے قوم قسمت نے تمہارے جد امجد کا کیا پیارا نام تجویز کیا کہ خدا کی عبدیت ظاہر ہو رہی ہے خدا کہہ تم اللہ کے سچے بندے بن جاؤ اور بت پرستی چھوڑ کر توحید کے قائل ہو جاؤ۔ مرچند کہ آپ نے نرم الفاظ میں سب کچھ سمجھایا مگر کسی نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا اور آپ کا مذہب حق قبول کرنے کا کسی بھی اقدام نہ کیا۔



ایک بار قبیلہ بنی حنیفہ میں آپ تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ میرے اہل وطن اور  
ادری کے بھائیوں نے دین کی نعمت اٹے ہاتھوں رد کر دی خدا کا پیغمبر سہا برس ان میں رہا اور ہمیشہ  
غیر عذاب ڈراتا اور ایمان پر جنت کی بشارت سناتا ہاگر ان کے کان پر جوں نہیں رہی اُنھوں نے خدائی  
کار پر کان نہ دھرے اور بجائے قبول کرنے کے تکذیب و استہزاء پر آمادہ ہوئے سو اب یہ نعمت تم پر پیش کرتا  
ہوں زبے نصیب کہ تم اس کے قدر دان بنو اور اس دولت لازوال سے اپنے دامن بھر لو مگر افسوس کہ ان  
میں بھی کسی نے آپ کا کہنا نہ مانا اور ماننا تو درکنار ایسے سخت جواب دیے کہ آپ بصد یاس و غم وہاں سے واپس چلے گئے  
ایک مرتبہ بنی عامر بن صعصعہ کو آپ نے تبلیغ فرمائی اور ان پر اپنا نفس پیش فرما کر اس کے طالب  
ہوئے کہ یہ لوگ اللہ کے پیارے پیغمبر کو اپنی جماعت میں لے کر دائمی دولت سے مالا مال ہوں اور اپنے ہمراہ  
جائیں مگر ان میں بھی کسی نے آپ کو قبول نہ کیا البتہ فرانس نامی ایک شخص نے اتنا پوچھا کہ اے محمد! اگر ہم  
تھارا کہنا مانیں اور ہماری موافقت سے تم کو ملک عرب پر قبضہ حاصل ہو جائے تو بتاؤ ہمارے ساتھ کیا  
سلوک کرو گے اور اپنے بعد اپنا جانشین بناؤ گے یا نہیں؟ مگر جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے  
جواب سنا کہ ”ملک تو خدا کا ہے وہ مالک ہے اور اسے اختیار ہے کہ جس کے قبضہ میں چاہے ہے“ تو ان فرانس  
ہنس اور یہ کہہ کر کہ پھر ایسا احمق کہاں آئے گا کہ تمہارا ساتھی بن کر عرب کے ہاتھوں گردن کٹوائے اور جب  
ملک تمہارے قبضہ میں آئے تو دوسروں کو حاکم بنا دیکھے“ وہاں سے چل دیا \*

## باب ۱۱ و ۱۲ نبوی

### مدینہ کی قوم میں اسلام کا پھیلنا اور تبعیت عقبہ اولیٰ

مدینہ میں قوم یہود کے علاوہ دو بڑی پرست قبیلے آوس اور خزرج آباد تھے۔ ان کا قدیمی مسکن  
يمن تھا اور یہ دونوں گو ایک دادا کی اولاد تھے لیکن باہمی ایسی نا اتفاقیوں پھیل گئی تھیں جن کے سبب ہمیشہ  
باہم لڑتے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔

انھیں ایام موسم میں قبیلہ بنی عمر بن عوف کا صاحب شرف و نسب سردار سوید بن صامت بن کوہکاؤ  
اور شاعری اور کمالات علمیہ و عملیہ کے سبب ان کی قوم نے کامل کا خطاب دے رکھا تھا مدینہ سے حج یا عمرہ ادا  
کرنے کے لئے مکہ میں آتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا آنا سنا تو حسب عادت ان کے پاس تشریف  
لائے اور فرمایا کہ ”اے سوید! تم ہی اس خدائی دولت کو لے لو جسے اہل مکہ نے ٹوٹا دیا اور رد کر دیا ہے“



سوید نے جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس بھی وہی نصائح ہیں جو میرے پاس موجود ہیں اس کے بعد مجلہ لقمان یعنی وہ صحیفہ نکال سامنے کیا جس میں لقمان حکیم کی دانشمندانہ نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں حضرت نے اس کی تعریف فرمائی اور کہا کہ میرے پاس اس سے بہتر نصیحتیں موجود ہیں یعنی کلام اللہ جو مجھ پر نازل ہوا اور ہدایت و نور بن کر اتر آیا ہے اس کے بعد آپ نے چند آیتیں قرآن مجید کی ان کونسیاں سوید بن صامت کلام الہی سن کر متاثر ہوئے اور یہ کہہ کر کہ بیشک پیارا کلام اور شیریں نصیحتیں ہیں مدینہ واپس ہو گئے مگر افسوس کہ ان کی عمر نے وفات کی اور واپسی کے چند ہی روز بعد قبیلہ خزرج کے ہاتھوں مقتول ہو کر راہی ملک بقا ہوئے۔

چند روز بعد قبیلہ خزرج کے چند آدمی انس بن رافع وغیرہ بنو عبد الاشہل کے چند نوجوان ایسا ابن معاذ وغیرہ کو ساتھ لے کر مکہ اس غرض سے آئے ہوئے تھے کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں اور اس جنگ جو بہادر قوم سے باہمی جنگ و صلح کی شرکت اور اعانت پر سما عہدی کر لیں تاکہ خزرج کے مقابلے میں لڑنے وقت کام آئے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو وارد اہل مدینہ کو مدعو فرمایا اور قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جس کا سب سے پہلے اثر ایسا بن معاذ پر ہوا جو سمجھدار نوجوان تھے وہ کہنے لگے کہ یہ کیسا شیریں کلام ہے بخدا یہ ہدایت جس کی جانب یہ شخص ہم کو بلاتا ہے اس معاملہ سے کہیں بہتر ہے جس نجات کی لئے ہم مکہ آئے ہیں، چلو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ایسا بن کے یہ کلمات سن کر قوم کے رئیس نے کہا کہ ادا حق پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے جلدی کرنا عقلمندوں کی شان نہیں نیز انس بن رافع نے ایک بڑا بڑا انکر حضرت ایسا بن کے منہ پر کھینچ بھی مارا اور کہا کہ چپ ہوا ہے بیوقوف ہم اس لئے مکہ میں نہیں آئے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا بن چپ ہو گئے اور چند ہی روز بعد دنیا سے انتقال کر گئے ان کی قوم نے سننا کہ یہ مرتے وقت باور بلند تکبیر کہتے اور کہتے لا الہ الا اللہ کے نعرے مارتے تھے اس لئے ان کے ایمان میں شک کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس موقع پر لوگ اپنے سردار کی مخالفت اور حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے گواہان نہیں لائے تاہم اتنا نتیجہ ضرور ہوا کہ قریش سے قسما عہدی بھی نہیں ہوئی اور اپنا خیال پورا کئے بغیر چلے گئے تھے ویسے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔

باشندگان مدینہ یعنی آوس و خزرج کا یہود سے جس وقت کسی بات پر جھگڑا ہوتا تھا تو آخری فیصلہ کے طور پر یہودیوں کو کہہ دیا کرتے تھے کہ اچھا اب نبی آخر الزماں پیدا ہونے والے ہیں دیکھو ہم لوگ ان کے تابعدار اور سامنے بن کر تمہارا کیسا قلع قمع کریں گے۔



عرب کے رہنے والے جو دور و دور سے کسی قومی میلے میں آتے تھے وہ آپ کے وعظ نہایت خشوع و خضوع سے سنتے اور جب واپس جاتے تو ان باتوں کو اپنے ہموطنوں میں پھیلاتے تھے حتیٰ کا دوسرا کثرت یہ بھی ہوا کہ اکثر کفار آپ کی ہجو میں قصیدے کہتے تھے جن میں آپ کی اکثر باتیں مندرج ہو کر مشہور ہو گئیں۔ اس طرح گویا آپ کے ایک خیالات قریب قریب تمام حجاز میں شائع ہو چکے تھے۔

حق باتوں کے وہ بیج جو چاروں طرف بکھیر دیے گئے تھے پودا پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ انہی میں عقبہ پہاڑ کے قریب مدینہ کے رہنے والے چھ خزر جی شخصوں سے آپ دو چار ہوئے اور انہوں نے آپ کے موثر و غلط کو کان لگا کر بڑے غور سے سنا اس کے بعد چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہود کا بول پورا ہوتا نظر آتا ہے کیا اچھا ہو کہ ہم ان سے پہلے اس شخص کا اتباع کر لیں جو درحقیقت اللہ کا سچا پیغمبر اور نبی آخر الزماں معلوم ہوتا ہے چنانچہ آپ کی فصاحت اور راست گفتاری نے اپنا اثر دکھایا اور وہ چھ کے چھ حضرات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور دولت لازوال سے مالا مال ہو گئے۔ یہ واقعہ ۶۲۰ء عیسوی میں ہوا جب یہ چھ مسلمان اپنے وطن کو واپس گئے تو انہوں نے اس خبر کو مشہور کیا کہ ملک عرب میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں جو عرب کے سیکڑوں برس کے جھگڑوں کا تصفیہ کر دیں گے ان کو بت پرستی چھڑا کر اللہ کی طرف بلائیں اور ہدایت کا راستہ دکھائیں گے۔ اس طرح چند ہی روز میں مدینہ کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں مقدس مذہب اسلام کا چرچا اور گھر گھر میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مذکور ہونے لگا۔ دوسرے سال یہ اہل یشرب پھر مکہ میں آئے اور اس مرتبہ یشرب کے چھ مشہور قوموں کی طرف سے چھ آدمی اپنے ساتھ لیتے آئے اور اسی جگہ پر جہاں وہ پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے یہ چھ بھی داخل اسلام ہوئے یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

اس بیعت کا نام بیعت العقبۃ الاولیٰ ہے یا یوں کہو کہ وہ معاہدہ جو ان لوگوں کے ساتھ ہوا عقبہ کا پہلا معاہدہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ معاہدہ عقبہ پہاڑ پر ہوا تھا جو اقرار ان لوگوں نے کیا تھا وہ یہ ہے کہ ہم لوگ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے، چوری، زنا کاری، اولاد کے قتل سے باز آئیں گے، ہم کسی کی جعلی اور زور سے نکریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک حق بات کو مانیں گے اور خوشی و غم میں ان کے شریک حال رہیں گے۔ اس اقرار کے بعد یہ لوگ حضرت کے ایک بزرگ صحابی حضرت مقعب بن عمیر کو اپنے ساتھ مدینہ لے گئے تاکہ ان سے کلام مجید پڑھیں دینی مسائل سیکھیں اور یشرب کے تاریک خطہ کو اسلام کی روشنی سے منور بنائیں ان نو مسلم اہل مدینہ میں حضرت ذکوان بن عبد قیس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے اور آپ کے ساتھ ۳۰ سالہ نبوی میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی، ان کو اسی لئے انصاری و



مہاجر دونوں لقب یاد کیا جاتا ہے۔

ان بارہ جان نثارانِ اسلام مدنی صحابہؓ کے نام یہ ہیں: اسعد بن زرارہ۔ حارث بن رفاعہ کے دونوں بیٹے عوف و معاذ۔ رافع بن مالک قبیلہ بنی زریق میں سے۔ ذکوان بن عبد قیس بنی عوف بن خزرج میں عبادہ بن صامت۔ ابو عبد الرحمن یعنی یزید بن ثعلبہ بنی سالم میں سے۔ عباس بن عبادہ۔ عقبہ بن عامر قطیفہ بن عامر اور قبیلہ بنی اوس میں ابوالہثیم یعنی مالک بن تہیان اور عجم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم جمعین۔ حضرت مصعب بن عمیر مدینہ میں آئے اور اسعد بن زرارہ کے گھر ٹھہرے اور اسعد بن زرارہ نے اپنے پیشوا معلم کو دار بنی زافر میں لے جا بٹھایا اور وہیں تمام نو مسلم و غطفانے جمع ہوئے قبیلہ بنی عبد الاشہل کے دونوں مشرک سرداروں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کو خبر لگی تو غطفان میں بتایا ہو گئے اور اپنے شہر میں نئے مذہب کی ابتدا دیکھ کر جھلا اٹھے۔ سعد بن معاذ ہاتھ میں نیزہ لے کر اس بستان سسرا میں آیا جہاں حضرت مصعب بن عمیر حضرت اسعد بن زرارہ کی ظاہری اعانت پر غطفان کرتے تھے اور کہا کہ اس بے وقوف و اخط کو اتنی ہمت کس نے دلائی کہ یہ ہمارے بھائی بندوں کو ہرکاتا راستہ سے بھٹکانا، ہمارے دروازوں پر آنا اور ایسے لفظ پکار پکار کر کہتا ہے جو ہم نے کبھی نہیں سنے اگر یہ باز نہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ سعد بن معاذ کی اس سخت گفتگو سے لوگوں کا مجمع منتشر اور غطفان سننے والے درہم برہم ہو گئے لیکن مصعب بن عمیر نے اپنا کام نہیں چھوڑا اور اگلے روز پھر اسی مکان کے قریب غطفان شروع کر دیا جہاں اس سے پہلے دن کہہ چکے تھے۔

سعد بن معاذ اس دن بھی خبر پا کر آیا اور بہت کچھ سخت شست کہا لیکن حضرت مصعب بن عمیر کی کرامت اور دین حق کی جلالت تھی کہ آج سعد کی گفتگو میں نرمی تھی اور غطفان کی مانعت کو باہوٹ چبا چبا کر کر رہے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسید بن حضیر سے کہا کہ اے اسید چونکہ اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے اس لئے مجھ کو اسے ایذا پہنچاتے شرم آتی ہے تم میری مدد کرو اور ان نو وارد لوگوں کو منع کرو کہ ہمارے بھولے بھالے ہموطنوں اور عورتوں بچوں کو گمراہ نہ بنائیں۔ چنانچہ اسید بن حضیر یہ سننے ہی ہاتھ میں تلوار لے اسعد بن زرارہ کے سر پر آکھڑے ہوئے اور نہایت کراخت آواز سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے جواب میں پیش قدمی کی اور کہا کہ تشریف رکھتے اور نصیحت کی باتیں سننے اگر پسند آئیں قبول کر لیجئے اور اگر ناگوار گزریں تو ہم بخوشی آپ کے حکم کی تعمیل کرنے اور یہاں سے چلے جانے کو موجود ہیں۔



اسید بن حضیر کے دل پر اس راست گفتاری اور منصفانہ تقریر نے بڑا اثر کیا اور وہ یہ کہہ کر کہ ”حقیقت سنا کی بات یہی ہے“ کلام مجید سننے کے لئے کان لگا کر مودب ہو بیٹھے۔

مصعب بن عمیر نے فصیح لیکن مختصر الفاظ میں محاسن اسلام سنائے اور اسید بن حضیر کے دل پر بان کے انتاب نے اپنی جھلکتی ہوئی گریزوں سے ٹکرا کر شروع کیا۔ پیماختہ یہ کہہ کر کہ ”واہ واکیا شیریں ام اور بزرگ عقیدہ ہے“ بولے کہ جلد بتاؤ جب تم لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کہتے ہو کیا کرتے ہو۔ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر نے ایک زبان ہو کر مسترت آمیز لہجہ میں جواب دیا کہ ”ہم ایمان لاتے وقت نہاتے، کپڑے پاک کرتے اور حق کی گواہی دیتے، کلمہ پڑھتے اور شکرانہ کی اور رکعت نفل ادا کرتے ہیں“ اسید بن حضیر نے اسی وقت غسل کر کے کلمہ پڑھا اور مشرف باسلام ہو کر فرمایا کہ اگر میرا دوست سعد بن معاذ اس لازوال دولت سے مالا مال ہو جائے تو اس کی قوم ہی ایمان لانے میں کچھ تاثر نہ کرے گی۔ اچھا میں جاتا ہوں اور مقدس اسلام کا جتنا بڑھانے کی کوشش مل میں لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر اسید بن حضیر اٹھے اور سیدھے سعد بن معاذ کے پاس آئے چونکہ نور ایمان کی شعاعوں نے ان کے چہرے کی پھلی تاریکی کو بالکل چھپا اور صورت میں بین فرق پیدا کر دیا تھا۔ اس لئے سعد بن معاذ نے دیکھتے ہی تاثر لیا کہ اسید اس حالت کے واپس نہیں آیا جس حال میں یہاں سے روانہ ہوا تھا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ آخر جب اسید پاس گئے تو سعد نے دریافت کیا کہ کہو دوست کیا کارروائی کر کے لوٹے؟

اسید بن حضیر نے جواب دیا کہ بھائی صاحب آپ کا خیال غلط تھا۔ میں نے ان لوگوں سے گفتگو کی تو ان کی پسندیدہ اور بے لاگ لپیٹ نصیحتوں میں حق کا جلوہ نمودار اور سچائی کا اثر موجود پایا اس وقت میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ کی قومی سمیت کا وزن کروں میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ کی شری قوم آپ کے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے گئی ہوئی ہے جلد اٹھئے اور حق جو انفرادی ادا کیجئے۔

سعد بن معاذ کو ابھی تک مشرک تھے لیکن قومی جمیئت کا خون ان کی رگوں میں جوش مار رہا تھا اور وہ عصبيت کا مادہ جو شریف و بہادر مرد کے عنصر میں ہونا چاہئے ان کے پیٹھے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ اس لئے غصہ کے مارے کانپ اٹھے اور یہ کہہ کر کہ کیا بنی حارثہ نابکار میری مہربان خالہ کے نور نظر کو میرے ہوتے نظر بھر کر دیکھ سکتے ہیں؟ تلوار میان سے باہر نکال لی اور



سیدھے سعد بن زرارہ کے پاس آئے لیکن جب دیکھا کہ اسعد اور مصعب دونوں مطمئن بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں تو حیران رہ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ اُسید بن حفص کی محض پیال تھی۔

سعد بن معاذ نے سعد بن زرارہ سے کہا کہ اگر میرے آپ کے درمیان قرابت و رشتہ داری نہ ہوتی تو آپ کو اس نئے دین کی ترویج پر ہرگز جرأت نہ ہوتی۔ سعد بن زرارہ تو خاموش رہے مگر حضرت مصعب نے جواب دیا کہ کیا آپ منظور کر سکتے ہیں کہ چند لمحہ پیٹھ کر کلام الہی سن لیں اور بات کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے بعد حق و باطل میں تمیز کریں اگر پسند ہو تو قبول فرما دیں ورنہ ہم بخوشی آپ کو چھوڑ جانے پر آمادہ ہیں۔ حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آج سعد بن معاذ کو نرم پا کر کہا کہ بھائی صاحب! مجھے سنئے یہی کہ یہ شخص کہتا کیا ہے؟ اگر درحقیقت گمراہ کرتا ہے تو آپ اس سے بہتر ہدایت کرنے والا طریقہ بتائیے تاکہ عوام الناس انہیں چھوڑ کر آپ کی اطاعت کریں اور راہ یاب ہوں ورنہ اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کیجئے اور ان کا وجود باوجود غنیمت سمجھ کر ان کا کہنا مان لیجئے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ فوراً بیٹھ گئے اور حضرت مصعب نے بسم اللہ پڑھ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں: **أَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّ فِي أَمْرِ الْكِتَابِ لَدَلِيلًا لِّعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝** بہت جلد سعد بن معاذ کے قلب تک پہنچا دی اور ان کی زبان سے بھی وہی کلمہ نکلا جو تھوڑی دیر پہلے اسلام قبول کرنے کی صورت دریافت کرنے کے پارے میں حضرت اُسید کی زبان سے نکلا تھا۔ چنانچہ اسی وقت سعد بن معاذ نے غسل سے فارغ ہو کر کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی قوم میں جا کر بپار دیا کہ اے بنو عبد الاشہل میں تم سے افضل اور سردار شمار ہوتا ہوں، میں مسلمان ہو چکا تھا اے مردوں اور عورتوں سے مجھ کو کلام کرنا حرام ہے جب تک کہ وہ اسلام سے مشرف نہ ہو جائیں۔

خدا جانے اس آواز میں کیسا مقناطیسی اثر تھا کہ جس کے کان میں پڑی وہ کھپا ہوا چلا آیا اور جبرئیلؑ سنا وہ لپکا ہوا حاضر ہو گیا۔ ابھی تک شام ہونے نہ پائی تھی کہ بنی عبد الاشہل کے قبیلہ کا ہر گھر اسلام کا شہید اور سچا کلمہ گو بن گیا کیونکہ کوئی مرد ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو اور کوئی عورت ایسی نہ تھی جو ایمان نہ لے آئی ہو۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ برابر اپنے کام میں مشغول رہے اور چند ہی روز میں یثرب کے نصف سے زیادہ حصہ میں اسلام پھیل گیا اور اسی سال مدینہ میں جمعہ قائم ہوا۔ **وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذٰلِكِ ۝**



## باب ۱۲۸ فی ثبوت نبوی معراج

آپ کی عمر شریف اکیاون برس آٹھ مہینے بنی روز کی اور نبوت کا بارھواں سال، رجب کا مہینہ  
ناستیسویں شب اور دوشنبہ کی شب تھی کہ آپ کو معراج کا مرتبہ عنایت ہوا۔

اس افضل ترین واقعہ کے بیان میں شعراء اور غیر محتاط و اخطوں نے جھوٹی سچی روایتوں کی  
دش سے بہت لغزشیں کھائی ہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ جب یہ واقعہ بزرگ ترین واقعات سے  
سوم ہے تو گھڑے ہوئے بیانات زبان قلم کیوں ٹوٹ کی جائے۔ بناؤ سنگھار کی ضرورت ایسے چہرہ  
رہوتی ہے جس کا قدرتی نکھار دیکھنے والوں کے دل اپنی طرف مائل نہ کر سکے اور جب کسی حسین مہ  
مال کا دل فریب حسن بناوٹ کا محتاج ہی نہ ہو تو اس کی سیدھی سادی دلربا آدائیں اور بھولی  
مالی جگر خراش باتیں بھی دل میں جگہ پکڑ لیا کرتی ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو تمام بنی آدم کے لئے فخر کا مقام ہے کہ اُن کے سرور افضل موجودات کے ایک  
ن میں بحالت بیداری عالم علوی کی سیر کی اور وہ وہ عجائبات دیکھے کہ باید و شاید۔

علمائے اسلام کا گوراس میں اختلاف ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بحالت بیداری  
ہوئی یا خواب میں اور جسمانی ہوئی یا روحانی تاہم صحیح یہی قول ہے کہ آپ نے بیداری کے عالم میں اسی جسم سے  
عالم ملکوت کی سیاحت کی اور گوجدید و قدیم فلسفہ کے منہک نئی روشنی کے خیالی تہذیب والے نوجوان  
س کو بعید سمجھتے اور خلاف قیاس و عقل بتا کر اعتراض کرتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ جب خود عیسائی حضرت  
عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہما و علی نبینا السلام کے جسمانی طور پر آسمان پر چڑھ جانے کو مانتے ہیں تو معراج  
محمدی کا جسمانی حیثیت سے کیوں انکار کرتے ہیں؟

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تو معراج چونتیس<sup>۳۴</sup> مرتبہ ہوئی لیکن وہ  
مشہور معراج جس کا قابلِ فخر حاتم آدم ابو البشر سے عیسیٰ روح اللہ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے گروہ میں  
صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا گیا، ایک مرتبہ ہوئی ہے جس کا سچا قصہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔  
آب تک بانی اسلام اور متبعین خیر الانام پر شب و روز کے چوبیس گھنٹہ میں صرف دو مرتبہ نماز پڑھنا  
فرض تھا ایک دن کے شروع حصہ میں جس کو صلوٰۃ فجر کہنا چاہئے اور دوسرے نہار کے آخری حصہ میں  
جس کا نام عشاءِ اولیٰ یا صلوٰۃ مغرب ہے۔



عالم تاب آفتاب اپنی روزانہ مسافت طے کر چکا اور دنیا والوں کی نظر سے اوجھل ہو کر دیر ہوئی اپنی چمکدار شعاعوں کو سمیٹ کر اُفقِ مغرب میں جا چکا تھا کہ آفتاب نبوت کے آسمانوں پر جلوہ افروز ہوا  
کا وقت آیا اور روح الامین نے حق تعالیٰ کا فرمان پا کر ایک قبولِ صورتِ میانہ قد حلتی سفید مرکب  
جس کا نام بُراق ہے دولت خانہ سلطان انسان و جان کے دروازہ پر اس وقت لا کھڑا کیا جب کہ  
سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دن کی آخری نماز سے فارغ ہو کر اپنی چچا زاد بہن ام ہانی دختر الوطاس  
کے گھر خوابِ استراحت فرما رہے تھے۔

جبریل امین نے خادمانہ آداب ملحوظ رکھ کر حضرت کو بیدار کیا اور قدم مبارک پر ہاتھ لگا کر  
آپ اٹھے اور ادھر ادھر دیکھا مگر جب کسی کو نہ پایا تو آنکھیں بند کر لیں اور پھر سو گئے دوبارہ جبریل  
امین نے پھر اسی طرح جگایا اور حضرت نے آنکھ کھول کر جب سی کو نہ پایا تو پھر سو گئے تیسری مرتبہ حضرت  
جبریل نے پھر جگایا اور حطیم میں لا کر چوتھی مرتبہ سیدنا مبارک چاک کیا۔ قلب مبارک طلانی طشت پر  
آپ زمزم سے دھویا۔ ایمان و حکمت اور تجلیات الہی سے معمور بنا کر سی دیا اور مژدہ سنایا کہ مسلک  
سیاحت کے لئے تیار اور عالمِ علوی کے عجائبات کی سیر کے لئے بنے ٹھنے براق پر سوار ہو جئے تاکہ عجیب  
رکاب پکڑنے کی عزت حاصل کرنے اور میکائیل کو باگ تھامنے کی خدمت سے طارِ الاعلیٰ پر فخر کرنے  
کا موقع ملے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر تشریف لائے تو سواری کھڑی پانی جس کی صفت  
رفقاری کا ادنیٰ مرتبہ یہ تھا کہ جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا اور پلک جھپکاتے  
صد ہامیل کی مسافت طے کرتا تھا چنانچہ آپ اس بُراق پر سوار ہوئے اور مسجدِ حرام سے یثرب کے وہ  
نخلستان قطع کرتے ہوئے جہاں چند روز بعد ہجرت کرنی تھی اور طورِ سینا پر گزرتے ہوئے جس پر موسیٰ علیہ  
السلام نے اللہ پاک سے باتیں کی تھیں اور بیتِ الحم دیکھتے ہوئے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے  
اور دود و رکعت ان متبرک مقامات پر ادا کرتے بیت المقدس پہنچے جہاں حضرت آدم علیہ السلام  
کے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیاء علیہم السلام آپ کے منتظر اور نمازیں آپ کا اقتدار کرنے کے متمنی  
تھے۔

آپ کا خوش قسمت بُراق اس دروازہ کے حلقہ سے باندھا گیا جو اب تک بابِ محمد کے نام سے  
مشہور ہے اور اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجدِ اقصیٰ میں جس کو ہر طرف سے اللہ  
کی برکتیں گھیرے ہوئے ہیں ابتداءً تحیۃ المسبح کی دو رکعتیں نہایت خشوع و خضوع سے ادا کیں یہی  
موقع پر اللہ کی نورانی مخلوق ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد آپ



یکمال شوق و ذوق سے دُود بھیجا اور اعتراف کیا کہ بیشک آپ ہم سب کے افضل اور آپ پر ایمان لانا ہم پر فرض ہے۔ روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ مقدس مجمع انبیاء علیہم السلام کی بلا جسد ارواح کا نہ تھا بلکہ سب مجسم اور اپنی اُس شکل و شباهت میں تھے جو اُن کو دُنیا میں عطا ہوئی تھی۔ غرض اذان ہوئی اور سب وضو کیا تکبیر ہوئی اور فوج کے سپہ سالار کو امام بنایا گیا۔ تمام انبیاء و ملائکہ مقتدی بنے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، فارغ ہونے پر باہر تشریف لائے اور جبریل امین نے دُوپیالے جس میں ایک خمر سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے سے دُودھ چھلک رہا تھا لاسا منے کیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دُودھ کا پیالہ لیا اور سیر ہو کر پی لیا۔ رُوح الامین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اگر آپ خمر کا پیالہ لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہوئی۔ کیونکہ پیشوائے اُمت کا اس وقت جام شیر لینا اور دُودھ کا پی لینا اس کی اُمت کے لئے فال نیک اور ہدایت کا وسیلہ ہے۔

حضرت میکائیلؑ باگ پکڑے اور حضرت جبریلؑ رکاب تھامے ہوئے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نورانی براق پر سوار آسمانوں کی سیر کرتے اور ہر آسمان پر اُن انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرتے جو ان کے لئے مقام تجویز ہو چکے تھے اس سدرۃ المنتہی پر جا پہنچے جس کی جڑ چٹھے آسمان میں اور شاخیں فلک ہفتم پر واقع ہیں۔

”سُدرۃ“ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت وہیں تک ہے اس کے آگے قدم بڑھانا ذی رُوح مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے اس کا نام ”منتہی“ ہے یہی وہ مبارک درخت ہے جو چاروں طرف انوار و تجلیات سے گھرا ہوا اور جس کے عجیب الخلق پتے پتے پر ایک ایک فرشتہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور اسی چار نہریں جاری ہیں دو باطنی جو چمنستانِ جنت میں رواں ہیں اور دو ظاہری جن میں ایک کا نام دریائے نیل ہے اور دوسرا دریائے فرات کہلاتا ہے۔

آپ آسمانِ چہارم پر بیت المعمور کی زیارت کر چکے تھے جو ملائکہ کا کعبہ مقدس اور معبد دُنیا یعنی خانہ کعبہ کی عین محاذات میں واقع ہے اور جس کے طواف کرنے کو ہر روز ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جو ایک بار طواف کر چکے وہ قیامت تک دوبارہ طواف کرنے نہ آئیں گے۔

اب آسمانِ ہفتم پر ایک نہر نظر آئی جو زمرد و یاقوت کے سنگ گریزوں پر جاری تھی جس کا خوشگوار پانی شہد سے زیادہ شیریں اور دُودھ سے زیادہ سپید تھا جس میں سونے چاندی کے کٹورے یاقوت و زبرجد کے انجورے پڑے بہہ رہے تھے اس کو دیکھ کر آپ نے جبریلؑ سے دریافت کیا کہ اس نہر کا نام کیا ہے جبریلؑ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کو عطا ہوئی اور قیامت کے دن ناقابلِ برداشت



سخت گرمی کے وقت آپ کی پیاسی اُمتِ مرحومہ کو تیراب کرے گی۔ اس کے بعد اپنے جنت و دوزخ کی تیرکی اور ملکوتی عجائب خانہ کے وہ عجائبات دیکھے جو کسی کو دیکھنے نصیب نہیں ہوتے۔

سُورَةُ الْمُنْتَهٰی پر پہنچ کر روح الامیں نے رخصتی سلام کیا اور یہ کہہ کر کہ آگے قدم رکھنا سوائے آپ کے دوسرے کام نہیں ہے، واپس ہونے کی اجازت چاہی آپ کو سوائے اجازت چارہ ہی کیا تھا۔ جبریل میں کو رخصت کیا اور آپ اپنے حق جل و علی شانہ کے دربار میں بحکم خداوندی آگے بڑھے چلے گئے۔

یہ وہ وقت تھا کہ آپ پیادہ پا اور تنہا کسی عالی شان بے کیف دربار اور کسی بے پایاں بڑی سرکار میں جانے والے تھے نظامِ ہرنہ کوئی راہبر ساتھ تھا نہ مونس و غمگسار نہ رفیق ہمراہ تھا نہ یار و مددگار غلیو راہبری کی اعانت پر آپ نے قدم آگے بڑھایا اور جبروتی شان و عظمت اور جلالِ کبریائی کی دہشت کے وہ حیرت انگیز آثارِ قلب پر نمودار ہو چلے جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونے والے مقرب بندہ کے پاک، اور بے عیب دل پر ظاہر ہونے چاہتیں۔ گو مشاقانہ بے خودی کی کیفیت طاری تھی اور خوفِ مضطرب کی حالت ہو بید حیرت کا عالم تھا اور دہن مبارک پر ٹھہر خاموشی، یکایک آپ کے رفیق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کان میں آئی کہ قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ رَبَّكَ يُعَلِّیْ (دھروا اے محمد! کیونکہ تمہارا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے گویا یہ کلمات سُکر آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آواز کہاں؟ اور بے نیاز پروردگار کی نما کیسی؟ تاہم دل کی وحشت اور قلب کی دہشت آواز کے ختم ہوتے ہی کافور ہو چکی تھی ڈھارس بندہ گئی تھی اور اطمینان و فرحت کے آثار پیدا ہو گئے تھے، ناگاہ دوسری ندا آئی کہ اُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ اُدْنُ يَا أَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ۔ (پاس آجاؤ اے بہترین مخلوقات پاس آجاؤ اے احمد پاس آجاؤ اے محمد) پس ثُمَّ دَنَى فَدَنَى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا پس فاصلہ رو گیا و کمان کی برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب) اس مرتبہ قرب کا اظہار جو سرور کائنات کو بارگاہِ احدیت سے ہوا بشری قوتِ بیانیہ سے باہر ہے نہ انسان کی طاقت ہے کہ بیان کرے نہ زبان میں یارہ کہ اُس کا اظہار کرے۔

آپ رویتِ باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے اور جو کچھ عزا اسمہ سے راز و نیاز کی باتیں تھیں اُن کو کوئی کیا جانے فَاَوْحٰی اِلَی الْعَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی۔ (پھر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اپنے بندہ کی جانب جو کچھ بھی وحی بھیجی) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار عزا اسمہ نے میرے کندھوں کے درمیانی حصہ پر ہاتھ رکھے جس کی بُرودت کا اثر قلب پر ظاہر ہوا اور مجھ پر اولین و آخرین کا علم منکشف ہو گیا۔



روایت ہے کہ آپ نے عرض کیا: "اے پروردگار میرے! اس غیبی آواز کا مطلب کیا تھا ابوبکرؓ نے آواز یہاں کہاں اور تیری سزاوار حمد و ثنا ذات کی نماز کیسی؟ جواب ملا کہ پیارے محمد! میں تو تازے بے نیاز ہوں۔ اس صلوٰۃ سے مراد جو نصیحتی کے لفظ میں مستتر تھی وہ خاص رحمت ہے جس کا مؤثر ہم اور تمہاری مرحومہ اُمت ہے۔ اس وقت میری خاص رحمت نازل ہو رہی اور تمہارا استقبال کر رہی تھی۔ اور یہاں عالم لامکان میں تمہارے دنیا و آخرت کے دوست ابوبکرؓ کی آواز کا سنائی دینا محض تمہاری اُنسیت اور عارضی دہشت کے رفع کرنے کی غرض سے تھا کیا تمہیں یاد نہیں کہ وہ طور پر موسیٰ سے ہم کلام ہوتے وقت میں نے اس کی ہر وقت ہاتھ میں رہنے والی لاکھی کا ذکر پھیر دیا اور پوچھا کہ مَا تِلْكَ بِمِثْلِكَ يَهُوُسى (اے موسیٰ! یہ تمہارے واسطے ہاتھ میں کیا ہے؟) اور اس سے بھی مقصود صرف ان کو مالوس بنانا اور اُس رعب و وحشت کا زائل کرنا تھا جو مجھ سے ہم کلام ہوتے وقت بشر کے قلب پر طاری ہونا ضروری ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔

اس کے بعد بارگاہِ اُحدیت سے آپؐ کی اُمت پر رات دن میں بچاس وقت کی نماز فرض ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے ہماں پیغمبرؐ نے سبز رفرف پر سوار ہو کر عرش کی سیر کی۔ غرض جب جنت و دوزخ، لوح و قلم، عرش و کرسی غرض تمام عجائباتِ علوی کی سیر کر چکے تو عالم دنیا کی طرف واپس ہوئے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ پر گذر ہوا۔ سیدنا موسیٰؑ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کہو اے محمدؐ! تمہاری اُمت پر کس قدر نمازیں فرض کی گئیں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ "بچاس" موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ "اے محمدؐ! میں قوم بنی اسرائیل کو ایک زمانہ دراز تک آزا چکا اور تجربہ کار بن چکا ہوں۔ تمہاری ضعیف اُمت روزانہ بچاس وقت کی نماز ادا نہ کر سکے گی۔ جاؤ اپنی اُمت پر رحم چاہو اور تخفیف کا سوال کرو۔"

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور بارگاہِ صمدیت میں نہایت عاجزی سے تخفیف چاہی اور دن نمازوں کے معاف ہونے پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر آئے موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ کہا کہ "چالیس" وقت کی نمازوں کا متحمل ہونا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے، جاؤ اور رحم کے آرزو مند بنو۔ چنانچہ حضرت پھر لوٹے اور فرض نمازوں کے کم ہونے کا سوال کیا۔ اس مرتبہ پھر دن نمازیں معاف ہوئیں اور تین نمازوں کا حکم لے کر آپ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کی خیر خواہانہ نصیحت کے موافق بار بار کی آمد و رفت کے بعد پانچویں مرتبہ دن رات میں صرف پانچ نمازوں کی فرضیت باقی رہی اور حکم



ہوا کہ اے محمد! پانچ نمازیں ادا کرنے پر ثواب پچاس سال نمازوں کا عطا ہوگا کیونکہ تمہارا امت کی ایک نیکی پر ہماری سرکار سے ہمیشہ دین انیسکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماں و شادان لوٹے اور گو موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ یہی کہا کہ ”اے محمد! پھر جاؤ اور تخفیف پامو“ لیکن آپ نے یہ جواب دے کر کہ ”اب بار بار اپنے پروردگار سے سوال کرتے مجھ کو شرم آتی ہے“ چھٹی مرتبہ رجعت نہیں فرمائی اور رخصت ہو کر عالم دنیا کو اپنے وجود باوجود سے اعزاز بخشا۔ اپنے وطن شہر مکہ میں پہنچے اور خواب گو میں تشریف لائے تو بستر مبارک کو گرم اور زنجیر کو ملتا ہوا پایا کیونکہ ہزاروں برس کی مسافت کا ایک آن میں ملے ہونا جس کا نام معراج اور اسراء ہے، ایک قدرتی کرشمہ تھا جس کو وقت زمانہ کی ضرورت نہ تھی۔

عالم غیر محسوس کی مثال دیکھئے تو اللہ کی نورانی مخلوق یعنی ملائکہ کے گروہ کا عرش سے فرش تک کی ہزار ہا برس کی مسافت کا وقت کے کم سے کم حصہ میں طے کرنا نقلاً مستبعد نہیں اور محسوس پر نظر کیجئے تو نگاہ کے پتلے ڈورے کا زمین سے آسمان اور آسمان سے زمین تک ایک آن میں چکر لگالینا عفتلاً ثابت اور دن میں کئی کئی بار ہر شخص کے لئے واقع ہو رہا ہے۔ پھر اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا انکار کیا جائے تو ایسے ہٹ دھرم شخص کو اللہ کی قدرت کا منکر اور بدیہیات کا جاحد کہہ کر کیوں نہ کا فرمانا جائے۔

صبح ہوئی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا قصہ لوگوں سے ذکر کیا اکثر ضعیف الاسلام مسلمان بھی مرتد ہو کر آپ کی ہنسی اڑانے لگے۔ بیت پرست قوم کو طعنہ زنی کا موقع ملا اور آپ کا محول اڑاتے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہنے لگے کہ ”یہ جیسے حضرت آپ نے اس دوست کی نئی گھڑی ہوئی رات کی کہانی بھی سنی؟ وہ کہتے ہیں کہ میں بیت المقدس ہوتا ہوا آسمانوں کی سیر کر آیا اور ایک آن میں بحالت بیداری جنت و دوزخ سب کچھ دیکھ آیا۔“ نے جواب دیا کہ ”سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر اور رسول ہیں، جو کچھ بھی فرماویں وہ سچ ہے۔ اور جب ایک لحظہ میں آسمانی وحی کا آن پر اترنا میں نے تسلیم کر لیا تو ان آن میں ملکوتی سیر پر ایمان لے آنا کون بڑی بات ہے؟ اس کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ میں نے بیت المقدس دیکھا ہے آپ بیان فرماویں کہ آپ نے کیا لفظ فرمایا؟“ سیدنا صادق و مصدوق پیغمبر نے وہاں کے



کلام بیان کرنے شروع کئے اور ہر بات کے جواب میں سیدنا ابو بکر رضی عنہ عرض کرتے رہے کہ بیشک سچ ہے واقعی درست ہے۔ اس وقت سیدنا ابو بکر کا لقب ”صدیق“ ہوا اس لئے کہ انہوں نے دولتِ نصیبیہ دان سے اپنا دامن سب سے پہلے بھرا۔

چونکہ حضرت ابو بکر رضی عنہ ابھی تک اپنی قوم میں با وقعت اور راست گو سمجھے جاتے تھے اس لئے مشرکین طہیمان و لائے کی غرض سے بیت المقدس کے واقعات کا سوال کیا اور صداقت ظاہر فرمائی، مگر اس کافروں کے انکار پسندوں نے نہ مانا اور ابو بکر رضی عنہ کو بھی حقیر ٹکا ہوں سے دیکھنے اور ہو قوف عقل سمجھنے لگے۔ اس کے بعد خود سوال کیا مگر ایسا واہیات کہ جس کی جانب سیر کرنے والے کو توجہ نہیں ہوتی یعنی دریافت کیا کہ ”اچھا لے محمدؐ بتاؤ مسجد اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں اور اس میں کس قدر ہیں“ چھت کی کڑیاں کتنے ہیں اور تختے کیسے بنے ہوئے ہیں؟ اس بے سرو پا سوال جواب میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تامل ہوا اور اللہ پاک نے بیت المقدس کو فرشتوں کی معمولی قوت کی وساطت سے اپنے رسول کی نظر کے سامنے لا رکھا یا۔ آپ اس کو دیکھتے اور کڑیاں ق دروازے، در شمار کر کے بتلاتے جاتے تھے لیکن اس پر بھی ازلی بد بخت ایمان نہ لائے اور آپ ساحر و مجنون ہی پکارے رہے۔

کلام مجید کے سادہ الفاظ نے اس فقرہ کو صراحتاً صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ ”پاک ذات جو جو کیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد اگر وہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو کھائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے“ باقی کچھ اس کا بیان سورہ میں مذکور ہے۔ بہر حال صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک چالیس رات کی مسافت کا اس رات میں قطع کرنا اس لئے مذکور ہوا کہ کفار قریش میں یہی معاملہ بحث طلب تھا اور اسی کی بابت پوچھ گچھ بھی شروع ہوئی تھی پس اسی قدر بیان پر اکتفا کرنے سے فلکی سیاحت کی نفی لازم نہیں آتی اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اپنے منت و وزخ اور ہفت آسمان کی سیاحت نہیں کی معراج کا فقہ کریمہ قدرت ہونے کی وجہ سے لوگوں کے امتحان کی ایسی کسوٹی تھی جس نے بہت آسانی کے ساتھ کھوٹے کھرے اور نچتے و کمزور میں امتیاز کر دیا اور سچے دل سے ایمان لانے والے کمزور و ضعیف الاسلام لوگوں سے ممتاز ہو گئے ہر شخص نے دیکھ لیا کہ کون سچے رسول کی رسالت پر ایمان لایا ہے اور کون اپنی ناقص عقل اور کمزور فہم کا معتقد بنا ہوا ہے۔ خصوصاً چونکہ یہ عجیب واقعہ اسلام کے اُس ابتدائی زمانہ میں ہوا جب کہ تکذیبِ حق کی کالی گھٹائیں ہر چار طرف سے اُٹ اُٹ کر آ رہی تھیں اس لئے سننے والوں کے لئے بہت ہی نازک



وقت تھا کہ چار طرف کی مصیبت جدا جھیلیں اور ہم وطن قوم کی تکذیب و استہزاء کے سدھارت برداشت کریں مگر بایں ہمہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد میں اگرچہ وہ کیسا ہی خلاف عقل و دراز فہم کیوں نہ معلوم ہو ورنہ برابر شبہ یا شک کا دل میں دوسوسہ نہ لائیں۔ سچ پوچھتے تو اس و میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت و حق طلبی اور حق تعالیٰ شانہ کے حکم کی تعمیل پر ننگ و اور جان و مال کے ساتھ عزت و آبرو کے نثار و بچھاؤ کر دینے کی ایسی کھلی علامت موجود ہے جس کا کوئی دشمن شخص بھی انکار نہیں کر سکتا اس لئے کہ کسی ایسے نازک وقت میں جبکہ مخالفت کی آگ بھڑکی ہو، عداوت و تکذیب کا تنور جوش کے ساتھ ابل رہا ہو، ایسے مضمون کا ظاہر کرنا جو بیکانوں کو بھی بے گمان اور بعید از عقل ہونے کے سبب اس پر یقین کرنے والے بہت ہی کم نکلیں اسی طالب حق شخص ہے جس کو بجز تعمیل حکم خداوندی اپنی ساکھ یا اعتبار جمائے کا کبھی دوسوسہ بھی نہ ہوا ہو۔

معراج کے واقعہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تکذیب و استہزاء کی ایذا و تکلیف پہلے سے گہری کر دی آپ پر ہنسنے والے بڑھ گئے اور اب آپ جدھر جاتے لوگ آنکھ اور آبرو کے اشاروں سے کو چھپرتے اور یہ کہہ کہہ کر آپ کا ناز پروردہ اور نازک دل دکھایا کرتے تھے کہ وہ آئے آسمانوں کی والے اور یہ آئے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے والے۔

ایک مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں کھڑے ہوئے تھے کہ کسی دشمن نے آپ کی مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ نازک گردن میں پھانسی پڑنے کا اندیشہ تھا۔ آپ کی رگیں بھول گئیں اور گلے پر دھاریاں پڑ گئیں۔ حضرت صدیق جو کھڑے دیکھ رہے تھے لپکے اور دوڑ کر چادر کو علیحدہ کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیتاب اور حزن و غم کے سبب پریشان حال تھے اپنا بدن آپ کا سپر بناتے اور کہتے جاتے تھے ”ہائے افسوس کیا خدا کے پیغمبر کو اس جرم کی سزا دیتے ہو کہ وہ اپنا رب اللہ کو بتا دے تم کو ایک خدا کی طرف بلاتا ہے“

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر کی پریشانیوں سے گھبرا کر مکان پر تشریف لے جاتے تو وہاں آپ کو امن نہ ملتا تھا۔ آپ کے پڑوسی دیواروں کے اوپر سے خاک اور مٹی پھینکتے اور کنکر پرتے تھے اکثر ایسا ہوا کہ ہانڈی چولہے پر چڑھائی گئی اور کسی پڑوسی نے اس میں خاک ڈھول یا بکری کا پیٹھ اور کسی قسم کی نجاست اس میں ڈال دی مگر بجز اس کے کہ آپ اس کو پھینک دیتے تھے انتہا لینے میں کوئی ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔

بارہا آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے اوپر ذبح کی ہوئی بھیر بکری کی غلامی



آپ پڑوسیوں کی یہ حرکات دیکھتے اور صبر کیا کرتے تھے آخر جب گھر میں بھی نماز پڑھنی دشوار ہوئی تو آپ نے ایک بڑا سا پتھر گھر میں لا رکھا اور اس کی آڑ میں نماز پڑھنی شروع کی مگر اس پر بھی وقت نجاست دیوار کے اوپر سے آکر پڑتی تو آپ کے کپڑوں کو نجس بناتی اور صفائی پسند طبیعت پر دیریشان کر دیا کرتی تھی۔ بڑے سے بڑا کلمہ جو اس ایذا رسانی پر آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ کہ آپ نے اوپر سے گری ہوئی غلاظت کو لکڑی سے اٹھا کر باہر پھینکا اور غمگین آواز سے ارشاد کیا کہ میرے عہد مناف یہ کونسا انصاف ہے اور پڑوس کے حق کی کیسی حفاظت ہے کہ میرے ساتھ ایسا کر دیتے ہو؟ اس کے بعد آپ نجاست کو راستہ کی ایک جانب ڈال دیتے اور خاموش ہو کر اندر بیٹ لے آیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے مکان کو آرہے تھے کہ کسی ناقدردان دشمن نے سڑی ہوئی کچڑ اٹھا کر آپ کے مبارک پر پھینک ماری۔ آپ خاموش اپنے گھر چلے آئے اور زبان سے اُن بھی نہیں نکالی۔ آپ کی بزدلی نے سر مبارک خاک آلود دیکھا تو رونے لگیں اور اُٹھ کر باپ کا سر دھویا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی گوروتا ہوا دیکھ رہے اور یوں دلاسا دیتے جاتے تھے کہ بیٹی رو ومت تمہارے باپ کا خدا حافظ میں نے چاہا تو کوئی دشمن بال بھی بیکار نہ کر سکے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی باوجود متول و سرداری کے ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا کہ مسجد الحرام کی جانب جارہے تھے راستہ میں کسی احمق کا فرنے آپ پر مٹی بھر کر خاک پھینکی اور سر مبارک خاک آلود بنا دیا۔ اتفاق سے ولید بن مغیرہ ادھر سے گذرا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شکایت کی اور فرمایا کہ کھیا نے اس احمق کی حرکت کو کیا واہیات کام کیا۔ ولید یہ سن کر منہسا اور کہا کہ یہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کروت جیسا کہ زنا دیا بھڑنا۔ نہ تم مذہب بدلتے اور نہ اس نتیجہ کو پہنچتے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا راستہ اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے کہ میرے پروردگار! تیرے حلم کا کیا ٹھکانا ہے اور تیری کس قدر متحمل و بردبار ہے؟

## باب ۲۹ سیدنا نبوی

### بیعت عقبہ ثانیہ اور سیدنا ابوبکر کا ارادہ ہجرت

حج کی رسم زمانہ اسمعیل علیہ السلام سے اب تک اہل عرب میں جاری تھی اور گوارکان حج کو کفار نے بیہالت و تہمت پرستی کی رسوم سے بدل لیا تھا اور گویا اس زمانہ میں اللہ کا شریک ٹھیرانا، پتھر کی ٹوٹوں



اور دیوی دیوتاؤں کو مجبور اور حاجت روا ماننا، ان کے گرد پھرنا اور طواف کرنا اصل حج سمجھ کر اسی وجہ سے اللہ کا وہ باعزت گھر جو مرجع خلائق اور دنیا بھر کا معبود ہے اہل مکہ نے گویا ایک رکھ رکھاؤ میں آیام سال کے موافق تین سو پینسٹھ بت ایستادہ تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر قبیلہ بنو عبد الاشہل کو مقدس مذہب کے مسائل کی تعلیم دینے پر روز مصروف تھے۔ ماہ تاب اسلام اپنی روشنی کی چمکدار شعاعیں شرب کی سطح زمین پر برابر اور دن بدن ترقی پکڑ رہا تھا۔ مسلمانانِ مدینہ اپنے پیشوا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں آرا پر غائبانہ عاشق اور شرفِ زیارت حاصل کرنے کے غایت درجہ مشتاق ہو چکے تھے۔ ایک کہ شرب کی بت پرست قوموں کا اسی قدیم رسم پر حج کرنے کے لئے مکہ آنے کا ارادہ ہوا اور ستر مسلمانوں نے بھی ان کے ہمراہ مکہ کا قصد کیا تاکہ اپنے دینی سردار کی زیارت کر آویں تو اپنے روحانی باپ کو اپنے شہر میں لے آئیں۔

چنانچہ ۶۲۳ء عیسوی مطابق ۳۱ سالہ نبوی کے شروع ماہ ذی الحجہ میں تہتر مرد اور دو عورتیں پچتر مسلمان اپنے بت پرست بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ پیغام بھیجا کہ ہم جان نثار خدام کو شب کے آخری حصہ میں قدم بوسی کی عزت بخشے اور اسی عقیدے پر جہاں ہمارے سابق الاسلام بھائی قول و قرار کر چکے ہیں، ہم کو بھی بیعت کر لیجئے تاکہ ہم زیارت بھی کر لیں اور بلا واسطہ معاہدہ و قول و قرار پختہ ہو جائے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس کے ساتھ جو اس وقت مسلمان نہ تھے لیکن بھائی ابوطالب کے انتقال پر بھتیجے کے حامی و مددگار اور کنبہ داری کی حیثیت سے آپ کے دنگہ بان بنے ہوئے تھے، وسطِ ایام تشریق میں تہائی رات گزرنے کے بعد عقبہ پہاڑی پر جگہ تشریف لائے جو پہلے سے نو واردِ شری مسافروں کی ملاقات کے لئے تجویز ہو چکی تھی۔ بھی اپنی بت پرست مشرک قوم سے چھپ کر آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اس جگہ پہنچے اور ماہتاب کے گرد ہالہ کی طرح موڈب ہو بیٹھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت نہ تھی کہ اہل مدینہ کو ان سب بکھڑوں اور مصیبتوں سے مطلع کریں جو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو پیش آنی تھیں کیونکہ وہ خود سمجھے ہوئے تھے کہ اسلام ضعیف اور مسلمان بدرجہ غایت کمزور ہیں۔ ان کو کافروں کی طرف سے سخت ایذا پہنچتی ہیں ان کو تیرِ پلامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور سخت کلامی و تیز زبانی کے وہ جگر خراش زخموں



ہیں جن کا تحمل درحقیقت سچے شدید رسول ہی کا کام ہے۔  
عباس نے گفتگو میں پیش قدمی کی اور کہا کہ اے جماعت خراج تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ میں باعث  
روتے اور بڑے جتنے کی حفاظت و امن میں رہتے ہیں گو ان کے نوا ایجاد مذہب کے سبب کہ میں  
مخالفت زیادہ ہو گئے پھر بھی وہ جس نگاہ و قوت سے دیکھے جاتے ہیں وہ شاید دوسرے کو  
نہ ہو کیونکہ جو لوگ مخالف ہیں وہ درحقیقت اس نئے دین کے مخالف ہیں محمدؐ کے مخالف نہیں  
لیکن محمدؐ ان بیجا مخالفتوں سے پریشان ہو کر تمہارے ساتھ جانا پسند کرتے ہیں اب تم اپنی قوت و  
جہاں لو۔ اگر تم اللہ کے جاوید بجا حکم کی تعمیل کر سکو اور ان کو ہر چھپے اور کھلے دشمن سے بچا سکو تو تم کو  
ارہے محمدؐ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اگر یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور تم کسی آنے والے  
میں دست کشی کا خیال کرتے ہو تو بہتر ہے کہ ابھی صاف جواب دیدو تاکہ محمدؐ کی یہ موجودہ عزت  
مخالفت قائم و برقرار رہے۔

تو وارد انصار نے جواب دیا کہ "عباس جو کچھ تم نے کہا ہم نے سُن لیا۔ اب اپنے پیشوا سیدنا  
صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور خاص اپنے اور  
اللہ کے لئے کیا عہد لیتے ہیں، جس کا ایفا ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ان کو محاسن اسلام سمجھائے کلام مجید کی چند آیتیں پڑھ کر  
میں پاک مذہب اسلام کی خوبیوں میں رغبت بڑھائی اور فرمایا "اللہ تم کے لئے یہ عہد ہے کہ اُس کے  
اکسی کی عبادت نہ کرو اور میرے لئے یہ ہے کہ جو میں کہوں سنو اور مانو۔ رنج میں، خوشی میں، افلا  
تو نگرہ میں بہر حال میری اطاعت کرو تا بعد از موت، اللہ واسطے خرچ کرو، حق بات اظہار میں  
ی ملامت کرنے والے کا خوف نہ کرو، مجھ کو اپنے جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھو اور جس طرح اپنے  
ذول اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو ویسی ہی میری حفاظت کرو۔ آپ کے نصیحت آمیز کلمات سُن کر  
سب پہلے سید الانصار حضرت برادر بن معرور الغنمی الکعبی سلمی الخزرجی نے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ  
یا رسول اللہ! ہم کو سب منظور ہے، دست مبارک بڑھائیے اور بیعت کر لیجئے۔"

ابو الہیثم بن تہیان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک بات اور سُن لیجئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ  
ہم لوگ جاں باز لڑنے والے اور قتل و قتال کے عادی و خوگر ہیں۔ ہم میں اور قوم یہودیوں میں جھل مصلحت  
در اتحاد ہے آپ پر ایمان لاتے پیچھے یہ باہمی میل جول ٹوٹ جاوے گا۔ ہم یہودیوں کے دشمن بن کر  
آپ کے ساتھی ہوں گے اور دشمنوں سے لڑیں گے، جب غلبہ نصرت آپ پر سایہ کرے اور اقبال آپ کے



مبارک پیروں کے نیچے تلووں کو بوسہ دے گا تو کیا آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر پھر تہ چلے آئیے گا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور جواب دیا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو، میں تمہارا ہوں، جان میں باجان شہادت میں باتن شہاد، منزل میں باشہاد قبر میں درشاہ میں اس ساتھی جس کے تم ساتھی اور جس کے تم دشمن اُس کا میں دشمن۔ آؤ اور اپنی قوم میں سے بارہ آدمی کو چن کر اپنا نقیب مقرر کرو جو اپنی ماتحت رعایا کے نگہبان حاکم قرار پائیں۔ چنانچہ یہ فخر خزر میں سے نو اور قبیلہ اوس میں سے تین آدمیوں کو حاصل ہوا۔

حضرت عباس بن عبادہ بن نضله انصاری نے معاہدہ کی سختگی اور استحکام کے اظہار کی فہم سے اپنی قوم کو مخاطب بنا کر کہا کہ "اے جماعت خزر ج تم جانتے ہو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخت معاملہ پر بیعت لے رہے ہیں؟ تم بیعت کرتے ہو روم و فارس سے لڑنے اور ایسی سخت لڑائی میں ثابت قدم رہنے پر جن کا ذکر قیامت تک قائم رہے گا۔ تم خوب سوچ سمجھ لو اگر تمہارے عزیز و بابر باد اور ضائع ہوں، تمہارے سردار و شرفاء قتل ہوں تو وعدہ کے ایفاء کی بابت تمہارا کیا خیال ہوگا؟ اگر ایسی جان کا مصیبتوں میں تم اپنے دینی پیشوا کی تابعداری نہیں کر سکتے تو ابھی سے دست بردار ہو جانا بہتر ہے اور اگر اس کٹھن منزل میں تمہارے باہمت قدم ڈگنے والے نہیں ہیں بسم اللہ، اس دنیا و آخرت کی یہودی کو اس سے پہلے لے لو کہ کوئی دوسری خوش قسمت قوم اس کے حاصل کرنے کی درپے ہو جائے۔" وہ لوگ بولے کہ "یا رسول اللہ! فرمائیے اگر ایسی قوم میں بھی ہم آپ کے حلقہ بگوش غلام بنے رہے اور آپ کے مقابلہ میں مال کا، عزیز و اقارب کا اور اپنے سرداروں کا تباہ و برباد ہو جانا خیال میں نہ لائے تو اس کا صلہ ہم کو کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا "عقبی کی خوشی اور جنت کا پُر فضا باغ" تب ہر ایک نے نہایت خوشی سے آپ کا ہاتھ مانگا اور بڑی سختگی سے اس پر بیعت کی بغرض عقبہ کا دوسرا معاہدہ اس طور پر ختم ہو گیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل شرب کو رخصت کر کے مکہ واپس تشریف لے آئے۔ ادھر نو مسلم انصار آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر اپنی جائے قیام پر پہنچے اور اپنے خیموں میں پڑ کر ایسے سوئے کہ کسی کورات کی کارروائی معلوم بھی نہ ہوئی۔

صبح ہوئی اور اس پوشیدہ بیعت کی خبر سارے مکہ میں پھیل گئی۔ چنانچہ قریش ایک بڑی جماعت کے ساتھ اہل شرب کے کاروان میں آئے اور کہا کہ "اہل مدینہ! ہم نے سنا ہے کہ تم لوگ رات محمد کے ساتھ ہم سے لڑنے پر عہد و پیمان کر کے آئے ہو اگر یہ سچ ہے تو ہمارا تم سے اور تمہارا ہم سے زیادہ دشمن کوئی نہیں۔" نو مسلم انصار تو ایک دوسرے کا منہ ٹکے اور اشاروں ہی اشاروں میں باتیں کرنے لگے۔



ان مشرکین مدینہ نے جو اس قافلہ میں موجود تھے قسم کھا کر کہا کہ یہ محض افواہ اور بازاری خبریں ہیں اصل نہیں اور درحقیقت ان مشرکین مدینہ کو اس خفیہ کارروائی کی کچھ اطلاع بھی نہ تھی۔ اپنے علم کے موافق انہوں نے جو کچھ کہا وہ سچ کہا مگر اہل مکہ کو اطمینان نہ ہوا اور کھوج لگانے چل بھی گیا کہ عقبہ کے متصل بیعت اور معاہدہ کی سختگی عمل میں آئی ہے۔ آخر قافلہ نے کوچ کر دیا اہل مکہ نے اپنا جوش و غضب نکالنے کو ان کا تعاقب کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ جو اپنی قوم کے بڑے پکڑے بھی گئے اور کافران کی مشکبیں کس کر ہاتھ گردن سے ہٹا کر تسمہ سے باندھ کر اور بے بال پکڑ کر کھینچتے اور زمین پر گھسیٹتے ہوئے مکہ میں لے آئے۔ آخر زخموں سے چور اور تکلیف سے مال ہوئے توجیر بن مطعم اور حارث بن وہب کو اطلاع ہوئی جن کے تجارتی مال سے لے کر قافلے حضرت سعد کی حفاظت و پناہ میں مدینہ کا راستہ قطع کرتے تھے اس لئے یہ دونوں اپنے محسن مدنی سردار کو قوم کے ظالم بچوں سے چھڑایا تو مسلم اہل مدینہ تو اپنے وطن پہنچ گئے جبکہ اپنے مقدس و پاک مذہب کی اشاعت میں لگ گئے مگر مکہ میں اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رہنا کو قریش پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچانے لگے۔

ابھی تک مسلمانوں کو کافروں پر جہاد کرنے اور اپنی اید اؤں کا انتقام لینے کی اجازت نہ تھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کا اذن نہ ملا تھا اس لئے ہر چند نو مسلم اہل مدینہ نے اپنے قافلہ کے ان مشرکوں کا قلع قمع کرنے کی اجازت چاہی جو اس وقت منیٰ میں مقیم تھے مگر آپ نے اجازت نہ دی اور اگرچہ انہوں نے آپ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلنے کی بابت بھی زیادہ اصرار کیا لیکن آپ نے نہ مانا اور یہی فرمایا کہ ابھی مجھ کو حکم نہیں ہوا۔

جب آپ نے دیکھا کہ مسلمان کفار کی اید اؤں کے تختہ مشق بن رہے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ سب کے نسل کر دیتے جائیں تو آپ نے ان کو اجازت دی اور ہدایت کی کہ تم لوگ بھی یثرب کو چلے جاؤ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کو وطن بنایا۔ ان کے پیچھے حضرت عامر بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ کو لے کر مدینہ پہنچ گئے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابوالاحمد نے تمام اہل عیال کو لے کر مدینہ کا راستہ لیا اور گھر کو تالا لگا وطن کو خیر باد کہہ کر چل دیے۔ ان کے بعد صحابہؓ کی ہجرت کا تار بندھ گیا اور یکے بعد دیگرے حضرت عباس بن ربیعہ حمزہ بن عبدالمطلب عبدالرحمن بن عوف طلحہ بن عبد اللہ عثمان بن عفان زید بن حارثہ عمار بن یاسرؓ و عبداللہ بن مسعودؓ بلال و غیر ہم چپ چاپ مکہ سے یثرب کو چلے گئے۔ البتہ عمر بن خطابؓ نے جب ہجرت کا ارادہ



کیا تو غنیہ جانا اپنی مردانگی کے خلاف سمجھ کر تلوار کو میان سے باہر نکال لیا اور لچکدار نیزہ ہاتھ میں لے کر خانہ کعبہ کی جانب رخ کیا جہاں سردارانِ قریش کا ایک بڑا مجمع بیٹھا ہوا تھا اور نہایت استغلا کے ساتھ نبی اللہ کا سات مرتبہ طواف کر کے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور باوازن پکارا کہ "لے کرو وہ کفار! اُس پر لعنت ہے" پشکار ہے جس نے کنکریوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جس کی کو اپنی بیوی بیوہ اور اولاد یتیم بنانی ہو وہ آئے اور میری شمشیر کی زوانی دیکھے، لیکن کسی دم نہ مارا اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بھائی زید بن خطاب کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ اسی طرح قریب قریب تمام مسلمان یعنی کم و بیش تنو خاندان مکہ چھوڑ گئے اور کبرائے صحابہ پر سوائے علی بن ابی طالب اور ابوبکر صدیق عقیق رضی اللہ عنہما کے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہیں رہا۔ شہر مکہ کے ایک حصہ کی اس طرح ویرانی دیکھ کر ساکنان مکہ کو بھی رونا آ رہا تھا۔ گلیوں اور کوچوں میں بہتیرے مکانات تھے جن کے مکین کا پتہ نہ تھا۔ محلے جو کسی وقت آدمیوں کی چہل پہل اور آمد و رفت سے باز و نو بنے ہوئے تھے، شہرِ خموشاں کا نقشہ دکھاتے، بزبانِ حال اپنی ویرانی کا مرثیہ پڑھ رہے اور عبادت گزار مالکوں کی یاد میں گویا تڑپ رہے تھے سیکڑوں گھر تھے جن میں شائٹا چھایا ہوا اور مہر کا میدان بنا ہوا ڈھیر نظر آتا تھا۔ لوگ آنکھوں دیکھتے ظاہر ہو جانے والے انقلابِ عظیم پر آنسو بہاتے اور اپنے وطن کی جگہ جگہ بے رونقی دیکھ کر حسرت و افسوس کیا کرتے تھے۔ ایک بار عتبہ بن ربیعہ کا ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اور مکین سے خالی ہو جانے والے مکانوں کی طرف گزر رہا تو کلیجہ مسوس کر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ رو دیا اور بادلِ غم میں چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر مکان کو وہ کہتے ہی دونوں آباد رہا ہوا آخر ایک غم خانہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اُس نے افسوس کے ساتھ کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے محمد کا کیا ہوا ہے جس نے ہم لوگوں میں نا اتفاقی پھیلا دی اور ہم کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

مصیبت زدہ مسلمانوں کو وطن چھوڑنا بھی سہل نہ تھا۔ قطع نظر اُس دکھ اور درد کے جو پیارا وطن چھوڑتے وقت ہر انسان کو ہوتی ہے۔ ان بیکس حضرات کی ہجرت ایسی بے سرو سامانی کے ساتھ چھسکر ہوئی کہ زادِ راہ اور چند روز زندگی گزارنے کا کوئی سامان بھی ساتھ نہ لیا سکے۔ ان کو غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جان اور آبرو یا بال بچے صحیح سلامت لے کر کسی طرح مکہ سے باہر نکل جاتیں، اس پر بھی اگر کسی کو ان کا جانا معلوم ہو جاتا تو وہ سدا راہ بن کر ان کو مارتا پیٹتا اور مجبور کیا کرتا تھا کہ ہمارے ظلم و ستم کے مظلوم و ستم رسیدہ بنے ہو۔ سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد اپنی بی بی اور بچے کو لے کر جس وقت مکہ چھوڑنے لگے اور



وٹنی کس کر دروازے پر لاکھڑی کی تو لوگوں کو ان کے ارادہ کی اطلاع ہوئی اور جھنڈ کے جھنڈ ان پر چڑھ دوڑنے لگی اُمّ سلمہ جو بیوہ ہونے کے بعد اُمّ المؤمنین بنی ہیں اپنے پیارے بچہ سلمہ کو گود میں لے کر اوٹنی پر سوار ہو چکی تھیں اور ابو سلمہ ہمارے کھڑے تھے کہ اُمّ سلمہ کا کنبہ بنی مغیرہ آپہنچا اور ابو سلمہ کو سخت سخت سنا کر کہا کہ ہمارے لڑکی بیٹی اپنا وطن نہیں چھوڑ سکتی اور تیری کیا مجال ہے کہ ہمارے خاندان اور ہمارے کنبہ کی لڑکی کو تم سے باہر لے نکلے یہ کہہ کر اُمّ سلمہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور چشم زدن میں کشاں کشاں نظروں سے غائب ہو گئے ابو سلمہ کے خاندان قبیلہ بنو عبد الاسد کو اطلاع ہوئی تو ادھر سے وہ چڑھ دوڑے اور بنی مغیرہ سے جنت کی لڑکی تمہاری ہے تو یہ بچہ جو اس کی گود میں ہے ہمارا ہے اگر تم نے اپنی بیٹی ہمارے بھائی سے چھڑالی تو ہم اپنے خاندان کا بیٹا تمہارے پاس کیوں رہنے دیں۔ یہ کہہ کر ان کے بچہ سلمہ کو ان کی گود سے چھین لیا اور اپنے ساتھ لئے چلے گئے۔ غرض ماں باپ اور بچہ تینوں میں تفریق ہو گئی۔ ابو سلمہ نے بادل ناخواستہ صبر اور دل پر جبر فرما کر وطن کے ساتھ بی بی اور بچہ کو بھی خیر باد کہہ کر تنہا مدینہ کا راستہ لیا اور اُمّ سلمہ نے سو گوار بن کر پورا ایک سال میکے میں اس طرح گزارا کہ روز صبح ہوتے ہی بطح کی ریتی زمین پر آ بیٹھتیں اور کبھی خاوند کو یاد کر کے زویا کرتیں اور پیٹھ سے نکلے بچہ کی یاد میں آنسو نہا یا کرتی تھیں۔ آخر ان کے چچا زاد بھائی کو ان کی نازک حالت پر ترس آیا اور سال بھر کے بعد ان کو اور ان کے بچہ کو آزاد کیا گیا کہ جہاں منہ ساوے نکل جاویں۔ چنانچہ ان تینوں اور بچہ کو گود میں لے کر انشاپر سوار ہو کر تنہا عرب کا ریگستان قطع کرنے کے لئے مدینہ کے راستہ میں نکل کھڑی ہوئیں۔

تفہیم پر پہنچی تھیں کہ عثمان بن طلحہ ملے اور اس قدر طویل سفر پر عورت ذات کا محسوس ہوجھ کو گود میں لے کر تنہا سفر کرنا گوارا نہ کر سکے، اوٹنی کو روکا اور پوچھا کہ اُمّ سلمہ کہاں جاتی ہو اور تمہاری سہ ماہی کون ہے جس کے سہارے سفر کر رہی ہو؟ اُمّ سلمہ نے جواب دیا کہ اپنے خاوند ابو سلمہ کے پاس مدینہ جاری ہوں اور میرے ساتھ میرا پیدا کرنے والا خدا ہے یا یہ بچہ ہے جو میری گود میں پڑا ہے۔ یہ جواب سن کر عثمان کا دل بھر آیا اور یہ اوٹنی کی ہمارے کراگے آگے ہوئے۔ نہایت راحت کے ساتھ شریفانہ تہاؤ کرتے ہوئے قبائیں داخل ہوئے جہاں ابو سلمہ ٹھہرے ہوئے تھے اور عفت مآب خاتون کو سال بھر کے پچھڑے مہینے خاوند سے ملا کر دونوں میاں بی بی کو امانت داری و احسان کا ہمیشہ کے لئے ممنون بنایا۔

غرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امن و اطمینان کے ساتھ وطن چھوڑنا بھی نصیب نہ ہوا اور جس نے بھی اپنے خاندان و کنبہ اور جائے پیدائش کی مفارقت اختیار کی طرح طرح اور قسم قسم کی ایذاں پہنچا کر اور مصیبت برداشت کر کے ہجرت اختیار کی۔



یثرب کے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملے، مصافحے کے، لگے اور اس محبت کے ساتھ جیسی مدت کے بچھے ہوئے بھائی کو اپنے گھر میں آیا ہوا دیکھ کر بھائی کے دل میں جوش ارا کرتی ہے۔ نو وار و اہل مکہ کو خوشی خوشی اپنے مکانات میں لے گئے۔ آخر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت چاہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشاۃ کے موافق تہیہ سفر کروایا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے متمول تاجر اور باوجاہت قریشی تھے۔ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور جان و مال اللہ کے نام پر قربان کرنا شروع کر دیا۔ فقراء مسلمانین کی اعانت، منعقبات اہل اسلام کی مدد میں ہزار ہا دینار خرچ کر دیئے۔ ان کمزور نو مسلم بندگان خدا کی خلاصی میں جو سخت دل جفاکشی ظالم کافروں کے سنجہ ظلم میں گرفتار، تکالیف و آلام کے تحتہ مشق بن رہے تھے لکھو کھا دیا ہم صرف کے جو مصیبت زدہ، گرفتار رنج و محن نو مسلم غلام جس قیمت پر بھی ملا خرید کر اللہ آزاد کر دیا۔ آخر ستم پیشہ کافروں کے حملے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی ہونے لگے اور انھوں نے یمن کے راستہ حبشہ کی جانب بغرض ہجرت رخ کیا۔ مکہ سے پانچ میل کی مسافت طے ہوئی تھی کہ مقام برک النماور بقارہ قبیلہ کاسروا ابن الدغنے یعنی حارث بن زید نظر آیا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پُرانا دوست اور کسی گزشتہ زمانہ میں سچا رفیق تھا گو ابن الدغنے کافر تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان۔ مذہبی مخالفت نے سیکڑوں میں برسوں کی رفاقت و دوستی کو قطع کر دیا اور ایک کو دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا تاہم شریف الطبع انسان کی شرافت اور دل میں جمی ہوئی محبت کا اثر زائل ہونا دشوار ہے اس لئے ابن الدغنے ابوبکر کو اس حالت میں دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور محبت کے ساتھ پوچھنے لگا کہ دوست کہاں کا ارادہ ہے؟

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کہہ کر کہ میری بے رحم برادری نے میرا گھر میں رہنا پسند نہیں کیا اس لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا وہ پیارا وطن چھوڑ کر حبشہ جا رہا ہے۔ جس میں پیدا ہوا پھلا پھولا بڑھا اور جوان ہوا تھا۔ ابن الدغنے کے دل نے اس صدمہ کا احساس کیا جو اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے وقت انسان کو لاحق ہوتی ہے اور اس تکلیف و ایذا کا بھی اندازہ کیا جس سے تنگ آکر کوئی شخص وطن چھوڑنے اور پیدا ہونے کی جگہ میں سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس لئے دل بہت دکھا اور اس نے ابوبکر سے نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ آپ کو واپس چلیں میرے موتے کسی کی ہمت نہیں کلاپ کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ابن الدغنے کے اصرار سے مکہ واپس ہوئے اور ابن الدغنے نے اعلان کر دیا کہ ابوبکر میری پناہ میں ہیں پس کوئی شخص ان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے گا خیال بھی نہ کرے۔

کفار قریش نے ابن الدغنے کے اس کا انکار تو نہ کیا لیکن یہ ضرور کہا کہ ابوبکر بلند آواز سے کلام مجید نہ پڑھیں



کیونکہ ان کا خوش الحانی کے ساتھ رور و کر قرآن پڑھنا ہماری رفیق القلب عورتوں کے دلوں کو کھینچتا اور ان کا گرویدہ بنائے دیتا ہے یہیں اندیشہ ہے کہ قریشی بچے اور عورتیں قرآن پر مائل ہو کر اپنے آبائی دین کو خیر باد نہ کہہ دیں، اس لئے اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلاف کریں گے تو اپنی پاداش کو پہنچیں گے اس تقریب کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں باطمینان رہنے لگے اور اپنے صحن خانہ میں ایک مختصر مسجد بنالی تاکہ خلوت کے وقت اپنے مولیٰ سے راز و نیاز کرنے اور عبادت میں مشغول ہونے کا موقع ملے اسی جگہ آپ کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے تھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اول تو طبعی طور پر رفیق القلب تھے دوسرے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیضان اور فیضان بھی وہ کہ جن کو کچھ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ درحقیقت خصوصیت ہی تھی قلب میں نرمی پیدا کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ قرآن حمید کی بعض بعض آیتوں پر ہنچ کر تلاوت کرتے رو پڑتے اور جبار جل جلالہ کے سخت عذاب کا خوف سے لرز اٹھتے تھے۔

کلام الہی کی تلاوت کے اثناء میں فرط شوق سے ان کے دل میں ایک ولولہ و جوش اٹھتا تھا جس کے سبب اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کوشش کرتے بھی کہ کلام اللہ کا لفظ باواز بلند زبان سے نہ نکلے تو کامیابی دشوار تھی آخر ابن الدغنے کے معاہدہ کا نباہ نہ ہوا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی درد انگیز آواز نے اہل محلہ خصوصاً عورتوں کے دلوں پر اثر کرنا شروع کیا چنانچہ ان کفار قریش نے جو حضرت صدیق کے اہل محلہ تھے ابن الدغنے سے شکایت کی اور ابن الدغنے نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو سمجھایا بھی کہ اپنی حالت سنواریں اور کلام مجید پڑھنا اور بار بار روزانہ کر دیں تاکہ اپنے وطن میں باطمینان رہ سکیں۔ لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ میں اپنے مقدس مذہب کی پابندی میں بچنگی نہیں چھوڑ سکتا اور تلاوت میں روزانہ کرنا میری طاقت سے باہر ہے تو صاف الفاظ میں ابن الدغنے سے کہہ دیا کہ میں اپنی حالت میں ذرہ برابر تغیر نہیں پیدا کر سکتا اگر تم سے میری حفاظت نہیں ہو سکتی تو دست بردار ہو جاؤ میرا پیدا کرنے والا میرا نگہبان ہے اور اس کی حفاظت میرے لئے کافی ہے میں تمہاری زمین، تمہارا ملک بخوشی چھوڑ سکتا ہوں لیکن ذکر الہی کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔ ملک خدا ننگ نیست و پائے گدالنگ نیست۔

ابن الدغنے سے مخالفت ہوتے ہیچے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت قابل اطمینان اور با امن نہیں رہی اس لئے دوبارہ پھر ہجرت کا قصد کیا اور اس مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ چلے جانے کی اجازت چاہی حضرت نے فرمایا کہ اے ابو بکر ذرا صبر کر و ابھی جلدی کیا ہے کیا تجھے خداوند تعالیٰ تمہارے سفر کا رفیق کسی بندہ کو بنائے اور کوئی تمہارے ساتھ چلا چلے؟ چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس انتظار میں ارادہ ہجرت فرما دیا کہ کیا عجیب اس مراد حضرت کی ذات بابرکات ہو اور آپ کی رفاقت و ہمراہی کا فخر حاصل ہو۔ اس کے



بعد جو کچھ بھی جسمانی یا زبانی ایذا اٹھانی پڑی اُس کو نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اسی آثار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواب نظر آئی کہ آسمان پر ایک بدرِ کامل نمودار ہوا اور بلحاظ کمر میں اُتر آیا جس کی عالمتاب روشنی سے جنگل تک کا ذرہ ذرہ متور ہو گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اس ماہتاب آسمان کی جانب رخ کیا پھر مدینہ میں جا قرار پکڑا اور یثرب کی زمین کو اپنی عالمگیر شعاعوں سے جگمگادیا اس ماہ کامل کے ساتھ بیسیوں چھوٹے بڑے ستاروں نے بھی اسی جیسی حرکت شروع اور مدینہ میں اٹھہرے پھر وہ ماہتاب کئی ہزار ستاروں کے ساتھ ہوا پر اُڑا اور شہر حرام یعنی مکہ میں آ اُترا جس سے تمام حرم متور ہو گیا لیکن مدینہ کی زمین ویسی ہی روشن رہی جیسی ماہتاب کے وہاں جلوہ گر ہونے پر تھی البتہ تین سو ساٹھ یا کچھ کم و بیش گھر تیر و تار نظر آتے رہے جن کی تقدیر میں اس قدر تلی نور ہدایت سے فیضیاب ہونا نہیں لکھا تھا، اس کے بعد وہ ماہ شب چہار دم مدینہ کی جانب روانہ ہوا اور ان کی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اُتر آیا ایک زمین شقی ہوئی اور چاند اس میں سما گیا۔

یہ خواب دیکھ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نور آنکھ کھل گئی اور گریہ و زاری شروع کر دی۔ درحقیقت یہ سچی خواب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو آئندہ واقعات کی اطلاع کے لئے دکھائی گئی تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کریں گے اور چند سال رہ کر بغرض جہاد مکہ پر چڑھائی ہوگی اور آپ خاطر خواہ فتح پائیں گے۔ مکہ دارالاسلام ہو کر نور ایمان سے متور ہوگا لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب اس چھوڑے ہوئے وطن کو قیام گاہ نہ بنائیں گے بلکہ مدینہ واپس جائیں گے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں انتقال فرما کر نبی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہو جائیں گے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دواؤں و خریدے اور اس نیت ان کو کمر اکڑ کے کھلانا اور تیار کرنا شروع کر دیا کہ یہ سفر ہجرت میں یثرب جاتے وقت میرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام آئیں گے۔

## باب ۱۳۰ منہ نبوی

### ہجرت اور دار الندوہ کی ذلت

ہر مذہب کی ابتدائی حالت جیسی سخت اور دشوار ہوتی ہے اس کا اندازہ مذکورہ ابواب سے ناظرین کو ہو چکا ہوگا جس زمانہ میں باشندگان مکہ میں سے ہر شخص کو طوفانِ بلا کے برپا ہونے کا خوف تھا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ اسی استقلال اور یکنگلی سے قائم تھے۔ آپ کے تمام صحابہ کچھ مکہ سے مدینہ اور کچھ حبشہ اور چند سال بعد حبشہ سے مدینہ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت



علی رضی اللہ عنہ کے تھے۔ ان دو حضرات کے علاوہ مکہ میں اگر مسلمان تھے بھی تو یا اپنے کنبہ و برادری کے ہاتھ میں مقید و مجبوس تھے یا دشمنوں کے پنجہ ظلم میں گرفتار، رنج و تکلیف کی گنگسور گھٹائیں اُنڈری چاروں طرف چھا رہی تھیں۔ مکہ کی ویرانی اور شرب کی آبادی بڑھتی جاتی تھی کہ کفار قریش کو اندیشہ ہوا کہ محمدؐ کے اصحاب کو جاتے پناہ مل گئی ایسا نہ ہو کہ محمدؐ بھی ہمارے قبضہ سے اپنے تابعدار مسلمانوں کی طرح نکل جائیں اور مکہ سے چل دیں، ایسا ہوا تو مدینہ میں ہمارے مخالف ایک بڑی جماعت تیار ہو جائے گی اور کسی وقت اپنا انتقام لینے کے لئے ضرور ہم پر حملہ آور ہوگی پس ان لوگوں نے قحطی بن کلات کے اس مشہور مکان میں ایک جلسہ منعقد کیا جس کا نام دارالندۃ تھا اور ہمیشہ سے قومی مشورت گاہ بنا ہوا تھا اس جلسہ میں قوم کے کل سردار یعنی ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان، ابوہل حبیب بن مطعم، طعیم بن عدی، حارث ابن عامر، نضر بن حارث، ربیعہ بن اسود، حکیم بن حزام، امیہ بن خلف، ہشام بن عمر، ابوالبحرہ بن ہشام اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ وغیرہم جمع ہوئے اور آج اس اندیشہ ناک قومی و مذہبی مخالفت کا قضیہ چکانے اور سالہا سال کے نزاع و جدال کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے سب کے مشورے لئے گئے۔

جلسہ کا نصاب پورا ہو چکا اور ہر عداوت کیش دشمن خدا و رسول اپنے چچے پوتے کینے ظاہر کرنے اور جلے ہوئے پھوپھو لے پھوڑنے کے لئے تیار ہو چکا تھا کہ ایک ضعیف العمر دراز ریش مسن شخص جو محض جنبی مسافر معلوم ہوتا تھا عصا ہاتھ میں لئے بھری محفل میں بے بکان داخل ہوا اور کہنے لگا کہ اے سردار ان قریش میں نجد کا باشندہ اپنی قوم کا شریف اور عمر کے لحاظ سے تجربہ کار سردار ہوں۔ سیر و سیاحت کرتا مکہ میں آیا تھا کہ تمہاری کمیٹی کی خبر سنی اس لئے ہمدردی کے افتخار سے خیر خواہانہ مشورہ دینے کو بلا تکلف چلا آیا ہوں تاکہ اپنی دور اندیشی و تجربہ کاری سے تم کو نفع پہنچاؤں۔

اس شخص کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جہاں دیدہ تجربہ کار اور ماہر جنگ سمجھدار شخص ہے اس لئے اہل شوریٰ نے شکریہ کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا اور مناسب جگہ بٹھایا لیکن یہ کسی کو نہر نہ تھی کہ یہ دغا باز شیطان ہے جو بصورت بشر اس ناجائز رائے میں مشورہ دینے اور حقیقت سالے ممبران کمیٹی کو ذلیل و خوار کرنے آیا ہے۔ غرض تجویز پیش ہوئی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے محمدؐ نے اپنے سحر و کہانت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ زہیر و نابغہ شعرا رسالت کی طرح مقفی عبارت اور رنگین و پراثر فصیح کلام سے اہل عرب کو گمراہ بنانا اور لات و عزی کی پرستش چھڑانا، ہمارے آباء و اجداد کو بے ایمان اور روزخی بتانا ہے اور کسی کے قبضہ میں نہیں آنا اور چونکہ اب ان کو اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ



جیسا بارونق شہر پناہ کی جگہ مل گئی وہاں کے باشندے ان کے معتقد وہم خیال ہو گئے اور بعض مدنی سرداروں پر ایمان لے آئے ہیں اس لئے دن بدن ان کا اندیشہ بڑھتا جاتا ہے کہ یہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح ہمارے کھسک اور ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے۔ اس کے بعد مدینہ میں اچھا جمعا اور اجتماعی قوت بڑھانے کی کسی دن ہمارے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوں گے اُس وقت اُن کا علاج اپنے قابو سے باہر ہو گا اور بڑی وقت کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے مناسب ہے کہ جلد کوئی تدبیر کرنی چاہئے جس سے اس فتنہ کا انسداد ہو اور آنے والی ہولناک مصیبت اپنا خوف ناک مُنہ نہ دکھائے۔

ابوالبحتری نے ہر خاموشی توڑی اور کہا کہ اے حاضرین جلسہ میری رائے میں محمدؐ کو کسی ایسے تنگ تاریک مکان میں تاحیات قید رکھو جس میں سوائے ایک روشندان کے جس کے ذریعہ سے تھوڑا بہت کھانا پینا اندر پہنچا جاسکے کوئی سوراخ تک نہ ہو۔ عبد المطلب کا زہرورہ بچہ چند روز بھی اس کا تحمل نہ ہو سکے گا اور وہیں محمد بن عبد اللہ اپنی روح باسانی ملک الموت کے حوالے کر دیں گے۔ اس تدبیر سے ہمارا بیچا چھوٹ جائے گا اور پھر کوئی فتنہ ہم کو پریشان نہ کر سکے گا۔

نجدی بوڑھا بولا کہ نہیں یہ رائے ٹھیک نہیں اس لئے کہ اُس کے ساتھی جب خبر پائیں گے تو فوراً بلوہ کر دیں گے اور اُس قید خانہ کو توڑ کر محمدؐ کو چھڑا لیں گے اور بعد اس کے تم کو کسی ایسی سخت لڑائی کا سامنا کرنا پڑے گا جس میں ثابت قدم رہنا تمہارا کام نہیں ہے پس کوئی اور تدبیر سوچو۔

ہشام بن عمر نے جواب دیا کہ کچھ شک نہیں آپ کی رائے ٹھیک ہے ابوالبحتری کی تدبیر نا کافی ہے میرے خیال میں تو محمدؐ کو ایک اونٹ پر سوار کرو اور شہر سے باہر نکال دو محمد بن عبد اللہ کو اس طرح سر بازار ہزار ذلت و خواری چکر کھا کر شہر بدر ہونا ہمارے دلوں کی سوزش ٹھنڈی کر دے گا اور ہم امن و چین کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں گے اس لئے کہ ہمارے شہر سے باہر محمدؐ جو کچھ بھی کریں گے اُس سے ہمیں کچھ تعلق نہ ہوگا اور نہ اس آفت سے نجات و امن پا جائے گا۔

شیطان نے کہا کہ یہ صورت بھی خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ محمدؐ کی شیریں کلامی عام لوگوں کے دل بُھاتی اور بیگانوں کو بیگانہ بناتی ہے اس لئے یقین جانو کہ چند ہی روز میں محمدؐ اپنی میس میس باتوں سے اپنا جمعا بڑھا لیں گے اور پھر تم سے ایسا زبردست مقابلہ کریں گے جس کے مقابلہ کی طاقت تم میں نہ ہوگی اور اس وقت سولے ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا عقل کا منشا یہ ہے کہ انسان پہلے ہی سے سوچ سمجھ کر وہ کام کرے جس کا نتیجہ بُرا نہ پیدا ہو۔

ابو جہل بولا میری رائے تو یہ ہے کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ماؤہ شر کا سطح زمین پر باقی



اسلام نہ کسی نہ کسی وقت اپنا اثر دکھاتے بغیر نہیں رہا کرتا اور جب باقی فساد دُنیا سے اُٹھ گیا تو اطمینان کُلی حاصل ہو گیا۔ اس رائے پر چاروں طرف سے صدائے آفریں بلند ہوئی اور ملعون نجدی کی اتفاق رائے سے یہ منصوبہ بچتہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سوچی گئی کہ اگر ایک آدمی قاتل ہو گا تو ممکن نہیں کہ وہ اور اس کے گھرانے کے آدمی مُطلبی خاندان کے نونہال کا قصاص دینے سے بچ سکیں یا بنو ہاشم کا باعث کُتبہ عہد کے خون کا دعویٰ کئے اور قصاص میں قاتل کو جان سے مارے بغیر رہ سکے۔

آخر اس بکھیرے کو ابو جہل نے اس طرح طے کیا کہ پانچ قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک بہادر جوان منتخب ہو اور سب مل کر بلوے کے طور پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں تاکہ بنو ہاشم کے مقتد و قبیلوں کے جہم غفر سے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں تو مجبور ہو کر جان کے مالی عوض یعنی دیت کے متواونٹ کا مطالبہ کریں گے اور چٹی و تاوان سمجھ کر اس قلیل مقدار کا چندہ کر دینا اہل مکہ کو گراں اور ناگوار نہ گزے گا چنانچہ اس بات کو سب نے مان لیا اور چند ستم شعار نوجوان اس کلام کے لئے مقرر ہو گئے۔

اللہ کے مقدس فرشتے جبریلؑ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مشورے اور منصوبہ کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ کا یہاں شب گزارنا مناسب نہیں ہے اللہ جل جلالہ کا حکم ہے کہ اب آپ اپنا وطن چھوڑ دیں اور ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ کی زمین کو منور بنائیں چنانچہ آپؐ فوراً حضرت صدیقؓ کو اپنے ارادہ اور مشیتِ ایزدی سے عین دوپہر کے وقت آگاہ کیا اور اسی وقت ابوبکر صدیقؓ نے عاقلانہ تدبیر سے کمالیکر سب تنظیم سفر درست کر لیا بغرض رائے قرار پا گئی کہ دونوں حضرات شب کے وقت ابوبکرؓ کے مکان کی گھڑی سے نکل کر با پیادہ مدینہ کا راستہ لیں اور صبح ہونے سے پہلے غارِ ثور میں جا چھپیں۔ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ دن بھر مکہ میں رہ کر باشندگان مکہ کے خیالات و حالات دیکھیں اور شب کو واپس آکر غارِ ثور میں اطلاع دیں حضرت صدیقؓ کے آزاد شدہ غلام حامر بن فہیرہ دن بھر مکہ میں بکریاں چراتیں اور شب کو غار میں پینے کے لئے دودھ پہنچائیں۔ ایک مشرک عبد اللہ بن اریقط نامی رہبری کی غرض سے مناسب اجرت پر اس لئے تجویز ہوا کہ تیسرے روز دونوں یہ سواریاں غارِ ثور پر لائے اور مدینہ تک راستہ بتاتا چلے لیکن اُس سے اس بات کا عہد و پیمان لے لیا گیا کہ اس خفیہ ارادے اور پوشیدہ خیال کا اظہار کسی پر نہ ہونے پائے۔

حالتِ آفتاب اپنا روزانہ سفر ختم کر چکا اور رات کی سیاہ چادرِ سیلِ زمین کے رہنے والوں پر ڈال گیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کافر آپ کے گھر کے چاروں طرف جمع ہوئے اور اس امر کے منتظر تھے کہ صبح ہوتے ہی جس وقت آپ گھر سے نکلیں تو اُس وقت آپ کو قتل کریں تاکہ خالی الذہن ہونے کی وجہ سے آپ کوئی تدبیر بھی نہ کر سکیں اور آخری شب کی تاریکی کے سبب قاتل بھی معلوم نہ ہو سکے کہ کس نے قتل کیا۔



غلامہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ دیوارِ سُورِ اُخ اور درزوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں یا جاگتے۔ آپ نے اپنی سبز چادر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اڑھا دی تاکہ کفار یہ نہ سمجھ سکیں کہ آپ اپنے بستر پر نہیں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو المینان دلا اور یہ سمجھا کر کہ تم ڈرو مت کسی کی مجال نہیں کہ تمہیں کسی قسم کی ایذا پہنچا سکے صبح کو اٹھ کر قریش کی وہ امانتیں جو میرے پاس بغرض حفاظت رکھی گئی تھیں نام نہام ادا کرنا اور وہ تمام معاملات ضروری حقوق العباد جو میرے متعلق ہیں اور میں اس اتفاقہ سفر کے سبب ان کو پورا نہ کر سکا اتمام پر پہنچا کر مدینہ چلے آنا۔ عمامہ سے باندھ نقاب روتے مبارک پر ڈال کر دروازہ سے باہر قدم رکھا۔ سورۃ یٰس کی شروع آیتیں پڑھنی شروع کیں اور ایک ٹھٹھی خاک ان کافروں کی جانب بھینکی جو گھر کا محاصرہ کئے شام سے پڑے ہوئے تھے۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر گئے اور ان کے ساتھ درجہ پناہ کی راہ سے ٹوڑ پہاڑ کا راستہ لیا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر دکن کی جانب واقع تھا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے سروں پر مٹت خاک پھینکنا معجزہ کی صورت تھا جس کا یہ ہوا کہ آپ اپنے دشمنوں کے بیچ میں سے نکل گئے اور کسی نے نہ آپ کو پہچانا نہ مزاحمت کی بلکہ آپ کی سبز چادر سے لپٹے ہوئے جسم پر نظر جماتے اس خیال میں مستغرق کھڑے رہے کہ یہ محمدؐ سوتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے۔ کافروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکلنے دیکھا تو اپنے خیال کی غلطی پر ناد مچے اور شہر دریافت کیا کہ محمدؐ کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس وقت کہاں ہیں تم لوگوں نے مکہ سے چلے جانے کی بابت بارہا ان سے کہا اس لئے کیا عجب ہے کہ چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ ان کافروں نے اہل تو یہ سمجھ کر کہ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہم کو دھوکہ دیتے ہوں سختی سے کام لیا اور تھوڑی دیر نظر بند رکھا لیکن کچھ عرصہ نہ دیکھ کر اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ان کو اگر مزاحمت تھی تو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اور آپ ہی کو باہمی نزاع و تفریق کا بانی سمجھ کر انسداد کی تدبیر میں آخری فیصلہ کے منتظر تھے۔

ان لوگوں نے اپنے سروں پر خاک پڑی ہوئی بھی دیکھی اور جان لیا کہ شب کے وقت ہمارے پاس سے گزرے والے شخص مجھڑی تھے جن کے فکر میں ہم نے رات بھر گھر کا محاصرہ کیا اور دھوکہ کھائے فضول پڑے رہے اس لئے ابو جہل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گیا اور ابوبکرؓ کو دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ آخر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماءؓ کی زبانی یہ معلوم ہونے پر کہ وہ بھی رات گائبہ میں سمجھ گیا کہ دونوں اپنی جانیں سلامت لیکر مکہ کی کسی جانب چلے گئے۔ اُس وقت ابو جہل نے غصہ میں جھٹلا کر بیوی اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کے منہ پر ایک لمبا سچہ بھی مارا جس سے کان کی بالی نکل پڑی اور زمین پر گر گئی۔

اب قریش کے غصہ کا کوئی حد و پایاں نہ رہا جس وقت اہل مکہ نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



قاتل اپنے مقصد میں نہایت ذلت کے ساتھ ناکام رہے تو ٹڈی دل کی طرح آپ کی تلاش میں  
 سر اُدھر پھیل گئے اور بھڑوں کی مانند ہر چار طرف دوڑ پڑے تاکہ جس طرح بن پڑے سیدنا محمد صلی  
 علیہ وسلم کو گرفتار کریں چنانچہ انھوں نے اشتہار بھی دیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائے  
 وہ سزاؤں کا انعام پائے گا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پہاڑ کی جانب چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں  
 ایک بوڑھی بدوی عورت عاتکہ بنت خالد کے خیمہ پر گزر ہو جس کے گوشہ میں ایک دہلی بکری کھڑی ہوئی  
 اور لاغری کے سبب اُس کے تھنوں میں دودھ نہ رہا تھا۔

بھوک کا وقت تھا اور پاپا وہ مسافت طے کرنے والے مسافروں کو پیاس معلوم ہو رہی  
 تھی اس لئے دونوں حضرات اس خیمہ میں گئے اور عاتکہ سے بکری کا دودھ دھونے کی اجازت لے کر  
 سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں پر ہاتھ ڈالا، ان معجزہ ناکمال پھرے ہاتھوں کا سونے کے تھنوں  
 کا تھا کہ دودھ اس طرح نکلنا شروع ہوا جس طرح توارہ سے پانی، یہاں تک کہ بڑھیا کے گھر  
 تمام خالی برتن پُر ہو گئے اور سب سیر ہو کر دودھ پی لیا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں سے روانہ ہو گئے مگر  
 بھیا حیران بیٹھی ہوئی دیر تک سوچتی رہی کہ دہلی بکری کے سونے کے تھنوں سے دودھ کس طرح نکل آیا۔  
 تھوڑی دیر میں بڑھیا کا شوہر ابو معبد یعنی اکثم بن عون جو اس وقت کسی ضرورت سے جنگل  
 گیا ہوا تھا واپس آیا اور برتنوں کو دودھ سے لبریز دیکھ کر سبب دریافت کیا تو عاتکہ یعنی امّ معبد نے  
 نام قصہ بیان کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک، کریمانہ اخلاق اور شریفانہ عادات  
 سب ہی کچھ ظاہر کر دیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ تو تمام خطہ حجاز میں ہو رہا تھا جنگل و بیابان، آبادی و دیہات قصبے  
 و شہر سب ہی آپ کے ذکر و تذکرے سے گونج رہے تھے۔ کوئی کان نہ تھا جو آستانہ ہو۔ اس لئے ابو معبد  
 فوراً سمجھ گیا کہ ہونہ ہو وہ معارف کرم محمد بن عبد اللہ ہی تھے جن کے مبارک قدموں نے اس کا شانہ کو  
 تفاقیہ عزت بخشی اس لئے افسوس کرنے لگا اور بی بی سے کہنے لگا کہ اگر میں موجود ہوتا تو ان مبارک  
 قدموں کو چومتا، خاطر و مدارات کرتا اور ہمیشہ کے لئے غلامی کی عزت حاصل کرتا۔ منقول ہے کہ  
 ابو معبد نے چند روز بعد مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اسلام لائے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات ٹور پہاڑ کے غار پر جا پہنچے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ  
 آگے قدم بڑھا غار کی سطح کو اپنی چادر کی جھاڑ سے صاف اور ان سوراخوں کو جو غار کے اندر حشرات



الارض کا مسکن بنے ہوئے تھے، اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا۔ چادر ختم ہو چکی اور ایک بڑا سوراخ باقی رہ گیا۔  
بھراؤ کپڑا نہ ہونے کے سبب ہونہ سکا اس لئے ضرور ہوا کہ ابو بکر اس سوراخ پر اپنے جسم کا کوئی حصہ  
رکھیں تاکہ اُس کے اندر کا کوئی موزی جانور باہر نکل کر غار میں ٹھہرنے والوں کو تکلیف نہ پہنچائے۔  
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پیر کے انگوٹھے سے اُس کو بند کر لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر  
کہ ”یا رسول اللہ! اندر تشریف لے آئیے۔“

رسالت جہانتاب مانتا ہے اس تنگ و تاریک غار کو منظور کیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ  
سرمبارک اپنے زانو پر رکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تھوڑی دیر سو رہیں تاکہ سفر کا تھکان  
ہو غرض حضرت نے آرام فرمایا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پتھر سے کمر لگا اور اُس سوراخ میں انگوٹھا ڈال کر  
کے ساتھ بیٹھ گئے جو درحقیقت کسی زہریلے سانپ کا بل تھا اور وہ سانپ اپنی آمد و رفت کا راستہ بند دیکھ  
اندر گھبرا رہا تھا آخر وہ مقید رہنے کی تاب نہ لاسکا اور اُس نے حضرت صدیق کے اُس انگوٹھے میں  
لبا جو اُس کو باہر نکلنے سے روک رہا تھا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو زہریلی سوزش نے بے چین کر دیا لیکن وہ پیر اپنی جگہ سے اس لئے نہ ہلا کر  
کے حرکت کرنے میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جانے کا اندیشہ تھا یہاں تک کہ حضرت  
صدیق کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا اور بیتابی کے سبب آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اُس وقت  
بیدار ہوئے اور اپنے رفیق ابو بکر صدیق کی حالت غیر دیکھ کر وجہ پوچھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا تو  
نے ان کا انگوٹھا سوراخ سے علیحدہ کر دیا اور دہن مبارک کا لُغاب مار گزیدہ مقام پر لگا دیا۔ لُغاب  
تھا تریاق تھا جو اپنے اثر سے خالی رہ نہیں سکتا تھا اس لئے فوراً آرام ہو گیا اور سوزش یکدم زائل ہو گئی  
انعام کے لالچی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کی ٹوہ میں بھڑوں کی طرح ادھر ادھر پھیل  
پڑے تھے چنانچہ چند آدمی نشاناتِ قدم کی کھوج لیتے اس غار پر بھی آ پہنچے جس کے اندر دونوں  
حضرات چھپے بیٹھے تھے۔ یہ لوگ اس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان کے پیروں کی آہٹ کانوں کو سنائی  
اور کبھی کبھی چلنے میں قدم بھی نظر آ جاتے تھے لیکن اس غیبی نصرت نے جو اللہ کے رسول کی محافظ  
ان کو اندھا بنا دیا اور کسی کی نگاہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر نہ پڑ سکی۔ غار  
مکڑی نے جالالتن دیا اور جنگلی کبوتروں نے انڈے دیدیئے تھے اس لئے کسی کا اس جانب خیال بھی  
ہوا کہ غار کے اندر کھسک کر پیغمبر کی تلاش کریں کیونکہ جالے کا تناؤ اور انڈوں کا نظر آنا اس بات کی  
تھی کہ کسی نے اُس کے اندر قدم نہیں رکھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آخر بشر تھے اور نازک زمانہ کی رفتار دیکھ رہے تھے



منہوں کے منصوبے اور اعداء کی آخری فیصلہ کن تدبیر سے آگاہ ہو چکے تھے اس لئے بحزن و غم آہستہ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دشمن سر پر آکھڑے ہوئے اگر اپنے پیروں کی جانب نظر کریں تو ہم کو دیکھ پائیں گے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق کی پریشانی دیکھی تو صاف الفاظ میں تسلی دینے کی ضرورت معلوم ہوئی پس آپ نے فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا عَمَلِکِنْ نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تین دن تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضا اسی غار میں رہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر روزانہ شب کو آتے اور دن بھر مکہ میں کفار کی خیالات کی ٹوہ لگاتے رہتے تھے حضرت اسماءؓ و خنساءؓ ابوبکرؓ رضی اللہ عنہما لیکر غار پہنچیں اور عجلت کی وجہ سے کوئی بھی یا کپڑا کھانے کے برتن کو باندھنے کے لئے نہ پانے کے سبب اپنی کمر کے ٹکے کو دو حصے کر کے ایک ٹکڑا کمر سے بندھ لیا اور دوسرے کا سر بند بنا لیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین ہوا۔ تیسرے دن عبداللہ بن لقیط امیر دونوں اونٹ یعنی قصویٰ اور جد عار نے کربھاڑ کے نیچے آ موجود ہوا ان میں سے ایک اونٹ کی قیمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو دینے کا وعدہ فرمایا تھا جس کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اصرار کے ساتھ انکار کرنے کے بعد قبول کیا تھا۔ غرض ایک اونٹ پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسرے پر اگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے اور پیچھے اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو سوار کیا۔ عبداللہ ابن لقیط اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور چاروں صاحبوں نے دریا کے کنارے کنارے اسی راہ سے مدینہ منورہ کا رخ کیا جس طرف سے بہت کم آدمی چلتے تھے۔ تمام شب اور صبح سے چاشت تک متواتر چلنا پڑا اور اب چونکہ دھوپ میں تیسری گئی تھی اس لئے ابوبکرؓ نے دور سے ایک سایہ دار پتھر کی پرفضا چٹان دیکھ کر سواری روکی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سڈول پتھر پر بستہ بچھا کر عرض کیا کہ حضرت یہاں آرام فرماویں اور غلام کچھ کھانے پینے کا انتظام کرے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں بیٹ گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ادھر ادھر بگاہ دوڑانے لگے۔ اتفاق سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام بکریاں چراتا نظر آیا اور چونکہ یہ بکریاں بھی حضرت صدیق ہی کی تھیں اس لئے انھوں نے بلا اجازت حاصل کئے ان کا دودھ دوا اور اس میں پانی ملا کر لٹی بنا حضرت کے سر پر آکھڑے ہوئے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خواب استراحت بیدار ہو چکے تھے آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے پیالہ لے کر کھ سے لگایا اور خوب سیر ہو کر پیالہ آفتاب ڈھلا اور چاروں مسافروں نے اپنی راہ لی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور برگزیدہ رسول نے مدینہ کا مشہور راستہ چھوڑ دیا تھا لیکن اس پر بھی چاروں مسافروں کا مختصر قافلہ خوب محفوظ نہ تھا۔ انعام کے لالچی کفار مکہ صبار قمار ساندنیوں اور تیز قدم عربی گھوڑوں پر سوار ہو کر چار طرف دوڑ پڑے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیقوں کی تلاش جستجو میں سی سرگرمی



لگے ہوئے تھے جس طرح پولیس کے مستعدا فسر کی سنگین مجرم یا مفروقات کی گرفتاری میں سرگرداں پھرا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک پہلوان سوار تہراقہ ابن مالک مدحی نے جو ہوا سے باتیں کرنے والے عربی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قوم بنی مدح سے بغیر اطلاع کئے اپنی جوانی و پہلوانی پر غرہ کئے ہوئے محض خفیہ مخبری پر نیزہ ہاتھ میں لے اور تیر و کمان سنبھال چل دیا تھا ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور پیچھا کیا۔ حضرت صدیق نے دیکھا کہ تہراقہ ابن مالک پیچھا کئے چلا آتا ہے اور قریب ہی پہنچ گیا ہے تو گھبرا کر بول اٹھے کہ "یا رسول اللہ! اب تو ہم بکڑے گئے"۔ لیکن حضرت کے قلب پر کوئی پریشانی پیدا نہ ہوئی اور آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ اپنے رفیق کو پھر وہی جواب دیا جو غار میں دے چکے تھے کہ "کچھ غم نہ کھاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ تہراقہ اپنے خیال میں بدست اور کامیابی کی فضول دھن میں مستغرق گھوڑے کو اڑ لگائے اندھ سی کی طرح بڑھ چلا آتا تھا کہ دفعہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ تہراقہ نے اپنی حالت میں پڑی ہوئی دیکھی تو ہوش اڑ گئے اور سمجھ گیا کہ ہونہ ہو محمد بن عبد اللہ کی بددعا نے میری جان اور زندگی ایسے خطرہ میں ڈالا کہ گویا زندہ درگور بنا دیا اب ہزار کوشش کروں گا مگر اس تنگ قبر سے باہر نہ نکل سکوں اس لئے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور قریش کی دلائی ہوئی طمع سے بدست ہو کر آپ کی گرفتاری میں قدم بڑھانے کی معافی مانگنے لگا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو کافروں اور دشمنوں کے لئے بھی رحمت خداوندی بنا کر بھیجی گئی تھی آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی بددعا سے کوئی نفس ہلاک ہو اس لئے بے تکلف آپ نے معاف فرما دیا اور اس گھوڑے کو نجات ملی لیکن سوا دنوں کے لالچ نے جو اس کو اندھا بنا دیا اور یہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس قافلہ کا پیچھا کرنے لگا جس کی محافظت حق تعالیٰ کے ذمہ تھی۔ آخر قریب پہنچنے پر پھر وہی حالت ہوئی اور اب کی مرتبہ باو پا گھوڑے کے قدم چھانی تک زمین میں سما گئے۔ اب تو تہراقہ ابن مالک گھبرا اٹھا اور یقینی سمجھ گیا کہ یہ بلائے آسمانی محمد بن عبد اللہ کے تعاقب اور خیال گرفتاری پر نازل ہوئی ہے اور لاکھ کوشش کروں مگر پاس پہنچنا ناممکن ہے اس لئے نہایت عاجزی کے ساتھ معافی چاہنے لگا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر معافی دی اور اس مرتبہ تہراقہ مدحی عقیدت کے ساتھ آپ کے پاس آکر زار و راہ ہاتھ میں لے کر سامنے کھڑا ہو گیا اور ملتمس ہوا کہ اس میں سے کچھ کھانے کو اپنے لئے لے لیں۔ آپ نے قبول نہیں فرمایا البتہ یہ فرما دیا کہ ہمارا حال کسی ظاہر نہ ہونے پائے اور کسی پیچھے آنے والے دشمن کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ ہم کہاں اور کس راستے جا رہے ہیں۔ غرض بمزید احتیاط تہراقہ ابن مالک ہڈی کے ایک ٹکڑے پر عامر بن فہیرہ کی لکھی ہوئی امن اور معافی سند لیکر واپس ہوا اور جو کوئی بھی راستہ میں بلا اس کو یہ کہہ کر کہ "محمدؐ اور ہر کوئی نہیں گئے" اپنے ساتھ نہ لے لے



واقعہ کے بعد آپ خوف و خطر برابر چلے گئے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ایک تاجر قافلہ سے ملاقات ہوئی، جن  
حضرت زبیر بن عوام اور طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے یہ لوگ اپنے پیشوا کو دیکھ کر رُکے اور قریب آکر  
بیوس ہوئے حضرت زبیرؓ نے دو جوڑے سفید کپڑوں کے بنالے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق  
مذنیؓ کے زیب تن کئے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکر سے ہجرت کر جانے اور کافروں کے آپ کی گرفتاری پر تو  
نٹ انعام مقرر کرنے کی خبر اہل مدینہ کو مل چکی تھی اس لئے آپ کے جان نثار مدنی مسلمانوں پر یہ دن جس خوبی  
ز فکر و انتشار کے درمیان گزر رہے تھے اُس کو انھیں کے دل اچھی طرح سمجھ رہے تھے اگر اس کا تصور بندھا کہ  
بتاب نبوت کوئی دن میں مدنی آسمان پر طلوع کیا چاہتا ہے تو خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ ساتے تھے اور  
نگدل دشمنوں کی ایذا رسانی کا دھیان ہوتا تو خوف کے مارے گھلے جاتے اور اپنے جان سے زیادہ پیارے  
رواد کی نصیب دشمنان تکلیف کے خیال سے پریشان و آبدیدہ ہو جاتے تھے یہ لوگ سرتاپا چشم انتظار بنے  
وئے غول کے غول استقبال کی غرض سے ہر روز صبح ہوتے مدینہ سے باہر آتے اور دھوپ تیز ہو جانے پر  
بوس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ انصاری مسلمان عورتیں و خیرجی داؤسی بچے اپنے اونچے گھروں کی چھتوں پر روزاً  
بڑھتے اور گھنٹوں اُس راستہ پر مشتاقانہ نگاہ جمائے کھڑے رہتے تھے جدھر سے مکہ کی آمد و رفت تھی لیکن جب  
نوق بھری نظریں انتظار کرتے کرتے تھک جاتی تھیں تو بایوس بن کر قدم اٹھاتے اور نیچے اتر آتے تھے ہر شخص  
لی انکھیں منتظر تھیں کہ جمالِ جہاں آرا جلد نظر آئے اور ہر مسلمان سرتاپا گوش بنا ہوا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم کی آمد کا مژدہ کسی بُن سے سُن پائے آمد مدینہ کے کافروں میں بھی ہل چل پڑی ہوئی اور پیش آنے والی  
خطرناک زندگی کے ساتھ اہل مکہ کی دوستی کے تعلق کا انقطاع اُن کو پریشان بنائے ہوئے تھا اس لئے بریدہ سلمی  
سرتاپا بایوس کو ہمراہ لئے اس فکر میں مدینہ سے باہر سربراہ کھڑا ہوا تھا کہ جس طرح بن پڑے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو  
مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے گرفتار کر کے مکہ پہنچائے۔ اُدھر کفار مکہ سے انعامی تلواد نٹ وصول کرے اور اُدھر کفار  
مدینہ کا باعزت مجسّم اور سرتاج قرار پائے۔ لیکن جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی حد میں داخل ہوئے  
اور بریدہ سلمی کی نظر آپ پر پڑی تو اُس کے قلب میں ایک ہیبت سا گئی اور وہ ایسا مبہوت ہوا کہ آگے قدم  
بھی نہ بڑھا سکا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس  
سے نام دریافت کیا۔ اور بریدہ نام سُکر آپ نے فال لی اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قد برد امرنا و صلح یعنی  
ہمارے معاملہ میں صلاحیت و خنکی حاصل ہوئی۔ بریدہ نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ آپ کا اسم مبارک کیا ہے  
حضرت فرمایا کہ محمد بن عبد اللہ رسول اللہ خدا جانے اس جواب میں کیسا متعناطیسی اثر تھا کہ بریدہ کے  
قلب کو کھینچتا ہوا اُدھر لے آیا کیونکہ یہ کلمہ سننے ہی بریدہ نے فوراً کلمہ پڑھا اور بلند آواز سے پکار کر کہا کہ



اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ط صرف حلقہ اطاعت ہی کان میں نہیں ڈالا بلکہ اپنے سر سے عمامہ اتار کر نیزہ پر باندھا اور اس طرح اپنی غلامی کا اظہار کر کے لو ابرو دار بنے۔ مدینہ سے نکلنے وقت بریدہ کو اس کا علم نہ تھا کہ میں شکار کرنے نہیں جا رہا بلکہ خود دوسروں کا شکار بننے کے لئے جا رہا ہوں یہ عجیب بات ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین دشمن جو آپ کی زیارت سے قبل خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے آپ سے مل کر غلام اور ہمیشہ کے لئے مصلیح اور جان نثار بن گئے اور دفعۃً ایسا انقلاب پیدا ہوا جس کی نظیر دوسرے انبیاء علیہم السلام میں بھی کم نظر آئے گی۔ چنانچہ بریدہ اسلمی بھی خادم بن کر آگے آگے ہوئے بارہویں زیج الاول کی صبح تھی اور مشتاقانِ رسولؐ احمدی یعنی مسلمانانِ شرب اپنی روزانہ عادت کے موافق کسی عالمِ کتاب یا متاب کے نکلنے کے انتظار میں پہاڑی دروں اور کوئی راستوں سے لگا رہے مگر اسے تھے انتظار کی گھڑیاں گزر رہی تھیں اور بجائے امید پوری ہونے کے مایوسی چھاتی جاتی اور اس کی حسرت بھری زرد نقاب چہروں پر پڑتی جاتی تھی اور ادھر سردارِ عالم پیغمبر کے نورانی جمال کی زیارت کے شوق نے اُن پر وہ نشین عورتوں کو بھیج کر رکھا تھا جو حیا و عصمت کا برقعہ اوڑھے پاکدامنی کی نقاب ڈالے اور ان کی چھتوں پر چڑھی ہوئی اپنی دُور بین نگاہوں کو پہاڑی سے بھی پرے لیجانا چاہتی تھیں۔ ان عفت مآخِراتوں کی مشتاقانہ نظروں کا قابلِ دید سماں اس حالت سے بھی بڑھا ہوا تھا جو کسی ناز پروردہ لڑکی کی نادیدہ نگاہوں پر اپنے اُس بچھے ہوئے باپ کی صورت دیکھنے کے شوق میں طاری ہوتی ہے جس نے کبھی اپنی بیٹی کو صورت نہیں دکھائی لیکن آج اُس کے آنے کی تاریخ مقرر ہو چکی ہو۔ ایک وداع پہاڑی کی چھوٹی چھوٹی گزر گاہیں تھیں اور اُس پر ہزاروں نگاہوں کا مجمع تھا۔ آفتاب اُفقِ مشرق سے نکل کر اُونچا چڑھتا چلا جا رہا تھا ریگستانی تودے گرم ہو چلے اور وہ وقت نکل گیا تھا جو گرم ملکوں میں دُور سے آنے والے مسافر مہانوں کے انتظار کے لئے محدود ہے۔ دھوپ تیز ہو گئی اور یہ لوگ مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے تھے کوئی یہودی اتفاقاً کسی ضرورت کے لئے اپنے اونچے محل کی چھت پر چڑھا تھا جس نے دُور سے غبار اُڑتا ہوا دیکھا۔ چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا گلی گلی میں غلغلہ تھا۔ باشندگانِ شرب کے ایک جَم غفیر کا بصد شوق کسی پیارے محبوب کا انتظار کرنا اور مدینہ سے روزانہ باہر جانا سب کو معلوم تھا ہر وقت شہر میں یہی چرچا اور اسی کا ذکر تھا اس لئے وہ یہودی سمجھ گیا کہ ہونہ ہو محمدؐ اور اُن کے ساتھی آرہے ہیں جن کی سواریاں غبار اُڑاتی اور قدم بڑھاتی تیز چلی آرہی ہیں اس لئے باواز دہیں پُکار اٹھا کہ ”لوئے اہل شرب تمہارا مقصود آگیا، چلو چلو جن کا تمہیں کئی دن سے ہر وقت انتظار تھا وہ آرہے ہیں۔“ اس آواز کا گونجنا تھا کہ مدینہ میں کھل بلی پڑ گئی پھل چم گئی اور تمام مسلمان جلدی جلدی عدم



اس میں اور خوشی خوشی ہتھیار باندھ نیزے ہاتھ میں لیکر اس طرح روانہ ہوئے جیسے بادشاہ کا استقبال کرنے کی ماتحت فوج روانہ ہوتی ہے۔ یہ مشتاق جمال جمع کچھ ایسا منتشر ہو کر نکلا تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی ہر شخص چاہتا تھا کہ میں سب آگے چلوں اسی طرح آگے بڑھے اور کسی عجیب بے نظیر شوق میں بھرے ہوئے ہانہ دار پکے چلے جاتے تھے کہ وداع کے درے سے ہالہ کے اندر جھلکتا ہوا وہ چاند نکلتا نظر آگیا جس کے ہفتہ بھر منتظر تھے عید الفطر کی انتہی تازہ رخ کا ہلال معمولی انتظار کی تکلیف برداشت کرنے پر نظر آجاتا ہے اس کے نظر آجانے کی خوشی کو اس مسرت کچھ مناسبت نہیں جو بد ز فلک نبوت کی زیارت سے اس وقت ان رافقاہ تشنگان جمال عاشقوں کو حاصل ہوئی۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربيع الاول ۱۳ نبوی شنبہ کے دن قریب دوپہر حد و پربت میں داخل ہوئے۔ جون کا مہینہ ۶۲۲ء تھا مردوں عورتوں بچوں کی زبان خوشی کے نعرے باری اور عید سے کئی گونہ زیادہ مسرت کے جوش میں یہ کلمات بطور گیت گاتے جا رہے تھے:

ع البدار علینا من ثنیه الوداع \* وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع \* ایتھا المبعوث فینا جئت بالاملطاع  
جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حد پربت میں اونٹ سے اترے اس دن گرمی تیز تھی شہر مدینہ کے دکن کی طرف دو ڈھانی میل ایک مقام قبا کے نام سے مشہور ہے آپ اپنے رفقاء سمیت وہاں کھٹوم بن گیا مکان پر ٹھہر گئے اور حضرت صدیق ثنی خبیب بن اساف کے پاس قیام کیا۔ یہاں کے رہنے والے نبی مکرّم عوف کہلاتے تھے یہ مقام نہایت پرفضا اور شاداب تھا۔ یہاں آپ نے دو شنبہ شنبہ چہار شنبہ شنبہ یام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ مکہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے آنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن دن مکہ میں ٹھہرے اور اپنے متعلق کار خدمت کو انجام دے کر پیادہ پائیکل کھڑے ہوئے رات بھر چلتے اور دن بھر چھپے رہتے تھے آخر قبا میں آ پہنچے لیکن اسی حالت سے کہ پیروزم کے ادا سوچے ہوئے تھے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے حضرت ان کو اپنے پاس بلا بھیجا لیکن یہ معلوم ہوئے پر کہ حضرت علی رضا پاؤں چل نہیں سکتے۔ آپ خود وہاں تشریف لائے اور اپنے جان نثار صحابی و چچا زاد ناز پروردہ بھائی کی یہ حالت ماندگی دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے آپ نے حضرت علی رضا کو چھاتی سے لگالیا اور اس تکلیف کا خیال فرما کر رونے لگے جو ان کو پیادہ پانی ورہ نوردی میں اٹھانی پڑی اس کے بعد آپ اپنے وہن کا لعاب آبلوں پر لپک کر دیا جس سے ان کو اسی وقت شفا ہو گئی اور حضرت نے شہر مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا بعض مفتخرین نے لکھا ہے کہ آپ نے قبا میں گیارہ روز قیام فرمایا اور آئندہ جمعہ کو مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ واللہ اعلم \*



## باب ۳۱

## مدینہ منورہ اور مسجد نبوی

بنی عمر بن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ چند روز یہیں قیام فرمادیں لیکن آپ  
 نہ رگ سکے اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن سولہویں ربیع الاول یعنی ۲ جولائی ۶۲۲ء کو مدینہ کی جانب  
 روانہ ہوئے آپ نے جمعہ کی نماز خطبہ جماعت کے ساتھ قبیلہ بنی سالم بن عوف کی اُس مسجد میں ادا کی جو وادی کے وسط میں  
 واقع تھی اور مدینہ میں داخل ہوتے ہی اپنے ناقہ کی باگ اس کی گردن میں ڈال دی کہ جہاں اللہ کا حکم ہو وہاں ٹھہرے  
 سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانانِ مدینہ کے جس گھر کے سامنے ہو کر گزرتے تھے یہی آواز سننے لگتا تھا کہ اے ہمارے سرور  
 محترم اور اے دین و دنیا کے مربی ہر پرست اپنے قدمائے سنت لزوم سے غریب خانہ کو عزت بخشے لیکن آپ نے کہیں ٹھہرنے کا  
 خود ارادہ نہیں فرمایا اور سمجھا دیا کہ میری اونٹنی مامور ہے اللہ کے علم میں اس کے رسول کے قیام کی جو جگہ تجویز ہو چکی ہے  
 وہیں یہ جا ٹھہرے گی چنانچہ چلتے چلتے قبیلہ بنی نجار میں حضرت ابوالایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب عین اُس جگہ پہنچے  
 اب مسجد نبوی کا دروازہ ہوا اونٹنی ٹھٹھکی اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باگ ڈھیلی  
 کر رکھی تھی آپ اپنے اختیار سے اونٹنی کو کسی جانب پھیرنا پسند نہ کرتے تھے۔ یکایک اونٹنی اُس جگہ سے اٹھی اونٹنی  
 قدم پیچھے ہٹ کر پھر اسی پہلی جگہ آ بیٹھی۔ گویا آمد و رفت کے چند قدم سے مسجد نبوی کی حد بندی کر دی کہ مسجد اس  
 قدر طویل ہونی چاہئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ قطعہ درحقیقت اسد بن زرارہ کے دو یتیم غلاموں نے اپنے  
 بن عمر کے بیٹوں اہل و سہیل کا خرمن تر ہے اور گواہوں نے اس قطعہ کو مسجد کے لئے ہبہ کرنا چاہا لیکن آپ نے پسند نہ کیا بلکہ  
 بعض دنوں دینار خرید کر مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قطعہ قبیلہ بنی نجار کا نخلستان تھا جس  
 میں کھیتی ہوئی اور مشرکین کے مرنے و دفن ہوتے تھے بنی نجار نے اس قطعہ کو وقف کر دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے مسجد اور اُس کے گرد وہ حجرے تعمیر کئے جو ازواجِ مطہرات کے مسکن تھے۔ ناظرین کو پیشتر معلوم ہو چکا ہے  
 کہ قبیلہ بنی نجار سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نحمیال کا تعلق تھا اس لئے کہ ہاشم بن عبد مناف کی بیوی یعنی  
 حضرت کے دادا عبد المطلب کی ماں سلمیٰ بنت امراسی قبیلہ کی تھیں۔ الغرض حضرت ابوالایوب انصاریؓ اس لازوال  
 دولتِ مالا مال ہونے پر خوشی کے مارے جامہ میں چھوٹے نہ سہائے اور کجاوہ اتار کر اپنے گھر لے گئے حضرت ابوالایوبؓ  
 نے ہر چند اصرار کیا کہ حضرت بالاخانہ پر رونق افروز ہوں اور یہ خود نیچے مکان میں رہیں لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا اور  
 اس وجہ سے کہ آپ کے پاس مسلمانوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی نیچے ہی مکان میں قیام پسند فرمایا بہر حال بمقتضی  
 الامر فوق الامر حضرت ابوالایوبؓ تسلیم فرمایا اور بالاخانہ پر جا رہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر ربیع الاول



سلسلہ نبوی کو ہیوم ووشنبہ مکر سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۱ ربیع الاول ۳۱ سلسلہ نبوی کو ہیوم ووشنبہ مدینہ میں داخل ہوئے ہیں۔ سنہ ہجری کی بنیاد پڑی۔ آپ کا کم و بیش آٹھ مہینے یعنی اس وقت تک حضرت ابوالیث کے مکان پر قیام فرمایا جبکہ مدینہ نبوی کی تعمیر خود آپ کے اور صحابہ کرام کے ہاتھوں کی ڈھونی ہوئی اینٹوں سے اختتام پر پہنچ گئی اور ازواج مطہرات کے گزر کے قابل مختصر حجرے تیار ہو گئے۔ مسجد کی عمارت نہایت سادی تھی دیواریں اینٹ اور مٹی کی تھیں اور چیت کر کی مسجد کا ایک گوشہ ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا جو غریب اور بے خانماں تھے۔ آپ کھلی زمین پر نماز پڑھتے، المیر کے بدلے ستون سے ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہر قوم کے مؤرخ نے تسلیم کر لی ہے کہ جب سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر شریعت میں قیام فرمایا اس وقت سے برابر آپ وہاں کے سردار و حاکم بنے رہے۔ وہیں آؤس و خزرج نامی جو ہمیشہ آپس میں لڑا کرتی تھیں اسلام لانے کے سبب ایک دوسرے کی ایسی دوست بن گئیں کہ ان کے آپس کے پڑا لے بھگڑوں اور برسوں کے قضیوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ مدینہ کا پہلا نام تھا لیکن اب اس کا نام مدینۃ النبی مشہور ہوا جس کے معنی میں رسول اللہ کا شہر۔ باشندگان مدینہ جنہوں نے اسلام کی مدد کی تھی انصار کے نام سے مشہور ہوئے اور جو لوگ اپنا وطن چھوڑا اور اپنے عزیز و اقارب سے منہ موڑ سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملے اور مدینہ میں آئے وہ ہاجر کہلائے۔ حضرت نے اس غرض سے کہ ہاجر بن انصاریں میں ملے بچلے رہیں ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا چنانچہ اس سے وہ لوگ رنج و راحت میں ایک دوسرے شریک ہو گئے اور درحقیقت انصار نے مواخاۃ کا حق ادا کر دیا۔ اگر کسی انصار کے دو بیدار تھیں تو اس نے نہایت ہی کے ساتھ ایک بی بی کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائی ہاجر کے نکاح میں دیدیا جائے اور منقولہ و غیر منقولہ نصفانصف بانٹ دی اور جو اپنے لئے بہتر سمجھا اس کو دینی بھائی کے لئے اپنے نفس سے پہلے تجویز کیا مواخاۃ کی تقریب پیش قدمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرے چچا زاد بھائی بھی ہیں اور نبی بھائی بھی۔ آپ کے بعد سیدنا حمزہؓ اور حضرت زیدؓ ابن حارثہؓ نے اپنی اپنی اخوت کا اظہار کیا حضرت جعفر طیارؓ اور عاذ بن جبلؓ دینی بھائی بنے سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت غارؓ بن زہیرؓ نے مواخاۃ کی سیدنا عمرؓ بن خطابؓ نے حضرت عثمانؓ بن مالکؓ اخوت فرمائی۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ کو سعد بن معاویہؓ نے لیا۔ عبد الرحمن بن عوفؓ کا سعد بن ربیعؓ نے ہاتھ پکڑ لیا۔ زبیر بن عوامؓ رضی اللہ عنہ کے ہو گئے۔ عثمان بن عفانؓ آؤس بن ثابت کے بھائی بن گئے۔ طلحہ بن عبید اللہؓ کعب بن مالکؓ کے ساتھ ہوئے سعید بن زیدؓ رضی اللہ عنہ کی اخوت ابی بن کعبؓ کے ساتھ قائم ہوئی۔ عمار بن یاسرؓ رضی اللہ عنہ بن ہاشم کے بھائی بنے۔ ابو حذیفہؓ رضی اللہ عنہ و عباد بن بشرؓ رضی اللہ عنہ کی مواخاۃ ہوئی اور سعید بن ابی بکرؓ رضی اللہ عنہ دینی بھائی قرار پائے رضی اللہ عنہم۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے نہایت خلیق جو بار خدا ترس حیم شجاع ہمتیں، باحیا، امین خندہ پیشانی، راست گواہ و انتہا درجہ حسین و خوبصورت تھے آپ کو مبارک چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور آپ کا پسینہ عطر



سے زیادہ خوشبودار نہی دہنوں کے عروسی لباس بسانے کے لئے جمع کیا جاتا اور با احتیاط رکھا جاتا تھا جس سے آپ صاف کرتے تمام دن اس کے ہاتھ میں خوشبو مہکتی رہتی تھی آپ کا قدمستوی اور میانہ تھا اگر آدمیوں میں سے کسی بالانظر آتے تھے مبارک پر ریش بال نرم اور سیاہ جن میں خوشنما پھیدگی دگھونگر یا لہ پین زلفیں کان کی لوتک چھوٹی ہوتی اور کبھی کبھی کندھوں تک آٹھنی تھیں کان نہایت خوبصورت نہ بڑے نہ چھوٹے پیشانی کشادہ اور آئینہ جیسی شفاف دونوں بھویں گنجان اور کان کی طرح خمیدہ جن میں ایک باریک رگ حامل تھی جو کبھی کبھی غصہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی آنکھیں بڑی اور سرمگین جن میں سپیدی کا اندر شمرخ ڈولے حسن کو دوبالا کرتے تھے آنکھ کی پتلی سیاہ حلقے بدر کے ہار کی طرح روشن مژگاں دراز رخسارے نرم و نازک اور پر گوشت بینی ہموار لب کشادہ دہن مروانہ دندان مبارک موتیوں کی لڑی سپید و چمکدار لعاب دہن شیریں خوشبودار شفا بیماراں زرخیزاں سیٹ سی مدور ریش مبارک گنجان نیچے چھوٹی ہوتی گردن چمکدار گویا چاندی کی مڑاخی آواز نہایت لطیف نرم اور پیاری سینہ فراخ اور شکم کے ہموار چنبرہ گردن سے ناف تک شوق القدر کی علامت ایک تلی سی دھاری نمودار بغل صاف شفاف سپیدی مائل گویا مہتاب کا ٹکڑا بائیں شانہ کی غصروف کے قریب ہر نبوت جس پر کچھ بال مجتمع تھے اور جو وصال کے وقت غائب ہو گئی تھی ہاتھ سڈول اور بھرے ہوئے پتلی فراخ اور سرد ریشم سے زیادہ نرم و نعلیان مستقیم اور پر گوشت پنڈلیاں شفاف اور لطیف جن پر گوشت مناسب پائے مبارک چکنے اور بلند تلوا کچھ زمین اُبھرا ہوا۔ اٹری پر گوشت کم نہایت خوش الحان بستم کنان فصیح و بلیغ جوامع الکلم حسن مجسم از ستر پانمونہ قدرت خداوندی تھے کریم النفس ایسے کہ جس سے ایذا اٹھائی اُسی کے حق میں دعا فرمائی وہ عدل کے سچے اس قدر کہ قبل نبوت عبد اللہ بن ابی الحسام نامی ایک شخص سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ہوا اور وہ یہ کہہ کر کہ میں بھی آتا ہوں آپ یہاں ٹھہر رہے ہیں چلا گیا اور جا کر یاد نہ رہا کہ کس کو کہاں کھڑا کر آیا ہوں تین دن کے بعد عبد اللہ کا ادھر گزر رہا تو آپ کو دیکھا کہ انہی جگہ کھڑے ہوئے ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کو دیکھا تو بحر اس کے کچھ نہ فرمایا کہ اے عبد اللہ! تم نے مجھے بڑی مشقت میں ڈالا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شجاعت قوت میں مشہور تواضع اور حسن معاشرت میں ضرب النثل نہایت عقل و تدبیر متواضع اور عادل سخی اور بہادر حلیم و صابر عفت آب اور شاکر جمیع اوصاف حمیدہ سے متصف اور تمام خصائل زوایہ سے طبعاً متفرد تھے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں شب چہار دم کو ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا کبھی آپ کے جمال جہاں رہا نظر ڈالتا اور کبھی آسمان پر مہتاب کو دیکھتا تھا حیران تھا کہ دو دن میں کس کو ترجیح دوں آخر کار میری نگاہ نے یہی فیصلہ کیا کہ جو دھویں رات کے چاند کو وہ ملاحظہ دیکھ اور حسن چمک حاصل نہیں یہی جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ زیبا کو حاصل ہے

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ أَيْنِمْ سَيِّدَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْ تَشْرِفَ لَنَا بِرِاسْلَامِ كَيْ يَكُونَتْ بِنَا شَرِيعَةً هُوَتْ بِيْكَرِ اسْمِكَ كَيْ سَمِعَتْ بِيْكَرِ اسْمِكَ وَفَاتِ كَيْ وَفَاتِ كَيْ سَمِعَتْ بِنَسَبِ وَاقِعَاتِ دُوسَرِ حَقُّوْں مِيْ بِيَانِ هُوْں۔

وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقِ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ هُوَ حُسْبِي نَعِمَ الْمَوْلَى وَنِعَمَ النَّصِيرُ



# اسلام

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستند اور  
نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین ماہرین کے مکمل ترین کتاب

## حصہ دوم

تالیف

مولانا محمد عاشق امی صاحب میرٹھی

ناشر

دینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل منکلا روڈ کراچی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## باب ۳۲

### مدینہ طیبہ کی پہلی آبادی

آفتاب اسلام نے جس وقت اپنے وطن مالوف یعنی مکہ کی سکونت چھوڑی اور اُس کی رُوح بخشش نے مدینہ پاک کی زمین کو جلوہ گر بنایا ہے اُس وقت مدینہ میں دو قبائل انصار کے علاوہ بنی اسرائیل آباد تھے جن میں اکثر حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور جن کی مدینہ الرسول میں سکونت کا سبب مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ طوفان نوح میں جو مسلمان کشتی پر سوار تھے وہ نخل چھوٹے بڑے اسی نغمہ اور کشتی نوح نے کوہ جودی پر لنگر ڈالا تو زمین کی سطح کافروں کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے ایک ہموار میدان ہو چکی تھی۔ آخر کشتی کی سواریاں زمین پر اتریں اور انھوں نے بارہ فرسخ کے پھیلنے میں اطراف بابل کے خطہ پر سکونت اختیار کی۔ پانچ صدی میں یہ مختصر جماعت صاحب اولاد ہو کر اتنی کثیر ہو گئی کہ یہ قطعہ زمین نا کافی ثابت ہوا اور ایک کو دوسرے سے جدا ہو کر اپنی رہائش اور بود و باش کا انتظام کرنا پڑا۔ چنانچہ سام بن نوح کی اولاد اس پاک زمین پر آباد ہوئی جس کو مدینہ الرسول کہتے ہیں۔ یہی قوم بالہام الہی زبان عربی کی موجد ہے اور اسی جماعت نے سب سے پہلے یہاں کھلی باڑی کی اور کھجور کے درخت لگائے اور چونکہ یہ لوگ سام بن نوح کے پوتے یعنی عملاق بن ارفخشید بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے اس لئے اس جماعت کا نام عمالقی اور قوم عمالقه ہو گیا۔ چند روز میں خدا داد ترقی سے یہ لوگ عدد اور مال اور قوت میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت لے گئے اور رفتہ رفتہ بحرین و عمان کے درمیان اور حجاز کے ملک شام و مصر تک ان کا تسلط ہو گیا۔ ملک شام جابر سلاطین اور مصر کے فرعون بادشاہ اسی قوم عمالقه کی اولاد میں تھے جن کی سطوت و شوکت کے حالات سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

زمین حجاز میں ان کا بادشاہ آرم بن ابی ارم نامی ایک شخص تھا جس نے کفر و سرکشی میں مبتلا



میں خدا کو بالکل مجلا دیا اور حجازی ملک میں عام طور پر حق تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہونے لگی۔ چونکہ  
 کارنگ پلٹے بغیر نہیں رہتا اور ایک دن ہر کمال کو زوال ہوتا ہے پس ان کی تقدیر نے بھی رنگ لا دیا  
 وقت آگیا جس نے ان کے عیش و تنعم اور مسترت و خوشی پر غبار ڈال دیا بلکہ سچ پوچھو تو زندگی بھی خاک میں  
 رہی کیونکہ جس قدر ان کو عیش نصیب ہوا تھا اسی قدر ان کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی عمریں دراز  
 نہ تھیں کہ چار چار سو برس تک جنازے کی صورت نظر نہیں آتی تھی اور چھینا چلانا یا رونا پیٹنا کوئی جانتا ہی  
 نہ تھا ہر وقت خوشی و قہقہے ان کا گہوارہ بنے ہوئے تھے اور ہر دم عیش کے چھپے گویا خادم بن کر ان کے  
 تلے لگے ہوئے تھے۔ ان کے قد اس قدر لائے تھے کہ نٹاٹھ نٹاٹھ گز کی پیمائش ہو اور قوت اس قدر ملی  
 تھی کہ مضبوط سے مضبوط درخت جڑ سے اکھڑ پھینکیں۔ غرض زمانہ کے اقتضائے موافق کوئی سامان  
 شایانہ تھا جو ہتیا نہ تھا۔ یا تو یہ حالت تھی اور یا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتی ہوئی قوم کے اس لشکر  
 ہارنے دفعۃً آہلہ کیا۔ جس کو حضرت کلیم اللہ نے فرعون مصر غرق ہونے کے بعد قوم عمالقہ کی سرکوبی کے  
 لیے سرزمین شام و حجاز کی جانب بھیجا تھا اور حکم عام دیدیا تھا کہ بچوں اور عورتوں کے سوا جس کو بھی  
 و تہ تیغ کر دو کیونکہ حق تعالیٰ کی پاک زمین کفر کی نجاست اور معصیت کی غلاطی سے پاک صاف مٹی  
 ہوتی ہے۔ چنانچہ شاہ حجاز یعنی آرم بن ابی ارم بھی مارا گیا اور قوم عمالقہ کی ملک حجاز سے جڑ بنیاد ہی  
 اتاری رہی سوائے ایک خوبصورت جوان کے جو ارم کی اولاد میں سے تھا کوئی نہ بچا اور وہ بھی صرف اس  
 وجہ سے کہ اُس کے حسن و جمال نے کسی کا ہاتھ اُس پر نہ اٹھنے دیا اور لوگوں نے بارگاہ رسالتؐ کے حکم لینے  
 کے انتظار میں اُس کا قتل ملتوی رکھا چنانچہ چند لشکری سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب حکم لینے کے واسطے  
 روانہ ہوئے مگر افسوس کہ کلیم اللہ کا ان کے پہنچنے سے قبل وصال ہو چکا تھا۔ ان قاصدوں کی خبر پا کر  
 بنی اسرائیل نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا اور سب پہلے یہی پوچھا کہ حکم نبوی کی تعمیل ہوئی یا  
 نہیں؟ انھوں نے قصہ بیان کیا اور کہہ دیا کہ سوائے ایک حسین صورت نوجوان کے جس کا قتل حکم جدید  
 پر ملتوی رکھا ہے اور کوئی مرد زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ مگر بنی اسرائیل یسٰیٰؑ کے برابر فروخت ہوئے اور جواب  
 دیا کہ جب حکم عام مل چکا تھا تو اُس میں تخصیص کسی اور جدید حکم کے انتظار کی کون ضرورت تھی جاؤ تم  
 لوگ یہاں سے نکل جاؤ اور جدھر منہ سرسائے چلے جاؤ۔ غرض یہ مایوس ہو کر وہاں سے چلے اور باہمی  
 مشورہ سے ملے کر لیا کہ اس مقام سے بہتر کوئی جگہ نہیں جس پر بزور تلوار فتح پاچکے میں چنانچہ انھوں نے  
 حجاز میں سکونت اختیار کر لی اور نبی آخر الزماں کے منتظر رہے جن کے ملک حجاز کے نخلستان میں جلوہ گر  
 ہونے کی بشارت تورات شریف میں پڑھ چکے تھے۔ اس طرح پر ملک حجاز سبائے قوم عمالقہ کے قوم یہود



سے آباد ہو گیا اور یہاں کی سکونت و حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ میں آ گئی۔ ابن زبالب مورخ کا یہ قول کہ یہود نجات نصر کے زمانہ میں حجاز کی زمین پر آباد ہوئی ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب نجات نصر بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں گھس کر اُس مقدس گھر کو ویران بنایا اور توریت شریف کو جلا دیا تو اُس وقت چند یہود نے باہم مشورہ کیا کہ یہاں سے نکل چلو اور کسی ایسی جگہ مل جو جہاں اطمینان کی زندگی بسر ہو سکے۔ چنانچہ چند علماء و درویش زادہ صوفی وہاں سے روانہ ہوئے اور چونکہ توریت شریف میں پڑھ چکے تھے کہ نبی آخر الزماں ظاہر ہوں گے اور اس شہر میں آکر رہیں گے جس کا نام ذات النخل یعنی کھجور والی زمین ہے اس لئے حجاز میں آ اترے اور عرب کے جس قصبہ میں کچھ اثر اور شتباہ پایا وہیں ٹھہرے۔

چنانچہ جس وقت اس حصہ زمین پر پہنچے جس کا نام شرب تھا اور اب مدینۃ الرسول کہلاتا ہے تو ساری سے متصف پایا اور یہیں باطمینان رہ پڑے۔ ان میں سے چند آدمی تو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے انھوں نے زمین شرب میں اُس جگہ رہنا قبول کیا جو اس وقت مسجد قبا کا گرد و نواح ہے اور باقی یہودی ارد گرد خیبر وغیرہ میں قیام گزریں ہوئے اور برابر یہ دستور رکھا کہ جب کوئی مرتا تو تحریری وصیت نامہ اس مضمون کا اپنی اولاد کے حوالہ کر جاتا تھا کہ اگر تم خاتم النبیین کا زمانہ ملے تو ان کی اطاعت کیجئے نہ پھیرنا ورنہ دنیا میں بھی رُوسیاہ ہوو گے اور آخرت میں بھی کافر اٹھو گے غرض قوم یہودی یہاں بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہی۔ آخر کار عیش و تنعم میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ان کو بھی ظلم و تعدی سوجھی اور قبیلہ اوس و خزرج نے ان پر چھاپا مار کر ان کو تباہ و برباد کیا۔

## باب ۳۳

### مدینہ میں انصاری کی آبادی

سام بن نوح کے دوسرے پوتے یعنی صالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح کی اولاد میں سے یعرب بن قحطان کی اولاد ملک یمن کے اُس زرخیز قطعہ میں آباد تھی جس کا نام مارب ہے اور یعرب کے پوتے سبا بن شجب کا مسکن ہونے کی وجہ سے بعض مورخین نے اس شہر کا نام بھی سبا کہہ دیا ہے بہر حال یہی وہ خطہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے کلام مجید میں بلدہ طیّہ یعنی پاکیزہ شہر کے نام سے یاد فرمایا۔



ہے جسے زمین شام تک تمام قصبات اور شہر متصل متصل آباد تھے اور ہر جگہ اونچی اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ لگاتار باغات اور سبز درختوں کا سلسلہ کسی جگہ منقطع نہیں ہوتا تھا جس قدر بارونق اور خیز سبزہ زار تھا تمام سطح زمین پر کہیں دوسرا نہ تھا۔ اس کی خوشگوار ہوائیں بیمار کو تندرست بناتیں اور جنگل کی شادابی و تازگی تھکے مسافروں کو جنت کا مزہ چکھاتی تھی۔ اس حصہ زمین میں مسافروں کو شہ باندھنے اور زار و راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھل پھول اور میوؤں کی اتنی کثرت تھی کہ کمزور بوڑھے مرد اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھ کر نکل کھڑے ہوتے اور رتیاں بٹتے ہوئے درختوں کے نیچے گزرتے تھے تو چند قدم پر بغیر اس کے کہ درخت کو ہلاتیں یا شاخوں کو جھاڑیں ٹوکریاں پھلوں سے پھو جاتی تھیں۔ ہر جگہ قدرتی سبزہ کا خمیل فرش ایسا بچھا ہوا تھا کہ جدھر نظر جاتی تھی آنکھوں کو نی اور روح کو فرحت پہنچتی تھی۔ اسی کیفیت کے ساتھ اتنا بڑا قطعہ مسلسل آباد چلا گیا تھا جو عرض میں دو چھینے کی مسافت تھی۔ یہاں کے باشندے خوش حال فارغ البال اپنی زندگی و اطمینان کے ساتھ گزارتے تھے مگر افسوس ان کو نعمت کی قدر نہ ہوئی اور آخر ان لوگوں نے تعالے سے درخواست کی کہ ہمیں یہ شادابی اور پاس پاس آبادی پسند نہیں آتی کیونکہ اس میں ہم سفر کا لطف حاصل نہیں ہوتا۔ سفر کا مزہ اسی میں ہے کہ سفر کا تہیہ کریں، اقارب سے رخصت ہوں، می بھوک لگے اور کبھی پیاس بیتاب کرے، کہیں آرام ملے اور کہیں تکلیف ہو، کبھی اونٹوں پر سوار لیں اور کبھی گھوڑوں پر غرض بدشواری و بصد صعوبت منزلیں قطع کریں تو کچھ مزہ بھی آئے اور با تو سفر اور اقامت دونوں برابر ہیں کہ گھر میں اور باہر میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ پس ایسے آرام سے ہم باز آئے جس میں بد مزگی سے زندگی گزرے۔ حق تعالیٰ کو یہ ناشکری پسند نہ آئی اور سیل کا عذاب مل ہوا جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ مضبوط و مستحکم بند جو تمام ولایت یمن کی سیلیں روکنے کو لقمہ ان کے فرسخ در فرسخ باندھا تھا، ٹوٹ گیا اور پانی کی زد سے بند کی دیوار کے پتھروں کی یہ حالت ہو گئی کہ جو پتھر پاس آدمیوں سے بھی پلٹا نہ جاسکتا تھا وہ ایک ملخ نے اکھاڑ پھینکا۔ غرض آبادی غرق ہو گئی اور ناقدر و ناقوت نے ڈوب کر جانیں دیں۔ البتہ ایک شخص عمر بن عامر اور اس کے تیراہ بیٹے مع چند دیگر رؤسا یمن کے بچ نکلے جن کے بچنے کی صورت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عمر بن عامر کی بیوی نے جس کا نام طریقہ حمیرہ تھا ورنہ کہانت و پیشین گوئی میں ہمارت رکھتی تھی آنے والے سیل سے بند کے ٹوٹ جانے کا واقعہ اپنے خاوند سے ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو علم کے ذریعہ سے اس کی علامتیں نظر آرہی ہیں اس لئے لازم ہے کہ ہم اس ملک سے نکل چلیں اور بحر فناء میں غرق نہ ہوں۔ عمر بن عامر شہر کا رئیس اور دولتمند شخص تھا



جائے پر آمادہ ہو گیا مگر اس خیال سے کہ بلا سبب جانا لوگوں میں چشم نمائی کا سبب ہو گا کوئی حیل  
 کرنا چاہا، چنانچہ اپنے اُس لے پالک یتیم بچے کو خلوت میں بلایا جس کی برسوں سے پرورش کر رہا تھا  
 اور کہا کہ میں روستا شہر کی دعوت کروں گا اور سب کو بلاؤں گا جس وقت سب لوگ جمع ہو جائیں اُس وقت تم آنا اور مجھ سے کسی بات پر جھگڑا شروع کر دینا۔ اس کے جواب میں اگر میری  
 زبان سے کوئی جھڑکی کا کلمہ نکلے تو تم اُلٹ کر اس سے زیادہ سخت مجھ کو جواب دینا تاکہ مجھے شہر چھوڑ  
 کا عذر ہاتھ لگ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بچے نے بھرے مجمع میں اپنے مرنے والے دُعا گو گالی دی  
 اور ایک طمانچہ بھی کھینچ مارا۔ عمر بن عامر اس قصہ کے پیش آنے پر فوراً مجاہد اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہ  
 کہ اب میں اس شہر میں ہرگز نہ رہوں گا تمام جائداد اور وہ اسباب جو ساتھ لیجائے کے قابل  
 تھا نیلام کر کے اپنی اولاد کو جو طریقہ حمیریہ کے پیٹ سے تھی اور نیز کہلان ابن سبکی اولاد میں  
 چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر وہاں سے نکلا اور غرق و ہلاکت کے عذاب سے بچ گیا۔ انصار رضی اللہ عنہم  
 جنہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت کے سبب انصار کا وہ مبارک لقب پایا  
 ہے جو ابد الابد تک آفتاب کے نور سے زیادہ چمکتا رہے گا۔ اسی عمر بن عامر کی اولاد میں اور کب  
 عجب ہے کہ عمر بن عامر کا عذابِ پل سے بچ نکلنا اسی وجہ سے ہو کہ اُس کی مُسلب میں وہ نطفے تھے جو  
 کو دنیا میں ظاہر ہو کر خاتم النبیین کی مدد کا اعزاز حاصل کرنا تھا۔ قصہ مختصر عمر بن عامر مع اپنے مختصر گروہ  
 کے ولایتِ یمن سے باہر نکلا اور راستہ کے شہروں کی تعریفیں اور اوصاف بیان کرتا چلا تا کہ ہمارے  
 میں سے جس کو جہاں رغبت ہو وہاں ٹھہر کر بود و باش اختیار کرے چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے میل  
 طبعیت کے موافق ایک ایک شہر اختیار کر لیا اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ بڑے بیٹے ثعلبہ بن عمر نے  
 جو انصار کے دو مشہور قبیلوں اؤس اور خزرج کے جدِ امجد ہیں ملکِ حجاز کو پسند کیا اور یہیں اقامت  
 اختیار کر لی۔ چند روز بعد جب سب بڑھئی اور جماعت زیادہ ہو گئی تو یثرب میں آکر قومِ یہود کے پاس رہنے  
 لگے اور انھیں کے ساتھ تعلق و ارتباط پیدا کر لیا یہاں تک کہ باہم معاہدہ اور قسما قسمی ہو گئی کہ ایک  
 دوسرے کو ایذا نہ پہنچائیں گے اور دونوں مختلف تو ہیں یک جان و وقالب ہو کر رہیں گی مگر چند سال  
 بعد جب اللہ پاک نے اولادِ عامر یعنی قبیلہ اؤس و خزرج کو ثروت عطا فرمائی اور یہ لوگ متمول  
 و مالدار ہو گئے تو قومِ یہود کو حسد ہوا اور بنو قریظہ اور بنو نضیر یہودیوں نے عہد و پیمان کے خلاف  
 اؤس و خزرج پر طرح طرح کی زیادتیاں شروع کی۔ اؤس و خزرج تنگ آ گئے اور گھبرا اٹھے  
 مگر بے چارے بے دست و پا تھے اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ سینہ سپر ہو کر لڑیں اور دشمن



مناظر خواہ انتقام لیں، اس لئے مجبور اپنے قومی بھائی ابو حبیہ نامی پادشاہ کو اطلاع دی جو برادری سے جدا ہو کر ملک شام کی جانب چلا گیا اور وہاں کا بادشاہ ہو گیا تھا۔ ابو حبیہ اپنی ستم رسیدہ اور مصیبت زدہ قوم کی داستان سنی تو غصہ میں بیچ و تاب کھا کر ایک پورے ملک کے ساتھ حجاز پر حملہ آور ہوا۔ یثرب پہنچ کر اپنی قوم کا دلخواہ انتقام لیا اور جو کچھ مال و سبب اوس و خزرج کا ظلم اچھین لیا گیا تھا۔ وہ سب یہود کو واپس دینا پڑا۔ اس طرح پرانے بیچاروں کو پھر نئے سرے سے اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور یہ مدینہ کے جنوب مال کی زمین پر مستقل طور پر آباد ہو کر باہم موافقت و اتحاد کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے لگے۔ چونکہ زمانہ کی نیرنگیاں اپنا اثر دکھاتی رہتی ہیں اس لئے ان کا باہمی اتفاق بھی قائم نہ رہا اور روز بعد آپس میں ایسی چھوٹ پڑی جو آج تک شہرہ آفاق اور عرب کی زبان میں ضرب المثل ہے کیونکہ یہ خانہ جنگی پورے ایک سو بیس برس رہی جس نے سیکڑوں گھرتباہ کر دیئے اسی کی دولت بیبیوں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور سیکڑوں بچے یتیم بن گئے۔ یہ برادرانہ نزاع درحقیقت رفع ہوئے الا نہ تھا جس وقت اللہ کا پیارا رسول مدینہ میں آیا ہے، یہ منازعت بدستور قائم تھی مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلا کر باہم مصالحت کرائی اور ان دشمنوں کو پھر بھائی بھائی بنا دیا، جن میں ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور جان کا خواہاں تھا۔

بیشک یہ آپ ہی کی قوت قدسیہ کا فیضان تھا جس نے اس قدر جلد اپنا کام کیا کہ اوس و خزرج جیسے دو مخالف قبیلے ایسے موافق ہو گئے کہ ایک دوسرے کو اپنی جان اور اپنے آپ کو اس کا قالب سمجھنے لگا ورنہ ان کی رنجشوں کا زائل ہونا نہایت دشوار اور دلوں کی صفائی سخت مشکل امر تھا۔

## باب ۳۲

### حضرت ابوالیوب انصاریؓ

پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تیج تھا۔ تیج بڑا بہادر اور جفاکش، عالی حوصلہ شخص تھا مغربی ممالک فتح کرنے کے بعد مشرقی ملک پر قبضہ کرنے کے خیال سے حجاز کی جانب متوجہ ہوا اور مدینہ منورہ میں ہو کر گزارا تو یہاں اپنے بیٹے کو جانشین بنایا اور خود ملک شام و عراق کی جانب بڑھ گیا مگر افسوس کہ یہاں باشندگان مدینہ نے بد عہدی کی اور تیج کے بیٹے کو جان سے مار ڈالا تیج



یہ جانکاہ حادثہ اور بدعہدی کا خونخوار قصہ سن کر غصہ میں لرز اٹھا اور فوراً مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اُس نے اپنے مقتول بیٹے کے انتقام لینے میں کسر نہیں رکھی اور قتل عام کا حکم دیدیا۔ اس لڑائی میں تیج کا گھوڑا بھی مارا گیا اور ”یہ سمندر ناز یہ اک اور تازیانہ ہوا“

تیج نے قسم کھالی کہ جب تک اس شہر کی اینٹ اینٹ نہ بجا دوں گا اُس وقت تک آگے قدم نہ بڑھاؤں گا۔ گشت و خون کا یہ عالم دیکھ کر چند یہودی علماء تیج کے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ ”ہمارے پاس آسمانی کتاب موجود ہے اُس میں حق تعالیٰ کی دی ہوئی خبر لکھی ہے کہ اس مقدس شہر کا نام طیبہ ہے اور یہ پاک جگہ نبی آخر الزماں کا مسکن اور مدینۃ الرسول ہے اس کا محافظ اور حامی خود ذات باری ہے“ تم اُس کے ویران بنانے کے خیال خام سے درگزر و اور مخلوق خدا پر رحم کر۔ تیج نے یہ آسمانی بشارت سن کر گردن مجھکا دی اور خون ریزی بند کر کے چند علمائے یہود کو ساتھ لیکر یمن کی طرف واپس ہو گیا۔ منقول ہے کہ یہ علماء یہود وقتاً فوقتاً پیغمبر آخر الزماں کے اوصاف تیج کو کوسنا تے رہتے تھے یہاں تک کہ تیج کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غائبانہ محبت پیدا ہو گئی اور آخر کار چار سو علماء جنہوں نے حضرت ۲ کی زیارت کے شوق میں تیج کی رفاقت چھوڑ کر مدینہ کا رہنا اختیار کیا۔ ان سب کے لئے تیج نے اپنے اہتمام سے گھر بنوا دیئے اور ہر ایک کو ایک ایک ٹونڈی اور بہت کچھ مال دیدیا تاکہ اطمینان سے زندگی گذاریں اور آرزو پوری کر سکیں یہ بھی منقول ہے کہ تیج نے ایک مکان خاص اہتمام سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس نیت سے تیار کرایا کہ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائیں تو اس میں قیام فرمائیں اور ایک خط بھی لکھا جس میں اپنے اسلام لانے اور آپ کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے۔ اس کے دو شعر یہ بھی ہیں ۵

شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ إِنَّهُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ بَارِي السَّمِ  
فَلَوْ مَدَّ عُمَرُ إِلَى عُمَرَا لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنَ عَمِّ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم خالق مخلوقات خدا کے پیغمبر ہیں، پس اگر اُن کے وقت تک میری عمر پہنچی تو بیشک میں اُن کا چچا زاد بھائی اور وزیر بنوں گا۔“

تیج نے خط پر غر لگائی اور جانے والی جماعت میں جو شخص بڑا اور سردار تھا اُس کے حوالہ کیا نیز وصیت کی کہ اگر نبی آخر الزماں کا زمانہ تم کو نصیب ہو تو میرا یہ عریضہ اُن کی خدمت میں پہنچا دینا ورنہ اپنی اولاد کے حوالہ کرنا اور یہی وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں اسی طرح



یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل یہ خط امانت رہے اور جس کو بھی وہ مبارک وقت دیکھنا نصیب ہوا اس  
 بابہ کو حضور رسالت میں پیش کر دے۔ نتیجے نے ایک متدین و متقی عالم کو اس مکان کا متولی بنایا  
 سید البشر کے لئے تیار کرایا تھا۔ چنانچہ انھیں کے اولاد میں حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ  
 میں کہ جنھوں نے یہ شرف حاصل کیا اور اللہ کے پیارے پیغمبرؐ کی ادنیٰ انھیں کے اس مکان  
 سامنے بیٹھ گئی جو زمانہ گذرا کہ نتیجے نے اسی نیت سے تیار کرایا تھا اور یہ خوشی خوشی مہاجر  
 مہاجر کا اسباب اپنے گھر لے گئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ تیج کا عریضہ اس وقت تک اُن کے پاس  
 جو د تھا اور انھوں نے اپنی جدی وصیت کے موافق اُس خط کو حضورؐ میں پہنچایا۔ واللہ  
 لم بالقواب۔ البتہ اتنا پتہ اکثر روایتوں سے چلتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جن لوگوں نے پیغمبر  
 ﷺ کی خدمت و حمایت کی ہے وہ سب انھیں علماء کی اولاد میں سے تھے  
 اس شوق میں دنیا کے مال و متاع پر خاک ڈال کر اور تیج کی رفاقت چھوڑ کر اُس مبارک وقت  
 انتظار میں مدنی سرزمین پر آئے تھے۔ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دُؤنزلہ  
 حاجس کا نیچے کا حصہ سید البشرؐ نے اپنے لئے پسند فرمایا۔ اور ابوالیوبؓ مع اہل و عیال اوپر کے  
 مکان میں سکونت پذیر ہوئے۔ انھوں نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر  
 زبان مجھے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ آپ نیچے قیام فرماہیں اور میں بالا خانہ پر چڑھ کر بیٹھتا ہوں مگر  
 اپنے جواب دیا کہ میرے پاس مختلف لوگوں کی آمد و رفت بکثرت رہتی ہے اس لئے میں نہیں جانتا  
 کہ تمھاری عیال کو نیچے مکان میں رہ کر ایذا ہو غرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
 مکان میں سات مہینے قیام فرمایا اور اس مدت میں اکثر حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ وغیرہ  
 مناصح صحابہؓ آپ کے لئے کھانا تیار کر کے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت ابوبالوٹؓ نے ایک مرتبہ آپ کے  
 لئے کھانا تیار کرایا جس میں لہسن بھی ڈالا۔ مگر آنحضرتؐ نے نوش نہیں فرمایا۔ اور صحابہؓ رضہ  
 سے کہا کہ تم کھا لو، اگرچہ لہسن حرام نہیں ہے مگر مجھے کراہت آتی ہے کیونکہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے مقبول  
 فرشتے سے سرکوشی کا اتفاق ہوتا ہے اور میں اپنے رفیق کو اس کی بو کے سبب ایذا دینی نہیں جانتا  
 حضرت ابوالیوبؓ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد میں نے کبھی لہسن نہیں چکھا کیونکہ جو چیز میرے  
 محبوب کو ناپسند تھی وہ مجھ کو کیوں کر گوارا ہو سکتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوالیوبؓ کے بالا خانہ پر پانی کا بھرا ہوا برتن ٹوٹ گیا اور پانی بہنے لگا تو انھوں  
 نے فوراً اپنے اوڑھنے کا لحاف اُس پر ڈال دیا اور اس اندیشہ سے تمام پانی جذب کر لیا کہ نیچے نہ گرے



اور حضرت کو تکلیف نہ ہو اگرچہ اس لحاف کے سوا ان کے پاس اور بھینے کے لئے کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا اور  
اپنی تکلیف اس کی بہ نسبت بدرجہا بہتر تھی کہ حضرت کے غلاموں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔  
مبارک منزلیں کاں خانہ رام ہے جنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے جنیں باشد  
حضرت ابوالیوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیالیس سال زندہ رہے  
اور حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں اسلامی لشکر کے ہمراہ قسطنطنیہ کے محاصرہ میں شریک ہوئے اور  
۵۵ ہجری میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔

## باب ۳۵

### مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر شہر کے کنارے  
محلہ قبا میں قیام فرمایا جہاں بنی عمر بن عوف آباد تھے۔ بارہ روز آپ کا یہاں قیام رہا اور یہاں کے  
مسلمانوں کی خواہش پر آپ نے دست مبارک سے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں اس  
کی تعمیر پوری ہوئی۔

چونکہ اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اس لئے اسی سمت قبلہ قرار دے کر اس کی تعمیر کی گئی  
اور تحویل قبلہ کے بعد دوسری تعمیر میں بیت اللہ کی جانب قبلہ کا رخ قرار پایا۔  
مسجدِ قبا کی عظمت و جلالت کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ اس کی بنیاد کے پتھر ڈھونے میں جناب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے۔ یہی وہ مسجد ہے جس کی حق تعالیٰ شانہ نے ان الفاظ  
میں تعریف فرمائی ہے کہ ”اے محمد بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تعویٰ اور پرہیزگار  
پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ اس کے لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہوؤ اور نماز پڑھو“ اور اسی مسجد  
والوں کی مدح میں یہ مضمون وارد ہے کہ ”اس میں ایسے لوگ ہیں جو کمالِ ستھرائی و پاکی کو پسند  
کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف ستھرے بندوں سے محبت فرماتا ہے“ اس آیت کے نازل ہونے  
پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے دریافت فرمایا تھا کہ تمہاری وہ کونسی طہارت  
ہے جس کی تعریف حق تعالیٰ نے فرمائی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ہم ڈھیلے سے استنجا کرنے  
کے بعد پانی سے طہارت کرتے ہیں اور اس طرح کی صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ بے شک



ہے جس کی بدولت خداوندی تعریف کے مستحق ہوئے تم کو چاہئے کہ اس نعمت کی قدر کرو اور  
شہرانی پر ہمیشہ کار بند رہو۔

مسجد قبا نہایت سادی اور پرانے طرز کی ہے تکلف تھی، لیکن عمر بن عبدالعزیز نے اس کی  
مدید میں فی الجملہ زینت و آرائش کی اور پھر بوقت ضرورت ہمیشہ ملوک و اُمراء اس کی تجدید  
کرتے رہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز چاشت کے وقت قبا سے جب شہر کی جانب  
چھ فرمایا تو بنی سالم بن عوف کے قبیلہ تک پہنچنے پر جمعہ کی نماز کا وقت آگیا اور آپ نے یہیں  
مقام فرما کر نماز جمعہ ادا کی۔ اس مبارک جگہ پر بعد میں مسجد بنادی گئی جس کا نام مسجد جمعہ  
مسجد حاکم اور مسجد وادی ہے۔ اس مسجد کا طول شمالاً جنوباً بیس گز اور عرض شرقاً غروباً  
چار گز ہے۔ اس کے مغربی جانب قبیلہ بنی سالم کے مکانات تھے جن کے نشان اب تک  
رہتے ہیں اور ان دیکھ کر اسلام کا وہ پہلا زمانہ یاد آ جاتا ہے جب کہ ان کے رہنے والے خوش نصیب  
ہوں کہ وہ دولت زیارت رسول سے مالا مال ہونے کا اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔ حضرت عثمان بن مالک  
رضی اللہ عنہ کا گھر یہیں تھا اور انھوں نے حضرت کے یہیں قیام فرمانے کی درخواست بھی کی مگر آپ جواب  
نہ دیا کہ میری اونٹنی مامور ہے جہاں ٹھہرنا میرے لئے خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے یہ وہیں ٹھہرے گی  
ناخچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ مدینہ میں داخل ہو کر جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ناخچہ بنی اس جگہ بیٹھ گئی جہاں مسجد نبوی کا آب ممبر واقع ہے اور اس کے قریب حضرت ابوالوہب  
نصاریؓ کے مکان پر آپ نے قیام فرمایا تو ابو رافع اور زید بن حارثہ کو پانشو درسم اور ڈونٹ  
بے کر مکہ روانہ کیا تاکہ فاطمہ زہراؓ اور اُم کلثومؓ اور اُم المؤمنین حضرت سودہ اور زید بن حارثہ کی  
بیوی حضرت اُم امین اور ان کے صاحبزادے اسماءؓ بن زید رضی اللہ عنہم کو مدینہ لے آویں اور انھیں  
ماحول کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ روانہ ہوئے تاکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل عیال یعنی  
بنو مالک صاحبزادوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ اور صاحبزادے حضرت عبدالرحمنؓ کو اور بی بی  
ام رومان کو لے آویں۔ چنانچہ تینوں پیکر کی جانب روانہ ہوئے اور ان کو بخیر و عافیت مدینہ طیبہ  
میں لے آئے اس وقت حضرت عائشہؓ جن کی عمر نو برس کی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
نکاح میں آچکی تھیں مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی ہجرت کے سات مہینے بعد رخصتی ہوئی اور ایک سالہ دودھ  
کالومیر ہوا جس کے چند گھونٹ حضرت نے پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا۔ جس جگہ رسول مقبول



صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ چکر لگا کر بیٹھی تھی وہ سہیل و سہیل نامی دو یتیم بچوں کا خرمن تمر تھا اور اسی جگہ حضرت  
 کے تشریف لانے قبل لوگ نماز پڑھا کرتے تھے یہ دونوں یتیم بچے حضرت معاذ بن عفرار رضی اللہ عنہ  
 زیر تربیت تھے جب اس قطعہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے لئے منتخب فرمایا تو  
 معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں بچوں کو خاطر خواہ معاوضہ دے کر راضی کر دوں گا آپ اس کو مسجد بنا  
 چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور مسجد کی پنا ڈالی منقول ہے کہ ایک انصاری نے اس کے علاوہ ایک نئی  
 بھی اپنے مال میں سے یتیم بچوں کے حوالہ کیا اس کے بعد آپ مسجد کی تعمیر میں مشغول ہوئے چونکہ اس  
 قطعہ میں کچھ کھجور کے درخت اور کسی زمانہ میں چند یہودی قبریں واقع تھیں اس لئے اول زمین  
 ہموار بنایا اور نشیب و فراز کو برابر کیا اور جس قدر درخت بے موقع تھے سب کو اکھاڑ پھینکا  
 جنت البقیع میں جو جگہ ہیر ایوب کے نام سے موسوم تھی کچی اینٹیں بنانے کے لئے تجویز ہوئی اور ان  
 وہاجرین کے ساتھ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اور اینٹیں ڈھونی شروع کیں جس سے  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ اپنے دست مبارک سے نیو میں رکھی اور پھر آپ کے  
 سے دوسری اینٹ اسی کے برابر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رکھی اور ان کے بعد تیسری اینٹ حضرت عمر فاروق  
 نے اور چوتھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رکھی اور پھر عام طور پر لوگ اینٹیں ڈھو ڈھو کر لاتے اور بنیاد دو  
 رڈے رکھتے رہے یہاں تک کہ سات گز اونچی اور شمالاً جنوباً چوں گز چوڑی اور شرقاً غرباً تیس گز  
 مسجد تعمیر ہو گئی جس میں نقش و نگار اور تکلف و آرائش کا بالکل نام بھی نہ تھا اس مسجد کی صورت اس  
 سادگی پرستی تھی جس کی نظیر اب ملنی مشکل ہے نہ اس میں ممبر تھا نہ محراب ایک چار دیواری کچی اینٹ  
 کی بنی ہوئی تھی جس کے ستون کھجور کے سٹھوں اور تنوں کے جہاں ضرورت سمجھی قائم کر دیئے گئے تھے  
 ہی کی چھت پاٹ دی اور اس پر مٹی ڈال دی گئی کہ جب بارش ہوتی تو چھت کی مٹی نمازیوں  
 سرور پر گرتی اور کبھی کبھی زمین اتنی بھیک جاتی تھی کہ سجدہ میں پیشانی پر اس کا اثر آ جاتا تھا  
 مسجد نبوی کی اس پہلی بنا کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تک  
 طرف رہا کھجور کے ایک ستون سے لگ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے اور وہ  
 میں کھڑے ہو کر امامت فرماتے تھے اس وقت مسجد نبوی کے تین دروازے تھے یعنی ایک دروازہ  
 بائیں جانب تھا جدھر آب قبلہ ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی طرف تھا جس کا نام آب باب الیمین  
 ہے اور تیسرا دروازہ جدھر سے حضرت تشریف لایا کرتے تھے باب آل عثمان تھا جسے آب باب جبریل  
 میں یعنی محراب تہجد کے قریب اور جب قبلہ بیت المقدس منسوخ ہو کر کعبہ قرار پایا تو جبریل



نے یہاں سے بیت اللہ تک جس قدر حجاب درمیان میں واقع تھے سب اٹھا دیئے اور میزاب کعبہ کی سمت پر مسجد نبوی کی بنا درست کی گئی۔ قبلہ کی تبدیل کے بعد چودہ پندرہ دن تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطوانہ مخلوق کے پیچھے نماز ادا فرمائی جس کو اب اسطوانہ عائشہ کہتے ہیں اور اس کے بعد آپ کا قیام اُس جگہ معین ہو گیا جہاں اس وقت محراب بنی ہوئی ہے۔ پھر شہ ہجری میں خیبر کی فتح کے بعد مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر ہوئی اور اس مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت امی خواہش کے موافق وہ مکان دس ہزار درہم میں خرید کر مسجد کی وسعت بڑھانے کو وقف کر دیا۔ جو مسجد شریف کے زیر سایہ ایک غریب انصاری کا واقع تھا اور وہ اپنی غربت و عیال داری کے سبب مفت نہ دے سکتے تھے۔ اس وقت مسجد نبوی کا عرض و طول تسوئو گز ہو گیا تھا۔ تحویل قبلہ کے بعد نماز کا رخ جب بیت اللہ کی جانب ہو گیا تو قبلہ اول کا احاطہ اسی حال پر اس غرض سے چھوڑ دیا گیا کہ فقرا و مساکین جن کے گھر بار نہیں ہیں وہاں رہیں اور جو طالب دین جہاں آئیں وہ اس جگہ قیام کریں، یہ سایہ دار جگہ صُفّہ کہلاتی تھی اور جو مساکین طالب دین متوکل و زامد صحابہ یہاں پڑے رہتے تھے اُن کو اصحاب صُفّہ کہتے ہیں۔ گویا سلطان دین کی یہ خانقاہ تھی جن میں وہ عبادت گزار طالب مقیم تھے جن کو نہ نکاح کی استطاعت تھی نہ کمانے یا تجارت و زراعت وغیرہ میں مشغول ہو سکتے تھے۔ غرض علم فقہ اور دین اسلام کی طلب میں اُنھوں نے اپنے نفس کو وقف کر رکھا تھا۔ کیا عجب ہے کہ ”صوفی“ کا لفظ اسی ”صُفّہ“ سے مشتق ہو، جس کے زاویہ نشین موت یا مسافرت یا تزوج و خانہ داری کے سبب کم و بیش ہوتے رہتے تھے بعض محققین نے سو حضرات سے زیادہ اہل صُفّہ کے نام گنوائے ہیں جن میں حضرت ابو ہریرہؓ مشہور صحابی بھی شامل ہیں جو سیکڑوں حدیث نبوی کے ناقل ہیں اور جنگ خیبر میں مسلمان ہو کر اہل صُفّہ میں شریک ہوئے تھے اصحاب صُفّہ بھوک کے سبب اکثر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پڑ جاتے اور یہ حالت ہوتی تھی کہ دیکھنے والے ان کو دیوانہ و مجنون سمجھتے تھے۔ حضرت اکثر انھیں شکستہ دلوں کے پاس بیٹھتے، تسلی دے کر صبر و قناعت کی تلقین فرماتے اور کبھی کبھی ایک ایک دو دو کو اغنیائے صحابہ کے حوالہ فرمادیتے تھے تاکہ اُن کو جہاں بنالیں اور جو باقی رہتے تھے اُن کو اپنے ساتھ شریک طعام فرمالتے تھے۔ جو کچھ صدقات آتے تھے وہ سب انھیں جہانانِ مسلمین پر تقسیم ہوتے تھے۔ مساجد نبوی کے دوستوں میں ایک رتھی بندھ رہی تھی جو صرف اس غرض سے تھی کہ اہل باغات کھجور کے خوشے لائیں تو اُس میں لٹکا جائیں اور جب وہ پختہ ہو کر کار آمد ہو جاتے تھے تو اصحاب



کو نیچے بٹھا کر خوشوں کو لکڑی سے جھاڑ دیتے تھے تاکہ بے تکلف کھائیں۔ آپ ﷺ میں کسی کے پاس سے ایک ازار کے اور وہ بھی اودھی پنڈلی تک، دوسرا کوئی کپڑا پہننے کو نہ تھا۔ مسجد میں جاتے وقت اسی کو رادگرو سے سمیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبوک سے بیتاب ہو کر سیٹ سے پتھر باندھ لیتا اور کبھی بیہوش ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں پریشان ہو کر رزہ گزر میں جا بیٹھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر ان کو اپنی طرف توجہ دلانے کی غرض سے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی۔ انھوں نے التفات نہ فرمایا اور چلے گئے۔ ان کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا حال دیکھ کر تبسم فرمائے لگے اور کہا کہ ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا کہ بتیکت یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ ادھر آؤ۔ چنانچہ میں آپ کے پیچھے چھڑ مبارک تک پہنچا، دیکھا کہ کوئی شخص حضرت کے لئے ایک پیالہ دودھ ہدیہ لایا تھا وہ رکھا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ جاؤ! اصحاب صفہ کو بلا لاؤ! میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دودھ ہی کتنا ہے جو ہر صفہ بلائے گئے اگر مجھ ہی کو مرمت ہو جاتا تو پی کر سیر ہو جاتا، مگر حکم کی تعمیل ضرور تھی اس لئے فوراً گیا اور سب کو بلا لایا۔ جب وہ آگئے تو حضرت نے فرمایا کہ ملے ابو ہریرہ! دودھ کا پیالہ لے لے اور ان کو بلاؤ! میں نے قدح اٹھایا اور ہر ایک کو پلانا شروع کیا۔ ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا اور دودھ میں سے ایک قطرہ بھی کم ہو تا نہ معلوم ہو تا نہ معلوم ہوا میں حیران ہوا اور حضرت نے تبسم فرما کر کہا کہ اب نقطہ ہم اور تم باقی رہے، بیٹھ جاؤ، جتنی بھوک ہو پہلے تم پی لو چنانچہ میں نے خوب ہی سیر ہو کر پیا اور جو کچھ بچا وہ حضور کے سامنے رکھ دیا۔ آپ حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور جتنا دودھ قدح میں باقی تھا نوش فرمایا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنارس کے وقت دو حجروں کی بنا ڈالی تھی کیونکہ اس وقت آپ کی دو ہی بیبیاں تھیں ایک حضرت ستودہ اور دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما۔ اس کے بعد جتنی ازواج مطہرات بڑھتی گئیں ہر ایک کے واسطے ایک ایک حجرہ تیار ہوا کیونکہ مسجد نبوی کے قریب کئی گھر حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے واقع تھے وہ سب چند روز بعد انھوں نے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نذر کر دیئے تھے یہ گھر عربی رواج کے موافق کھجور کی شاخوں کے تھے جن کو کلی سے ڈھانپ دیا تھا اور دروازوں پر کمل کے پردے لگتے تھے جتنے بھی گھر تھے سب قبلہ اور مشرق کی جانب واقع تھے جانبِ غرب کوئی گھر نہ تھا اور بیٹھے گھر کچی اینٹ کے بھی بنے ہوئے تھے مگر ہر گھر کے اندر کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا ایک حجرہ ضرور تھا جس پر کھجور کی ہوتی تھی۔ آپ کے



زنگھروں کے دروازے مسجد کی جانب واقع تھے اور چھت کی بلندی قدر آدم سے صرف ایک ہاتھ  
 نیچی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کا حجرہ اسی جگہ تھا جہاں اب ان کی قبر کی صورت بنی ہوئی ہے اور حضرت سیدہ کے  
 ہا اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کردہ کے درمیان جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ کہلاتا تھا۔  
 یہ کھڑکی تھی اکثر اوقات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کھڑکی پر سے تشریف لایا کرتے اور جب آتے تھے تو  
 عزت حسنینؑ کی خیریت پوچھتے تھے۔ جب کسی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لاتے  
 سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے اور حضرت زہراؓ کے گھر تشریف لیجاتے اور  
 سب کی خیریت دریافت فرما کر ازواج مطہرات کے حجرات میں رونق افروز ہوتے تھے +

## باب ۳۵ - سید نبوی

### عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی کا اسلام

جس دن آپ مدینہ منورہ میں تشریف لائے، آزاد و غلام چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت خوشی کے  
 رے چھوٹے نہ ساتے اور ایک دوسرے سے مبارکباد کے طور پر کہتے پھرتے تھے کہ جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ، جَاءَ  
 رَسُولُ اللَّهِ، یعنی اللہ کے نبی تشریف لے آئے، رسول اللہ تشریف لے آئے، حبشی مرد اپنی عمارت  
 کے موافق نیزہ بازی اور بہادرانہ کرتب دکھانے لگے اُس وقت حضرت انسؓ کی عمر نو برس کی تھی وہ فرماتے ہیں  
 مجھے وہ دن خوب یاد ہے کہ آپؐ نور سے مدینہ کی درودیوار اس طرح روشن ہو گئی تھیں جس طرح آفتاب  
 کے طلوع ہوتے وقت زمین روشن ہو جاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو بالکل خاموش تھے اور  
 حضرت صدیقؓ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور چونکہ دونوں کا لباس یکساں تھا اس لئے ناواقف لوگوں  
 کو اشتباہ ہوتا تھا یہاں تک کہ بعض تو حضرت ابوبکرؓ ہی کو پیغمبر سمجھ لیکن حضرت صدیقؓ نے جب فرست  
 سے معلوم کیا اور کچھ دھوپ بھی آگئی تھی تو اپنی چادر اٹھا کر حضرت پر سایہ کو کے کھڑے ہو گئے جس سے سب کو  
 معلوم ہو گیا کہ یہ بادشاہ ہیں اور یہ ان کے وزیر غرض لیگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے حضرتؐ کی  
 زیارت اور بیعت سے انصار کا قبیلہ بالامال ہونے لگا۔ یہود کو انصار سے توحید تھا ہی رسول مقبول صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے بھی عداوت پیدا ہو گئی چنانچہ اہم المومنین حضرت صفیہؓ بنت حنیہؓ جو جنگ خیبر میں اسلام  
 لائی تھیں فرماتی ہیں کہ میرے باپ جیتی اور چچا یا سرداروں تو ریت کے عالم تھے اور دونوں کو مجھ سے  
 کمال محبت تھی جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تھے یہ دونوں  
 بھائی تمام دن لوگوں کے خیالات لیتے پھرے اور شام تک کے ماندے گھر آ پڑے اُس وقت میں



پاس گئی اور حال پوچھا تو دونوں نے نکان کے سبب شافی جواب نہ دیا۔ میں ایک جانب ہنسی میں چھپانے میرے باپ کے عربی زبان میں پوچھا کیا یہ وہی ہیں؟ میرے باپ نے جواب دیا کہ بیشک نہ کی قسم وہی ہیں۔ پھر چچا نے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ میرے باپ نے کہا کہ ”واللہ عداوت اور جدوجہد بھی زندہ رہوں گا عداوت سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ ایمان سے محروم رہے اور یوں ہی دنیا سے اٹھ کر ایک زمانہ وہ تھا کہ یہودیوں کا انصار سے کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو کہا کرتے تھے کہ چند روز صبر کرو اب نبی آخر الزماں پیدا ہونے والے ہیں ہم ان پر سب سے پہلے ایمان لادیں گے اور ان کے ساتھی ہو کر بیچ بھی باقی نہ چھوڑیں گے“ اور آج جب کہ وہ وقت آنکھوں سے نظر آیا تو معاملہ برعکس ہو گیا کہ کچھ انصار کے ہاتھ آئی اور یہود بجز چند نفوس کے سب محروم رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام اپنے مذہب کے بڑے عالم اور علماء میں مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ اپنے باغ میں اپنی پھوپھی خالدہ بنت الحارث کے ساتھ کاشت کے شغل میں مشغول تھے کہ حضرت قبا میں تشریف لانے کی خبر سنی تو بے اختیار نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھوپھی سے کہا کہ مبارک ہو وہ بیچہ جن کا مدت سے انتظار تھا۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہوئے اور سوال کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو میرے تین سوالات کا جواب دیجئے: اول یہ کہ جنت میں پہلی غذا کیا ہوگی؟ دوم یہ کہ قیامت کی اول نشانی کیا ہوگی اور سوم یہ کہ نوزائیدہ بچہ کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی باپ کے، سو اس کی وجہ کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ ”اہل جنت کی پہلی غذا اُس مچھلی کا جگر گوشہ ہے جس پر زمین قائم ہے اور قیامت کی اول علامت وہ آگ ہے جو ظاہر ہو کر لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک لی جائے گی اور جب باپ کا غالب ہوتا ہے تو بچہ میں مشابہت باپ سے ہوتی ہے اور ماں کا غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔“ یہ سن کر حضرت عبداللہ نے ایمان لانے میں تامل نہ کیا اور فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ جواب بجز نبی کے دوسرا نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد گھر آئے اور اہل خانہ کو مسلمان بنایا چنانچہ ان کی پھوپھی حضرت خالدہ بھی ایمان لائیں اور بڑی پختہ و ثابت قدم ثابت ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے بیعت کرنے کے بعد حضرت سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا اسلام ظاہر ہو گیا۔ قبل میری قوم سے میرا حال دریافت فرمائیے کہ وہ مجھ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں چنانچہ حضرت نے یہودیوں کو بلا کر فرمایا کہ ”اے گروہ یہود! تم خوب پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں مگر تمہاری عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اچھا بتاؤ کہ عبداللہ بن سلام کیسا شخص ہے اور اُس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ یہود نے کہا کہ وہ ہمارا سردار ہے، سردار کا بیٹا ہے، بڑا عالم ہے اور بڑے عالم



یہاں ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ”اگر وہ مجھ پر ایمان لے آئے تو یقین کرو گے؟“ یہود نے جواب دیا کہ  
 سن کا وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ تم پر کبھی ایمان لائیں۔ حضرت عبداللہ جو وہیں چھپے ہوئے تھے گفتگو  
 سن رہے تھے فوراً باہر نکل آئے اور کہا کہ: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا**  
**عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ**۔ اے گروہ یہود و اللہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر تورات  
 میں ہے۔ یہود پس منکر وہاں سے اٹھے اور کہا کہ عبداللہ شخص ہے بڑے کا بیٹا ہے، جاہل ہے اور  
 بڑے جاہل کا بیٹا ہے۔

اسی سال حضرت سلمانؓ اسلام لائے جو ملک فارس کے شہر آرم ہرمز کے باشندے اور اول مجوسی  
 المذہب تھے فطری ہدایت سے آگ کی پرستش اُن کی مکروہ معلوم ہوئی اور حق کے متلاشی رہتے تھے ان کا  
 باپ خشان نامی بڑا مالدار زمیندار تھا اور ان سے بہت محبت رکھتا اور زمینداری کا کام ان  
 کے حوالہ کر دیا تھا۔ ایک بار یہ اپنے کھیت پر جا رہے تھے کہ راہ میں گرتا ہے انجیل پڑھنے کی آواز  
 آئی اور اس سے مانوس ہو کر انھوں نے وہاں آمد و رفت شروع کی چونکہ سچے دین کی تلاش میں  
 سرگرداں پھرتے تھے آخر نصرانی ہوئے اور نا وقت مکان پر آنے لگے۔ باپ کو اس کی فکر ہوئی او  
 جب معلوم ہوا کہ سلمان نے مذہب تبدیل کر دیا تو بہت جھٹایا اور ان کے پاؤں میں بٹریاں،  
 ڈال کر قید کر دیا۔ حضرت سلمان موقع پا کر نکل کھڑے ہوئے اور قافلہ کے ساتھ ملک شام کا راستہ لیا  
 وہاں مدت تک ایک نصرانی عالم کی خدمت میں رہے اور جب اُس کا وقت اخیر قریب پہنچا تو اُس نے  
 سلمان کو وصیت کی کہ شہر موصل کے گرجا میں جو پادری رہتا ہے اُس کی صحبت سے فیض اٹھانا۔ آخر یہ  
 موصل آئے اور اس کے انتقال پر شہر نصیبین کے پادری کی خدمت کی اور اس کی وفات پر  
 شہر عموریہ میں اسقف کے پاس رہے اور جب اُس کا بھی انتقال ہونے لگا تو انھوں نے حسرت کے  
 ساتھ دریافت کیا کہ اب بتائیے کہاں جاؤں اور کس کے پاس زندگی گزاروں؟ اسقف نے جواب دیا  
 کہ اے طالب حق! میری نظر میں کوئی شخص نہیں جس کے پیرو تم کو گرجاؤں، بہتر ہے کہ اب ملک  
 عرب میں چلے جاؤ اور نبی آخر الزمان کے منتظر ہو جو جلد آنے والے اور ملت ابراہیمی کو روشن  
 کرنے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلمان اسقف کی وفات کے بعد ایک قافلہ کے ساتھ عرب کی طرف  
 روانہ ہو گئے مگر افسوس کہ رفقہ سفر نے اُن کے ساتھ خیانت کی اور اُن کو بیس و تنہا پکڑا اپنا غلام بنالیا  
 اسی طرح دس نفر سے زیادہ کے ہاتھ یکے بعد دیگرے فروخت ہوئے اور آخر وادی قری میں اہل  
 نامی یہودی کے زر خرید بنے مگر چونکہ متعدد علماء کی صحبت اور کتب مبنی سے معلوم کر چکے تھے کہ شریعت



آپ کی ہجرت کی جگہ ہے اس لئے مدینہ میں پہنچ جانے کو بسا غنیمت سمجھا چنانچہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور چار طرف اس کا چرچا ہوا تو عثمان یہودی نے کہا کہ خزرج کی قوم تباہ ہو انھیں کیا ہو گیا کہ ایک لڑکے پر جمع ہو کر اس کو نبی کہنے لگے۔ یہ کلمات سن کر حضرت سلمان اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کوئی چیز صدقہ کی صورت میں پیش کی۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ جو چیز صدقہ کا مال حرام ہے۔ اگلے دن سلمان پھر آئے اور کوئی چیز مدنیہ کی صورت میں پیش کی جس کو آپ نے قبول فرمایا۔ اس کے بعد انھوں نے پشت مبارک پر ٹھہر نبوت بھی دیکھی اور چونکہ علماء یہود و نصاریٰ سے یہی تین علامتیں سنے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صدقہ قبول نہ فرماویں گے اور مدنیہ لے لیں گے اور پشت پر ٹھہر نبوت ہوگی۔ اس لئے کلمہ شہادت پڑھا اور مشرّف باسلام ہوئے اس وقت ان کی عمر ڈھائی سو برس سے زیادہ تھی اور سب طلب دین حق پی میں گزری تھی چونکہ وہ پہلے کے غلام تھے اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آزادی کی فکر کرو اور عثمان کو کچھ دے دلا کر کیسے ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے عثمان سے اس کی درخواست کی اور عثمان نے چالیس اوقیہ سونے پر کہ یہاں کی تول سے کچھ اوپر سوا سیر ہوتا ہے ان کو مکاتیب بنا دیا اور یہ شرط بھی لگائی کہ تین سو درخت چھوارے کے لگاویں اور جب وہ بار آور ہوں تب آزاد ہو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ میں کہاں طاقت تھی کہ اتنی کثیر رقم جو اس وقت کے نرخ سے ڈھائی ہزار روپیہ ہوتی ہے ادا بھی کریں اور تین سو درختوں کی خدمت و کاشت کر کے ان کے بار آور ہوئے تک پھر غلام بنے رہیں مگر حق تعالیٰ کو گوارا نہ تھا کہ اپنے رسول کا غلام کسی یہودی کا غلام بنا رہے اس لئے جس سال حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے تین سو درخت اپنے دست مبارک سے لگائے وہ سب اسی سال بار آور ہو گئے اور مال غنیمت میں سے بقدر ایک بیضہ سونا آیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمایا کہ جاؤ اس کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ چونکہ یہ مقدار مقررہ کتابت سے بہت کم معلوم ہوتی تھی اس لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آزاد ہونے کو چالیس اوقیہ سونا چاہیے۔ یہ بیضہ کیا کفایت کریگا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک اس بیضہ پر پھیر دی اور دعائے برکت فرما کر پھر کہا کہ جاؤ اس کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ حضرت سلمان کہتے ہیں کہ یہ ارشاد سنکر میں عثمان کے پاس اس کو لے گیا اور وزن کیا تو پورا چالیس اوقیہ تھا نہ زیادہ نہ کم۔ عرض حضرت سلمان فارسی آزاد ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے یہی ہیں جن کی پشت پر ہاتھ رکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر دین تریا پر بھی ہوتا تو ان کی نسل میں سے



اسلام  
 شخص اُس کو وہاں بھی حاصل کرتا چنانچہ اس بشارت کے مصداق امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمۃ اللہ علیہ بنے جو اسی نسل میں ہیں۔ آپ وفات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بائیس سال حیات کے بعد خلافت عثمانؓ میں وصال فرمایا۔ **فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔

## باب ۳۶

### ابو امامہ کی وفات اور اذان کی مشرعویت

مسجد نبوی کی تعمیر پوری تھی کہ مسلمانانِ مدینہ کے سربراہ اور وہ صحابہؓ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے دفعۃً وفات پائی، ان کی کنیت ابو امامہ تھی اور اپنی قوم بنی نجار بنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انصیال کے نقیب اور سردار تھے۔ اچانک مرض میں اُن کے انتقال پانے سے سب کی کوھدمہ تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ یہود نے اس کو اسلام کی نحوست بتلایا اور نبوتِ محمدیہ پر یہ کہہ کر حملہ لیا کہ اگر محمد بن عبد اللہ سچے نبی ہوتے تو اُن کے رفیق و معتقد انصاری کو موت نہ آتی۔ کوئی قوم اور کوئی شخص خواہ کسی مذہب کا بھی ہو اپنے مذہب کی حقانیت کسی کے مرنے یا نہ مرنے پر نہیں رکھ سکتا۔ مگر انسان کی طبیعت جب دشمنی و نفرت بھر جاتی ہے تو خلافِ عقل بات کہنے میں بھی اس کو تامل نہیں ہوتا اور نبوت کے ماننے والے اہل کتاب کی آنکھیں بھی ایسی اندھی ہو جاتی ہیں کہ وہ نبوت کے مقاصد و اغراض اور ثمرات و نتائج سے غافل ہو کر کسی کا مرنا نبوت کے خلاف اور خوش حال و متمول ہونا نبوت کی علامت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طعن کو شن کر ضبط کیا اور مجر اس کے کچھ جواب نہ دیا کہ ”ہاں ابو امامہ کا مرنا یہود کے لئے تو مبارک نہیں ہوا کہ کلماتِ کفر اُن کی زبان سے نکلنے لگے اور میں تو ابو امامہ کو کیا اپنے نفس کو بھی وقت آجا پر موت سے نہیں بچا سکتا۔ ان کلمات سے آپؐ نے ظاہر فرما دیا کہ مرنے یا نہ مرنے کو نبوت کے حق و باطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ نبی کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے لئے یا اپنے معتقدین کے لئے دنیا میں دائمی زندگی لے کر آئے چنانچہ عقل اور تجربہ بھی اس پر گواہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی قوتِ قدسیہ نے جو درحقیقت آپؐ کی نبوتِ حقہ کی علامتِ قویہ تھی آپؐ کے صحابہؓ کو بھی اس سے مطلق متاثر نہ ہونے دیا اور بنی نجار نے بجائے اس کے کہ اس صدر سے مضمحل یا یہودی ملعن سے ضعیف الاعتقاد بنتے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ کو



معلوم ہے ابو امامہ کا ہم میں کیا رتبہ تھا اور وہ قوی چودھری بن کر باہمی نزاع کا فیصلہ کیا کرتے تھے اُن کے جان بحق تسلیم ہونے پر بجائے اس کے کہ ہم خود انتخاب کریں یوں چاہتے ہیں کہ ہمارا نقیب آپ منتخب فرما دیں تاکہ اُس کو اپنا سردار سمجھیں اور اس سے قومی معاملات کا تصفیہ کرایا کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں اس لئے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نقیب میں ہوں اور تمہاری جو خدمت ابو امامہ انجام دیا کرتے تھے آج سے میں انجام دوں گا۔ چنانچہ بنی نجار خوشی خوشی واپس ہو گئے اور ہمیشہ اس پر ناز کرتے رہے کہ ہر قوم کا نقیب اسی میں سے ایک ہوتا ہے اور ہمارے نقیب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے پر مسلمانوں کو چونکہ امن اور اطمینان کی جگہ مل گئی اس لئے ادھر ادھر ہجرت کر جانے والے صحابہ بھی اطلاع پا کر یہاں آنے لگے اور مذہبِ اسلام کو دن بدن مضبوطی و استحکام حاصل ہونے لگا۔ اس وقت مدینہ کے عام کنوئیں کھاری تھے صرف ایک بیرِ رومہ کا پانی شیریں تھا مگر اُس کا مالک ایک یہودی تھا جو پانی فروخت کرتا اور بلا قیمت کسی کو پانی بھرنے کی اجازت نہ دیتا تھا اس وجہ سے مسلمانوں کو ناوار و مفلس ہونے کی وجہ سے پانی کی سخت تکلیف تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیرِ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے ڈول اُس میں جاری کر دے اُس کے لئے جنت ہے۔ یہ نعمت چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھی اس لئے انھوں نے خاص اپنے مال سے بیرِ رومہ کو خریدنا اور وقف کر دیا کہ جس کا جی چاہے پانی بھرے فَجَزَاكَ اللَّهُ عَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِينَ خَيْرَ الْجَزَاءِ جن ایام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے بخاری و بارِ مدینہ میں پھیلی ہوئی تھی اور بہت کم لوگ مرض سے محفوظ تھے نو وارد مسلمانوں یعنی ہاجرین کے لئے یہ بھی ایک بڑا امتحان تھا کہ کافروں کی دست درازی سے بچ کر یہاں آئے تو بخاری کی تکلیفوں میں مبتلا ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بخار سے بالکل محفوظ رہے۔ باقی کم و بیش اکثر صحابہؓ مبتلا ہوئے اور ایسا شدید بخار چڑھا کہ بڑیاں ہو ہو جاتا اور بدقت مسجد میں آتے بھی تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متاسف ہوئے اور دُعا کی کہ ”بارِ الہا! اپنی فرماں بردار جماعت کو دل برداشتہ مت بناتو۔“ مدینہ کی محبت ان کے دلوں میں تکر سے زیادہ پیدا کر دے۔ یہاں کے مہر اور صنّاع میں برکت عطا فرما اور وبارِ کائنات تجھ کی جانب پھیر دے۔“ چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور مدینہ ہر قسم کی



پاک صاف ہو کر ہاجرین کا گویا محبوب و مالوف بن گیا۔  
 ہجرت کے قبل نماز پنجگانہ میں ظہر و عصر و عشاء کی دو دو رکعتیں فرض تھیں اسی سال ہجرت کے ایک ماہ  
 دو گامانی نمازیں وطن میں قیام کے وقت چار چار رکعتیں ہوتیں اور حالت سفر میں بدستور دو رکعتی  
 نماز کے لئے ایک وقت میں سارے مسلمانوں کے یکجا جمع ہونے کی صورت زیر تجویز تھی کہ کیا ہو  
 لئے صحابہؓ محض اٹکل اور تمہینہ سے مجتمع ہونے کی کوشش کرتے اور وقت پر مسجد میں حاضر ہوتے  
 مگر بھی سب کا تمہین موافق نہ ہوتا اور بعض حضرات رہ جاتے تھے اس لئے راتے ہوئی کہ نماز  
 وقت بگل بجایا جائے کہ اس کی آواز سن کر سب آجایا کریں مگر نصاریٰ کی مشابہت ہونے کے سبب  
 اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صورت پسند نہ آئی۔ بعض کی راتے ہوئی کہ نماز کے وقت  
 بجگہ پر آگ مسکا دی جایا کرے جس سے سب کو خبر ہو جائے کہ جماعت تیار ہے مگر اس میں بھی  
 بن کی مشابہت تھی اس لئے گوارا نہ ہوئی۔ بعض کی راتے ہوئی کہ سنکھ کی شکل پر بوق بتوا  
 جائے کہ اس کی آواز سن کر نمازی اکٹھے ہو جایا کریں مگر بوق کا رواج یہود میں تھا۔ اس لئے  
 اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی خوش نہ آیا۔ صحابہؓ اسی تجویز اور خیال میں تھے کہ  
 حضرت عبداللہ بن زید کو خواب میں ان کلمات کی تعلیم دی گئی جو اب تک اذان میں پکائے  
 آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 اب میں دیکھا کہ دو سبز کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص جا رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے  
 وہ نماز کی اطلاع کے لئے زیر تجویز مسئلہ کا مجھے خیال تھا اس لئے میں نے اس سے دریافت کیا کہ  
 لیا ناقوس بیچنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ اس کی آواز سے لوگوں کو نماز  
 کی طرف بلائیں گے۔ یہ سن کر اس شخص نے مجھ سے کہا کہ اے عبداللہ کہو تو اس سے بہتر صورت بتاؤ  
 جس سے نماز کی اطلاع عام ہو جائے اور اس کے بعد یہ کلمات کہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خواب سچی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ  
 اور ان کو یہ کلمات تلقین کرو کہ تم بتاتے جاؤ اور وہ اذان دیں کیونکہ ان کی آواز بلند ہے  
 اور دوڑ تک پہنچ سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بلائے گئے اور انہوں نے حضرت عبداللہ  
 کی تعلیم پر آواز بلند اذان دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اذان سنی تو جوش مسرت میں  
 چادر کھینٹتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھ کو خواب میں یہی کلمات  
 تعلیم ہوئے تھے مگر لحاظ سے عرض نہ کر سکا۔



## باب ۳

### نبوی سیاست اور جہاد کی اجازت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی کرتا دیکھا۔ ان کو مذہبی معاملات میں آزاد بنایا اور کسی قسم کی دست اندازی گوارا نہیں فرمائی بلکہ ان کو ایک تحریری سند بھی عطا فرمائی جس نے ثابت کر دیا کہ انسانی حقوق کی بھی حفاظت نبی سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر یہودیوں نے آپ کی قدر نہ جانی اور دشمنی سے باز نہ آئے۔ سند کے مضمون یہ بھی تھا کہ جو یہودی ہم مسلمانوں کا شریک سال رہے گا وہ کل مصیبتوں اور ذلتوں سے محفوظ رکھا جائے گا اُس کے حقوق مسلمانوں کے حقوق کی برابر ہوں گے۔ یہ لوگ اپنے مذہبی مسلمانوں کی طرح آزادی سے رہیں اور جو لوگ ان سند یافتہ یہودیوں کے مددگار ہوں یا ان کی پناہ اور حفاظت میں آئیں ان کو بھی بلا فرق اسی طرح کے حقوق حاصل ہوں گے البتہ مجرم و قصور وار جو کوئی بھی ہو ضرور سزا پائے گا۔ مدینہ کے یہودیوں کو چاہئے کہ وہ شہر مدینہ کی فسطح میں مسلمانوں کے شریک حال ہوں، اس شہر کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں ہماری مدد کریں اور مجرم کیسا ہی عزیز و رشتہ دار کیوں نہ ہو اُس کا کوئی پشت و پناہ نہ ہو گا اور تمام وہ لوگ جو اس سند کو قبول کرتے ہیں اپنے تمام مقدمات فیصلہ کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں گے اور آپ ان جھگڑوں کو طے کیا کریں گے۔

اطراف مدینہ کے یہودی یعنی بنی نضیر اور بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے ان تمام دفعات کو منظور کیا مگر ظاہر داری اور ادب پر دل سے اُن کے دلوں میں جھپٹی ہوئی عداوت موقع بموقع ظاہر ہوتی رہتی اور اپنا رنگ دکھاتی رہی یہاں تک کہ سلمہائے آئندہ میں ان سے قتال و محاصرہ اور مصالحت و جلا وطنی کے وہ معاملات پیش آئے جن کے حالات آئندہ مذکور ہوں گے۔

مسلمانوں کو یہودیوں کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ سے بھی ہر وقت اندیشہ تھا کیونکہ عبداللہ بن ابی جو ایک زمانے میں بادشاہ ہونے کی کوشش کرتا تھا اور اُس کے ساتھی بُت پرستوں کے ساتھ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے درپے تھے، مسلمانوں کے مارا بنے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے محض اس وجہ سے اسلام قبول کر لیا تھا کہ اپنی قوم کے چوٹے بڑوں کو



اسلام ہی کی طرف متوجہ پاتے تھے اس لئے ان کو نہ چھوڑ سکتے تھے پس مسجد نبوی میں آتے  
 دلوں میں شریک ہونے اور بڑے چڑھ کر بہت کچھ باتیں بنایا کرتے تھے لیکن ان کے دلوں میں ایمان کا  
 اثر نہ تھا خفیہ طور پر یہودیوں سے میل جول رکھتے ان کی تعلیم سے وحشی لیتے اور تکذیب و استہزاء  
 ان کے شاگرد و متبع بن کر کفار قریش کے ساتھ برابر خط و کتابت رکھتے اور ان کو مسلمانوں کی  
 آگاہ کرتے رہتے تھے اور یہی حالت زیادہ خوفناک تھی کیونکہ چھپی ہوئی مخالفت مسلمانوں  
 دوست نما دشمنوں کے دھوکوں سے بچنا مشکل کر دیتا تھا۔ اس فرقہ کو منافقین کہتے ہیں۔

کفار قریش سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ اور امن کی جگہ پہنچا ہوا دیکھ کر کھلتے اور اپنی بے بسی پر  
 لاجلاً اٹھتے تھے۔ مدینہ میں منافقوں کا جو انصار کے ہم قوم تھے مخالف اسلام ہونا ان کو بے غنیمت  
 معلوم ہوا اس لئے ان سے میل جول بڑھانے کی تدبیریں کیں اور مراسلت و خط و کتابت کا سلسلہ شروع  
 لیا اہل مکہ کو اس خفیہ خط و کتابت سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے صرف ظاہری طور پر  
 صلحت کر رکھی ہے اگر ہم مدینہ پر حملہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہمارے شریک حال ہوں گے اس لئے  
 کی ہمت اور بندہ گئی اور انھوں نے اپنے دلوں میں یہ منصوبہ باندھ لیا کہ مسلمانوں کی جڑ بنیاد کا  
 پھینکنا کچھ مشکل نہیں ہے اب ان کو پیش قدمی کرنے میں صرف اس کا انتظار تھا کہ مکہ کا کارواں جو  
 مکہ لائے کو ملک شام گیا ہوا ہے بالہمینان واپس آجائے تو اپنا ساز و سامان درست کریں ورنہ ایسا نہ ہو  
 مسلمان راستہ میں اس کو لوٹ لیں اور شام کی آمد و رفت بند ہو جانے سے ہم کو نقصان سخت پہنچے مگر  
 حق تعالیٰ شانہ جو دلوں کے اسرار سے واقف اور ہر کام کے انجام سے آگاہ ہے مسلمانوں کا حامی او  
 اپنے سچے مذہب کا محافظ تھا اس لئے اس سے قبل کہ اہل مکہ اپنا خیال پورا کریں مسلمانوں کو جہاد کی  
 اجازت دی گئی اور حکم نازل ہو گیا کہ ایذا رساں قوم سے لڑنا جائز اور ان سے چھینا ہوا مال مال  
 غنیمت ہے جس کے استعمال کی مسلمانوں کو اجازت ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مخالفین اسلام جن کو  
 نبوت محمدیہ انکار ہے اس کے ضرور معترف ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہانت میں سب سے زیادہ دانا  
 اور عقلمند شخص تھے چنانچہ اس مسئلہ جہاد کو یوں کہتے ہیں کہ آپ نے دور اندیشی اور پیش بینی کو کام فرمایا او  
 مناسب سمجھا کہ ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ مسلمانوں پر کوئی آفت نہ آئے کیونکہ آپ صرف واعظ ہی نہ تھے  
 بلکہ اہل مدینہ کی جان و مال کے محافظ بھی تھے اور آپ کو گوارا نہ تھا کہ مدینہ کے باشندے تباہ ہوں  
 اس لئے آپ نے اپنی جماعت کو جہاد کی اجازت دی اور حکم فرمایا کہ دشمنوں کو حملہ کرنے سے پہلے ہی  
 روکیں غرض مسلمانوں کے عقیدے کے موافق آپ دنیا بھر میں سب سے زیادہ عقیل و مدبر بھی تھے



اور نبی بھی تھے اور آپ کی عقل و ذہانت کا کمال یہی تھا کہ کوئی کام بلا اجازت خداوندی نہ کرتے اور مخالفین کے نزدیک کمال عقل مسلم ہے آپ یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ آپ کو اس عقل و فہم سے کمانی مقصود تھی یا مذہب حق کو فروغ دے کر حق تعالیٰ کی اطاعت سے زمین کو منور بنانا مقصود تھا سو اس کو نتائج و ثمرات پر نظر ڈال کر ادنیٰ عاقل بھی سمجھ سکتا ہے کہ محض دنیا پر حکومت کرنا اور ممالک مقبوضہ کا رقبہ بڑھانے میں عقل صرف کرنے والوں کے یہ حالات نہیں ہوتے بہر حال مسلمانوں کے تھوڑے تھوڑے سپاہیوں کو مستعدا شناس کا ماتحت بنا کر ادھر ادھر روانہ فرمایا تاکہ یہ لوگ جہاں کہیں مخالف جماعتوں سے ملین رجز کے اشعار پڑھیں اور اللہ کی نافرمان جماعتوں کو زور گھٹائیں، ایسے لشکر کو عربی زبان میں سیرت کہتے ہیں اور جس جہاد میں جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ سرایت تقریباً سینتالیس اور غزوات کی اہل سیر کے نزدیک یوں تو تین ہے مگر وہ غزوات جن میں جنگ ہوئی صرف نو ہیں جن کا ذکر اپنے موقع پر بدیہ ناظرین ہوگا۔

ہجرت کے ساتویں مہینے ماہ رمضان میں اپنے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تنسلیا حاجا کا سپہ سالار بنا کر اور دست مبارک سے سفید لوار ان کو عطا فرما کر سیف البحر کی جانب روانہ فرمایا کہ سے آنے والے قریشی قافلہ سے تعرض کریں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پہنچے اور ابو جہل سے چار تین سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ ادھر سے گزرتا تھا مزاحم ہوئے۔ فریقین آمادہ جنگ ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے اور لشکروں کی صف بندی بھی ہو گئی مگر لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ محمدی ابن عربی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا درمیان میں پڑ کر صلح کرادی اور ہر فریق اپنے راستہ پر واپس ہو گیا۔ اس دن لوار بردار حضرت ابو مرثد غنوی تھے۔ پھر ماہ شوال میں اپنے حضرت عبیدہ بن حارثہ کو نساٹھ ہاجرین پر افسر بنا کر رافع کی جانب اُس بڑی جماعت پر حملہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا جس کا سردار ابوسفیان تھا۔ حضرت عبیدہؓ بحکم نبوی روانہ ہوئے اور حجۃ سے دس میل کے فاصلہ پر وادی مرقہ کی تلہٹی میں قریشی گروہ کو جا پکڑا لڑائی یہاں بھی نہیں ہوئی البتہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کافروں کی جانب ایک تیر پھینکا اور یہی پہلا تیر تھا جو اسلام کی جانب سے کافروں کی جانب پھینکا گیا۔ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھے۔ اس روز لوار بردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ لوار چھوٹے نشان کو کہتے ہیں اور رابیہ بڑے نشان کو۔ اکثر لڑائی میں رابیہ بزرگ سیاہ اور لوار سفید ہوتا تھا اور پھر یہ پر لا الہ الا



عَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَهَا هَوَاتَهَا۔

اس کے بعد ذیقعدہ کے چہینے میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نہیں ہاجرین کے ساتھ خرارہ کی ایک جو ایک موضع ہے جحفہ کے قریب روانہ کئے گئے کہ قافلہ قریش سے تعرض کریں، مگر ان کو روک دی گئی تھی کہ خرارہ سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ یہ حضرات دنوں چھپتے اور راتوں چلتے قافلہ کے شانہ بٹے قدم پر بڑھے جاتے تھے یہاں تک کہ جس وقت موضع خرارہ پر پہنچے ہیں تو پتہ لگا کہ قافلہ ات ہی یہاں سے کوچ کیا ہے اور چونکہ یہاں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی اس لئے حضرت زید بنہ منورہ واپس ہوئے۔ ہجرت کے گیارہ چہینے بعد ماہ صفر کی دوسری تاریخ کو مدینہ پر حضرت زید بن عبادہ کو والی بنا کر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف شاٹھ ہاجرین کے ساتھ قافلہ سے تعرض کرنے کے لئے مقام ابوارہ کی جانب روانہ ہوئے جو مدینہ اور مکہ کے درمیان اور گودوان مقام پر مخالفوں کا آسنا سامنا بھی ہوا مگر لڑائی نہیں ہوئی اور سولہویں دن وہیں واپس تشریف لے آئے۔ البتہ مختش بن عمر سے جو اپنی قوم بنی ضمرہ کا سردار تھا۔ اس ہون کا تحریری معاہدہ ہو گیا کہ نہ ایک دوسرے پر حملہ کرے گا اور نہ دشمن کا ساتھ دے گا اور دشمن کو کسی قسم کی مدد پہنچائے گا۔

۳۸- سنہ ۵ھ

## غزوات و سرایات

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا اور ماہ ربیع الاول میں سعد بن معاذ کو مدینہ پر حاکم بنا کر بول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو صحابہؓ کے ساتھ اس قافلہ سے تعرض کا قصد فرمایا جس میں ثلث قریشی جماعت کے ساتھ ڈھائی ہزار آدمیوں کی قطار لئے ہوئے وہ اُمیہ بن خلفؓ بھی تھا جو مکہ کے کار آمد سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ بواط پر کہ شام کے راستہ پر ناحیہ رضوی میں جہنیہ کی پہاڑیوں سے ایک پہاڑ کا نام ہے، اسلامی لشکر پہنچ کر واپس آیا اور جنگ کی نوبت نہیں آئی کیونکہ مقابل بلا نہیں۔ اس غزوہ میں آپ کی لوہا ابیمن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اٹھائے ہوئے تھے۔

ہر چند کہ مدینہ کی حفاظت کے متعلق مناسب انتظام کر دیا گیا تھا مگر بد واپنی شرارت



۱۱۱  
سے باز نہ آتے تھے چنانچہ اسی ماہ ربیع الاول میں ایسے وقت جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر سے واپس ہوتے دن دن بھی نہ ہوتے تھے، کرز بن جابر فہری نے موقع پا کر ان موش پر حملہ کیا جو باغات کے ارد گرد چرنے کو شہر سے باہر آ جاتے تھے اور ان کو پکڑ کر لے گیا۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو مدینہ کا خلیفہ بنا کر اس کا تعاقب کیا مگر بھاگا ہو ہاتھ نہ لگا اور مسلمانوں کو سفوآن مقام سے کہ بدر کے اطراف میں ہے واپس ہونا پڑا اس سے اسلامی لوہار بردار حضرت علی رضی بن ابی طالب تھے۔

ماہِ جمادی الاولیٰ میں آپ کو عین اُس وقت جب کہ اہل مکہ کا تجارتی قافلہ ملکِ شام جا  
مکہ سے باہر نکلا۔ آپ کو اطلاع ملی کہ قافلہ مکہ سے باہر نکل گیا تب آپ نے ابوسلمہ بن عبد اللہ بن عمرو  
مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور مسلمانوں کو اختیار دیا کہ جس کا جی چاہے چلے اور جس کا جی نہ  
نہ چلے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو اور بروایت دوسو ہاجرین آپ کے ساتھ ہوئے اور حمزہ بن عبد المطلب  
آپ کی لوارِ ابیض اٹھائی۔ اس غزوہ میں کل تین اونٹ ہمراہ تھے جن پر دوسو صحابہ یکے  
پر چڑھتے اترتے سالارِ قافلہ کی ہم رکابی میں مدینہ سے نکل کر شام کے راستہ پر پہنچ کے قریب عیشہ  
پر پہنچے جو بنی مدلج سے آباد تھا۔ چونکہ یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ تجارتی قافلہ چند روز ہوئے یہاں  
گزر چکا اس لئے آپ نے سفر ختم فرمایا اور یقیہ جمادی الاولیٰ اور شروع جمادی الثانیہ یہاں  
فرمایا۔ ان ایام میں آپ نے بنی مدلج اور ان کی ہم ہمد قوم بنی ضمرہ سے مصالحت فرمائی اور  
کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

یہی قافلہ جس کے مکہ سے جاتے وقت عشیرہ کا سفر پیش آیا چونکہ وہی قافلہ ہے جس کی شہر واپسی کی اطلاع پر آپ نے دوبارہ ان کو پکڑنے کے لئے بدر کا سفر فرمایا اور وہ غزوہ بدر سبب ہو گیا۔ اس لئے غزوہ عشیرہ کو بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

جبکہ جہینے میں آئے حضرت عبداللہ بن جحش کو بطن نخلہ کی طرف روانہ فرمایا اور ایک  
ملغوف فرما کر ان کے حوالے کی کہ داودن کی مسافت طے کرنے سے قبل اس کو کھول کر نہ دیکھو  
چنانچہ حضرت عبداللہ چند اونٹ اور بارہ مہاجرین کو ساتھ لے کر کہ داودن فرمہوار ایک آٹ  
پر سوار ہوتے تھے مدینہ سے باہر نکلے اور داودن سفر کرنے کے بعد والانامہ کھول کر دیکھا تو اس  
میں تحریر تھا کہ "جب تم میرے اس خط کو دیکھو تو آگے بڑھے چلے جاؤ یہاں تک کہ طائف و مکہ کے مابین  
نخلہ پہنچ کر ٹھہرو اور قریشی قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں ہم تک پہنچاؤ" حضرت عبداللہ



کے مضمون سے اپنے لوگوں کو آگاہ کیا اور سب حضرات ارشادِ نبویؐ کو سرا انکھوں پر رکھ کر  
کے لئے ہوئے۔

راستہ میں وہ اونٹ جس پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عتبہ بن غزوہؓ باری باری سوار  
تھے گم ہو گیا اور یہ دونوں حضرات اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبداللہؓ اپنے دین  
میں کوئلے ہوئے آگے بڑھے اور نخلہ مقام میں جا اترے۔ اچھی طرح آرام بھی نہ کرنے پائے تھے  
ب کا آخری دن تھا کہ ایک مختصر قریشی قافلہ کا جو شمش وغیرہ تجارتی سامان لئے ہوئے آ رہا تھا  
لذ رہوا۔ مسلمانوں میں مشورہ ہوا کیا کرنا چاہئے۔ دشواری یہ تھی کہ اگر لڑتے ہیں تو رجب کی  
مہینہ کا جو ماہ حرام تھا اور اس میں جنگ و جدال ممنوع تھا۔ تاکہ لازم آتا ہے اور سکوت کرنے  
و قافلہ نکل جاتا ہے کیونکہ آگے حرم ہے جس میں داخل ہوتے ہی وہ امن میں آ جادیں گے کچھ  
بدل کے بعد آخر سب کی یہی رائے ہوئی کہ مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے تیر  
کا گیا اور اتفاق سے عمر بن حزمی کو جالکا اور وہ مر گیا۔ عثمان و حکم قید کر لئے گئے البتہ نوفل بھال  
ور جان بچا کر لے گیا۔ غرض حضرت عبداللہؓ مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مدینہ آئے اور سارا واقعہ  
رسالت میں عرض کیا۔ حضرت عبداللہؓ کا یہ قتال ماہِ رجب میں واقع ہونے کے سبب حضرت  
ن پسند نہ آیا مگر ضرورت ہی ایسی پیش آگئی تھی کہ مسلمان معذور تھے۔ حضرت کو اس جرأت کے  
سیت ہونے کا فکر و ملال تھا ہی کہ اہل مکہ کو طعن کا موقع مل گیا اور انہوں نے شور مچانا  
برع کیا کہ محمدؐ ماہِ ہائے محرم کی حرمت اٹھائے دیتے اور بزرگ ہمنیوں میں جنگ و جدال کھج  
فیتے ہیں۔ اس وقت آیت یسئلونک عن الشهر الحرام الخ نازل ہوئی اور مطلق کیا گیا کہ مانا اس  
نہ میں جنگ کرنا برا ہے مگر کافر جس بد راہی میں پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے سدا راہ بنتے اور  
و شرک کر کے مسجدِ حرام تک لوگوں کا آنا پسند نہیں کرتے یہ ہتک ماہِ حرام سے بدرجہا زیادہ سخت ہے  
ونکہ ہتک حرمت کی تلافی تو یہ بھی ممکن ہے مگر کافروں کا علاج بغیر ان کے مارے اور ذلیل کئے  
سری طرح نہیں ہو سکتا اس لئے مسلمانوں کو اس حرکت سے رنجیدہ اور بد دل نہ ہونا چاہئے اور  
فروں کو دوسرے کے درو سے نظر ہٹا کر اپنے پیغمبر اور طاعون کے مرض کی فکر کرنی چاہئے۔ اس  
بعد وحی کے ذریعہ سے ان ہمنیوں میں بھی کافروں سے جنگ کی ممانعت اٹھادی گئی۔ غرض حضرت  
بداللہؓ کا لایا ہوا مال غنیمت جو اسلام میں پہلی غنیمت تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول  
را کر خمس نکالا اور باقی ماندہ مجاہدین پر حصہ رسد بانٹ دیا۔



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لائے پر نماز میں قبلہ بیت المقدس گیا تھا اس لئے تمام مسلمان اسی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے اور اسی رخ مساجد تعمیر کرتے تھے کی دلی خواہش یہی تھی کہ آپ کا قبلہ وہی ملک ابراہیمی کا قبلہ یعنی بیت اللہ قرار پائے اور اس میں بار بار آسمان کی جانب دیکھتے تھے کہ کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو چنانچہ نصف شعبان قبلہ بدل دیا گیا اور اب آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے قبلہ کی تبدیلی بھی درحقیقت مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش تھی کیونکہ یہود کا خصوصیت کے ساتھ یہ طعنہ بڑھ گیا تھا کہ محمد کو اپنے میں ابھی خود تذبذب ہے کہیں کوئی قبلہ تجویز کرتے ہیں اور کہیں کوئی۔ مگر الحمد للہ مسلمان کہ جن کو سنی اتباع اور اطاعت نبی میں لذت آتی تھی ثابت قدم رہے اور عین نماز کی حالت میں جب ان کو اطلاع ملی کہ حضرت پر تحویل قبلہ کی وحی نازل ہو چکی تو اسی وقت اپنے منہ کعبہ کی طرف پھرنے اور باقی رکعات اسی رخ پر پوری کیں۔

اس کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت نازل ہوئی کہ صاحب نصاب مسلمان اپنے نفقہ و موائش کا حصہ نکال کر فقراء و مساکین پر تقسیم کریں اور آخر شعبان میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی اور عاشورہ کا روزہ جو پہلے فرض تھا منسوخ ہو کر محض سنت رہ گیا کہ جو شخص وہ اجر عظیم پائے گا اور نہ رکھے گا تو کچھ گناہ نہیں۔

اس درمیان میں قریشی اپنی فوج کے جمع کرنے میں سرگرم رہے اور اب اس کارروائی واپسی کا وقت بھی قریب آہینچا جس کا قریش کو انتظار تھا اور اسی پر فیصلہ کر دینے والی لڑائی ملتوی تھی یہ ایک ہزار اونٹوں کا مال سے لدا ہوا کاررواں ابوسفیان بن عرب کی سرکاری وجہ میں ملک شام سے مکہ کو واپس آ رہا تھا مسلمان چاہتے تھے کہ ہمارے ہاتھ آئے اور اپنی مدینہ میں رائے سے متفق تھے۔ چنانچہ رمضان کے مبارک مہینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیل کی اطلاع پائی تو منادی کرادی اور اہتمام فرمایا کہ مسلمانوں کی پوری جمعیت حملہ کیا جائے مگر وقت تنگ تھا عجلت کی ضرورت تھی اس لئے فوری حالت میں صرف پورے تین سو تیرہ مسلمان آپ کے ساتھ ہوئے جس میں صرف زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کے پاس دو گھوڑے تھے، سارے لشکر میں ستر اونٹ تھے جن پر دو دو اور تین تین مسلمان باری باری سوار ہو جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن کثوم کو پیش نماز اور مدینہ پر خلیفہ بنا کر، لوہار مصعب بن عمیر کے حوالے کی، مہاجرین کا نشان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور انصار کا نشان حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر کوچ



یہ دو حار مقام پر پہنچ کر ابوالباقین عبد المنذر کو واپس کیا اور سبائے حضرت عبداللہ کے ان کو مدینہ کا منتظم  
 اصغر کے قریب پہنچ کر بستیں بن عمر جہنی اور عدی بن زعبار کو بدر کی طرف کہ مدینہ کے قریب شام کے  
 شہر پر ایک گاؤں ہے ابوسفیان اور اس کے تجارتی قافلہ کی خبر لانے کو روانہ کیا اور آپ آگے بڑھے  
 اچانک آپ ذفران وادی میں پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مکہ سے قریش کا بڑا گروہ اپنے قافلہ کی  
 کے لئے روانہ ہو لیا ہے اور ابوسفیان سے تعین کرنے کے لئے ایک ہولناک جنگ کا سامنا کرنا پڑے  
 چنانچہ اپنے صحابہ سے مشورہ کیا اور سب سے قبل ابوبکر و عمر و مقداد نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ جو  
 نے عالی ہو عمل فرماویں، ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

ذفران سے چل کر اضا فر اور دیتے ہوئے آپ بدر کے متصل قیام فرمایا اور حضرت علی و زبیر  
 سعد بن ابی وقاص رض وغیرہ کو بدر کے کنوئیں پر بستیں میں روانہ فرمایا کہ آنے والے لشکر اور قافلہ  
 وہاں پتہ چلے گا۔ یہ حضرات کنوئیں پر پہنچے تو قریش کے دو غلام اسماء اور ابوسار ان کو نظر پڑ گئے او  
 ان کو کد کر بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ انھوں نے صاف صاف پتہ دیدیا کہ فلاں فلاں سرداران  
 میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں اور بدر سے پرے بڑے ٹیلے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔  
 ادھر بستیں و عدی قافلہ کی ٹوہ میں کنوئیں پر پہنچے اور پتہ لائے کہ کل یا برسوں ابوسفیان یہاں پہنچ  
 گا چنانچہ اس کی اطلاع بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی اور آپ جنگ کی تمنا میں  
 صحابہ سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ لو صاحبو! مکہ نے چھانٹ چھانٹ کر اپنے جگر گوشوں کو  
 تمہاری طرف بھیج دیا۔

ابوسفیان ایک جہاندیدہ اور زیرک شخص تھا۔ ادھر پیش بندی کے طور پر مکہ میں اطلاع بھیج دی تھی  
 اور ادھر تجارتی قافلہ سے آگے منزل پر خود پہنچ کر خبر لے لیتا تھا کہ مسلمان کہاں ہیں۔ چنانچہ مسلمان  
 جاسوسوں کے جاتے ہی ابوسفیان کنوئیں پر پہنچا اور اونٹ کی مینگنیاں دیکھ کر معلوم کر لیا کہ اس  
 میں مدنی کھجوروں کی گھٹلیوں کا اثر ہے اور محمد ضرور یہاں تک پہنچ لئے ہیں اس لئے اٹھ پاول  
 لٹا اور قافلہ کا رخ دوسرے راستہ پر پھیر دیا۔ ابوسفیان کو چونکہ خبر مل چکی تھی کہ کاروان کو لوٹنے کے لئے  
 مدینہ سے مسلمان چل دیئے ہیں اس لئے اس نے قبیلہ غفار کے ایک شخص ضمضم بن عمرو نامی کو معقول  
 اجرت دے کر مکہ بھیج دیا تھا جس نے شہر میں پہنچ کر اپنے کپڑے بھاڑ لئے اور اونٹ کی ناک کاٹ دی اور نہایت  
 خوفناک آواز سے چیخا کہ اے مکہ والو! تمہارا کاروان لٹ گیا اور تمہارے بھرپور قافلہ کو عہد لئے الیا۔ چلو  
 جلدی کرو اور کاروان کی مدد کو وقت پر پہنچو۔ اس آواز سے مکہ میں کل چل گئی اور سرداران قریش کی



آنکھوں میں خون اتر آیا کیونکہ ان کی برسوں کی اُمیدوں پر پانی پھرا چاہتا تھا اور ابھی دو ماہ نہیں گئے تھے کہ عمر حضرت ابراہیمؑ کے مال و اسباب کا ہاتھ دھو چکے تھے اس کا صدمہ ہنوز تازہ تھا بس ابو جہل اٹھا اور جوش و لاڈ لاکر قریش کے ہر قبیلہ کا سردار ساتھ لیا یہاں تک کہ سارے نوسو سواروں کی جمعیت فراہم کی جو ہتھیار بند زرہ بکتر، تیروکمان، نیزہ، تلوار، غرض جملہ سامان جنگ اور آلات حرب کے آراستہ سات سو اونٹ لئے اور نہایت کڑو فر کے ساتھ اپنے غرور کی مستانہ چال چلا سوا گھوڑوں کی جلو میں خود سردار لشکر بن کر سوار ہوا اور گانے والی عورتیں، طبلیچی، ڈھول، بانسری غرض پورے ساز و ساز و طرب اور عیش و عشرت کے لذت لیتا۔ جوشیلے اور تنگبر اندہ اشعار پڑھتا ہوا مکہ سے باہر نکلا۔

ابوسفیان عام راستہ کتر کر دوسری راہ سے قافلہ کو لے کر صحیح و سالم نکال لے گیا اور ابو جہل کے پاس جوا بھی راستہ ہی میں تھا قاصد بھیج دیا کہ کارواں کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اس لئے تم واپس چلے آؤ۔ لشکر کفار نے قافلہ کے بچ نکلنے کی اطلاع پا کر چاہا بھی کہ مکہ واپس ہو جائیں لیکن چونکہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ اسلام کو عزت حاصل ہو اور کافر ذلیل و خوار ہوں اور اس لئے یہی مقام اور وقت مقرر ہوا تھا اس لئے ابو جہل نہ مانا اور کہا کہ ”اب توجب تک بدر کے چشمہ پر ڈیرہ ڈال کر تین دن ناچ رنگ کے بھاری جلسے اپنا دل خوش نہ کر لوں اُس وقت تک باز نہ آؤں گا۔“ اُس کی یہ ضد دیکھ کر احنس بن شریق وہاں سے چل دیا اور بنی زہرہ بھی اُس کے پیچھے ہو لئے چنانچہ نتیجہ جنگ کے بعد بنی زہرہ نے احنس کی دُور بینی پر داد دی اور ہمیشہ اس کو اپنا مخدوم و خیر خواہ سمجھتے رہے بنی ہاشم کی رائے بھی یہی تھی کہ مکہ واپس ہونا چاہیے مگر ابو جہل نے ڈانٹا اور کہا کہ ”اگر ہم چلے بھی گئے تو آج نہیں کل بہر حال مسلمانوں سے ایذا ضرور پہنچے گی، اس لئے ان کا علاج ہی کر دینا بہتر ہے۔“ غرض چونکہ ابو جہل اپنے خیال میں فتح کی کامل اُمید رکھتا اور اس غرہ میں تھا کہ بدر کی راگ رلیاں آئندہ کے لئے یادگار ہو کر سارے عرب کے دلوں میں ہماری ہیبت بٹھا دیں گی، اس لئے اپنی جماعت کو عیش و طرب کی چاشنی پر لگائے ہوئے سیدھے چلا گیا اس کو کیا خبر تھی کہ خدا کو اور ہی کچھ منظور ہے اور یہ کشش خاک گوری کشش ہے جو بدر کی طرف کھینچے لئے چلی جاتی ہے۔

اسلامی لشکر کو مدینہ سے چلتے وقت چونکہ اس بڑی جماعت کے جنگ کا وسوسہ بھی نہ تھا اور تجارتی قافلہ سے تعرض کے لئے عجلت میں نکل کھڑے ہوئے تھے اس لئے ستر تھاجرین اور دو سو چھتیس انصار کے ساتھ کل ستر اونٹ، دو گھوڑے آٹھ تلواریں اور چھ زرہ تھیں گویا غنیم کی فوج تھ چاند سے بھی زیادہ تھی مگر چونکہ خدا ان کا حامی تھا اس لئے فتح ان کے قدم چومنے کو حاضر تھی خلاف گمان جب



کی صورت پیش آتی ہے تو خیالات ضرور مختلف ہوتے ہیں اس لئے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کے بچ نکلنے پر بعض مسلمانوں کا بھی یہ خیال ہوا کہ جب وہ مقصود جس کی نیت کر کے گھروں سے نکلے تھے ہاتھ سے لیا گیا تو واپس ہونا چاہئے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے جنگ کی تھی کیونکہ حق تعالیٰ کو طور تھا کہ سرداران کفر چھانٹ چھانٹ کر قتل ہوں اور اسلام کو ابھی وہ غلبہ حاصل ہو جائے جو پیشہ کے لئے مخالف کی کمر توڑ دے اور ان کو بے ہمت بنا دے اس لئے صحابہؓ نے آپ کا میلان خاطر ہا کر ان فروشی کا وعدہ کیا اور جب عزم جہاد کے وقت انصار کا دلی خیال معلوم کرنے کے لئے حضرتؐ نے بارہ ہاجرین سے مشورہ کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ انصار اپنے گھروں میں رہ کر آپ کے مددگار بنے ہیں سو تمام انصار کی طرف سے میں اطمینان دلاتا ہوں کہ ہماری بیعت اور آپ کے ہاتھ پر قول و قرار کا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کے سزا پافروماں بردار ہیں جس سے چاہے لڑیے اور جس سے چاہے صلح کیجئے ہم کو بجز اطاعت کے کسی سوال کا بھی حق نہیں ہے واللہ اگر سمندر میں بھی داخل ہونے کا آپ حکم دیں گے تو ہم بغیر جھکے فوراً کھنکھیں گے اس کے بعد حضرت مقدادؓ بولے کہ یا رسول اللہؐ ہم موسیٰؑ کی قوم جیسے نہیں ہیں کہ جہاد کے وقت اپنے پیغمبر سے کہہ دیا کہ "تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" ہم واقعی آپ کے تابعدار ہیں، جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو موجود ہیں ہماری جانیں آپ پر قربان آپ بسم اللہ کیجئے اور جنگ کا حکم فرمائیے انشاء اللہ اسلام کا بول بالا رہے گا اور مسلمانوں کو فتح کے ساتھ مال بھی ملے گا کہ ان کی کمزوری قوت سے بدل جائے گی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کی یہ گفتگو بہت پسند آئی آپ خوش ہوتے بستم فرمایا اور چہرہ مبارک پر بشارت دیکھنے لگی چنانچہ آپ یہ بشارت دے کر کہ "حق تعالیٰ نے مجھ سے ایک گروہ پر قبضہ حاصل ہونے کا وعدہ فرمایا ہے سو کاروان نکل گیا تو کیا ہے لشکر کفار پر فتح حاصل ہوگی آمادہ جنگ ہوئے اب کفار اور مسلمانوں کا ہر گروہ اس کا خواہشمند تھا کہ چشمہ پر دشمن سے پہلے پہنچ کر قبضہ کر لیں مگر کیا ضرور ہے کہ ہر شخص کی تمنا پوری بھی ہو جائے۔ خدا کی شان کہ بارش ہوئی اور مسلمانوں کو جو پانی کی تنگی میں تھے سیرابی کے علاوہ گروہ و غبار کے دبے اور ریت کے خم جانے سے راستہ بھی صاف نظر آنے لگا اور چلتا ہل ہو گیا ادھر قریشی لشکر پر اس کا اثر اٹا ہوا کہ کھلے جنگل میں سامان بھیگ گیا اور آگے قدم بڑھانا مشکل پڑ گیا غرض اہل مکہ ابھی عتقل کے ٹیلہ سے پیچھے ہی تھے کہ عشاء کے وقت اسلامی لشکر بدر میں پہنچ لیا اور ورلے کنارے کنوئیں پر حضرتؐ ٹھہر کر صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ پڑاؤ تجویز کرو۔ حضرت جنابؐ



بن منذر نے عرض کیا کہ میری راتے میں آگے بڑھ کر بدر کے پرے کنویں پر قبضہ کرنا چاہیے تاکہ دشمن کو پانی میسر نہ آئے اور ہم حوضین کھود کر پھر پور پانی جمع کر لیں۔ چنانچہ آپ وہاں آگے بڑھے اور آدھی رات ہوئی تھی کہ حسب خواہش قیام گاہ پر پورا تسلط فرمایا اور ہر ضروری انتظام کر لیا۔ سعد بن معاذؓ نے کھجور کے پھول کا ٹانڈا ایک سایہ دار تخت بنایا اور خود تنگی تلوار لیکر ہر طرف بٹے اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس میں قیام فرماویں اور ہم کو لڑنے کی اجازت دیں اگر فتحیاب ہوئے تب غنیمت ہے اور اگر خدا نخواستہ دوسری صورت ہوئی تو ہم سب ہلاک ہوئے پیچھے آئیں واپس ہوں ہمارے پس ماندہ بھائی ہم سے زیادہ آپ کی خدمت کریں گے کیونکہ ان کا اس وقت ہر ایک شریک حال نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کو جنگ کی اطلاع نہ تھی محض تجارتی قافلہ کو لینے کا ہوا تھا جس نے ان کو آپ کی ہم رکابی کے لئے اہتمام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ حضرت سعد کی یہ تقریر سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور دعائیں دے کر عرش میں آرام فرمایا۔ صبح ہوئی تو قریشی قافلہ بدر کی طرف بڑھا اور جب عقیقل کے ٹیلہ پر چڑھا جس کے نیچے بدر واقع تھا تو ان کا ایک ایک شخص مسلمانوں کو نظر آتا اور پہچانا جاتا تھا حضرت ان کو دیکھتے اور یوں فرماتے جاتے تھے کہ اے میرے معبود! یہ قریش ڈینگیں مارنے آگئے یہ تیری مخالفت اور میری تکذیب کے درپے ہیں، یا اللہ اب تیری مدد کا انتظار ہے جس کا تو وعدہ فرما چکا ہے۔ اے میرے خدا! صبح ہوئے ان کے ٹکڑے کو خاک میں ملا دیجو۔ یہ تیرے بندے جو میرے ساتھ ہیں تعداد میں بہت کم ہیں، اگر ہلاک ہو گئے تو پھر زمین پر تیری عبادت کرنے والا کون ہوگا۔

## باب ۳۹

### بدر میں جنگ اور اس کا نتیجہ

ادھر اور ادھر دونوں طرف کسی بھاری جنگ کی تیاری ہو رہی ہے، ابوسفیان بھی کاروان کو ٹکڑے پہنچا کر قومی ہمدردی کی بنا پر واپس ہوا اور لشکر کفار میں موجود ہے۔ مکہ کے سرداروں میں بجز ابولہب کے جس نے اپنے بدلے عاصی بن ہشام کو جو ابولہب سے چار ہزار درہم قرض لے کر دوالہ نکال چکا تھا، گویا اس رقم کو اپنی جان کا فدیہ بنا کر بھیج دیا تھا، کوئی سردار ایسا نہیں ہے جو آج اس میدان میں نہ ہو۔ اطمینان سے قیام کرنے کے بعد انھوں نے عمیر بن وہب کو بھیجا کہ سلامی لشکر



لی تعداد معلوم کرے چنانچہ اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر چکر لگایا اور اطلاع دی کہ تقریباً تین سو نفر ہیں  
 مرنے والے تھے تلواروں کی چھاؤں کے نیچے ہیں اس لئے ایک ایک کو مارے بغیر ان میں سے کوئی بھی مرنے  
 والا نہیں ہے پس سوچ لو کہ تم میں سے تین سو بھی مارے گئے تو تم کو زندگی کا کیا مزہ آئے گا۔ حکیم بن  
 حزام پس منکر متوحش ہوا اور عتبہ بن ربیعہ کو ترغیب دی کہ اپنی قوم کو جنگ سے روکے اور مکر واپس چلے  
 چنانچہ عتبہ کی سمجھ میں آگیا اور اُس نے کھڑے ہو کر اس طرح تقریر کی کہ "اے قریش تم جانتے ہو کہ محمدؐ  
 کون ہیں اور ان کے ساتھی کون ہیں؟ سب تمہارا گنبد اور تمہارے چچا، تایا، ماموں زاد بھائی ہیں سو  
 آج جنگ کے بعد تم دیکھو گے کہ گنبد کے ہاتھوں گنبد ہی مارا جائے گا اس لئے میری رائے میں محمدؐ  
 کو چھوڑو کہ عرب اُن سے قصہ طے کر لیں سو اگر عرب کامیاب ہوئے تب تمہارا مقصد حاصل ہوا اور محمدؐ  
 غالب ہے تب حکومت تمہارے گنبد میں رہی اور تم جان مال سے محفوظ رہے۔ چنانچہ سب کی سمجھ میں آگیا اور  
 واپسی کے لئے آمادہ ہوئے حکیم بن حزام عتبہ کا یہی پیام لے کر ابو جہل کے پاس پہنچا جو اپنی زرہ دست کر رہا  
 تھا اور کہا کہ عتبہ بن ربیعہ جو ہر طرح زیرک اور قوم میں افضل ہے جنگ کے التواہ کی رائے دیتا ہے۔ ابو جہل  
 نے کہ جھٹلا اٹھا اور عامر بن حضرمی کو جس کا بھائی دو ماہ ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا جوش دلا یا کہ  
 تیرے مظلوم بھائی کے انتقام کا وقت آیا تو تیری ہم قسم قوم کو عتبہ نے میدان سے لیجنا چاہا یہ سنکر عامر چیخ اٹھا  
 اور بھائی کے انتقام کی قوم سے فریاد مچائی۔ اُس کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ جوش ابل پڑا اور وہ میدان  
 جس میں ٹالٹا چھایا ہوا تھا کارزار کے لئے تماشہ گاہ بن گیا اب بادل ناخواستہ عتبہ کو بھی رہنا پڑا اور بڑا سہمونی کی  
 وجہ سے خود جب اُس کے سر پر نہ آیا تو موٹی چادر سے لپیٹ کر یہ کہتا ہوا میدان جنگ میں داخل ہوا کہ ابو جہل کے  
 برے دن آگے معلوم ہوتے ہیں، اب معلوم ہو جائے گا کہ کس کی رائے درست تھی۔

۱۷۔ رمضان یوم جمعہ کی صبح ہوئی اور آفتاب نے اپنی برہمی تماشاعوں کو چاروں طرف اچھی طرح پھیلا  
 دیا اور مہار پہلوانوں کے امتحان کا وقت آگیا اور ہر ایک کے دل میں اس اُمنگ و آرزو نے جوش مالا  
 کاش سے اول میری تلوار اپنے جوہر دکھائے اور نبی کا پہلا جان نثار میں کہلاؤں۔ جناب رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم اپنے جانباز صحابہؓ میں کھڑے ہوئے اور اُن کی صف بندی فرمائی جب حضرت سواد بن غزیہ کے  
 جن کا سینہ صفت باہر نکلا ہوا تھا پیٹ میں اُس تیر کا جو دست مبارک میں تھا آہستہ سے چوکا مار کر ارشاد فرمایا  
 کہ برابر ہو جاؤ۔ تو اُنھوں نے آہ کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے تکلیف ہوئی اور آپ حق و انصاف  
 لے کر آئے ہیں اس لئے مجھے قصاص دیجئے۔ حضرت نے فوراً کمرٹا اٹھا لیا اور یلین مبارک کھول دیا حضرت سواد  
 آگے بڑھے اور بڑے شوق سے بوسہ لے کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیسا قصاص اور کیسا بدلہ موت سامنے



کھڑی ہے اور رخصت کا وقت قریب ہے اس لئے دل چاہا کہ زندگی کا آخری کام آپ کے بدن مبارک کا بوسہ بن جائے اس لئے یہ تدبیر کی تھی۔ حضرت مسکراتے اور دُعا دے کر اپنے کام میں مشغول ہوئے صف بندی سے فارغ ہو کر آپ اپنے عرش میں تشریف لائے اور تضرع کے ساتھ اس طرح دُعا مانگی کہ "اے اللہ! وعدہ پورا فرما اور مدد نازل کر۔ یہ مختصر جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" آپ اسی بتیابی سے دُعا مانگ رہے تھے کہ دوسروں پر اثر ہوتا تھا، چادر مبارک کندھوں سے گر گئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو عرش کے اندر پاس ہی کھڑے تھے۔ چادر اٹھا کر کندھوں پر ڈالی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بس کیجئے اتنی ہی دُعا کافی ہے آپ نے کیا ہوا خداوندی وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی۔ اس کے بعد حضرت پر غموں کی کا اثر ہوا اور اُس سے افاقہ پانے پر آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ "مژدہ ہوئے ابوبکر اللہ کی مدد آپہنچی، لویہ جبریل! اپنے گھوڑے کی باگ تھامے آرہے ہیں اور وہ سفید عمامے باندھے ہوئے فرشتوں کا لشکر ان کے ساتھ ہے۔"

ادھر ابوجہل نے اپنی جماعت کو ترتیب دیا اور اسلحہ میں چھپا ہوا تیری کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا ادھر سے ادھر تک گشت لگاتا رہا جب فارغ ہو لیا تو قومی حمیت و مذہبی حمایت کی جوش دلانے والی تقریر کی اور دُعا مانگی کہ "یا اللہ ہم دونوں لشکروں میں جو برسرِ ناحق ہو آج اُس کی ذلت آنکھوں سے دکھا دے اور جس نے رشتہ داری کا لحاظ اٹھا دیا اور نئی نئی باتیں لاکر سنائیں اُس کو شکست بکڑ۔" اس کو کیا خبر تھی کہ یہ دُعا اپنے ہی لئے بد دُعا ہے اور اپنی زبان سے اپنی ہلاکت مانگ رہا ہے۔ غرض تقدیر کا آخری فیصلہ ظاہر ہونے کی دونوں فریق نے خواہش کی اور دفعۃً قریش کے تین جوان میدانِ جنگ میں قدم بڑھاتے ہوئے آکھڑے ہوئے جنہوں نے ملکی رسم کے موافق آواز دی کہ "ہے کوئی جو میدان میں آکر مقابلہ کرے؟" مسلمانوں نے دیکھا کہ عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور نوجوان ولید کو لئے ہوئے مقابل کا خواہاں ہے اس لئے انصار میں سے فوراً حضرت عوف اور حوذ اور عبد اللہ بن رواحہ آگے بڑھے اور سامنے آکھڑے ہوئے مگر حریف نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ ہمیں اپنی قوم کے قریشی النسل برادری کے بھائیوں سے لڑنا منظور ہے اس لئے ان میں سے تین مسلمانوں کو بھیجو کہ قسمت کا فیصلہ کریں۔ محمدی کچھار کے شیر جودل سے کارزار کے خواہشمند تھے اپنے آقا کا حکم پاتے ہی میدان میں آ موجود ہوئے اور حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو، حضرت علیؓ نے ولید کو اور حضرت عبیدہؓ نے جو بڑھے شخص تھے عتبہ بن ربیعہ کو سامنے لیکر لکڑا کہ آؤ اور اپنے کیفر کردار کا مزہ چکھو۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی اور ہر ایک اپنے دل کا حوصلہ نکالنے میں گرم ہوا۔ حمزہؓ اور علیؓ نے تو اپنے حریف کو جہلت ہی نہ دی کہ جنگ کے کرب دکھائے پلک



جھپکانے لکڑی کی طرح کاٹ دیا البتہ حضرت عبیدہ ثعنبہ سے مقابلہ میں دیر لگی اور ڈاؤ طرفہ وار ہوتے رہے مگر حضرت علیؑ نے اپنے کام سے فارغ ہو کر ان کا ہاتھ بٹایا اور ثعنبہ کو بھی اس کے بھائی اور بیٹے کے ساتھ زمین پر ڈال کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ حضرت عبیدہؓ اگرچہ گھٹنے میں تلوار کھا کر پاؤں خدا کی نذر کر چکے تھے مگر اُس وقت بھی اُن کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے کہ اے دشمنانِ رسول! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم پیغمبر کو تمہارے حوالہ کر دیں گے۔ یاد رکھو جب تک ہم میں ایک نفس اور نفس میں ایک سانس بھی باقی ہے اُس وقت تک ہمت کم نہ ہوگی۔

حضرت علیؑ و حمزہؓ اُن کو اٹھا کر اپنی جماعت میں واپس لائے مگر یہ اُس کا رِی زخم سے جاں بُر نہ ہو سکے اور صرف تین دن زندہ رہ کر واپس ہوتے ہوئے صفرِ آرمقام پر راہی ملکِ بختا ہو گئے۔ **فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ** قریشی جو ان مردوں کا قتل ہونا تھا کہ لشکرِ کفار کے دلوں میں خونریزی کا جوش پیدا ہو گیا۔ ادھر ابو جہل لکڑا کہ "اے دلیرانِ مکہ کی جماعت! ثعنبہ و شیبہ اور ولید کے مارے جانے سے پریشان اور بُزدل نہ ہو جانا، قسم ہے لات و عزیٰ کی کہ انھوں نے کُڑے لے کر لڑنے میں جلدی کی اور قبل از وقت آگے بڑھ گئے۔ یاد رکھو کہ جب تک ہم اپنے دشمنوں کو رسی میں نہ باندھ لیں گے مکہ واپس نہ ہوں گے، اس لئے اب جہاں تک ہو سکے ان کو قید کرنے کی کوشش کرو اور فوری حملہ میں سب کو اپنے اونٹوں کی رسیوں میں جکڑ لو پھر وطن پہنچ کر ان کو مزہ چکھائیں گے اور دکھائیں گے کہ نئے خیالات لا کر کنبہ اور برادری میں تفریق ڈالنا کیسا کام ہے۔ چنانچہ قریش تیروں کی طرح آگے بڑھے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔

ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کا حکم دیا اور یوں تقریر فرمائی کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج ان کافروں پر جو شخص بھی نہایت ثوابِ عملہ کرے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا پس بنامِ خدا آگے بڑھو اور تلواروں کے جوہر دکھاؤ۔ اس کے بعد آپؐ اپنے عرش میں متوجہ بدعا ہوئے اور ریت کی ایک مٹھی خاک لے کر لشکرِ کفار کی طرف رُخ کیا اور شاہت الوجہ کہہ کر اس میں پھونک مار دی۔ معجز نما مٹھی کی خاک بحکمِ خدا یہاں سے نکلی تو تیر کی طرح دشمنوں تک پہنچی اور ذراتِ منتشر ہو کر اتنے پھیلے کہ کفارِ مکہ کی کوئی آنکھ نہ بچی جس میں داخل نہیں ہوئی، وہ لوگ تو آنکھیں ملنے میں مشغول ہوئے اور مسلمانوں نے اپنا کام بنایا کہ جس کو پکڑ سکے اُس کو قید کیا اور جس پر قدرت پائی کاٹ کاٹ کر زمین پر ڈال دیا۔ امیہ بن خلف جو حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا زمانہ جاہلیت میں رفیق تھا بادلِ ناخو استہ جنگ میں شریک ہوا تھا اس لئے کہ



اُس کے جھکنے پر ابو جہل نے اُس کو یوں طعنہ دیا تھا کہ عورتوں کی طرح سنگار کر کے گھر میں بیٹھ جاؤ۔ اُمیہ کی غیرت اس لفظ کو سن نہ سکی اور ہر چند کہ اُس کا دل کھٹک رہا تھا کہ بدر میں جانا مبارک نہیں ہے مگر مجبوراً اٹھا اور قوم کے ساتھ ہولیا تھا آج کھلے میدان میں جب دل کا اندیشہ نظر کے سامنے آیا تو بہت گھبراہٹ نہ جاتے رفتن نہ پاتے ماندن۔ آخر حضرت عبد الرحمنؓ ہاتھ میں چند زرہ لئے ہوئے اُس کو نظر آئے اور اُمیہ جس نے رحمن کا منکر ہونے کی وجہ سے ان کا نام "عبد اللہ" رکھ چھوڑا تھا یہ کہہ کر کہ "لے عبد اللہ! میں تمہارے لئے ان زرہوں سے بہتر ہوں کیونکہ میرے قید کرنے میں تم کو بہت کچھ دودھ دینے والی اونٹنیاں فدیہ میں مل سکتی ہیں۔" ان کے دامن سے چمٹ گیا۔ حضرت عبد الرحمنؓ نے زرہیں تو پھینک دیں اور اُمیہ کو مع اس کے بیٹے کے ہاتھ پکڑ کر لے چلے تاکہ قیدیوں میں داخل کر دیں اتفاق سے حضرت بلالؓ نے جو مکہ میں اس کے غلام تھے اور ایمان کی بدولت اس کے ہاتھوں رمضان کے گھر ہجرت اور کوڑوں کی ضرب شدید کی تکلیف اٹھا چکے تھے ان کو دیکھ پایا اور بے اختیار چیخ اٹھے کہ "گروہ انصار دیکھو یہ رہا ظالم اُمیہ پیشوائے کفر پس اگر آج اس کو نجات ملی تو گویا میری خیر نہیں۔" انصار نے حضرت بلالؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فریاد سنی تو شیر کی طرح لپکے اور حضرت عبد الرحمنؓ رضی اللہ عنہ کے محصور کر لیا۔ ہر چند کہ حضرت عبد الرحمنؓ آڑے آئے مگر کسی نے ایک نہ سنی اور اُمیہ کے بیٹے پر ایسا حملہ کیا کہ تلوار کے ایک ہی وار میں زمین پر لوٹنے لگا۔ اُمیہ اپنے نورِ نظر کو مرنے دیکھ کر چیخ پڑا اور اب حضرت عبد الرحمنؓ بھی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ "بیٹا تو جلد یا اپنی فکر کر کہ تو بھی چلا۔" اُمیہ بدحواس ہو کر حضرت عبد الرحمنؓ کے قدموں پر گر ا اور ان کے بدن اور کپڑوں کی پٹا پکڑی۔ مگر بلالؓ کی فریاد ایسی نہ تھی کہ انصار کو دم لینے دیتی اس لئے ایک شخص نے نیچے سے گھا کر تلوار چلائی کہ حضرت عبد الرحمنؓ کے پاؤں میں بھی زخم آیا اور اُمیہ کا تو کام ہی تمام ہو گیا۔ دونوں بدبختوں سے فارغ ہو کر انصار دوسری طرف متوجہ ہوئے اور حضرت عبد الرحمنؓ جب زرہ کے ساتھ دونوں قیدیوں سے بھی ہاتھ دھو چکے تو جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اُمیہ جب تک بھی زندہ رہا لشکر سے الگ اور اسی ٹوہ میں رہا کہ موقع ملے تو مگر بھاگ جائے مگر تقدیر سے چارہ نہیں۔ اُس کو کیا خبر تھی کہ اس پیاری بی بی کو بیوہ بنانے جا رہا ہو جس کا نام صفیہ اور کنیت اُم صفوان ہے اور یہ رخصتی سلام وہ سلام نہیں جس کے بعد ایک دوسرے کی صورت دیکھنی نصیب ہو۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا شمار یعنی باہمی شناخت کا وہ تجویز کہ لفظ جو مخفی راز کی طرح اپنی جماعت کو تعلیم دیا جاتا ہے آہٹ تھا مسلمان دل کھول کر قتل و قید کرنے میں مصروف تھے اور غیبی فرشتے ان کی مدد کے لئے قوت بازو اور پشت پناہ کا کام لے رہے تھے۔



ت زبیر بن عتبیدہ بن سعید کو دیکھا کہ زہرہ سے لپٹا ہوا اور اس قدر بدن چھپاتے ہوئے ہے کہ بجز انگوٹھی کی چیز نظر نہیں آتی۔ ان کے ہاتھ میں چھوٹا سانپ تھا اُس کو سیدھا کر کے آگے بڑھے اور تاک کر اس آنکھ میں اس زور سے مارا کہ وہ گرا اور گرتے ہی دم نکل گیا۔ عتبیدہ تو مگر کیا مگر حضرت زبیرؓ کو اپنا زہر لٹا مشکل ہو گیا یہاں تک کہ اُس پر اپنا سارا بوجھ دیدیا اور دھرا کر کے پوری قوت سے کھینچ کر نکالا۔

مرت عکاشہؓ کی لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی اور اُس کے بدلے دوسری تلوار بارگاہ رسالت سے اُن کو پہنچی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے چچا زاد بائی عاص بن وائل کو مارا۔ میدان کارزار جوش پر تھا اور لڑائی اپنے شباب کا جوین دکھلا رہی تھی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ادھر ادھر انصار کے دو نو نہال یعنی عفرار کے بیٹے معاذؓ اور حوٰثہؓ کھڑے تھے کسی خاص شکار کو ڈھونڈ رہے تھے آخر ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ سے پوچھا یہ چچا صاحب! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ حضرت عبدالرحمنؓ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں پہچانتا ہوں مگر تمہارا کیا مطلب ہے؟ ایک بھائی نے جواب دیا کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بہت گستاخ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اُس کا کام تمام کروں۔

یہ گفتگو ختم نہ ہوئی کہ ابو جہل شجاعانِ مکہ کے جھنڈ میں گھوڑا اگدا تا ہوا نظر آیا اور حضرت عبدالرحمنؓ نے لایا کہ دیکھو جس کو تم ڈھونڈتے ہو، گھوڑے پر سوار وہ جا رہا ہے۔ یہ سننے ہی دونوں نے قدم بڑھایا اور ابو جہل کی تاک میں موقع کے منتظر رہے۔ آخر حضرت معاذؓ ابو جہل تک پہنچے اور تلوار کا اس لڑنے لگا کہ ابو جہل کی ٹانگ کٹ گئی اور خون کے ساتھ پیٹلی کی تلی سے گودا بہنے لگا۔ مگر تمہ نے اپنے باپ کو گرتے دیکھا تو حضرت معاذؓ پر چھپٹا اور دست بھیرا ان کے شانہ پر تلوار ماری جو اترتی چلی گئی کہ بغل کے قریب ذرا سا گوشت اُٹھا ہوا رہ گیا اور ہاتھ بیکار ہو کر نیچے لٹک پڑا مگر اللہ سے ہمت کہ ایک ہاتھ کو کمر پر رکھے ہوئے دوسرے ہاتھ سے تمام دن لڑتے پھرے آخر جب اُس کی تکلیف کے متحمل نہ ہو سکے تو اُٹھ کر لوٹنے کے نیچے دبا کر کھینچا اور سارے بدن کا زور دے کر اس کو بدن سے جدا کر کے پھینک دیا۔ ابو جہل زخمی ہو چکا تھا مگر مرا نہیں تھا اس لئے حضرت معاذؓ پہنچے اور کاری زخم لگا کر ہاں کنی کا دیر تک مزہ چکھنے کے لئے زمین پر پڑا ہوا چھوڑ آئے۔ حضرت معاذؓ اس سے فارغ ہو کر جنگ کے گھمسان میں گم ہو گئے اور آخر شربت شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ؕ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو الجحری کا وہ احسان یاد تھا جو مکہ میں شعب ابی طالب کے حصار کے وقت ظالم معیفہ کے عہد کا نقص کرنے میں اُس کی پیش قدمی کرنے کا واقع ہو چکا تھا اس لئے آپؐ



جس وقت صحابہؓ کو یہ حکم دیا کہ میں جانتا ہوں بنی ہاشم اور بعض دوسرے لوگ محض دباؤ اور لہجہ سے  
 شریک جنگ ہوئے ہیں اس لئے عباسؓ یا کسی دوسرے ہاشمی کو پاؤ تو قتل نہ کرنا: وہیں ابوالبختریؓ  
 قتل کو بھی منع فرمادیا تھا۔ اس لئے صحابہؓ ان کی گرفتاری کے درپے تھے اور جس کسی کو پاتے زندہ  
 کر کے لشکر میں پہنچا جاتے تھے یہاں تک کہ حضرت مجذہ بن زیادؓ نے ابوالبختریؓ کو دیکھ پایا اور یہ کہہ کر  
 حضرت تیرے قتل کی ممانعت فرمادی ہے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ابوالبختریؓ کے ساتھ اُس وقت جناب  
 بن ملیح بھی تھا جو اُس کا ہم پیشہ و شریک کا رہتا تھا اور مکہ سے اس کے ساتھ ہوا تھا لشکر کفار کو اور  
 گھسان کی لڑائی میں جس نے ان کے چھکے چھڑا دیئے تھے جان کا بچنا غنیمت معلوم ہوتا تھا اس  
 ابوالبختریؓ خوش ہو گیا مگر اپنے رفیق جنادہ کو بھی ساتھ رکھنا چاہا۔ حضرت مجذہؓ اس کو ضبط نہ کر سکے  
 صاف کہہ دیا کہ صرف تمہاری جان بخشی کی اجازت ہے تمہارے رفیق کی نہیں سو اس کو الگ کر دیا  
 خون بہایا جائے۔ ابوالبختریؓ کو یہ تفریق گوارا نہ ہوئی اور اس نے کہا کہ اگر اپنے رفیق کو چھوڑ کر اپنی  
 بچاؤں تو مکہ کی عورتیں مجھ کو کیا کہیں گی سو ایسی زندگی سے مرنا بہتر ہے کہ دونوں ساتھ ہی مکہ سے آئے  
 ساتھ ہی دنیا سے اٹھ جائیں۔ غرض جنگ شروع ہو گئی اور آخر حضرت مجذہؓ کی تلوار سے ابوالبختریؓ  
 جنادہ دونوں مارے گئے ان سے فارغ ہو کر مجذہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام قعدہ عرض  
 جنگ کا ہولناک منظر حید گھنٹے میں تمام ہوا اور ذرا سی دیر میں شتر قریش قیدی بن کر مسلمانوں  
 قبضہ میں آگئے اور شتر قتل ہو گئے جن میں اکثر قوم کے اشراف اور وہ مشہور سردار تھے جن کو کفر کا پیشہ  
 اور دشمنانِ خدا و رسول کا مقتدا سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی سردھرو باقی نہ رہا تو اہل مکہ کے فوجی سپاہی شتر  
 بن کر بھاگے اور وہ میدان اپنے اُمراء و منادید کی لاشوں سے بھرا چھوڑ گئے جس میں رقص و سرود کی طبع  
 داخل ہوئے تھے۔ صحابہؓ میں صرف چودہ حضرات کام آئے جن میں پچھ ہاجرین اور آٹھ انصار تھے رضی اللہ عنہم  
 جنگ ختم ہو گئی اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا ابو جہل کا حال ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا کہ مر گیا یا زندہ  
 اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ لاشوں میں ڈھونڈو  
 کہ کدھر پڑا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہنچے اور دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا سانس توڑ رہا اور اہل  
 رفق باقی ہے حضرت عبداللہؓ بھی ابو جہل کے ہاتھوں ایذا پہنچے تھے اس لئے اپنا پاؤں اُس کی گردن  
 رکھ کر ڈاڑھی کو جھکادیا اور فرمایا کہ ”تو ہی ابو جہل“ جس نے جہالت کی بدولت آخرت کی حیات کو برباد کیا  
 ابو جہل اگر چہ ریت پر پڑا ہوا وقت کے لمحے شمار کر رہا تھا مگر جواب دیتے بغیر نہ رہا اور بولا کہ ”کس بات  
 پر ناز کرتے ہو؟ ایک آدمی کا قتل کرنا کونسی فخر کی بات ہے؟“ آخر حضرت عبداللہؓ نے تلوار نکالی اور اُس



یہ جسم سے الگ کرنا چاہا۔ ابو جہل جس کے دماغ میں بڑائی اور نخوت بھری ہوئی تھی اپنا آخری وقت دیکھ کر لگا کہ کاش مجھ کو معلوم ہو جاتا کہ میرا قاتل کون ہے تاکہ اگر شریف قوم ہو تو میری عزت ہے ورنہ صد کا کہ عامی شخص کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا نام و نسب بتایا اور گردن کے پاس تلوار لے کر ابو جہل بولا کہ ”اے چند کبریوں کے چرواہے فخر کر کہ بڑی ادھی جگہ بیٹھا اور وصیت سن کہ میرا سر لے لو گندھوں کے پاس سے کاٹو تاکہ بڑا معلوم ہو اور ہر شخص سمجھ جائے کہ بڑے سردار کا سر ہے۔“ غرض حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا ڈالا۔ حضرت مسرور ہوئے اور یوں فرمایا کہ ”الحمد للہ اس امت کا فرعون مارا گیا۔“ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو بیمار چھوڑ کر مدینہ سے چلے گئے اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیمار داری کے لئے ان کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ لشکر کفار کے جب پاؤں اکھڑے اور انہوں نے مکہ کا راستہ لیا تو فتح کا مژدہ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ عریش نبوی میں آئے، دیکھا کہ حضرت سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور یوں فرما رہے ہیں ”یا حیی یا قیوم سب حمتک استغیث“ اس کے بعد اپنے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو مدینہ روانہ فرمایا کہ ایک عوالی مدینہ میں اور دوسرے اس کے حصہ زیریں میں پہنچ کر مسلمانوں کو بشارت دیں اور مژدہ فتح سنائیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ عوالی کی طرف گئے اور حضرت زید نے اہل مدینہ کو خوشخبری پہنچائی مگر اس وقت جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کر کے فارغ ہوئے اور ہاتھ سے مٹی جھاڑ رہے تھے ”فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“

اہل مدینہ اسی خیال میں تھے کہ ابوسفیان کے قافلہ سے تعرض کرنے کو مسلمان روانہ ہوئے ہیں ان کو کیا خبر تھی کہ یہ سفر اسلام کی شوکت و عظمت کا پہلا زینہ اور کفر و عناد کی ذلت و شکستگی کا صدر دروازہ ہے۔ یہ اتفاقی جنگ اور اس میں اس قدر کامیابی ایک ایسی بات تھی کہ یقین لانا دشوار تھا حضرت زید عید گاہ میں کھڑے ہوئے اس کا اعلان کر رہے تھے اور مسلمان جوق جوق آتے اور ہالہ کی طرح ان کو درمیان میں لے ہوئے پوچھ رہے تھے کہ کون کون مارا گیا اور کون کون قید ہوا؟ عام باشندگان مدینہ پر اس واقعے ایک ہیبت چھا گئی اور جو مسلمان نہیں تھے ان کے دلوں میں بھی اسلام کا رعب بیٹھ گیا چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعت نے منافقانہ اسلام کا اظہار اسی قصہ پر کیا اور صرف مسلمانوں کی گرفت جان و مال بچانے کو مسلمان ہوا۔

آخر رمضان میں مسلمانوں پر صدقہ فطر واجب ہوا کہ صاحب نصاب شخص اپنے اپنے بچوں اور غلاموں کی طرف سے ایک صاع جو وغیرہ یا نصف صاع گیہوں خیرات کرے (ایک صاع



کی مقدار نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر اور ایک چٹانک ہوتی ہے (جنگ سے فارغ ہونے کے بعد مال غنیمت جمع کیا گیا اور سارا اسباب جو اہل مکہ مقتول یا مغرور ہو کر چھوڑ گئے تھے مسلمانوں کو بخش کر اکٹھا کر لیا اس کے بعد شہداء و مسلمین پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور انھیں خون آلودہ کپڑوں میں کوپینے ہوئے شہادت پائی تھی دفن کر دیئے گئے۔ دفن سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین کفار کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں فرمایا کہ "اے قریش! تمھاری بد نصیبی پر اللہ نے جگہ دے کر اپنے اندر لیا، تم مقابل بن کر لڑنے آئے اور دوسرے مددگار بن کر میرے ساتھ آئے تم پر کہ تم محروم رہے اور دوسرے مال مال ہوئے" اس کے بعد اپنے حکم دیا کہ ان کی لکھنوں کے جھیرے میں ڈال دی جائیں چنانچہ بجز اُمیہ کے جس کی لاش زرہ میں پھول گئی اور کھینچنے سے پھٹ گئی تھی سب کو قلیب بدر میں ڈال دیا اور اس پر مٹی اور پتھروں کا ڈھیر لگا کر وہیں چھوڑ دیا کہ آپ جھیرے پر کھڑے ہوئے اور ایک ایک کا نام لے کر یوں پکارا کہ "اے عتبہ بن ربیعہ اور اے ابو جہل اور شیبہ بن ربیعہ اور اے اہل قلیب! اللہ نے جو کچھ ہم سے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو حق پایا، تم بھی وہ وعدہ درست پایا جو تم سے کیا گیا تھا؟" حضرت عمرؓ نے یہ سن کر عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! مرنے والے اب ان سے گفتگو کیسی؟" مگر آپ جواب دیا کہ "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو یہ بات ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے یہ ہو سکتا ہے کہ نبوی کلام سنائے کو ان کی رُو میں ٹوٹا دی گئی تاکہ بروقت طعن کا حزن و غم بڑھے بہر حال اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت تین یوم وہاں قیام فرمایا اور مال غنیمت اور قیدیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ کو واپس ہوئے وہاں صفراء پہنچ کر آپ نے مال غنیمت حصہ رسد تقسیم فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو حکم رسالت حضرت رقیہؓ کی تہ داری کے لئے مدینہ میں رہ گئے تھے، شریک جنگ ہی سمجھے گئے اور اجر و ثواب کے ساتھ غنیمت کے مالی حصہ میں بھی ان کو شریک کیا گیا۔ اسی پڑاؤ پر قیدیوں میں سے نضر بن حارث کو جو اسلام کا خصوصیت دشمن اور بدر کی لڑائی کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا، قتل کرنا مناسب سمجھا گیا اور حضرت علیؓ کھلے میدان میں اُس کی گردن اڑائی جس وقت اسلامی لشکر و حارہ میں پہنچا تو ان مسلمانوں کے ملاقات ہوئی جو مسرت و بخش خبر سن کر مبارک باد دینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلمانؓ بن سلمہؓ نے کہا کہ تہنیت سنئے تو ارشاد فرمایا کہ "اے برادران اسلام! ہم نے کام ہی کو نسا بڑا کیا ہے جس پر مبارک باد مستحق ہوں، واللہ بڑھئیوں سے مقابلہ ہوا کہ کسی میں بھی سانس آنے کی ہمت نہ ہوئی اور ایسے مائے



جیسے پاؤں بندھے اونٹ کو بکڑ لیتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکڑ کر لائے اور  
 وہ صاحبزادے ابوہریرہ اشتراف کرتے تھے جو خدا کے فضل سے تمھارے ہاتھوں ذلیل ہوتے یہاں سے  
 کر عرق انطبیہ میں پڑاؤ ہوا اور یہاں دوسرے قیدی عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا جس کی ایذا رسا  
 نقتے مشہور ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں سے ایک دن قبل منظر و منصور مدینہ  
 داخل ہوئے اور مسجد میں قدم رنجہ فرمایا۔ اگلے دن قیدی بھی اسلامی حراست میں مدینہ پہنچ گئے  
 آپ ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر تقسیم فرمایا کہ حفاظت کریں اور کھانے پینے کی خبر رکھیں۔

## باب ۲۰

### بدر کے قیدی اور مال غنیمت

جس وقت قیدی مدینہ میں پہنچے رات کا وقت تھا سب کی مشکلیں کسی ہوتی تھیں اور تکلیف گراہ  
 رہے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس کی گراہ سنی تو بھیچیں ہو گئے اور زندہ آنی  
 مشکل ہو گئی۔ صحابہؓ نے اس کو محسوس کیا تو ان کی رشی ڈھیلی کر دی۔ حضرت عائشہؓ نے عباس کو خاموش پایا  
 تو گھبرا کر دریافت کیا کہ عباس کی آواز کیوں نہیں آتی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ان مشکلیں ڈھیلی کر دی  
 گئیں اور وہ سو گئے۔ تب آپ نے حکم دیا کہ سارے قیدیوں کی ریشیاں ڈھیلی کر دی جائیں یہ نہیں ہو  
 کہ ایک کے ساتھ رعایت ہو اور دوسرے اس سے محروم رہیں۔ اہل مکہ کا ہر بیت خوردہ لشکر مکہ پہنچا  
 تو وہاں تہلکہ مچ گیا۔ جیساں خزاہی جس نے سب سے پہلے مکہ والوں کو خبر سنائی کہ فلاں فلاں زندہ گرفتار  
 ہوئے اور فلاں فلاں مارے گئے، دیوانہ سمجھا گیا اور کسی کو یقین نہ آیا کہ یہ خبر صحیح ہے مگر جب ابوسفیان آیا، اور  
 ابولہب سے بھرے مجمع میں بیان کیا کہ ہماری گروہیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھیں کہ جسے چاہیں قتل کریں  
 اور جس کو چاہیں گرفتار۔ تو سب پر سناٹا مچا گیا اور نوحہ و شکا کی آوازیں بلند ہوئے لگیں۔ ابولہب نے یہ حال  
 دیکھا تو لوگوں کو چپ کیا اور سارے مکہ میں اطلاع کر دی کہ کوئی مرد یا عورت اپنے مردہ کو نہ رٹے ورنہ  
 اصحاب محمدؐ کو خوش ہونے کا موقع ملے گا ورنہ کوئی اپنے قیدی کا خیال کرے ورنہ مسلمان ہم کو دبا ہوا  
 سمجھیں گے اور خدا جانے کیا کیا اُمیدیں قائم کریں گے۔ غرض بدر کے مرنے والے کافروں پر نہ کوئی رٹنے  
 والا ہوا اور نہ گرفتار مصیبت زندوں کی رہائی کا اہتمام کرنے والا وہ قریشی عورتیں جو کم شدہ اونٹ پر  
 نوحہ کرنے میں سنے والوں کو رلا دیتی تھیں، رانڈ اور بیوہ ہو گئیں اور زبان سے آہ نہ نکال سکیں۔ ابولہب  
 جو بدر کی سخت پکڑ سے بچ گیا تھا موت کی پکڑ سے نہ بچ سکا اس سانحہ کوٹنے ہوئے سات ہی دن ہوئے



تھے کہ اُس کی گردن میں پھوڑا بٹکا اور متعدی مرض سمجھ کر اُس کو علیحدہ ڈال دیا گیا کہ سوئی نے  
 پاس آنا گوارا نہ کیا۔ آخر اسی حالت میں مر گیا اور تیسرے دن لاش کے ستر جانے پر جب اُس کے مو  
 کی اطلاع ہوئی تو گڑھا کھدوا کر مزدوروں کے ہاتھ لائیں۔ اُس کی لاش کو دوبارہ دیا گیا۔  
 صحابہؓ نے جن کی تحویل میں کافر قیدی دیتے گئے تھے خور و نوش کی خبر گیری کا حق ادا کر دیا  
 کہ اگر کسی کو روٹی کا ٹکڑا بھی ملا تو اُس کو قیدی کی طرف جھکا دیا اور خود فاقہ سے رہے مسلمانوں  
 اس شفقت پر قیدیوں کو ترس آنا اور وہ روٹی کا ٹکڑا بار بار واپس کرتے تھے کہ تم کھا لو مگر وہ نہ لیتے تھے اور  
 جواب دیا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا خیال رکھنے کا ہم کو حکم دیا ہے اس لئے  
 اپنے بچوں کو بھوکا دیکھ سکتے ہیں مگر تم کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسیران بدر کے معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ  
 وسلم نے اہل الرائے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت صدیقؓ اور اکثر صحابہؓ کا میلان فدیہ قبول کرنے کی طرف  
 ہوا کہ اس وقت مسلمانوں کو جنگ کی قوت بڑھانے کے لئے مال کی حاجت ہے اور کیا عجب ہے کہ ان کو روٹ  
 ہو کر توفیق اسلام نصیب ہو اور اگر مسلمان نہ ہوتے اور پھر شہرارت بھی کی تو ہمیں میدان ہمیں جوگا  
 ہمیں گوئے "اُن کے لئے یہی شکست و ذلت پھر موجود ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے سے موافقت  
 نہیں کی اور کہا کہ ان سرداران کفر کا قتل ہی مناسب ہے کہ فساد و معصیت کی جڑ کٹ جائے، ہر مال  
 و زر کے محتاج نہیں ہیں البتہ مشرکوں کے خون کے پیاسے ہیں، پس علیؓ کے حوالہ ان کے بھائی عقیلؓ  
 اور حمزہؓ عباسؓ کا ہاتھ پکڑیں اور میرے سپرد غیر افلاں عزیز ہو اور ہر شخص اپنے رشتہ دار کی گردن  
 ہاتھ سے اڑائے مشورہ کی بات تھی اور ہر شخص اپنے خیال کے موافق خیر خواہانہ رائے دے رہا تھا غیب  
 کی خبر کسی کو نہ تھی کہ درحقیقت بہتر کیا صورت ہے پس اگر کسی کے اجتہاد میں غلطی بھی ہو تو وہ معذور ہے  
 آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بھی وفور شفقت اور رحمت عامہ کے غلبہ سے  
 حضرت صدیقؓ رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر رہا کر دینے کی اجازت دیدی چنانچہ قیدیوں کو  
 اطلاع دیدی گئی کہ چار ہزار سے لیکر دس ہزار درہم تک حسب حیثیت مال دیتے جاؤ اور جان سلا  
 کے کر کہ چلے جاؤ۔ باوجودیکہ اہل مکہ کو مانعت کر دی گئی تھی کہ اپنے رشتہ داروں کے چھڑانے میں  
 جلدی نہ کریں مگر ابووداعہ کا بیٹا مطلبؓ اپنے باپ کی جدائی گوارا نہ کر سکا اور رات ہی کو کھسک گیا  
 آخر مدینہ پہنچا اور چار ہزار درہم دے کر ابووداعہ کو چھڑا لایا۔ اس کے بعد دوسروں کو بھی حرص  
 ہوئی اور اپنے اپنے رشتہ داروں کا معاوضہ ادا کرنے کی لوگوں کو فکر ہوئی چنانچہ ہبیل بن عمرؓ کی رہائی کے  
 لئے کمرز بن حفص مدینہ آیا اور طے شدہ رقم موجود نہ ہونے کی وجہ سے یوں قرار پایا کہ ہبیلؓ مکہ جا کر اپنا فدیہ



مرے اور اس وقت تک مکرز اس کے بدلہ قید رہے۔ چنانچہ سہیل نے مکر جاکر زبردستی بھجودیا اور اپنے  
سنا من کو فکرا کر لیا۔

ابوسفیان سے جب کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمر کو فدیہ دے کر چھڑائے تو جواب دیا کہ ایک بیٹا قتل کر لیا جاؤ  
اسلامانوں کی نذر کروں سو مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ رہنے دو عمر کو جب تک جی چاہے مسلمان پاس رکھ کر  
لاؤں۔ چند روز بعد حضرت سعد بن نہمان کو بوہڑ سے شخص سے آئے اور عمرہ کرنے مکہ میں آئے تھے ابوسفیان  
پر لیا اور مدینہ میں کہلا بھیجا کہ سعد کی جان عزیز ہو تو قیدی کے بدلے قیدی دیا جاسکتا ہے چنانچہ اس  
منتظر کر لیا گیا اور حضرت سعد کی رہائی کے بدلے عمر بن سفیان کو چھوڑ دیا گیا۔

ابوالعاص جو حضرت خدیجہ کے بھانجے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت  
بشیر کے شوہر تھے انھیں قیدیوں میں تھے جب اہل مکہ نے اپنے عزیزوں کی رہائی کے لئے معاوضے بھیجے  
تو حضرت زینبؓ بھی اپنے شوہر ابوالعاص کا فدیہ روانہ کیا اور بدن کا زیور بھی دیا جس میں  
سے کا وہ ہار بھی تھا جو ان کے بیاہ کے وقت ان کی ماں نے ان کو جہیز میں دیا تھا جس وقت یہ مال حضرت کے  
ہاتھ لاکر رکھا گیا اور آپ کی نظر منکوں کے ہار پر پڑی تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور حشیمؓ نم ہو کر صحابہ  
سے کہا کہ اگر تمھاری رائے ہو تو یہ فدیہ واپس کر دیا جائے کیونکہ یہ ہار زینب کے پاس اس کی ماں مرحومہ کی  
دیکھ رہے تھے۔ صحابہؓ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور ابوالعاص اس شرط پر چھوڑ دیے گئے کہ مکر بھیج کر  
زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ چنانچہ ابوالعاص رخصت ہوئے اور وعدہ پورا کیا۔

عباس بن عبدالمطلبؓ معاوضہ کا مطالبہ ہوا تو انھوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا اور کہا کہ اے  
محمدؐ کیا تم گوارا کرتے ہو کہ تمھارا چچا چندہ کے لئے قریش کے آگے ہاتھ پھیلاتا اور بھیک مانگتا پھرے؟  
حضرت نے جواب دیا کہ وہ سونے کی ڈلی جو ام الفضل کو دیے آئے ہو کس کام آئے گی؟ حضرت عباس  
یہ سن کر حیران رہ گئے کیونکہ چلتے وقت سونے کی ڈلی بی بی کو اس طرح چھپا کر دی تھی کہ بیٹے کو بھی خبر نہ  
تھی اور کہ آئے تھے کہ نہیں معلوم زندہ آؤں یا نہ آؤں، تو اس کو امانت رکھو کہ معاملہ دگرگوں ہوا تو چند  
روز کی ایام گزاری ہو جائے گی۔ اس کے بعد عباس نے گردن اٹھائی اور کہا کہ اے محمدؐ شب کے وقت مکان  
کے اندر تنہائی کا واقعہ تم کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے اس وقت حضرت عباسؓ اپنے ایمان کو نہ  
روک سکے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهُ  
عمر بن وہبؓ جس کی عداوت و شرارت مسلمانوں کے ساتھ کھلی ہوئی تھی صفوان سے ایک دن،  
لگا کہ بدر کے فتنے نے زندگی کو بے لذت بنا دیا کیا کروں قرض اور بال بچوں کے اخراجات سے مجبور



ہوں ورنہ مدینہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر کاٹ لانا۔ صفوان چونکہ عمیر کی بہادر نی سے واقف تھا اور  
 کے سانحہ سے خود متاثر و مصدوم بنا ہوا تھا اس لئے کہا کہ ملے عمیر اتیرا قرض میرے ذمہ اور تیرے عیال  
 گو یا میرے عیال میں کہ پہلے وہ کھائیں اور پیچھے ہم۔ میں اس کا کفیل ہوں تو جا اور اپنا کام کر۔  
 قول و قرار لے کر بارادہ بد مذکر سے باہر نکلا اور تلوار گلے میں ڈالے ہوئے مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ  
 دروازہ مسجد سے آ رہا ہے تو یہ کہتے ہوئے کہ شرارت کا ارادہ سے شیطان آگیا۔ لپکے اور جناب رسول  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کی۔ حضرت نے عمیر کو آنے کی اجازت دی اور حضرت عمرؓ نے خد  
 کو احتیاطاً بٹھا دیا کہ اس پر اطمینان نہ کیا جائے اور اس کی حرکات پر نظر رکھی جائے مگر حضرت پر وہ  
 کی اور عمیر کو اپنے پاس بٹھا کر آنے کی وجہ پوچھی۔ عمیر نے کہا کہ میں اپنے بیٹے و بیٹب کی سفارش کے لئے آیا  
 کہ احسان کرو اور اس کو چھوڑ دو۔ حضرت فرمایا کہ تعجب ہو طالب احسان ہو کر آئے ہو اور تلوار سا  
 لائے ہو؟ عمیر نے بات بنائی اور کہا کہ بدر ہی میں ان تلواروں نے کیا بنا لیا جو آج ہم کو ان سے نفع  
 توقع ہو۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سچ بتاؤ لے عمیر! جھوٹ بولنا شرفار کا شیوہ نہیں ہے آئے کاملاً  
 کیا ہے؟ عمیر نے کہا واقعی اسی نیت سے آیا ہوں کہ وہ بیٹ کو لیاؤں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ صاف کہتے  
 کیوں نہیں کہ صفوان پر اپنے قرض اور اہل و عیال کے خرچ کا بار ڈال کر میرا سر لینے کے لئے آئے ہو  
 میرے اور تمہارے درمیان خداوند ذوالجلال مائل ہے جس کے ہوتے تمہارے ہاتھ کاٹے تک پہنچنا ممکن  
 عمیر نے تنہائی کے راز کو حضرت کی زبان سے سنا تو تشدد رہ گئے اور بے اختیار کلمہ شہادت پڑھ کر عرض کہ  
 کہ بے شک آپ رسول ہیں آپ پر جو آسمانی خبریں آتی تھیں ہم ان کو جھٹلاتے تھے مگر میرے اور صفوان  
 درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی خبر تیرے کو نہ تھی اور مجھ زندا کے تم کو اس کی اطلاع دینے والا کوئی نہیں  
 الحمد للہ کہ مجھ کو ہدایت ہوئی اور یہاں پہنچ کر بلا قصد و اختیار یہ دولت مجھے نصیب ہوئی جناب رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کو مسائل سکھاؤ قرآن پڑھاؤ اور وہ بیٹ  
 کو بلا معاوضہ رہا کر دو۔ چنانچہ وہ بیٹے راہی پائی اور عمیر نے ضروری مسائل سکھ کر درخواست کی کہ یا رسول  
 اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نور بجھانے اور مسلمانوں کے ستارے میں بہت سخت تھاب پاتا ہوں  
 کہ اس کی مسکافات کروں اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ مکہ جاؤں اور جو ایمان لائے اس کو ایسی ہی  
 ایذا پہنچاؤں جیسی کہی اہل حق کو پہنچاتا تھا۔ چنانچہ حضرت نے اجازت دی اور یہ مکہ روانہ ہوئے۔  
 عمیر کے مکہ سے غائب ہونے پر صفوان مکہ کی گلیوں میں خوش ہوتا پھرتا اور لوگوں سے کہا کرتا  
 تھا کہ بشارت ہو تم کو لے مکہ والو اب کوئی دن میں ایسی خبر آنے والی ہے جو بدر کا واقعہ تم کو بھلا دے گی۔



مسلم کو کیا خبر تھی کہ منصوبہ خاک میں مل چکا اور شکاری خود شکار بن چکا ہے مدینہ کے آنے والے لوگوں سے  
نفوان ملتا اور بڑے شوق سے اپنے مہمان کی آمد کا حال پوچھا کرتا تھا یہاں تک کہ سناڈنی سوار آیا  
رأس نے عمیر کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع دی صفوان یہ سن کر غصہ سے کانپ اٹھا اور قسم کھائی  
ایسے دھوکہ باز سے نہ کہی بات کروں گا اور نہ کسی قسم کا نفع پہنچاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اسلام  
میں یقین و ترغیب میں مشغول ہوئے اور جو ایمان نہ لایا اس پر ہاتھ صاف کیا یہاں تک کہ ایک بڑا گروہ  
مسلمان ہو گیا اور جو کمزور اپنا ایمان ظاہر نہ کر سکتے تھے وہ بھی کھل گئے۔

صفی بن رفاعہ بھی بدر کے قیدیوں میں تھا مگر کوئی عزیز اس کو رہا کرانے کے لئے نہ آیا آخر یہ وعدہ  
لے کر چھوڑ دیا گیا کہ مگر جا کر فدیہ بھیج دے گا مگر شرافت کے خلاف اس نے بد عہدی کی اور مگر پہنچ کر خبر بھی نہ لی  
کہ کیا کہہ کر آیا ہوں اور جان کس شرط پر بچی ہے۔ عمر بن عبد اللہ بھی بدر کے قیدی تھے اور عیالدار ہونے  
کے ساتھ نادار بھی تھے جب ان کا فدیہ نہ پہنچا تو انہوں نے درخواست کی کہ لے محمد! تم کو معلوم ہے میرے  
پاس مال نہیں اور میں حاجتمند و صاحب عیال ہوں اس لئے مجھ پر احسان کرو چنانچہ ان کو بلا عائد رہا کر دیا  
گیا اور یہ اقرار لے لیا گیا کہ اسلام کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے۔ چنانچہ یہ روانہ ہوئے اور محسن منیر کی  
عظمت شان میں قصیدہ لکھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو قیدی خوش حال اور صاحب مال تھے فدیہ سے کر  
آزاد ہوئے اور جو غریب و نادار تھے وہ اس وعدہ پر چھوڑ دیئے گئے کہ کبھی مسلمانوں سے نہ لڑیں گے۔  
امیران بدر کی رہائی کا واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہادی فعل تھا جس میں  
گو آپ کو اجر ضرور ملا مگر خطا واقع ہوئی کیونکہ اس کے بعد جو وحی نازل ہوئی اس میں آپ پر  
عجبو بانہ عتاب تھا کہ لے محمد! آپ کو اور نیز مسلمانوں کو زیبا نہ تھا کہ خون ریزی پر خون بہا کو ترجیح  
دیتے اگر اجتہادی خطا پر معذوری کا حکم نہ ہوتا تو فدیہ لیکر سرداران قریش کے رہا کر دینے میں عذاب نازل  
ہو جاتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے پر روئے اور فرمایا کہ اگر عذاب نازل  
ہوتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے جو عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور کوئی بھی نہ بچتا۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے  
ان کی ذاتی رائے نہ تھی ان کے پاس جو کچھ بھی تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طفیل تھا اور  
آپ ہی کی صحبت و توجہ کی بدولت صائب الرائے بنے تھے اس لئے ان کی اس رائے کو جو منشا  
خداوندی کے موافق واقع ہوئی معنوی حیثیت سے حضرت ہی کی رائے کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ فوراً  
جس نے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ کافروں کو بھی اپنے ظلم و عافیت میں لے رکھا تھا بیکس قیدیوں  
کی رہائی کی طرف متوجہ ہوئی اور ہدایت کی حرص نے توفیق کی دستگیری کے اعتماد پر سرداران ان کو



کی جان بخشی کا پہلو غالب بنا کر اصلاً اس رائے کو آپ کی رائے قرار دیا تاکہ عتاب فرما کر مسلمانوں کو آپ کی راسخ تعلیم دیدی جائے کہ حضرت خدا کے رسول ہیں، خدا نہیں ہیں کہ غلطی ہونہ سکے۔

## باب

### نکاح فاطمہ اور غزوہ سويق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی تھیں جو نبوت سے پانچ سال قبل حضرت کی پینتیس سال کی عمر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطور سے پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت کو ان کے ساتھ بہت محبت تھی اور رنگ و روپ، صورت و سیرت، یہاں تک کہ چال وصال، رفتار و رفتار میں ان کو باپ کے ساتھ بہت مشابہت تھی۔ غزوہ بدر سے واپس ہو کر آخر ماہ رمضان میں جب کہ ان کی عمر پندرہ برس پانچ مہینے پندرہ دن کی تھی۔ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کو دیا اور نہایت سادی وضع پر نکاح کے بعد دن کے دن خاوند کے گھر پہنچا دیا جس کو ہمارے عرف میں رخصت کرنا کہتے ہیں۔

اول حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کیے بعد دیگرے اس شرف کے حصول کی خواہش کر چکے تھے اور حضرت نے صاحبزادی کے کم عمر ہونے کا عذر فرما دیا تھا۔ اب حضرت علی نے شرماتے ہوئے خود حاضر ہو کر اس خیال کو زبانی عرض کیا تو حسب نزول وحی آپ نے منظور فرمایا اور حضرت انس سے جو آپ کے خاص خادم تھے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیرؓ اور ایک جماعت انصار کو بلا لاؤ چنانچہ یہ سب حضرات حاضر ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو شقال نقرہ ہر پر جس کے انگریزی سکہ سے ایک سو پینتیس روپے اور کچھ پیسے ہوتے ہیں نکاح پڑھ دیا۔ اس کے بعد ایک طبق خرمے لے کر حاضرین کو پہنچا دیئے اور صاحبزادی کو امّ امین کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا۔ آپ کے جہیز میں سو سی کی طرح دو پمانی چادریں تھیں اور دو نہالی جس میں اسی کی چھال بھری ہوئی تھی۔ چار گدے، دو بازو بند نقری، ایک کمانی، ایک پیالہ، ایک چسکی، ایک مشکیزہ اور ایک برتن تھا پانی رکھنے کا جس کو گھڑا کہنا چاہیے اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔

نکاح کے دن بعد عشر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے گھر تشریف لائے حضرت فاطمہ



پانی منگایا اور جب وہ لکڑی کے پیالہ میں پانی لے کر آئیں تو آپؐ اُس میں لعابِ دہن مبارک ڈالا اور سورہ ہود میں  
 مکر و عاکی پھر حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو آگے پیچھے حکم فرمایا کہ اس کہیتیں اور وضو کریں اس کے بعد آپؐ دو نو  
 لے لئے طہارت اور باہمی محبت اور اولاد میں برکت اور خوش نصیبی کی دعا فرمائی اور یوں ارشاد فرما کر جاؤ  
 رام کرو واپس تشریف لے آئے۔ ولیمہ کا کھانا بھی جو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے کیا نہایت سادہ تھا اپنی  
 ی صاع جو روٹی اور کجوریں اور کچھ مالیدہ تیار کر کے سہولت جن کو بلا سکے اُن کو بلا یا اور سی خوشی کھلا دیا۔  
 حضرت سیدہ کے بطن سے حضرت حسن حسینؑ صاحبزادے پیدا ہوئے اور زینب ام کلثوم  
 اور رقیہ تین صاحبزادیاں۔ ان چھ بھائی بہنوں میں صاحبزادہ حسن اور صاحبزادی رقیہ کا انتقال چھ  
 میں ہو گیا حضرت زینب اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر طیارؑ سے بیاہی گئیں اور ام کلثوم کا  
 نکاح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

بدر سے واپسی کو سات ہی دن گزرے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی سلیم قبلہ سے  
 جنگ کا قصد فرمایا اور مدینہ پر حضرت صباح بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو عامل بنا کر آپؐ مختصر سا لشکر لے کر  
 روانہ ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور مقام کدر پر پہنچ کر تین یوم آپؐ قیام فرمایا اور مدینہ منورہ  
 واپس ہوئے۔ بقیہ شوال اور پورا ماہ ذیقعدہ مدینہ میں گزرا اور انھیں ایام میں بدر کے قیدیوں کی رہائی  
 اور فدیہ کی صورتیں عمل میں آئیں۔ اسی سال اُمیہ بن الصلت شاعر کا انتقال ہوا۔ یہ مشہور شاعر ایامِ جاہلیت  
 میں کتبِ بقرہ پر مدح و نصراں ہو گیا تھا تب پرستی چھوڑ بیٹھا تھا اور علمائے اہل کتاب سے نبی آخر الزماں کی خبر  
 سُن کر اس مبارک زمانہ کا منتظر تھا مگر تقدیر سے لاچار تھا۔ اس کو اپنی ذات میں خوبیاں دیکھ کر خام  
 التبیہین کے اوصاف سے متصف ہونے کا اپنے اوپر گمان تھا اس لئے جب وہ وقت آیا تو حسد کی

وجہ سے ایمان سے محروم رہا۔

قریش کے قیدی رہائی پا کر مگر پہنچے تو ابوسفیان کو بدر میں اپنے رفقاء کے مقتول ہونے کا صدمہ  
 تازہ ہو گیا اور اُس نے انتقام کا خیال سمجھ کر کے قسم کھائی کہ جب تک مسلمانوں سے دل کھول کر انتقام  
 نہ لے لوں گا غسلِ جنابت نہ کروں گا۔ چنانچہ دونوں مسلح سوار لے کر مکہ سے باہر نکلا اور اس جگہ قیام کیا  
 جہاں سے مدینہ صرف تین میل باقی تھا اپنی جماعت کو توجیلِ فنا کی تلہی میں ٹھیرایا اور خود تین تہا  
 کے وقت یہودی نصیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچا کہ اپنی کامیابی کی تدبیر اور مشورہ میں مدد  
 چنانچہ سلام بن مشکم نے حقِ نیافت ادا کیا اور اکرام کے ساتھ کھلا یا پلا یا کھانے سے فارغ ہو کر  
 ابوسفیان رات ہی کو اپنے لشکر میں لوٹا اور چند قریشی جوانوں کو مدینہ کی جانب چلنا کیا کہ خیر خبر



لائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ کی ایک سمت عریض مقام پر پہنچے اور دیکھا کہ ایک انصاری اپنے ہم قسم حلیوں کے ساتھ نخلستان میں مقیم ہیں۔ ان ظالموں نے اسی کو غنیمت سمجھا اور دونوں کاشتکاروں کو شہید کر تھوڑے سے گھر جو گرد و نواح میں آباد تھے ٹوٹ لئے درخت جلا دیئے اور بھاگ گئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ کو مدینہ پر عامل بنا کر دوسو سواروں سے اُن کا تعاقب کیا مگر کوئی ابوسفیان کا ساتھی ہاتھ نہ آیا اور مقام قرقرۃ الکدر تک پہنچ کر اسلامی لشکر واپس ہو گیا۔ کفار قریش اپنے ساتھ ستوں کی تھیلیاں زادِ راہ لیتے آئے تھے لیکن جب اسلامی لشکر کے خوف سے بھاگنا پڑا تو جانیں بھی دو بھر معلوم ہوئے لگیں۔ اس لئے بھاگتے جاتے تھے اور گھوڑوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستوں کی تھیلیاں پھینکتے جاتے تھے۔ اس لئے اس لڑائی کا نام "غزوۃ الترویج" یعنی ستوں والی لڑائی ہے۔ پانچ روز بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور بقیۃ ذی الحجہ یہاں تشریف رکھ کر بنی غطفان سے غزوہ کرنے کو نجد کا قصد کیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل بنا کر کوچ فرمایا۔ صفر کے پورے مہینے وہیں قیام فرمایا مگر لڑائی نہیں ہوئی اور شروع ربیع الاول میں مدینہ واپس ہوئے۔ بعض مؤرخین نے نجد کا غزوہ سلمہ کا واقعہ بیان کیا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے اس لئے مفصل آگے بیان ہو گا۔

## باب ۲۲

### بنی قینقاع اور کعب بن اشرف

آخر ربیع الاول میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو عامل مدینہ بنا کر قریش کی طلب میں تخران کی جانب تشریف لے گئے اور ربیع الثانی اور ماہِ جمادی الاولیٰ وہاں اقامت فرمائی۔ یہاں بھی جنگ نہیں ہوئی اور بلا محاربہ اسلامی لشکر نے مدینہ منورہ واپس کی۔

بنی قینقاع جو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی برادری کے لوگ تھے، دیگر یہودی کی طرح کاشتکار نہ تھے بلکہ سنار کا کام کرتے یا تجارت اور دوسری دشتکاری سے اوقات بسر کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی اخلاقی حالت بہت خراب تھی اور ہر چند کہ اُن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو گیا تھا کہ نیک چلنی کے ساتھ زندگی گزاریں گے مگر ان کو اپنے جہد و پیمان کا بھی لحاظ یا پاس نہ تھا۔ ایک دن ایک نوجوان لڑکی دودھ پینے کے لئے کسی گاؤں سے بنی قینقاع کے بازار میں آئی تو عیاش یہودیوں نے اُس کو پھیرا اور خوش مذاق کیا جس پر اُس نے دُعا دی اور شور مچایا۔ صحابی رضی اللہ عنہ اس راستہ سے جا رہے تھے بے وطن لڑکی کے



مردار بن گئے۔ بالآخر مسلمان اور یہودیوں میں لڑائی ہو گئی اور اُس لڑکی کا ظالم دشمن مارا گیا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں میں جوش آیا اور انھوں نے بل کر لڑکی کے مردگہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چڑھ آئے اور اس بلوہ میں دونوں جانب کے کئی آدمی مارے گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ وہاں تشریف لائے جہاں بلوہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے غصہ کو ٹھنڈا کیا چونکہ یہودیوں نے جان بوجھ کر تحریری معاہدہ کے خلاف کیا تھا۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قینقار کے پاس گئے اور فرمایا کہ ”تم مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ چھوڑ دو“ مگر انھوں نے آپ کے ارشاد کی پروا نہ کی اور کہا کہ ”اے محمد! تم قریش پر فتح پالینے سے مغرور نہ ہو جاؤ وہ لوگ تو لڑائی کے عنوان سے بالکل ناواقف تھے۔ اگر ہم سے لڑو گے تو معلوم ہوگا کہ لڑائی کس کا نام ہے اور بہادری کے کہتے ہیں؟ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ مانا۔ بالآخر مسلمانوں نے بھی ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ روز کے بعد جب یہ لوگ مغلوب ہو کر عاجز آ گئے تو دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ عبد اللہ بن ابی یہ دیکھ کر کہ میری قوم خزانہ کے ہم قسم یہودی گرفتار ہو گئے اور اب ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ ہوگا، سفارشی بن کر آگے بڑھا اور بالمحاح و اصرار عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! اگر قتار ان مصیبت پر ترس کھائے اور میری خاطر بنی قینقار کو صرف جلا وطن کر دیجئے کہ جانیں لے کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے عبد اللہ کی سفارش منظور فرمائی اور ظالم و باغی یہودیوں کی جانوں کو چھوڑ دیا۔ اس واقعہ نے بتلادیا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے والوں کی بھی اسلام کو اس قدر رعایت منظور ہے کہ باغیوں کے خون معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت خدیجہ سے نکاح کیا جو فقرا کو کثرت سے کھانا کھلانے کے سبب اُم المساکین (محتاجوں کی ماں) مشہور تھیں مگر اٹھارہ ہی دن کے بعد اور بروایت دو ماہ اور بقولے تین ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ قَدْنَا لِلّٰہِ تَا جَعُوْنَ

پندرہ رمضان کو حضرت سیدہ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن پیدا ہوئے۔ اسی سال بدھری کے جرم میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا حکم بارگاہ رسالت نافذ ہوا جو مسلمانوں کی اکثر ہجو کیا کرتا، اسلامی فتوحات سے جلتا کلتا، کشتگان بدر پر روایا کرتا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں کو آئے دن جو دینی و دنیوی تکلیفیں پہنچتی تھیں ان کا اندازہ کرنے کے لئے یہودی کج رفتار طبیعتوں اور سادہ طرز معاشرت پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام اور اسلامی ارکان و پیشوائے مسلمین کے ساتھ مذاق کرنا، محول اڑانا ان کی عادت تھی حضرت کے



حصہ دوم

پاس آتے تو اس لفظ کو جس کے معنی یہ تھے ہماری رعایت کیجئے زبانیں موڑ کر اس طرح کہتے جس کے معنی یہ ہو جاتے تھے کہ "اے ہمارے چرواہے" اور اس چالاک و فطانت پر پھولتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ بوقت ملاقات التَّسْلَامُ عَلَیْکُمْ کی جگہ التَّامُّ عَلَیْکُمْ کہتے تھے جس کے معنی ہیں "تم پر موت" اور اس لیاقت پر خوش ہو کر کہہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان حرکتوں سے ہم پر آسمانی عذاب کیوں نہیں نازل ہو جاتا؟ یہ شریر یہودی تعلیم یافتہ ہونے کے سبب اس پر بھی قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ مذہبِ اسلام کے لئے بڑی مزاحمت کی جڑ قائم کر رہے تھے کیونکہ اس زمانہ میں عرب کے اندر شاعری سے وہ کام لیا جاتا تھا جو اس زمانہ میں ہندو اخباروں اور لائق ایڈیٹر کی موثر تقریر کے رسالوں سے نکلتا ہے چنانچہ یہ یہودی اپنی شعر گوئی کے سبب اہل مدینہ کے دلوں پر گویا قبضہ کئے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ جادو و سحر اشعار کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیں اور بت پرستوں کو ان کے مقابلہ کے لئے آمادہ رکھیں تاکہ ان کی قوت آپس ہی کی لڑائیوں سے کمزور ہو جائے اور مسلمانوں کو ہماری طرف توجہ کرنے کا وقت نصیب نہ ہو۔

بدر کے میدان میں کافروں کی شکست کا افسوس جتنا اہل مکہ کو تھا اسی کے قریب قریب یہودیوں کو بھی تھا چنانچہ لڑائی کے بعد جب حضرت زید نے مدینہ میں آ کر فتح اسلام کا مژدہ سنایا تو کعب بن اشرف نے جس کی مال بنی نصیر کے خاندان کی تھی، اول تو یقین نہ کیا اور جب متعدد ذرائع سے تصدیق ہو گئی تو اس نے افسوس کے ساتھ یہ کلمہ کہا کہ "اگر اہل مکہ جیسے سردار محمد کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو ایسے ناقدر دان زمانہ کی زندگی پر افسوس اور زمین کا اندرون اُس کے بیرون سے بہتر ہے کہ مر رہیں اور یہ انقلاب آنکھوں سے نہ دیکھیں"۔ اس کے بعد مکہ گیا اور ان کا جوش بڑھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی جموں اشعار تصنیف کئے اور جو کفار میدانِ بدر میں مار گئے تھے ان کا نوحہ اور مرثیہ لکھا آخر عداوتِ قریش کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی اور غزوہٴ اُحُد میں اس کا پورا اثر ظاہر ہوا۔

کعب بن اشرف حالانکہ معاہدہ کی شرائط کو قبول اور سندِ مصالحت کی دفعات کو منظور کر چکا تھا مگر خفیہ سازشوں سے جب باز نہ آیا تو درحقیقت زمین کا اندرون اُس کے بیرون سے اُس کے لئے بہتر معلوم ہوا چنانچہ اپنی خباثت ظاہر کر کے جب مدینہ واپس آیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہے کوئی جو کعب بن اشرف کو قتل کر آئے" یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں اور اجازت چاہتا ہوں کہ تعزیر کا کوئی کلمہ جس کے ظاہری معنی سے کعب مجھ کو



پناہم خیال سمجھے اگر کہدوں تو معاف کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور یہ اپنے دوست ابونا مالکہؓ کو جو کعب کے دودھ شریک بھائی بھی تھے مع چند دیگر احباب کے اس مضمبوط محل کی جانب روانہ ہوئے جس میں کعب بن اشرف رہا کرتا تھا۔

محمد بن مسلمہ نے کعب سے ملاقات کی اور مدھی مدھی باتیں کرنے لگے۔ انہار گفتگو میں یہ بھی کہا کہ ”مدعی نبوت نے ہم کو مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ ہمیشہ صدقات و خیرات کا مطالبہ کرتا ہے یہ کلمات سن کر کعب نے کہا کہ ”ابھی کیا ہے دیکھتے رہو کہانتک نوبت پہنچتی ہے اتنے تنگ آؤ گے کہ گھبرا اٹھو گے“ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ ہمارے یہاں تو آج کھانے کو بھی نہیں ہے کچھ اناج قرض دیدیکھئے تاکہ چند روز گزارا کریں۔ اس پر یہودی نے جواب دیا کہ ہاں قرض دے سکتا ہوں مگر اطمینان کے لئے کچھ گروہ کرو۔ محمد بن مسلمہ نے دریافت کیا، کیا چیز آپ رہن رکھنی چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا کہ اپنی عورتوں کو رہن رکھو ان کا یہ کلمہ سن کر طیش آیا مگر مصالحت وقت دیکھ کر ضبط کر گئے اور جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک خوبصورت جوان آدمی کے پاس عورتوں کا رہن رکھنا حیا و آبرو کے خلاف ہے۔ کعب نے کہا اچھا اپنی اولاد کو رہن کرو۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ حمیت اس کو بھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اولاد کو ہمیشہ کے لئے طعنہ کا نشانہ بنایا جائے اور لوگ عمر بھر ان کو یوں کہیں گے کہ ”تم وہی تو ہو جو تھوڑے سے غلہ میں رہن رکھے گئے تھے“ البتہ اپنی زرہ یا جنگ کے دوسرے ہتھیار رہن کر سکتا ہوں کہ جب تک آپ کے قرض سے سبکدوش نہ ہو جاؤں گا اس کو واپس نہ لے سکوں گا۔ کعب بن اشرف نے منظور کر لیا اور یہ اپنا سامان لانے کے بہانے یہ کہہ کر کہ ”میں ابھی آتا ہوں“ ساتھیوں کے پاس واپس آئے۔

آفتاب غروب ہو گیا اور رات کی اندھیری چادر نے عالم کو ڈھانپ لیا۔ کعب، محمد بن مسلمہ کے آنے سے مایوس ہو چکا تھا کہ کسی نے دروازہ اکٹھڑا کر کعب بن اشرف نے یہ معلوم کر کے کہ محمد بن مسلمہ ہیں باہر آنے کا قصد کیا مگر اس کی بی بی نے جس کا نام عقیلہ تھا اور فن کہانت کی ماہر تھی، انہار اچھے نہ پائے اس لئے چمٹ گئی اور دامن پکڑ کر کہا کہ رات کے وقت کہیں مت جاؤ کیونکہ مجھ کو ان پکارنے والوں کی آواز میں خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے۔ کعب نے کچھ توجہ نہیں کی اور یہ کہہ کر کہ ”میرا رضاعی بھائی ابونا مالکہ اور محمد بن مسلمہ ہے کوئی غیر نہیں ہے“ باہر آ گیا دیکھا کہ محمد بن مسلمہ کے ساتھ چار آدمی اور بھی ہیں یعنی ابونا مالکہ اور ابوعبیس اور حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔ چاروں ساتھیوں کو محمد بن مسلمہ نے سمجھا دیا تھا کہ میں تدبیر کے ساتھ کعب کا مضمبوط پکڑ لوں گا پس تم اپنا کام اور اس کا قصہ تمام کر دینا چنانچہ محمد بن مسلمہ نے کعب کو دیکھا تو اکرام کیا، مسکرائے اور آگے بڑھ کر کہا کہ ”عربی سرور کے بدن سے



خوشبو کی لپٹیں داغ معطر کئے دیتی ہیں، کیسا خوشبودار تیل ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اگر اجازت ہو تو قریب سے سونگھوں؟ کعب بن اشرف کو یہ خبر نہ تھی کہ سر پر موت آپہنچی ہے۔ یہ پھولانہ سہا تھا کہ اُس کے علی کی تعریف ہو رہی ہے اس لئے فوراً سر آگے کر دیا اور کہا کہ "ہاں ہاں اچھی طرح سونگھیے"۔ ابن مسعودؓ نے سونگھا اور خوب تعریف کی اور پھر کہا کہ "سیری نہیں ہوتی اور دل چاہتا ہے کہ اسی کو سونگھے جاؤں پس ایک مرتبہ اور اجازت دیجئے کہ سونگھ لوں"۔ کعب نے پھر اپنا سر ان کے آگے کر دیا اور محمدؐ بن مسلمہؓ نے مضبوطی کے ساتھ سر پکڑ کر بالوں کو ہاتھ کے شکنجے میں ڈال لیا اور لٹکار کر ساتھیوں سے کہا کہ "ہاں، دیر نہ کرو چاروں رفیق جو وقت اور اجازت کے منتظر تھے۔ اپنا کام کر گزرے اور کعب بن اشرف کی گردن ذرا سی زمین پر پڑی ہوئی نظر آئی۔ محمدؐ بن مسلمہؓ خون آلود نقش کو تڑپتا ہوا چھوڑ کر چاروں اصحاب سمیت وہاں سے چل دیئے اور بنی امیہ و قرظہ و بعات پر گزرتے ہوئے آخر شب میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں مشغول تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ چونکہ دفعہ چار تلواروں کے ایک سر پر پڑنے سے حضرت حارث بن اوس کے پاؤں پر صدمہ پہنچا اور خون بہنے لگا تھا اس لئے ان کے چلنے میں دشواری پیش آئی اور رفتار کو ان کا انتظار بھی دیکھنا پڑا آخر جب کامیاب ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے لعابِ دہن مبارک ان کے زخمی پاؤں پر لگا دیا اور وہ اپنے رفقاء سمیت گھر واپس ہو کر آرام کی نیند سو رہے۔ صبح کو جب کعب کے مقتول ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو سناٹا چھا گیا۔ یہودی کی کمری ٹوٹ گئیں، چہرے اُداس اور بے رونق پڑ گئے آخر بڑی دھوم سے اس کا جنازہ اٹھا کر حوالہ زمین تو کیا مگر یہودی کے دل پر ایسا خوف چھا گیا کہ اپنی زندگی پر امن نہ رہا اور موت کی بھیانک تصویر نظر کے سامنے کھڑی نظر آنے لگی۔

## باب ۲۳

### دوسری جنگ یعنی غزوہ اُحُد

چھوٹی لڑائیاں جو مسلمانوں اور کافروں میں ہوا کرتی تھیں وہ آئندہ کی بڑی لڑائیوں کی تمہید تھیں، کیونکہ ادھر کافر بدلہ لینے کے لئے اپنے دلوں میں پیچ و تاب کھارہے تھے اور راوہر مسلمان اس پر آمادہ تھے کہ یا دین کو غلبہ ہو یا دنیا کی زندگی رخصت۔ چنانچہ کفار قریش نے دوسری لڑائی کے لئے خوب خوب تیاریاں کیں، عورتوں کو ساتھ لیا کہ رجز کے اشعار پڑھ کر لڑنے والوں کی ہمت بڑھا دیں اور بھاگنے



اور کو غیرت دلاتیں، اپنے کامداروں قاصدوں کو ہر جانب مختلف قبیلوں کے پاس بھیج دیا کہ قومی اور  
 ہمدردی کریں اور مذہبی جنگ میں شریک ہو کر واد شجاعت دیں۔ چنانچہ دو قومی یعنی کنانہ اور  
 بنو نضیر کے شریک حال ہوئے اور سب بلا کر تین ہزار مسلح سپاہی، جن میں سات سو زرہ و بکتر سے  
 اسلحہ پہلے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے اور تین ہزار اونٹ، دوسو گھوڑے اور  
 زرہ خوروں کے ہودج لے کر بماتحتی ابوسفیان بن حرب نہایت کثرت و فر کے ساتھ مکہ سے نکل کر  
 نہ کے شمالی جانب جہاں اُحد کی پہاڑی واقع ہے، عینین کے مقام پر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑے۔  
 مسلمانوں میں مشورے ہوئے اور بدر کی اتفاقہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے والے صحابہؓ  
 جو شجاعت کے اس پر زور دیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے۔ عبداللہ بن ابی منافق اور  
 بنو النصار نے کہا بھی کہ شہر کے ناکوں اور راستوں پر کھڑے ہو کر اپیل مکہ کی مدافعت کرنی مناسب  
 اندر نہ گھس سکیں اور سامنے سے تیروں کی بارش مرد برساتیں تو مکانات کی چھتوں پتھروں  
 امینہ عورتیں، کیونکہ تجربہ کیا ہوا ہے کہ جب کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اپیل مدینہ نے مدینہ ہی  
 قائم رہ کر مدافعت کی ہے تو ضرور فتح پائی ہے۔ مگر ان کی بات پر توجہ نہیں ہوئی اور گورسول  
 قبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی میلان خاطر اسی جانب تھا مگر جب اکثر فقار کو ایک خیال  
 پھڑپایا تو گھر میں تشریف لے گئے اور سلاح جنگ زیب بدن کئے۔ دوزرہ اور نیچے پہنیں خود  
 سر پر رکھا، چمڑے کی پٹی سے کمر کسی تلوار لٹکائی، نیزہ ہاتھ میں لیا اور تیار ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ اُس وقت  
 چند حضرات نے یہ سوچ کر کہ جناب رسالت مآبؐ میں خلافت مرضی مبارک اصرار کرنا، نامناسب تھا عرض بھی  
 لیا کہ یا رسول اللہ! اگر مرضی مبارک نہیں ہے تو مدینہ ہی میں ٹھہر کر لڑائی کی جائے، مگر اپنے فرمایا  
 کہ اب میں ہتھیار نہیں اُٹاؤں گا کیونکہ اللہ کا پیغمبر سلاح جنگ بدن پر لگا لے تو جب تک اللہ  
 پاک اُس کے اور دشمن کافروں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادیں، اُس کو ہتھیار کھولنے جائز نہیں ہے۔  
 چنانچہ آپ جمعہ کے دن ۷ شوال کو اور بروایت ۱۴ شوال کو عصر سے قبل کچھ کم ایک ہزار سواروں  
 کا اسلامی لشکر لے کر مدینہ سے باہر نکلے اور حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کو مدینہ کے پس ماندہ مسلمانوں کا  
 پیش نماز بنا کر جبل اُحد کی جانب روانہ ہوئے۔

عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ مسلمانوں سے عین وقت پر علیحدہ  
 ہو گیا اور راستہ ہی میں سے یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ خواہ مخواہ کو مرنا اور اپنے کو ہلاک کرنا کیا ضرور ہے، کوئی  
 لڑائی بھی ہو کہ مسلمانوں کا ساتھ دیں، ہم کہتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کرو مگر محمدؐ نے نہ مانا اور



دوسروں کے کہنے پر چل کھڑے ہوئے۔ جب ہماری بات ہی نہیں مانی جاتی تو اپنے کئے کا بھگتان بھی خود ہی اٹھا دیں، ہمیں کیا غرض ہے کہ مرنے اور کھٹے میں ساتھ دیتے جائیں؟ اب مسلمانوں کی فوج سنات سورہ گنتی جن میں شکل پچائش سوار تھے باقی سب پیادے۔ لیکن تاہم ان کی عالی ہمتیں اور خوش خیالات ان کو دلیرانہ رفتار سے آگے بڑھاتے لئے چلے گئے اور مربع بن قنطری اندھے منافق کے باغ میں کود کر ایسے راستہ سے کہ کفار کے لشکر پر گزرنے ہو اُحد کی تلہی میں پہنچ گئے۔ رات کو پہاڑی کے پاس مقیم رہ کر صبح کی نماز کے بعد میدان میں اُتر آئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پشت کی طرف اور عام حکم دے کر کہ میری اجازت کے بغیر جنگ میں کوئی پیش قدمی نہ کرے، جماعت صحابہ کی صف کی اول فوج کا جائزہ لیا اور جن کو نابالغ پایا ان کو مدینہ واپس فرما دیا۔ لواء جنگ حضرت مسعود کے ہاتھ میں دی اور مہینہ و میسرہ پر زبیر بن العوام و منذر بن عمرو کو تعینات فرمایا۔ ابودجانہ و ابو جوفہ گرمی کے بڑے ماہر اور چست و چاق شخص تھے اپنی تلوار عطا فرمائی اور پچاس تیر انداز جن پر حضرت عبداللہ بن جبریل کو افسر بنایا۔ فوج کے پیچھے کوہ عنین پر اُس پہاڑی درہ کے قریب بٹھا دیئے جہاں اندیشہ تھا کہ دشمن کی فوج ادھر سے نکل کر پشت کی جانب حملہ کر سکتی ہے اور ان کو تاکید کر دی گئی فتح ہو یا شکست کچھ ہی کیوں نہ ہو تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہلنا اور جو کافر اس درہ سے حملہ کرنے کا قصد کرے اُس کو تیروں کی بوچھاڑ سے پسپا کر دینا۔ اس پہاڑی کا نام اسی مناسبت سے جبل رماۃ (دھندلے اندازوں کی پہاڑی) اب تک مشہور ہے۔ ادھر ابوسفیان نے اپنے لشکر کی قطار باندھی مہینہ پر خاں ابن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو تعینات کیا عورتوں کو پیچھے کھڑا کیا اور سارے لشکر کو بدر و ذلت و خواری ان کے سرداروں کا مارا جانا اور چھانٹ چھانٹ کر بہادریوں کا قتل ہونا خوب یاد دلائے اور جوش و ہلاک ان کے بعد زندگی بے لطف ہو گیا اس لئے اس مرتبہ تم کو دکھا دینا چاہئے کہ جینا بہت آسان ہے والے کا ہے اور مرنا بھی اسی کا ہے کہ آئندہ کو نام باقی رہے۔

جنگ کا ہولناک منظر جانکنے کے لئے ۱۵ شوال کو ہفتہ کے دن آفتاب نے اُفق مشرق سے منہ نکالا۔ مسلمانوں کی جھلکتی ہوئی تلواروں نے پہاڑی کے رنگستانی نشیب کو خون کے فواروں اور کافروں کی سرخ پانی سے لالہ زار بنانا شروع کیا۔ قریشی گروہ میں سب سے پہلے ابوعامر میدان میں نکلا جو زمانہ تھا کہ انصار کے قبیلہ اوس کا سردار تھا اور زایدانہ گزران کی وجہ سے راجہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اسلام کا آفتاب نکلنے پر حسد کی آگ نے اُس کو مدینہ میں نہ رہنے دیا اور حضرت کی دشمنی کا اعلان کرتا ہوا مدینہ سے نکل گیا تھا۔ مگر میں اگر اُس نے قریش کا ساتھ دیا اور یہ اُمید دلائی تھی کہ میری قوم نے مدلول جھگڑا



ات اور مقتدرانہ نگاہ سے دیکھا ہے اس لئے میدان جنگ میں تمہارے ساتھ دیکھیں گے تو ضرور میرا ساتھ  
 لیں گے اور ہر وقت اصحاب محمدؐ کی رفاقت و اعانت چھوڑ بیٹھیں گے مگر افسوس کہ اس کی اُمید برباد  
 رہی۔ اس وقت اس نے میدان میں نکل کر اپنی قوم کو بیکار تو سنبھالے راہب کی جگہ فاسق کے خطاب سے اس کو  
 مارا اور بددعا دی کہ اے فاسق خدا کرے تیری آنکھ کو کبھی ٹھنڈک نصیب نہ ہو۔ یہ سن کر ابو عامر ذلیل  
 شرمندہ ہوا اور یہ کہتا ہوا کفار قریش میں جا ملا کہ میرے پیچھے میری قوم کی حالت دیگر گروں ہو گئی اور ان  
 صلاحیت جاتی رہی اس کے بعد اہل مکہ اپنی تعداد پر بھروسہ کئے ہوئے تکبر و نخوت میں بدست آگے  
 بڑھے اُن کے دیوتاؤں کی مورتیں جن کو اپنے خیال میں فتح و نصرت کا وسیلہ سمجھے ہوئے تھے، فوج کے بیچ میں  
 ہیں اور سرداروں کی خوبصورت بیبیاں اور خوش الحان بیٹیاں رجز گاتی اور ڈھولک بجاتی تھیں تاکہ  
 باور اندازہ میں اُبال آئے اور اس فوری جوش میں جان کا دیدنیا تنگ نظران بننے سے بھلا معلوم ہو یہ قریش  
 پہلا حملہ نہایت خوفناک تھا کیونکہ ابوسفیان کے ان واقعات کے یاد دلانے پر ہوا تھا جو سال گذشتہ میدان  
 یر میں گذر چکے تھے مگر مسلمانوں نے نہایت بہادری سے اس کو روکا اور دشمنوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ غنیم نے کئی  
 رتبہ پشت کے درہ سے داخل ہونا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا مگر تیر اندازوں کی بہادرانہ مدافعت  
 سے پاہوئے تھوڑی دیر میں عورتوں کے زور آفتاب کی تمازت سے بدن پر تپنے لگے اور کافروں کے  
 ہی چھوٹ گئے کیونکہ ان کو ہر طرف سے ناکامی کی بھیانک صورت نظر آتی تھی اور اس کی عار علیحدہ مُنہ  
 والا کر رہی تھی کہ خود ہمت باندھ کر چڑھے اور ناکام واپس چلے حضرت امیر حمزہؓ نے دیکھا کہ آفتاب چڑھ گیا  
 اور دھوپ تیز ہو گئی مگر کافر سپاہیوں کو فرار نہیں ہوئے تو لٹکائے اور شیر کی طرح کفار کے انہوہ میں گھسے چلے  
 گئے جن کی متابعت میں عام مسلمانوں نے بھی غنیم پر حمایہ کیا اور سمجھ لیا کہ بس جو ہونا ہے اس جو شیلے  
 حملے میں ہو جائے یا ہم شہید ہوں اور یا دشمن واصل جہنم۔ اور واقعی مسلمانوں کے اس خطرناک حملے  
 نے کافروں کی جمعیت میں انتشار ڈال دیا اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ پر ہا  
 کیونکہ کفار قریش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بے دین دشمن مُنہ کی جگہ کمر پر زخم کھاتے ہوئے بے سرو سامان بھاگ  
 کر عورتوں تک پہنچے، اول تو انہوں نے عار دلائی اور غیرت کی بدولت جوش پیدا کرنا چاہا مگر جب آپؐ  
 کو ناکام دیکھا تو وہ بھی سرا سیمہ بھاگ کھڑی ہوئیں بغرض اسلامی لشکر زوال سے پہلے فتح پا گیا  
 اور اب مسلمانوں نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت کافروں کی پوری شکست ہو چکی تھی  
 اور لشکرِ اسلام نے دشمن کو بھگا دیا تھا مگر افسوس کافروں کو بھاگتا دیکھ کر وہ تیر انداز جوان بھی اپنی  
 جگہ چھوڑ کر مال لوٹنے میں مصروف ہو گئے جو پشت کے درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائے گئے تھے اور



ہر خید کان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر نے اُن کو روکا تھا مگر سوائے دین آدمیوں کے کسی نے اُن کا کہنا نہ سنا اور آخر کار مسلمانوں کو وہ وقت دیکھنا نصیب ہوا جس کا پہلے سے اندیشہ تھا یعنی خالد بن ولید نے جو اس وقت تک کافر تھے مورچہ خالی پا کر بھاگی ہوئی فوج کو سمیٹا اور اس درہ سے جس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آویسوں کو لئے ہوئے بیٹھے تھے مسلمانوں کی پشت کی طرف حملہ کر دیا۔ خالد بن ولید کا بہادرانہ حملہ کوئی نہ روک سکا۔ تیر اندازوں کی مختصر جماعت شہید ہوئی اور سلامی لشکر پر بے خبری کی حالت میں عین اُس وقت جب کہ وہ خوش خوش دشمنوں کا چھوڑا ہوا مال لوٹ رہے تھے اچانک سخت حملہ ہوا جس نے سب کو متحیر و پریشان بنا دیا۔

مسلمان اس دھوکہ کے اتفاقیہ حملہ کی تاب نہ لاسکے اور اُن جتنا مشکل پڑ گیا لڑائی کا پہلو بالکل بدل گیا کیونکہ یا تو ابھی کافروں کی عورتیں ایسی پریشان ہو کر بھاگی تھیں کہ سردار لشکر ابوسفیان کی بیوی ہندہ کی پنڈلیاں کھل گئیں اور لوگوں کو غلطال نظر آگئے تھے اور یا اب وہ مسلمان تتر بتر بھاگنے لگے جن کا استقلال مشہور اور بہادرانہ ثابت قدمی مخلوق کی درد زبان ہے۔ یہ مزہمیت شاید اس کا خمیازہ تھا کہ اپنی رائے کو صائب سمجھ کر اللہ کے پیغمبر کو خلاف مرضی مبارک مدینہ سے باہر میدان جنگ میں لائے اور سال گذشتہ کی نمایاں فتح دیکھ کر اپنی قوت و بہادری پر نازاں ہو گئے تھے۔ یہ حال اپنی پشت کی جانب کے سخت حملہ میں سوائے چند اولوا العزم حضرات یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و طلحہ رضی اللہ عنہ ثابت قدم صحابہ کے اور کوئی نہ جم سکا کیونکہ دو طرفہ فوج کا مقابلہ کرنا پڑا اس لئے سب میں تشویش پھیل گئی اور اکثر مسلمان ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ بڑے بڑے جانا باز سپاہی کام آئے یعنی ستر فضا بہ شہید ہوئے جن میں حضرت کے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی داخل تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ **وَإِنَّا لِلّٰهِ سَاجِدُونَ**

اس وقت کفار کی یہی کوشش تھی کہ جس طرح ہوسلامی لشکر کے سپہ سالار پر حملہ کریں چنانچہ عقبہ بن ابی وقاص نے آپ پر پتھر پھینکے جن میں ایک آپ تک پہنچا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کے ہونٹ میں آکر لگا۔ حضرت کافران مبارک اُننا شہید ہوا کہ گولہ ٹکڑا نہیں مگر ایک جانب سے کچھ گر گیا اور نیچے ہی کا ہونٹ زخمی ہوا جس میں سے خون بہنے لگا۔ ابن قتیہ کا فر آپ تک پہنچ گیا اور تلوار یا پتھر کا وار کیا جس کے صدمہ کی آپ تاب نہ لاسکے رُخسار مبارک پر زخم آیا اور عبداللہ بن شہاب زہری نے پیشانی پر پتھر مارا جس کا خون ابوسعید کے والد حضرت مالک ابن سنان نے اپنے منہ سے چوسا تا کہ جم کر تکلیف نہ پہنچائے اور جنت کی بشارت پائی۔ چونکہ جسم مبارک پر ڈواہنی زرہ کا



آپؐ اس لئے آپؐ ایک غار میں گر گئے جس سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ آخر حضرت علیؓ نے دست مبارک  
 اٹھا اور حضرت طلحہؓ نے آپؐ کو اٹھایا تب آپؐ باہر تشریف لائے زہ کی کڑیاں پیشانی میں گھس گئیں  
 آپؐ کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے دانتوں سے پکڑ کر کڑیاں  
 نکالیں اور اپنے دو دانت اس خدمت میں اللہ کی نذر کئے۔ آپؐ چہرہ سے خون پوچھتے اور یوں فرما  
 تے تھے کہ ”کیا فلاح پائے گی وہ قوم جس نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو خون سے تر کر دیا؟“

جنگ کی اس نازک حالت میں جو کچھ بھی مسلمانوں پر گزری اُس کا کیا بیان ہو۔ شریف زادیاں  
 لڑتے لڑتے بھر کر لائیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی پھرتی تھیں۔ مسلمان شہادتِ شہادت  
 دے رہے تھے اور کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ صرف دس بارہ آدمی جو حضرتؐ کے پاس رہ گئے تھے جی توڑ کر  
 رہے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ اسی استقلال سے جھکے اور بے نفس  
 بن دشمنوں کے حملہ کو روک رہے تھے۔ اسلامی سپاہ میں ایک نشانہ چھایا ہوا تھا۔ دس صحابہؓ  
 اس نشانہ کے لئے اپنے آپ کو حضرتؐ کے لئے ڈھال بنا کر کفار کے تیر اور پتھروں کا نشانہ بنایا تھا یکے بعد دیگرے  
 مارے ہوئے تھے۔ پھر ہر وار حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ آپؐ کے روبرو شہید ہوئے تھے اور جنگ کا  
 ان حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہو چکا تھا۔ غار میں گرنے کی وجہ سے چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے تھے اور ابوسفیانؓ نے پکار بھی دیا تھا کہ محمدؐ قتل ہو گئے۔ اس وحشت  
 اور نظارہ نے رہی سہی ہمت مسلمانوں کی اور پست کر دی تھی کہ ہاتھ مست اور دل محزون و ڈھال  
 گئے تھے یکا یک حضرت انس بن مالکؓ کا ہاجر بن انصارؓ کی اس جماعت پر گزر ہوا جو ہاتھوں کو ڈالے  
 رہے مضمحل کھڑے تھے اور کہا کہ یہ وقت جان بازی کا ہے یا کھڑے ہونے کا؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو اب آپؐ کے بغیر جینا اور بھی مشکل ہے اس لئے چلو اور کوشش کرو کہ  
 وہ بھی شہید ہو کر آپؐ کے پیچھے چلے جائیں۔ چنانچہ پھر صحابہؓ رضی اللہ عنہم میں جوش پیدا ہوا اور علیؓ بن ابی طالبؓ اپنے  
 تحت سپاہیوں کو لے کر کافروں کے غول میں گھسے چلے گئے یہاں تک کہ حضرت کعب بن مالکؓ خود میں  
 مبتلی ہوئی آنکھیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان نہیں اور بے اختیار پکار اٹھے کہ مسلمانو!  
 شارت ہو کہ سید الانبیاءؑ زندہ اور تشریف فرما ہیں۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دم میں دم آیا اور آپؐ  
 یا طرف سے سمٹ کر ہالہ کی طرح آپؐ گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابو دجاہؓ نے اپنے نفس کو جناب رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنا دیا تھا کہ کمر جھکاتے دشمنوں کی طرف پشت کئے کھڑے رہے اور سر بر تیر  
 کھائے گئے مگر نہ ہاں سے جنبش کی اور نہ مضطرب ہو کر جگہ سے ہٹے۔ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ



کام آتی اور کسی دشمن کے تیرے باہر نکل کر خسار پر لٹک پڑی۔ حضرت نے سنا تو ان کو پاس بلایا اور اپنے ہاتھ سے نکلے ہوئے ڈھیلے کو آنکھ کے حلقے میں رکھ دیا یہ آپ کا معجزہ تھا کہ وہ آنکھ ایسی درست ہوئی کہ کبھی درد بھی نہ ہوا اور دوسری تندرست آنکھ سے بھی زیادہ اس سے نظر آنے لگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ آپ کے ادھر ادھر آ رہے ہوئے کھڑے رہے اور تیر اندازی سے مدافعت کرتے رہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے خون جاری دیکھا تو حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور حضرت فاطمہؓ نے خون منہ سے نکل کر جب خون بند نہ ہوا تو بوریہ کا ٹکڑا اٹھا کر ریشم کی جگہ زخم میں بھرا۔ غار سے نکل کر حضرت نے اس پتھر پر چڑھنا چاہا جہاں سے فوجیں اچھی طرح نظر آتی تھیں مگر نقاہت و ضعف اور دوزرہ کے پانی کی وجہ سے چڑھ نہ سکے اس لئے حضرت طلحہؓ نے کمر اور ہاتھ پر آپ کو سوار کیا اور آپ سہارا لے کر اوپر چڑھے، حضرت طلحہؓ کا ہاتھ شل ہو گیا اور وہ ہمیشہ اس پر فخر کرتے رہے کہ یہ عضو بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام آیا۔

مسماۃ نستیبہ بنت کعب کی ہمت و شجاعت پر آفریں ہے کہ مشک کا ندھ سے پر لے لے ہوئے در بھر پانی پلاتی پھریں اور جب ابن قتیہ کو یہ کہتے سنا کہ مجھے محمدؐ کا پتہ بتا دو کہ کدھر ہیں کیونکہ اگر آج بھی نہ بچ گئے تو مجھے نجات نہ ہو۔ حضرت نستیبہؓ تاب نہ لاسکیں اور تلوار لے کر دو تین وار پے در پے ایسے لگے کہ قریب تھا قتیہ ہلاک ہو جائے مگر اس کے بدن پر دوزرہ تھیں اس لئے بچ گیا اور آخر اس نے حد نستیبہ کے ہاتھ پر تلوار ماری جو شانہ میں اترتی چلی گئی اور ضرب کا یہ گہرا نشان عمر بھر باقی رہا۔

حضرت انس بن نضرؓ کا بدن شہادت کے بعد دیکھا گیا تو پھلنی ہو رہا تھا تیرہ تلوار کے ستر زخم بدن پر موجود تھے کہ ان کی بہن نے بمشکل انگلیوں سے ان کو پچایا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جن کے ہاتھ میں تلوار تھی، ابن قتیہ پر حملہ کیا اور آخر ابن قتیہ کی تلوار کا دار ان کے ہاتھ پر کار گر ہو گیا۔ دایہ ہاتھ بیکار ہوا تو نشان بائیں ہاتھ میں لیا اور دوسری ضرب وہ بھی کٹ گیا تو سینہ پر رکھ کر منہ سے تھام لیا۔ سینہ پر تلوار ماری گئی تو شہید ہو کر گرے اور نشان حضرت علیؓ کے پاس گیا۔ حضرت امیر حمزہؓ شیر خدا نے ارطاة بن عبد شریل اور سباع بن عبد العزیٰ کو قتل کیا اور آخر وحشی کے نیزہ سے شہید نظر کی نماز حضرت نے صحابہؓ کے ساتھ جبل عین پر قنطرہ کے قریب پڑھی اور ضعف کے سبب بیٹھ کر امامت فرمائی۔ تمام صحابہؓ نے بھی آپ کے اقتدار میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اس کے بعد مرض وصال میں جب ضعف کے سبب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو تندرست صحابہؓ کو کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ جناب



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے باہر تشریف لا کر چند مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے کہ ابی بن خلف نظر آیا جو گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آپ کی طرف بڑھا چلا آتا تھا کہ لے مجھ! اگر آج تم بچ گئے تو میں نجات نہ پاؤں۔ صحابہؓ نے چاہا بھی کہ اُس کا منہ بند کر دیں مگر حضرتؐ نے روکا اور جب وہ پاس آگیا تو حضرت حارث بن صمد سے نیزہ منگا کر اس کے چنبر گردن پر مارا۔ بٹنا نیزہ کا نشان مروٹ سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ اللہ کے پیغمبر نے مارا تھا اس لئے ابی بن خلف بیتاب ہو گیا اور نئی بار گھوڑے سے گرتا پڑتا اپنی جماعت میں پہنچا۔ ہر چند کہ اُس کے رفقاء نے اُس کو تسکین دی کہ بھڑھلنے کے کوئی اثر نہیں ہے مگر یہ یوں ہی کہتا رہا کہ یہ نیزہ اگر کسی پوری جماعت کے بھی لگتا تو سب مرنے جاتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جاں بر نہ ہوا اور واپسی میں سترق مقام پر پہنچ کر اُس کا دم تل گیا۔ ہجرت قبل مکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ملتے تو یہ ہنستا اور یوں کہا کرتا تھا کہ لے محمد! میں اپنے گھوڑے کو جس کا نام خود ہے چرا کر اور کھلا پلا کر تیار کر رہا ہوں۔ دیکھو موقع ہوا تو اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا۔ حضرتؐ نے ایک بار اُس کو یوں جواب دیا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ آج وہ قول پورا ہوا اور ابی بن خلف کو بھی وہ جواب یاد تھا اس لئے نیزہ کھاتے ہی زندگی سے مایوس ہو کر اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میں اب جاں بر نہیں ہو سکتا اور محمدؐ نے یہ حقیقت اپنا قول پورا کر دکھایا۔

مسلمانوں کا یہ فرار بہت تھوڑی دیر کا تھا کیونکہ فوراً ہی امیر حمزہؓ کی پکار پر بھاگے ہوئے مسلمان رُک گئے اور پلٹ کر جنگ میں مشغول ہو گئے اور یہ لغزش ان کی معاف کر دی گئی جیسا کہ چوتھے پارہ کے دوسرے رُبع میں مذکور ہے۔ باتیں مشرک اس جنگ میں مارے گئے اور ستر مسلمانوں نے شہید شہادت نوش فرمایا۔ ہر چند کہ اسلامی لشکر کو فتح کے بعد شکست لاحق ہوئی اور ان کی تیرائی نے دشمنوں کو بڑھنے کا موقع دیا مگر تھوڑی دیر بعد جب سلمان پھر جمع ہوئے تو اہل مکہ کی ہمتیں سست ہو گئیں اور اتنی ہی فتح کو غنیمت سمجھ کر انھوں نے واپسی کا سامان شروع کر دیا۔ البتہ عورتوں نے مسلمان لاشوں کے ساتھ وحشیانہ حرکتیں کیں اور ان کے پیٹ چاک کر کے کلیجے نکالے دانتوں سے چبائے، ناک کان کاٹ کر مثلہ کیا کہ پہچانے نہ جائیں اور ان کے ہار بنا بنا کر گلوں میں پہنے۔ اس کے بعد ابوسفیانؓ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں رفیق دنیا و آخرت صحابی حضرت صدیق رضی و فاروق رضی کو نام لے لے کر پکارا اور جب حضرتؐ کی مانعت کے سبب ان کو کچھ جواب نہ دیا گیا تو کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے یہ تینوں بھی چل بے اور دنیا کو چھوڑ گئے ہیں مگر حضرت



فاروق رضی اللہ عنہ نہ کر سکے اور باوازی بلند جواب دیا کہ "الحمد للہ تمہارا ستر کچلنے کو تینوں موجود اور میری  
وسلامت قائم ہیں۔ پھر ابوسفیان نے دو تین کلمات طنز اور کفر کے کہے جن کا جواب توحید اور اسلام  
عقائد میں دیا گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے یہ کہہ کر کہ سال آئندہ بمقام بدر ہماری تمہاری لڑائی پھر ہوگی  
سامان لایا اور واپس ہو گئے۔ مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ قریشی کروہ یہاں سے چل کر کہاں مدینہ  
حملہ نہ کر بیٹھے کیونکہ فی الجملہ غلبہ کے سبب ان کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں اور مدینہ میں عورتوں بچوں سے  
سوائے کوئی ہے نہیں اس لئے پریشان ہوئے اور چاہا کہ اس کا انتظام کریں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس پر تعینات فرمایا کہ کافروں کا تعاقب کریں اور دیکھیں کہ کون  
پر سوار ہو کر اونٹ ساتھ لے جاتے ہیں یا اونٹوں پر سوار ہو کر گھوڑے کو تل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت  
علی رضی اللہ عنہ گئے اور خبر لائے کہ اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں تب مسلمانوں کو اطمینان  
اور پہاڑ سے نیچے اتر کر شہدار کو دفن کیا۔ سورۃ آل عمران کی ساٹھ آیتیں یعنی چوتھے پارہ کے پاؤ  
شروع ہو کر نصف کے کچھ بعد تک اسی قصہ میں نازل ہوئی ہیں۔

۲۲

## شہید امیر حمزہ کی شہادت اور جنگ کا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے پیارے چچا حمزہؓ نظر نہیں آتے تو مقتولین کی نعشوں  
میں تلاش کیا اور جب ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سینہ چاک کر کے جگر نکال لیا گیا تھا ناک اور  
کان قطع کر لئے گئے تھے۔ متورت پہچانی نہ پڑتی تھی ہاتھ کی انگلیوں سے شناخت میں آئے تو بہت  
غمگین ہوئے اور ان ہی خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جن میں شہادت پائی تھی۔ حضرت امیر  
حمزہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اسلامی جنگ کے اس مشہور غزوہ میں  
شہید ہونے والے صحابی ہیں جس کے شہداء کی فضیلت و برتری قرآن مجید میں مذکور اور احادیث میں  
منصوص ہے اس لئے سید الشہداء کے خطاب کے مستحق اور سیف اللہ و سیف رسول اللہ کے لقب  
یاد کئے جاتے ہیں آپ وحشی بن حریک کے ہاتھ سے قتل ہوئے جو جبر بن مطعم کا سیاہ قام وحشی غلام تھا  
جبر کا چچا طعینہ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا اور جبر کو اس کا اس قدر صدمہ تھا کہ کسی پہلو سے  
نہ اٹھتا آخر اس نے وحشی کو جو نیزہ بازی میں قابل جرات ہمارت رکھتا تھا بلایا اور کہا کہ "اگر میرے چچا



بدلے محمد کے چچا حمزہؓ کو قتل کر دے تو قیدِ غلامی سے تو آزاد ہے۔ آزادی اسی چیز نہیں جس کی غلام کو قدر نہ ہو۔ ادھر ابوسفیانؓ کی بی بی ہند جس کا باپ عتبہ بن شیبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ حضرت حمزہؓ سے خاص عداوت رکھتی اور جب کبھی وحشی پر ہو کر گذرتی تو کہا کرتی تھی کہ زہے نصیب اُس کے جو حمزہؓ کو قتل کرے اور مجھ سے بھرپور خاطر خواہ انعام لے۔ انعام کی اس توقع نے وحشی کی طمع بڑھا دی اور اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عجم رسول اللہؐ پر اس نیزہ کا وار کرے جس کے بہادرانہ کرتب میں اس کا ملک مشہور تھا اور اپنے ہم ملکوں میں وہ خصوصیت کے ساتھ اس کی ہمارت رکھتا تھا چنانچہ جنگِ اُحُد میں وحشی بھی شریک ہوا اور حضرت حمزہؓ کی ٹوہ میں موقع کا منتظر رہا کہ وقت پائے تو دھوکے میں وار کروں جس وقت اُحُد کے نیچے میدانِ کارزار جوش پر اور قتل کا بازار گرم ہو رہا تھا ایک شخص کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا کہ مے ہے کوئی جو مقابلہ برائے؟ یہ عبدالعزیٰ کا بیٹا سباع تھا جس کی ماں اُمّ انمارؓ کے میں ملکی رسم کے موافق عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی۔ حضرت حمزہؓ کے کان میں یہ آواز پڑی تو شیر کی طرح جست مار کر اُس کے سامنے آکھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ ملے اُمّ انمار کے بچے تجھ کو بھی اتنا حوصلہ ہو گیا۔ ایک تلوار کھینچ کر ماری جس نے بجلی کا کام کیا اور عبدالعزیٰ بے اختیار ہوا زمین پر دکھائی دیا۔ مگر افسوس کہ جہاں پر یہ قصبہ ہو رہا تھا وہیں ایک پتھر سے چھپا ہوا وحشی بیٹھا تھا جو نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسی کا منتظر تھا کہ حمزہؓ کی نظر بچے اور میں حملہ کروں۔ چنانچہ دفعۃً وحشی کا نیزہ اڑتے ہوئے سانپ کی طرح حضرت حمزہؓ کی ناف کے نیچے آگیا اور اپنا کام کرتا ہوا کئی انگشت نیچے اُترا چلا گیا۔ حضرت حمزہؓ نے کاری زخم کھا کر بھی اپنے دشمن پر جست کی مگر وحشی اپنا نیزہ جسم میں چبھا ہوا چھو کر بھاگ گیا اور حضرت حمزہؓ رخ دو چار قدم چل کر گر پڑے۔ چند منٹ میں آپ کی روح پرواز کر گئی اور وحشی نے پاس آکر اپنا حربہ بدن سے کھینچ کر باہر نکالا۔ وحشی کو حریت و انعام کے لالچ میں بھڑ حضرت حمزہؓ کے دوسرے قاتل مقصود نہ تھا اس لئے واپس آکر لشکر میں بیٹھ رہا۔ ہند بنت عتبہ یہ خبر پا کر حضرت حمزہؓ کی نش پر آکھڑی ہوئی۔ آپ کے ناک کان قطع کئے، پیٹ چیر کر جلک نکالا اور دانتوں سے چبا کر چاہ کر کھل جائے مگر حلق سے نیچے نہ اُتار سکی تو تھوک دیا اور کہا کہ آج کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی ہے کیونکہ باپ کے قاتل کا خون پینے کو مل گیا۔ وحشی نے مگر پہنچ کر جبیرؓ کی غلامی سے آزادی بھی حاصل کی اور منہ سے انعام بھی پایا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو در دہنچا اُس کی تلانی نہ ہو سکی۔

فتح مکہ کے بعد حضرت ہند بھی ایمان لے آئیں اور وحشی نے بھی اسلام قبول کیا اس لئے اس خطا کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا خصوصاً جب کہ وحشی نے اس حرکت کی تلانی بھی کرنی چاہی کہ مسلمان ہونے



کے بعد میلہ کذاب کو یہ کہہ کر قتل کیا کہ میرے کاش خمرہ رنہ کے قتل کا نذارک اس قتل سے ہو جائے۔ وحشی کے مسلمان ہونے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو پاس بلایا اور اپنے حیا کے قتل کا قصہ سنا اُس وقت آپ چشم نم ہوئے اور فرمایا کہ تم مسلمان ہو میں تم سے کوئی انتقام نہیں لے سکتا مگر تمہاری صورت دیکھ کر مجھے خمرہ رنہ کی یاد آتی اور صدمہ تازہ ہو جاتا ہے اس لئے میرے سامنے مت آیا کرو۔ چنانچہ وحشی جب حاضر خدمت ہوئے تو پس پشت بیٹھتے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے حزن و غم کا سبب بننے سے اپنے آپ کو بچاتے رہے کہ اعمالِ خبط نہ ہو جا دیں اور دینی مصرت لاحق نہ ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شہداء میں تھے جن کے مُنہ سے حضرت جابر بار بار کپڑا اٹھاتے اور دیکھ کر رونے لگتے تھے کیونکہ یہ صورت پھر دنیا میں نظر آنے والی نہ تھی اور اُن کی پھوپھی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آنسو بہا رہی تھیں جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا کہ رُو دِ ممت دیکھو ان پر خدا کے فرشتے اپنے پردوں کا سایہ کئے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نیپٹیا چھوڑیں جن کی کفالت ان کے بھائی جابر رضی اللہ عنہ کی اور درحقیقت حق ادا کر دیا کیونکہ انھیں کے خیال سے اپنی شادی بھی کی تو ایک بیوہ عورت کے تاکہ ان لڑکیوں کی پر وخت کر سکے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ میں روانگی کے وقت اُن کو گھری چھوڑ گئے تھے کیونکہ بچوں کا نگر اُن کوئی مرد ذات نہ تھا جب شہید ہو گئے تو میدان میں گئے اور باپ اور ماموں کی نعش اُٹھا کر لائے کہ مدینہ میں دفن کریں۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنا کہ جو جس جگہ شہید ہوا ہے وہیں دفن بھی ہو۔ تو انھوں نے جنازہ واپس کر کے اُحُد کی تلہٹی میں پہنچا دیا اور شہداء اہل اُحُد کے ساتھ دفن کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چونکہ عیالدار تھے خرچ زیادہ تھا اور آمدنی کم اس لئے مقروض تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے گوارا نہ کیا کہ باپ پر حق العبد ہے اس لئے قصد کر لیا کہ گو سب کو سال بھر فاقہ کشی سے گزارنا پڑے مگر سال بھر کی پیداوار قرض خواہوں کے حوالے کر دوں گا۔ چنانچہ جس وقت ان کے باغ میں چھو اے پک گئے اور توڑ کر خرمن لگا دیئے گئے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لے گئے کیونکہ اپنے مرحوم باپ کا پورا قرض ادا ہونے کے لئے اس کو کافی سمجھتے تھے اور خیال تھا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہ کچھ رعایت کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خرمن تر کے گرد تین چکر لگا کر برکت کی دعا فرمائی اور ان قرض خواہوں کو پیانہ سے ناپ ناپ کر دینے کا حکم دیا جو طیش کھا رہے تھے کہ اتنے چھو اے ہائے قرض کو کیونکر بھروں گے۔ مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا جو سبکی تھی اس لئے اس کی برکت کا کیا پوچھنا۔ چنانچہ ایک طرف سے قرض خواہوں کو دینا شروع کیا گیا اور جس وقت جبہ قرض ادا ہو گیا تو دیکھا گیا کہ



میں تھر سالم اور بھر پور پڑا ہوا ہے ایک دانہ کی بھی کمی نظر نہیں آتی۔ اس طرح حضرت جابرؓ نے سارے  
رض سے شکدوش ہو کر اہل و عیال کا نفقہ بھی پالیا اور نیک نیتی کے صلہ میں مراد سے زیادہ نفع اٹھایا۔

انھیں شہدار میں حضرت مصعب بن عمیرؓ پڑے سوتے تھے جن کے ابتدائی اور انتہائی حال کا دنیوی  
فرق بیابان کئے دیتا ہے، کیونکہ ایک دن وہ تھا جب کہ یہ پڑے والد اور اپنی قوم کے رئیس کہلاتے تھے  
اسلام سے محروم تھے مگر دنیوی نعمت کوئی ایسی نہ تھی جو ان کو حاصل نہ ہو، اور یا ایک دن یہ ہے کہ اسلام  
اور شہادت کی دولت کا مال ہیں مگر کفن کے لئے چادر بھی پاس نہیں ہے جس میں بدن چھپ سکے  
اگر سر ڈھانپا جاتا ہے تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپائے جاتے ہیں تو سر نکلا ہو جاتا ہے آخر چادر  
سبکی جانب سر کا دی گئی اور پاؤں پر اذخر ڈال دی گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ  
سعد بن ربیع رض بھی نظر نہیں آتے تو حضرت زید بن ثابتؓ کو تلاش کے لئے روانہ کیا اور فرمایا کہ اگر زندہ  
پاؤ تو میرا سلام کہنا اور پوچھنا کہ کیا مزاج ہے۔ چنانچہ حضرت زیدؓ نعتوں کو ڈھونڈتے ہوئے پہنچے اور  
دیکھا کہ تیرہ اور تلوار اور تیروں کے شتر زخم کھائے ہوئے حضرت سعدؓ زمین پر پڑے ہوئے اور خون  
میں نہاتے ہوئے دم توڑ رہے ہیں۔ حضرت زیدؓ پاس آئے اور حضرت کا سلام و پیام پہنچایا حضرت سعدؓ  
پر غلہ حال سے رقت طاری ہوئی اور فرمایا کہ حضرت میرا بھی سلام عرض کرنا اور کہنا کہ الحمد للہ  
جنت کی خوشبو سونگہ رہا ہوں۔ اور میری قوم انصار کو یہ پیام پہنچا دینا کہ جب تک تم میں ایک نفس  
اور دیکھنے والی آنکھ باقی ہے اگر تم نے حمایت نبیؐ میں کوتاہی کی اور دشمنوں کو حضرتؐ کے پاس  
پہنچنے کا موقع دیا تو یاد رکھنا کہ حق تعالیٰ کے سامنے منہ کرنے کا موقع نہیں اور نہ کوئی عذر مستنا  
جائے گا۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور راہی دار البقار ہوئے۔

حضرت خدیجہؓ بڑھے شخص تھے اور مدت شہادت کے حریف تھے ان کے صاحبزادے حضرت  
سعدؓ جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ جنگ احد کے دن حضرتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور  
عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ رات میں نے اپنے بیٹے سعدؓ کو خواب میں دیکھا کہ نہایت حسین صورت بنا ہوا  
جنت میں پھر رہا ہے اور مجھ سے یوں کہتا ہے کہ ہمارے پاس آ جاؤ دونوں ایک جگہ رہیں گے دیکھو ہم نے  
تو جو کچھ ہم سے خدا تعالیٰ وعدہ فرمایا تھا، حق پایا، سو یا رسول اللہؐ میں بوڑھا ہو گیا، اعضاء مسست  
پڑ گئے کمزوری بڑھ گئی اور اپنے خدا کی لقاء کا شوق زیادہ ہو گیا اس لئے دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ  
نوازے اور شہادت نصیب فرما کر سعدؓ کے پاس پہنچا دے۔ چنانچہ حضرتؓ دعا فرمائی اور یہ میدان کارزار  
میں شجاعت کے جوہر دکھا کر فاتر المرام ہوئے، شہید ہوئے اور بیٹے سے جا ملے۔



حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غلبہ شوق میں قسم کھائی اور آج جنگِ اُحد کے دن اس طرح کہا تو کہ "یا اللہ وہ بھی دن ہو گا کہ کسی زبردست کافر سے لڑوں گا اور وہ مجھ کو شہید کر کے بدن کے سارے کپڑے اتارے گا، میرا پیٹ چاک کرے گا ناک کان کاٹے گا اور تو مجھ سے سوال کرے گا کہ یہ کیوں ہوا؟ تو میں جواب دوں گا کہ سب کچھ آپ کی خاطر اور آپ کے راستہ میں ہوا۔ چنانچہ آج مراد پوری ہوئی اور جیسا کہ تمنا سامنے آیا۔

ان کے پاؤں میں لنگ تھی اور ان کے چاروں جوان بیٹوں نے شریکِ جنگ ہو کر ان کو مستغنیٰ کر دیا تھا مگر شہادت کے شوق میں اتنے مغلوب ہوئے کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کاش وہ وقت نصیب ہو کہ شہید ہو کر جنت میں جاؤں اور لنگڑے پاؤں سے دہاں سیر کرتا پھروں۔" حضرت نے فرمایا بھی کہ تم معذور ہو اور جنگ سے مستثنیٰ۔ مگر جب ان کا زیادہ اصرار ہوا تو ان کے بچوں سے فرمایا کہ بہتر ہے ان کو اجازت دیدو، کیا عجیب ہے کہ حق تعالیٰ ان کو شہادت سے نوازے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شریکِ جنگ ہوئے اور شہادتِ شہادت پی کر کامیاب ہوئے۔

مدینہ میں جنگ کے متعلق وحشت ناک خبریں پہنچیں تو عورتوں، بچوں، بوڑھوں میں پریشانی پیدا ہو گئی۔ ایک انصاری عورت جن کا نام غالباً رافع کی بیٹی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا بتیاب ہو کر گھر پہنچ گئی۔ کھڑی ہوئیں اور دریافت کیا کہ کون کون شہید ہوا؟ اور جب لوگوں نے کہا کہ تمہارے بھائی باپ، خاوند اور بیٹے شہید ہو گئے۔ تو کہا مجھے بتاؤ کہ ہمارے پیشوا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں حضرت محمد اللہ بعافیت ہیں، تو بنتِ رافع کو سکون ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ حضرت زندہ ہیں تو پھر کسی کے مارے جانے کا غم نہیں، یہ مصرعہ پڑھا:   
 كُلُّ مَصِيبَةٍ بَعْدَهَا يَأْسٌ سَوَّلَ اللَّهُ حَبْلًا

کہ آپ کی خیریت کے بعد یا رسول اللہ ہر مصیبت صغیر اور بے حقیقت ہے۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اُن کے صاحبزادے عمر بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تحریر فرمائی اور بشارت دی کہ خوش ہو اسے بنتِ رافع تمہارا نختِ جگر جنت میں پہنچا۔

حضرت عمر بن ثابت جو اصیرم کے نام سے پکارے جاتے تھے، کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو آئے تھے مگر میدان میں پہنچ کر حق تعالیٰ نے اُن کو اسلام کی توفیق بخشی اور یہ مسلمان ہو کر کسی کو اطلاع دینے بغیر وہاں سے نکل آئے اور تلوار لے کر کافروں کو قتل کرنا شروع کر دیا آخر زخمی ہوئے اور کمزور ہو کر گر پڑے۔ شہداء کی تلاش کے وقت اُن کو بھی پڑا پایا تو لوگوں کو حیرت ہوئی۔ پھر



گئے تو دیکھا کہ دم باقی ہے اور سانس شمار کر رہے ہیں۔ اُس وقت کسی نے دریافت کیا کہ "تو بی جوش نے یہ حالت کی یا اسلامی مجتہد؟" تو انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ حضرت نے سنا تو مسرور ہوئے اور فرمایا کہ "مستیرم جنت میں گئے۔ یہ وہ مبارک صحابی ہیں کہ ایک نماز بھی نہ پڑھی اور جنت کے سردار قرار پائے۔" ثابت بن وقش اور حذیفہ کے والد حضرت یمان بوڑھے شخص تھے غلبہ شوق شہادت میں نکل کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ آخر ایک دن مرنا ہے اس موت سے بہتر کوئی موت ہوگی دونوں تلواریں لے کر دشمنوں کی فوج میں بغیر اس کے کہ اپنی جماعت کو بھی اپنی حاضری و قصد کی اطلاع دیں، گھس گئے آخر حضرت ثابت کسی کافر کی تلوار سے شہید ہوئے اور حضرت یمان پر لشکرِ اسلام کی سرانجامی کے وقت مسلمانوں کی تلواریں آپڑیں اور ہر چند کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو میرے والد ہیں مگر سلامی تلوار کام کر چکی تھی اور سب جان میں حضرت یمان رضی اللہ عنہ اپنے دینی بھائیوں کے ہاتھ شہید ہو چکے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بوڑھے باپ جنت کو سدھارے اس لئے یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ مسلمانو! اللہ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ ہر بان ہے۔ بعد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا بھی کہ قاتل مسلمانوں سے قتل خطا کی دیت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دلائم مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ اپنے بھائیوں سے کیا دیت لوں۔ ناواقعی کے سبب جو ہونا تھا ہولیا۔ باقی میرے باپ کے لئے اس سے زیادہ کیا نعمت ہوگی کہ شہید ہوئے اور دنیا میں ان کی زیارت تو نہ دیت لینے سے حاصل ہوگی نہ دیت کے چھوڑنے۔ جنگ سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدار کے لئے قبریں کھدوائیں اور دو دو تین تین حضرات کو ایک جگہ دفن فرمایا البتہ جن کو قرآن زیادہ یاد تھا ان کو افضل سمجھا گیا اور ساتھی کے آگے اور لحد میں مقدم مدفون ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر بن جموح جن میں باہم دوستی تھی ایک قبر میں دفن ہوئے اور حضرت نے فرمایا کہ دونوں دوستوں کو ایک ہی جگہ رکھو۔ اس کے بعد اپنے شہدائے احد پر سلام بھیجا ان کے فضائل بیان کئے اور ارشاد فرمایا کہ ان کو مرا ہوا نہ سمجھو یہ زندہ ہیں اور ان کو خدا کے پاس رزق ملتا ہے قیامت تک جو بھی ان پر سلام بھیجے گا بخش گئے اور اُس کا جواب دیں گے۔ چھالیس برس کے بعد بزمانہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے شہداء کی قبریں کھلی گئیں اور نعشوں کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو سب کے بدن اسی طرح شگفتہ تھے کہ بدن سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ ہاتھ سینہ پر تھا اُس کو اٹھایا تو سینہ کے زخم سے خون فوارہ کی طرح اُٹا اور ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ اپنی جگہ جا رہا اور خون بند ہو گیا۔

جنگ سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار میں



شکستگی کا اثر ہے اور گائے ذبح کی جاری ہے اور آپ نے محفوظ زرہ میں اپنا ہاتھ داخل فرمایا۔ پس اس کی تعبیر ظاہر ہوئی کہ ہزیمت پیش آئی اور شترجیاں باز صحابہ شہید ہوئے اور مدینہ میں رہنا حفاظت کا سبب تھا مگر قضا و قدر سے ہر شخص مجبور ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہ کو جو کچھ منظور تھا اور ہوا اور جن جن مصالحتوں سے اس کا وقوع ضروری تھا وہ ظاہر ہوئے چنانچہ سچے اور منافق مسلمانوں کا امتیاز، صحابہ رض کا شہادت کے مراتب علیہ سے نوازا، مسلمانوں کی آزمائش و امتحان، تکلیف شکیستی و صدمہ پہنچا کر اس کا دنیوی و دینی ثمرہ عطا فرمایا، پیغمبر کی رائے کو مقدم سمجھنے اور خلاف طبع اصرار نہ کرنے کی تعلیم ہمیشہ نظر بخدا رکھنا اور کسی فتح پر نازاں نہ ہونا، مال کی حرص اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی سے ہر حال میں بچنا، اس جنگ کے وہ ثمرات ہیں جن سے اخلاقی تعلیم حاصل ہوئی اور جنگ بدر کی فتح و غنیمت کے بعد یہ دوسری نعمت مسلمانوں کو حاصل ہوئی **غَلَّيْهِ اَلْحَمْدُ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ**۔

اُحد سے واپس آ کر حضرت نے ہتھیار کھولے اور ذوالفقار نامی تلوار جو خون آلود تھی حضرت فاطمہ کو دے کر ارشاد فرمایا کہ بیٹی اس کو دھو کر صاف کر دے اس نے آج خوب کام دیا اور خوب جوہر دکھلائے۔

## باب ۲۵

### حمرائہ الاسد اور ریح

شوال کے مہینہ کی سولہ تاریخ تھی اور ابوسفیان مع لشکر کفار مکہ کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کو مدینہ میں پہنچ کر جنگ کی تکان رفع کرنے کے لئے ایک دن بھی آرام نہ ملا تھا کہ شہر میں دی ہوئی اور معلوم ہوا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قریشی لشکر کا تعاقب کیا جاتے ہیں اور صرف انھیں صحابہ رض کو ہمراہ لیجا تیں گے جو جنگ اُحد میں شریک تھے کیونکہ یہ خبر سنی گئی تھی کہ ابوسفیان میدان جنگ سے آ کر پشیمان ہوا اور مقام رومہ میں پہنچ کر ساتھیوں سے کہنے لگا کہ غلبہ تو خاطر خواہ ہم کو حاصل ہو چکا تھا پھر محمد کو کیوں نہ قتل کیا، چلو واپس چلیں اور مسلمانوں کو پورا مزہ چکھا کر آئیں اس لئے حضرت نے مناسب سمجھا کہ تعاقب کیا جائے تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مردانِ دین نے ضعف کا اثر قبول کر لیا۔

مسلمان حالانکہ خستہ و زخمی تھے مگر فوراً آادہ و تیار ہو گئے۔ حضرت جابر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ



ی ولی تمنا ہے کہ کسی جہاد میں بھی آپ کی ہمرکابی نہ چھوڑوں۔ بہنوں کی تنہائی کے سبب باپ کے حکم سے  
 میں شریک نہ ہو سکا تھا اس لئے اجازت دیجئے کہ اب ساتھ چلوں۔ چنانچہ آپ نے ان کو اجازت دیدی  
 ان کے علاوہ کسی ایسے شخص کو جو اُحد میں شریک نہ تھا اپنے ہمراہ نہ لیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے جان نثار صحابہؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ سے آٹھ میل باہر مقام حمار الاسد تک پہنچے اور وہاں قیام فرمایا  
 ابوسفیان کی جرات نہ ہوئی کہ واپس ہو کیونکہ معبد بن ابی معبد خزاعی نے جو مسلمان ہو گئے تھے او  
 سفیان کو اس کی اطلاع نہ تھی، روعار مقام پر قریشی لشکر سے مل کر ان کو ڈرایا کہ مسلمان پوری  
 اُخت کے ساتھ تمہارے سروں پر آہنچے پس اپنی جانیں بچاؤ اور جو فتح کا نام حاصل ہو چکا  
 ہے اُس کو غنیمت سمجھو ایسا نہ ہو کہ بات پلٹ جائے۔ ابوسفیان نے اگرچہ کہا بھی کہ ہم تو واپس ہو کر تمام  
 مسلمانوں کا بیج نابود کرنے کا عزم کر رہے ہیں۔ مگر جب مدینہ یوں جواب دیا کہ تم کو مراد حاصل ہونی چاہی  
 ہے میں بغرض خیر خواہی کہتا ہوں کہ واپسی کا قصد مت کرو، آئندہ تم کو اختیار ہے تو سب کی ہمتیں  
 ست ہو گئیں اور تم کا راستہ لیا۔ راہ میں ایک مُشرک ملا جو مدینہ جا رہا تھا۔ ابوسفیان نے اس کو اپنا  
 اُحد بنایا اور کہا کہ محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ کو خوف دلانے کے لئے یوں کہہ دینا کہ ابوسفیان تم پر یوں پڑنے کا  
 بختہ عزم و تہیہ کر رہا ہے اور اس پیام رسائی کی اُجرت تم کو واپس آنے پر ایک اونٹ بخشش دے گا چنانچہ  
 بعض مسلمانوں سے ملا تو اُس نے ابوسفیان کا پیام جو محض تخویف کی غرض سے تھا پہنچایا۔ مسلمانوں  
 نے اُس کو سنا اور نہایت استغلاال کے ساتھ جواب دیا کہ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْكَيْلُ دہم کو خدا کافی ہے  
 اور وہ اچھا کار ساز ہے، اس کے بعد تین روز وہاں قیام فرمایا اور باطمینان مدینہ واپس آئے۔

اس کے بعد بقیہ شوال اور پورا ذیقعدہ و ذی الحجہ آپ نے مدینہ میں گزارا۔ شروع محرم میں آپ  
 اطلاع ملی کہ بنو نضیر کے بیٹے طلحہ اور سلمہ قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ کو مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے  
 ہیں، تب آپ نے حضرت ابوسلمہؓ کو ڈیڑھ سو ہاجرین و انصار کا سردار بنا کر اس کے مقابلہ کو بھیجا چنانچہ  
 ابوسلمہ روانہ ہوئے مگر لڑائی نہیں ہوئی البتہ غنیم کے مویشی کچھ بکریاں اور کچھ اونٹ ہاتھ آئے، وہ  
 لے کر حضرت ابوسلمہؓ مدینہ آ پہنچے اور حضرتؓ کے سامنے رکھ دیا۔

پانچویں محرم کو خالد بن سفیان ہذلی کے لشکر جمع کرنے کی خبر سن کر حضرت عبداللہ بن اُمیس کو مقابلہ  
 کے لئے روانہ فرمایا چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور اٹھارہ روز کے بعد ۲۳۔ محرم کو واپس ہوئے خالد کا سر  
 جو کاٹ کر لائے تھے حضرتؓ کے سامنے رکھ دیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرور ہو کر عَصَا  
 انعام میں دیا اور فرمایا کہ ”یہ میرے اور تمہارے درمیان علامت ہے قیامت کے دن چنانچہ انھوں نے عمر بھر



اس کی حفاظت کی اور مرتے وقت وصیت کر گئے کہ اس لائچی کو میرے کفن میں رکھ کر قبر میں دفن کر دینا  
قیامت کے دن اس کو لے کر اٹھوں گا اور حضرت کے سامنے پیش کر کے صلہ لوں گا۔

ابوسفیان اُحد سے واپس ہو کر مکہ پہنچا تو خالد کا بیٹا سفیان چند آدمی قبیلہ عضل اور قارہ کے  
اپنے ہمراہ لے کر قریش کو فتح کی مبارکباد دینے مکہ آیا اور سنا کہ سعد کی بیٹی سلافہ نے جس کے دواڑے کے  
جنگل اُحد میں مارے گئے منت مانی ہے کہ اگر اُن کے قاتل عاصم بن ثابت کا سر ہاتھ آجاتے تو اُن  
کی کھوپری میں شراب بھر کر پیوں اور اعلان کیا کہ جو شخص عاصم رض کا مجھ کو سر لا کر دے گا تو اُن کو  
اُس کو انعام دوں گی۔ سفیان کو سوا دنوں کی طرح لے آکسا یا اور اس پر آمادہ کیا کہ جس طرح وہ  
سلافہ کو عاصم رض کا سر حوالہ کرے اس لئے اُس نے واپس آکر قبیلہ عضل اور قارہ کے ساتھ آدمیوں کے  
مدینہ کی جانب اس غرض سے روانہ کیا کہ کسی چال کے ساتھ چند مسلمانوں کو مع عاصم رض کے یہاں نکال  
چنانچہ یہ لوگ صفر کے مہینے میں مدینہ پہنچے اور حضرت عاصم رض ہی کے مکان پر ٹھہر کر مخلص مسلمان  
کا اظہار کیا اس کے بعد انھیں کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے  
اور کہا کہ یا رسول اللہ چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے کہ ہماری قوم کو قرآن مجید پڑھائیں مسائل  
شرعیہ بتائیں اور ہم کو دینی تعلیم دیں اور کیا اچھا ہو کہ عاصم رض بھی ہمارے ساتھ بھیجے جائیں گے  
اُن کے وعظ و قرأت کا اثر اچھا ہو گا۔

کسی کو کیا خبر کہ دوسرے کے دل میں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور بروایت  
چند صحابہ رض یعنی مرتد، خالد بن بکر، عاصم بن ثابت، خبیث بن عدی، زید بن وثنہ اور عبد اللہ بن  
طارق کو مامور فرمایا کہ نو مسلموں کی تعلیم کے لئے جائیں اور حضرت مرتد کو ان پر امیر بنا کر مدینہ سے  
روانہ کیا۔ یہ حضرات تھیلی میں مدنی چھوڑوں کی زاد راہ بھر کر چلے اور جس وقت رجب پر کہ تالاب ہے  
قبیلہ ہذیل کا، پہنچے تو میزبانوں کا رخ بدلا ہوا پایا کیونکہ انھوں نے چرخ ماری اور ہذیل کو مدد کے  
لئے بلا یا۔ نیز ایک شخص نے ابوسفیان بن خالد سے جا کر خبری کر دی اور وہ بھی تیر اندازوں کی ایک  
جماعت کو ہمراہ لے کر مدنی کھجوروں کی گٹھلیاں دیکھتا اور پاؤں کے نشان لیتا ہوا یہاں پہنچا۔  
حضرت عاصم رض ان کی بدتمیزی سے واقف ہو کر ہوشیار ہو گئے اور ہمراہیوں کو لے کر فد فدر جا  
چڑھے، ترکش سے تیر نکال لئے، تلواریں سونٹ لیں، کمان سامنے کر لی اور جب دشمن آئے تو عاصم  
نے لکار کر فرمایا کہ صاحبو! شہادت کو غنیمت سمجھو تمھارے ساتھ دھوکہ کیا گیا مگر کچھ گھبرانے کی بات  
نہیں ہے تمھارا محبوب تمھارے ساتھ ہے اور جنت کی خوریں تمھاری منتظر۔ سفیان بن خالد چونکہ



میں تھا عاصم رضی اللہ عنہ کی شراب کا پیالہ اور دوسرے واعظوں کو اہل مکہ کا غلام بنانے کی یہاں تک پہنچا تھا اس لئے کہنے لگا کہ اے مدنی مسافر! ہمارا مطلب تمہارے خون سے اپنا جنگل کرنا نہیں ہے، ہماری مراد صرف اس قدر ہے کہ تمہاری وجہ سے کچھ مال اہل مکہ سے ہم کو ملجائے۔ قسم کھاتے ہیں کہ تم کو قتل نہ کریں گے لہذا تم بھی لڑنے کا قصد نہ کرو، ورنہ تمہاری مختصر جماعت کچھ نہ کر سکے گی اور مفت جان جائے گی۔ حضرت مرثد اور خالد اور عاصم رضی اللہ عنہ نے مشرک کی پناہ میں ارا نہ کیا اور جواب دیا کہ ہمیں مارے جانے کا کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا سر خدا کی نذر ہے جس سے اور جہاں چاہے لے لے یہ کہہ کر کہاں پر ہاتھ ڈالا اور کفار کی جانب تیر بھینک مارا۔ لڑائی ہونے لگی اور اندازوں نے تیروں کی بوجھ سے غبار اڑانا شروع کر دیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ چپکے سے گئے کہ سلاۃ ان کے کاسہ سر میں شراب پینا چاہتی ہے اس لئے دعا کی کہ اللہ! میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جاتا ہے تو ہی اس کا محافظ و نگہبان ہے۔ میرا جسم کافروں کے حوالے ہوگا۔ اس کے بعد انھوں نے معہ اپنے ساتھیوں کے دل کھول کر سفیان کا مقابلہ کیا پھر ختم ہو جانے بعد نیزہ ہاتھ میں لیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار کے پے در پے وار کئے یہاں تک کہ گر پڑے اور اوت کا شربت پیتے ہوئے جان بحق تسلیم ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط

سفیان نے چاہا کہ ان کا سر کاٹ لے تاکہ سلاۃ کے نذر کرے مگر اللہ تعالیٰ نے شہد کی نگہبوں کا اور واپس بھڑوں کا لشکر بھیجا جنہوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسا جھڑٹ مارا کہ کسی کافر کو پاس آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر یہ کہہ کر سب الگ ہو گئے کہ رات کو جب کھیاں دفع و جاتیں گی تب سر کاٹ لیں گے۔ مگر جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کو بہا لے لیا کہ کافروں کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ عاصم کہاں گئے۔

خبیب بن عدی، عبد اللہ بن طارق اور زید بن دثنہ نے دیکھا کہ تین ساتھیوں نے شہادت پائی تو لڑنے کی طاقت نہ دیکھی اور ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو کافروں کے حوالے کر دیا چنانچہ انھوں نے کمانوں کے چلے آ کر ان کے ہاتھ باندھ لئے اور غلام بنا کر مکہ کی طرف لے چلے کہ فروخت کر دیں۔ ظہران مقام پر پہنچ کر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے بندے ہوئے ہاتھ کھول لئے اور تلوار کھینچ کر مقابلہ کے لئے سامنے کھڑے ہوئے۔ سفیان کی جماعت ٹھٹکی اور ان پر پتھروں کا سینہ برسا یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ شہید ہوئے اور ظہران ہی میں قبر بنی۔ اس کے بعد کافرا نے قیدیوں کی طرف متعاط ہو گئے اور ہتھیاری کے ساتھ دیکھ بھال کرتے ہوئے مکر پہنچے۔ سفیان نے سلاۃ کے انعام سے مایوس ہو کر ان دونوں



قیدیوں کو مکہ کے بازار میں بیچ دیا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ کو حارث بن عامر کے بھتیجے حمیر بن ابی اسلمہ نے تلواریں دے کر خریدنا تاکہ اپنے باپ کے معاوضہ میں قتل کرے اور حضرت زید کو زہیر بن اسیر اور جامع سے بچاؤ اور بڈے صفوان بن امیہ نے مول لیا تاکہ اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں ان کو قتل کر کے اپنی پاس قبیلہ ہذیل کے دو شخص مکہ میں قریش کے ہاتھوں قید تھے ممکن ہے کہ اس رقم میں ان دونوں کو چھڑا دیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کا فدیہ قرار دیتے گئے ہوں بہر حال بنی ہذیل مکہ سے دایرہ اور یہ دونوں صحابی رضاکفار مکہ کے قیدی بن کر مکہ میں رہے ۔

## باب ۴۶ — ۵۴

### سولی اور اس کا انجام

صفوان بن امیہ نے اپنے قیدی کے قتل میں تاخیر مناسب نہ سمجھی اور اپنے غلام نسطاس کی میں حرم سے باہر تنعیم پر حضرت زید کو قتل کرادیا۔ ان کا قتل دیکھنے کے لئے قریش کی ایک جماعت تنعیم جمع ہو گئی اور جب حضرت زید کو قتل کے لئے لایا گیا تو ابوسفیان نے کہا کہ اے زید تجھ کو قسم ہے خدا کی کہنا کیا تجھ کو پسند ہے کہ محمدؐ تیری جگہ ہوں کہ ہم ان کی گردن اڑائیں اور تو آرام سے اپنے گھر بیٹھے رہے۔ زید نے جواب دیا کہ ”حضرت جہاں تشریف فرما ہیں اگر وہاں بھی آپ کے کاٹنا چھوے تو مجھے اپنے گھر بیٹھا نہیں۔“ اسی حالت میں زید کا یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے اور ابوسفیان نے کہا کہ محمدؐ کے ساتھ کو محمدؐ سے جتنی محبت کرتے ہوئے دیکھا ہے واللہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے بعد جلاوٹ لے کر تلواریں اٹھائیں اور ان کو شہید کیا فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حضرت خلیفہؓ البتہ مدت تک قید رکھے گئے اور جب ماہ ہائے حرام نکل لئے تو ان کو بھی پھانسی کے لئے حرم سے باہر تنعیم میں لایا گیا اور عام اطلاع دیدی گئی کہ جس کا جی چاہے تماشا دیکھے تنعیم میں پھانسی قائم کی گئی اور حضرت خلیفہؓ کو حراست میں لا کر قریشی گروہ کے بیچ میں کھڑا کر دیا گیا ہر حال کہ موت کا منظر سامنے ہے مگر ان کے چہرے پر کسی قسم کے خوف یا ہراس کا اثر نہیں آخر جب ان کو چھڑا دیا گیا آخری خواہش ہو تو ظاہر کر دیا کہ پوری کر دی جائے، تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے کو جہلت دو کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کیونکہ لقاءِ رب کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ دُنیوی زندگی کی آخری کام نماز ہو، چنانچہ اجازت دی گئی اور یہ وضو کر کے اپنے خدا کے حضور میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ نماز پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر کر فرمایا کہ شاید تم یہ سمجھو کہ خلیفہؓ موت



اور وقت ملتا ہے اس لئے اختصار کے ساتھ ذکر رکعت پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ جی چاہتا تھا کہ رکعتوں میں دل اور مناجات رب کی لذت و برکت حاصل کروں، سو اب قصہ ختم کرو اور جو کرنا ہو کر گذرو۔ انہوں نے حجر مٹنے سے حضرت خبیبؑ کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ ایسا استقلال دیکھنے میں نہیں ملتا۔ اس کے بعد پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا۔ اس وقت حضرت خبیبؑ کا منہ جبراً قبلہ کی طرف سے دیا گیا تھا جس کی انہوں نے کچھ بھی پروا نہیں کی اور یہ آیت پڑھی فَأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا افْتَرَوْا عَلَى اللَّهِ بَعْضًا مِمَّا يَكْفُرُ بِهِ الْأُنثَىٰ وَلَهُ الْأُنثَىٰ۔ اور فرمایا کہ ”اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیام پہنچایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا آخری سلام اور اس حالت کا پیام پہنچا دے جو ہم پر گذر رہی ہے“ کے بعد یہ کلمات کہے کہ یا اللہ! ان دشمنوں کا شمار محفوظ رکھ، ان کو قتل و غارت فرما اور ان میں ایک کو بھی باقی مت چھوڑ اور چند اشعار پڑھے جن کے تین شعر یہ ہیں۔

وَمَا فِي حِذَارِ الْمَوْتِ إِنِّي لَمَيِّتٌ      وَإِنِّي إِلَىٰ رَبِّي إِيَّائِي وَمَرْجِعِي  
وَكُنْتُ أَبَايَ حِينَ أَقْتُلُ مُسْلِمًا      عَلَىٰ آيِ شَيْءٍ كَانَ لِلَّهِ مِقْدَرٌ رَّعِي  
وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ تَشَاءُ      يَبَارِكُ عَلَىٰ أَوصَالِ شَلْوٍ مَّزْدَعِ

مجھے موت کا کچھ بھی ڈر نہیں کہ میں جان دے رہا ہوں اور مجھے لوٹ کر جانا تو اپنے پروردگار ہی کے پاس اور جب کہ میں بحالت اسلام قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ خدا واسطے میرا کچھ پڑنا کس کرے۔ بل ہے اور آج میرا قتل ہونا محض اللہ کے لئے ہے اگر خدا چاہے تو میرے پارہ پارہ کئے ہوئے عضو لئے لکڑیوں میں برکت مرحمت فرماتے۔ اس کے بعد چالیس کافروں نے نیرے ہاتھ میں لے کر خبیبؑ کو چار طرف گھیر لیا پسلیوں کو چھلنی کر دیا اور یہ زخموں سے چور ہو کر جاں بحق تسلیم ہوئے۔ جس وقت تنہا میں یہ حادثہ ہوا تھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ نے علیکم السلام فرمایا کہ میرا جبریلؑ خبیبؑ کا سلام پہنچا رہا ہے جن کو کافروں نے سولی پر چڑھا دیا ہے حضرت خبیبؑ کی نعش اس کے بعد سولی پر لٹکا دی گئی تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور چند محفاظ چھوڑ دیئے گئے کہ کوئی لاش کو نہ لیجائے مگر عمر بن امیہ ضمری نے رات کے وقت پہرہ داروں کو غافل کر لاش کو نکال لیا اور دفن کر دیا۔ اور بروایت حضرت زبیرؓ و مقدادؓ ان کی نعش لینے مدینہ سے آئے اور خفیہ رات کو گھوڑے پر لا کر لے نکلے۔ صبح کو جب اطلاع ہوئی کہ لاش گم ہے تو ساندنی سوار چار طرف پڑے آخر حضرت زبیرؓ و مقدادؓ کو تھام لیا اور یہ دونوں حضرات لاش کو زمین پر رکھ کر آمادہ جنگ ہوئے دفعۃً زمین شق ہوئی اور اس نے چالقیل و نالقیل کے پھڑے ہوئے سعادت مند فرزند کو اپنی گود میں لیا



جس پر نزاع تھا جب وہ اس طرح زیر زمین چھپ گئی تو قریش مکہ واپس ہوئے اور حضرت زبیرؓ مدینہ چلے گئے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْقَوَابِ \*

## باب ۲۷

### بیر معونہ

اسی ماہ سفر میں دوسرا حادثہ پیش آیا کہ مکہ اور غسغان کے درمیان بلا و بزدلی میں ایک جہر کے پاس جس کا نام بیر معونہ ہے ستر چیدہ و منتخب مسلمان شہید کر ڈالے گئے جن کو قرار کتے تھے یہ تھے حضرات قرآن مجید پڑھے ہوئے تھے اور سوائے چند مہاجرین کے ان میں اکثر انصار تھے رسول اللہ ﷺ کو ان کے ساتھ خاص محبت تھی کیونکہ یہ رات کا اکثر حصہ نماز و ذکر الہی اور تلاوت قرآن میں گزارتے اور دن کو ازواج مطہرات کے حجروں میں لکڑی اور پانی پہنچایا کرتے تھے۔

ان مقبول صحابہؓ کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص دھوکہ سے اپنے ساتھ لے گیا جس کا نام عامر بن مالک تھا اور ابو براءؓ کی کنیت سے مشہور تھا جس وقت عامر مدینہ میں آیا تو حضرت اس کو اسلام کی ترغیب دی۔ عامر نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو جاتا مگر اپنی قوم کا خیال یہ ہے کہ آپ کچھ لوگ میرے ساتھ کر دیں جو میرے وطن میں وعظ کہیں اور میری قوم بنی عامر کو اسلام کی دلائل کو کیا عجیب ہے ان کو بھی ہدایت ہو اور پھر مجھے بھی تامل نہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے اہل بنی عامر کی طرف اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مصرت نہ پہنچائیں مگر عامر بن مالک نے کہا کہ کچھ خوف نہ کیجئے لوگوں کو میں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تب آپ نے ستر صحابہؓ جن میں حضرت منذر بن عمروؓ امیر تھے، عامر کے بھائی بھیدئے اور عامر بن طفیل کے نام جو قوم بنی عامر کا رئیس شمار ہوتا تھا ایک خط لکھ دیا جس میں مذہب اسلام کی دعوت تھی۔ یہ حضرات مدینہ سے رخصت ہو کر بیر معونہ پر پہنچے تو کھڑے ہوئے۔ عمر بن امیہؓ غمری اور منذر بن عمروؓ انہوں کو لے کر خیرانے کے لئے پہاڑ کی طرف لے گئے اور حضرت حرام بن ملحانؓ ڈور فیلوں کو ہمراہ لے کر عامر بن طفیل کو رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک پہنچانے قوم بنی عامر کی جاننا روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو پہلے میں جاتا ہوں اگر میرے ساتھ وفانہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کیونکہ تمہیں کے مارے جانے سے ایک کا بھانا بہتر ہے۔

عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا حقیقی بھتیجا تھا جو ان ستر صحابہؓ کو اپنی امان میں لے گیا



آیت تک آیا تھا۔ اس کو اسلام اور اہل اسلام سے خاص عداوت تھی۔ حضرت حرام نے والا مارا گے بڑھایا  
 غصہ میں بھر گیا اور خط کو دیکھا بھی نہیں کہ کیا لکھا ہے۔ قاصد پر ہاتھ اٹھانا کسی مذہب کی کسی  
 نے بھی جائز نہیں سمجھا مگر عامر کو نہ اس کا خیال ہوا اور نہ چچا کے امان کا لحاظ۔ اس نے حضرت حرام  
 مارا اور ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا۔ حضرت حرام اتنا کہہ کر کہ ”فُوتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ“ یعنی قسم رب کعبہ  
 بن مراد کو پہنچ گیا، زمین پر گر پڑے اور جان بحق تسلیم ہوئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ ط  
 پھر عامر بن طفیل نے اپنی قوم بنی عامر کو آواز دی اور بھڑکایا کہ ان مسلمانوں کو زندہ نہ جانے دوا  
 سی نے حامی نہ بھری کیونکہ ان کو عامر کے چچا ابوالبرار کی دی ہوئی امان میں غدر کرنا پسند نہ تھا آخر عامر  
 اہل نے گرد و نواح کے قبیلوں تسلیم و عقبہ اور رعل و ذکوان سے مدد چاہی اور ان کی پوری جمیعت  
 یرمقہ کو اکبر اہل قمر ارمقہ تھے صحابہؓ نے رنگ بدلا ہوا دیکھا تو خود بھی آمادہ جنگ ہو گئے اور لڑائی  
 رخ ہو گئی مگر تاکے، ستر حضرات اتنی جماعت کا کہاں تک مقابلہ کرتے؟ سب شہید ہوئے اور بجز حضرت  
 نب بن زید کے کہ ان میں رقی باقی تھی اور دشمنوں نے مردہ سمجھ لیا تھا، ایک بھی نہ بچا۔

منذر بن عقبہ اور عمر بن امیہ نے آسمان کی طرف دیکھا تو پرند اڑتے ہوئے نظر آئے اور دونوں  
 بہ کرواں سے لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے کہ مردار خوار جاؤر اڑ رہے ہیں۔ یہاں گھر دیکھا  
 بے رفقار کو خون میں نہایا ہوا شہید پایا اور سواروں کو خون آلود لواریں لے ہوئے ان کے گرد  
 لگاتے دیکھا۔ یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھ کر دونوں ٹھٹھکے اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے؟  
 بن امیہ نے کہا کہ چلو مدینہ واپس چلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کریں۔ مگر حضرت  
 منذر نے جواب دیا کہ ”خبر تو ہوتی رہے گی، مگر میرا تو جی نہیں چاہتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس حکم  
 سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سوتے ہیں، چلو قدم بڑھاؤ اور رفیقوں سے جا ملو۔“  
 الغرض یہ دونوں حضرات بھی آگے بڑھے اور میدان کارزار میں کوڑ پڑے آخر حضرت منذر  
 شہید ہوئے اور عمر بن امیہ گرفتار کر لئے گئے۔ عامر بن طفیل کی مال کے ذمہ کسی منت پر ایک غلام کا  
 آزاد کرنا تھا اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ قبیلہ مضر کے ہیں۔ اس لئے عامر نے حضرت عمر بن امیہ کو  
 ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر تاکہ غلامی سے آزادی کا نشان ہو جائے، ان کو چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ یہاں سے  
 جلد چلے جاؤ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی عامر کے غدر اور رعل و ذکوان و عقبہ کی بد عہدی و ظلم  
 پر بہت افسوس ہوا اور آپ صبح کی نماز میں چالیس روز تک قنوت پڑھی جس میں ان قبائل پر بد



کی اس کے بعد جب وہ لوگ تائب ہوئے اور اسلام لے آئے اپنے قنوت ترک فرمادی۔ الوابر  
بھی ندامت اور بڑا رنج ہوا کہ اس کے بھتیجے نے اس کی پناہ میں فتور ڈالا۔ آخر انھیں دونوں میں  
مرگیا۔ عامر بن طفیل کے چچا زاد رقیہ بن ابی برار نے اپنے باپ کے ذمہ میں فتور ڈالنے کی ندامت پر  
مجلس اس کے نیزہ مارا مگر اس نے اس کو برداشت کر لیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا  
کہ مجھ کو چھوٹا آدمی نہ سمجھو یا تو ملک بانٹ دو کہ نرم زمین یعنی دیہات و جنگل تمھارے اور سخت زمین  
شہر میرے یا اپنے انتقال کے بعد مجھ کو خلیفہ بنا جاؤ ورنہ ہولناک لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ  
ارادہ تم پر شجاعان غطفان کی جماعت سے لشکر کشی کا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دی اور فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِيْ عَامِرًا دَعِينِيْ يَارَبِّ  
تَوْخُوْدِيْ عَامِرًا كُوْسَلُ لَے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چند ہی روز بعد عامر بن طفیل طاعون کے تھکے  
میں مرگیا۔ حضرت عمر بن امیہ ضمری مدینہ کو آرہے تھے کہ راستہ میں قرقرہ مقام پر بنی عامر کے دو مشرک  
شخص ان کو ملے، انھوں نے سمجھا کہ ان کو قتل کرنا بھی اپنے رفقار کا انتقام ہے، اس لئے ان  
ساتھ ہوئے اور موقع پا کر ان کو سوتے ہوئے قتل کر دیا۔ ان کو خبر نہ تھی کہ یہ دونوں رسول اللہ  
اللہ علیہ وسلم کی امان میں تھے یہاں تک کہ جس وقت حضرت عمر مدینہ منورہ میں پہنچے اور تمام قصہ  
عرض کیا تو حضرت افسردہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے ایسے دو قتل کئے جن کی دیت دینی ضروری ہے  
مگر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ تلوار اپنا کیا ہوا کام لوٹا نہیں سکتی تھی اس لئے حضرت عمر نے  
غلطی تسلیم کی اور بے خبری کا عذر کر کے خاموش ہو رہے۔ \*

## بنی نضیر پر چڑھائی

بنی عامر نے اپنے دونوں مقتول مسافروں کی دیت مانگنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
میں آدمی بھیجا اور چونکہ بنی عامر و یہود بنی نضیر ہم عہد تھے اور ہجرت کے وقت بنی نضیر نے حضرت  
تھا کہ ہم آپ کی کچھ بدخواہی نہ کریں گے اور آپ کے دشمن کا ساتھ نہ دیں گے۔ اس لئے آپ نے چاہا  
تعمربن امیہ کے خطا قتل کئے ہوئے مستحق امن مشرکوں کی دیت بنی نضیر کے مشورہ سے طے کریں اور  
اس بارہ میں حسب ہرہ ان سے اعانت لیں کہ خیر خواہ بن کر اپنی ہم عہد قوم سے قصہ طے کر دیں۔



حضرت ابوبکر و عمر و علی اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر محلہ بنی نضیر میں تشریف لائے اور ان کے معاملہ میں گفتگو کی۔ یہودی بنی نضیر نے ظاہراً قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیچے بٹھلا کر باہم مشورہ کرنے کے لئے علیحدہ جا بیٹھے۔ مذہبی عداوت چونکہ ان کے دلوں پر مری ہوئی تھی اس لئے مشورہ کیا کہ دیوار کے اوپر سے پتھر لڑھکا کر حضرت کو شہید کر دیں چنانچہ حجاجش اس کام کے لئے کھڑا بھی ہو گیا مگر حضرت کو اس کی اطلاع ہو گئی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ مدینہ میں تشریف لا کر آپ نے ان کو پہلا بھیجا کہ تم نے بد عہدی کی اس کے معاملہ میں اب اسلام لے آؤ یا دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ دو ورنہ لڑائی ہوگی اور جان و مال کا نقصان ہوگا۔ بنی نضیر کو چونکہ عبد اللہ بن ابی اور دوسرے منافقوں کی مدد پر بھروسہ تھا اور سمجھے ہوئے تھے کہ وہ مسلمانوں کا جوار آستیں بنا ہوا ہے اپنے وعدوں کو جو بار بار ہم سے کئے ہیں کڑائی ہوگی تمہارا ساتھ دیں گے ضرور پورا کرے گا اس لئے وہ لوگ لڑنے کو تیار ہو گئے اور تعمیل حکم سے انکار کر دیا۔ شریعہ صبح الاول میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا عزم فرمایا اور حضرت عبد المکرم کو مدینہ کا عامل بنا کر ان کی اس گڑھی کو جا گھیرا جس میں یہ قوم آباد تھی اور کامل چھ روز ان کو محصور رکھا۔ بڑے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا منافقوں نے باطل اُمیدیں دلا کر بنی نضیر پر زیادہ تباہ کیا۔ یہ لوگ بیرونی مدد کی توقع پر قلعہ کا دروازہ بند کئے پڑے رہے آخر جب مسلمانوں نے ان کو دبا کر لڑتے ہیں نہ جگہ خالی کر کے جلا وطن ہوتے ہیں تو بحکم رسالت اب ان کی مرغوب جا مدد یعنی جوار کے باغات میں آگ لگا دی اور درختوں کو کاٹ ڈالا تاکہ مالی نقصان کے صدمہ اور حصار فید سے تنگ آکر باہر نکلیں اور قلعہ طے کریں چنانچہ بنی نضیر گھبرا اٹھے اور مدینہ چھوڑ جانے پر راضی ہو گئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہتھیار سب چھوڑ جاؤ اور جس قدر اسباب لیجا سکو لیجاؤ اور مع اہل و عیال جہاں چلے جاؤ۔ بنی نضیر میں سے دو شخص یعنی یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب تو مسلمان ہو گئے اور جان و مال پر امن پا کر اپنی املاک پر قابض رہے۔ باقی یہودیوں نے مال کی حرص میں مکان کے دروازے بند اور چھوڑ دیے۔ ان کو اکھاڑ اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد دیا اور جو کچھ ساتھ لیجاتے تھے پڑاؤ لے کر جلا وطن ہوئے۔ ان کی زمین جہاد اور لڑائی کا تمام سامان چونکہ جنگ کے بغیر حاصل ہوا تھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحق تھا کہ جس کو چاہیں دیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں اس لئے آپ نے سارا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں صرف ابو جابر رضی اللہ عنہ اور سہیل بن حنیف دو شخصوں کو ان کی ناداری کے سبب عطا فرمایا۔ اس طرح مہاجرین کے بار معیشت سے انصار کو سبکدوشی حاصل ہو گئی اور بنی نضیر کے خانماں خراب



یہودی زیادہ تر خیر میں جا بے اور کچھ اذہر اذہر ملک شام اور غمیری کی طرف چلے گئے سورہ حشر اسی وقت نازل ہوئی اور منافقوں کے جھوٹے وعدوں کا اس میں اظہار کیا گیا ہے۔ اسی محاصرہ کے وقت شہر حرمت نازل ہوئی اور اسی سال شوال کے مہینے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ انھوں نے یہ حدیث سن کر کہ جو شخص کسی مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ کہے گا اُس کو دنیا میں بھی نعم البدل ملے گا۔ اپنے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر پڑھا تھا اور انتظار تھیں کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہے جس کی زوجیت میں داخل ہو کر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل سمجھوں وہ خیال پورا ہوا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور ام المؤمنین بننے کی عزت حاصل اسی سال ام المؤمنین حضرت زینب بنت خرمہ کا انتقال ہوا اور اسی سال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی۔ اسی سن میں حضرت زید بن ثابت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے یہودی کی اصل زبان کی خط و کتابت سیکھنی شروع کی تاکہ ان کے درموز کو معلوم کر سکیں اور اسی سال یہودی و یہودیہ کی سنگساری کا قصہ پیش آیا جس کو اختصار غرض سے چھوڑ دیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں مفصل منقول ہے ۴

## باب ۴۹

### بدرِ صغریٰ اور دومۃ الجندل

ابوسفیان نے جنگِ اُحد سے واپس ہوتے وقت کہا تھا کہ سالِ آئندہ بدر کے میدان میں ہمارا ٹھکانا لڑائی پھر ہوگی۔ اس لئے جب وہ زمانہ قریب آیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی بکر کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو مدینہ پر عامل بنا کر بہاء شعبان و ٹیرھ ہزار مسلمانوں کو لے کر بدر کی جانب کوچ کیا۔ ابوسفیان کی ہمت نہ ہوئی کہ بدر تک پہنچے اس لئے غطفان ہی سے یہ کہہ کر اپنی جماعت کو واپس لے گیا کہ ”یہ سال جنگ کا نہیں ہے کیونکہ گرائی و قحط نے دبا رکھا ہے“ مگر اس کے ساتھ ہی ایک بدنامی کا اندیشہ تھا اس لئے چاہا کہ کسی طرح مسلمان بھی بدر میں نہ آویں اور الزام انھیں نہ پڑے چنانچہ نعیم بن مسعود کو بین قراختہ زرِ اجرت دے کر مدینہ بھیج دیا تھا کہ مسلمانوں کو ابوسفیان کے لشکر جمع کرنے کی خبر دے کر مرعوب بنادے مگر اس میں کامیاب نہ ہوا اور مسلمانوں نے یہ خبر سن کر کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَنَعْمَ الْوُکَیْلُ۔ غرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند روز بدر میں ابوسفیان کے منتظر تھے اور صحابہ وہاں کی منڈی میں باطمینان تجارت کر کے نفع اٹھاتے رہے آخر جب مبعاد گذری مال



مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ابوسفیان کو خجالت چھٹکارانہ ملا اور اہل مکہ نے بھی اس سفر کا نام  
التوق رکھ دیا کہ بس متوکلہ گئے تھے سو کھاپی کر لوٹ آئے۔ بدر واپس آکر چند ماہ جناب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مقیم رہے۔

ربیع الاول شہ میں آپ کو اطلاع ملی کہ دمشق سے پانچ منزل مقام دومتہ الجندل پر کچھ  
سار جمع ہوتے ہیں اور مدینہ پر چڑھائی کا سامان کر رہے ہیں چنانچہ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری  
مدینہ پر عامل بنا کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ باہر ربیع الاول آپ نے دومتہ الجندل کا قصد فرمایا  
وہ لوگ خبر سن کر متفرق ہو گئے۔ اس لئے آپ چند روز وہاں مقیم رہ کر واپس تشریف لے آئے  
یہ لوگ اپنے مختلف طور پر فوجی حصے سر یہ بنا کر ادھر ادھر روانہ فرمائے مگر غنیم میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا  
یہ آخر سب کو واپس آنا پڑا۔

## باب ۵۰-۵۱

### غزوہ مریض اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بیتا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصلط لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کا  
سردار حارث بن ابی ضرار ان کو اور عرب میں جس پر بھی کامیاب ہوتا ہے اس کو آمادہ کر رہا ہے کہ سب  
مل کر مدینہ پر حملہ کریں چنانچہ آپ نے حضرت بربہ سلمیٰ کو تحقیق کے لئے بھیجا انہوں نے واپس آکر صورت  
حال کی اطلاع دی تب آپ زید بن حارثہ کو عامل مدینہ بنا کر بیوم دوشنبہ ۲ شعبان کو صحابہ کے پورے  
لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور مریض مقام پر جو فرع سے ایک دن کی مسافت پر ہے قبضہ کر لیا۔  
حارث بن ابی ضرار کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ مسلمان چڑھائی کر رہے ہیں اور ان کا ایک جاسوس  
بھی جو اسلامی لشکر کا پتہ لینے گیا تھا مارا جا چکا تھا اس لئے عرب کے پاؤں اکھڑ گئے اور سب تیز تر ہو کر ادھر  
ادھر چل دیے۔ مسلمانوں نے بنی مصلط پر چھاپہ مارا اور ان کے اموال و اولاد پر قبضہ کیا۔ اس پر بھی  
ان کا کوئی مزاحم نہ ہوا اور چند روز وہاں ٹھہر کر حبیبہ بن حصن سے مصالحت فرمائی۔ چونکہ سردار قوم  
حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ بھی اسی مال غنیمت میں آئیں جو تقسیم کے وقت حضرت ثابت بن قیس  
کے حصہ میں لگیں انہوں نے حضرت جویریہ کو مکاتب بنادیا کہ اس قدر آدا کر کے آزاد ہو جاؤ۔ اس لئے  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کے موافق خود بدل کتابت آدا فرما کر اپنے مناج



جس وقت مسلمانوں کو اطلاع ہوئی کہ حضرت جویریہ اُم المؤمنین بن گتیں اور بنی مصطلق سے  
کی مسلسل قرار پائی تو ان کو شرم آئی کہ اس قبیلہ کے آدمی ان کے غلام بیٹے رہیں اس لئے سب کو  
کرویا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے ایک دن میں ان کی برادری کے تلو نفوس نے قیدِ غلامی  
رہائی پائی۔

آخر میں عبداللہ بن ابی منافق کی بے رخی چونکہ کھل گئی تھی اس لئے آئندہ غزوات میں  
بد باطن جماعت کو ساتھ لینے سے خود ہی احتیاط کی گئی اور مسلمانوں نے نہ چاہا کہ ان سے کسی قسم کی  
اعانت لیں۔ عبداللہ یہ رنگ دیکھ کر ڈرا کہ کہیں بھائی نہ پھوٹ جائے اور ظاہری اسلام سے جو  
سوچا تھا ہاتھ نہ جاتا رہے۔ اور خلافتِ توقع مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں مالِ غنیمت الگ محروم  
ہوئی اور منافقانہ راز منکشف ہو جانے سے اپنی جان و مال کا خطرہ برداشت کیا اس لئے خود خواہش کی  
پچھلی واپسی کے جھوٹے حیلے بہانے کر کے جہاد میں شریک ہونے کا اصرار کیا آخر غزوہٗ مرہ سہج میں شریک  
وہ خباثت جو اُس کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی دب نہ سکی اور رنگ لائی اور پھر لائی۔ وہ  
میں شروع منزل پر جب کہ ایک کنویں پر قیام تھا اُس کی بد زبانی نے مسلمانوں کے دل دکھائے  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچی مسلمان اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے کہ حضرت  
کا ملازم جس کا نام جہاہ بن مسعود تھا گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے کنویں پر پہنچا تو سنان بن دبر جہنی  
جھگڑا ہو گیا اور یہاں تک جنگ بڑھی کہ حضرت سنان نے انصار سے اور جہاہ نے ہاجرین سے فریاد  
اور اپنی مدد کے لئے پکارا۔ عبداللہ بن ابی جو اپنی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا جھلا اٹھا اور یوں کہہ کر  
کی شان ہے پر دسی مسافروں کے نوکروں کی بھی اتنی ہمت ہو گئی کہ ہمارا سامنا کرنے لگے یہ تو وہی  
ہوئی کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو اور وہی تم پر حملہ کرے۔ واللہ ذرا مدینہ میں واپس ہو جائیں تو اُن  
عزت والے ان ذلیلوں کو ضرور نکال باہر کریں گے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوا  
کہا ”یہ تمہارے ہی کتے ہوئے کام ہیں کہ ان بے ٹھکانوں کو اپنے شہر میں جگہ دی اپنے مال بانٹ دیئے  
خوب کھلایا پلایا۔ واللہ اگر تم ان کی کمر باندھ نہ رکھتے تو ان کی یہ عزت نہ ہوتی۔ اب بھی اگر خرچ کرنے  
بانتھ روک لو تو جتنے بھی ادھر ادھر سے آکر جمع ہو جاتے ہیں میاں کے پاس سے منتشر ہو جاتیں  
کہیں دوسری جگہ ٹھکانا کریں۔“

حضرت زید بن ارقم جو اس کی بد زبانی سن رہے تھے ضبط نہ کر سکے اور اسی وقت ساری تقریر حضرت



جانتی تھی کہ وہ اس کی گردن مار دیں۔ مگر آپ نے مناسب نہ جانا اور یوں فرما کر خاموش ہو گئے کہ  
 یوں کے حال کی تو کسی کو خبر نہیں ہے لوگ یوں کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں؟  
 کس قدر قیمتی جواب ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ وہ کلمات جن میں اللہ کے نام پر لوگوں  
 نے والی شرفاء قوم اور براہِ خدا مصیبت و فاقہ کو ترجیح دینے والے رئیس زادوں کو روٹی کے  
 ٹکڑوں کا حراص اور لالچی بنایا گیا۔ ان کے اخلاص و حاضری آستانہ نبویؐ طمع و نیوی کہہ کر حقارت کی  
 لہر سے دیکھا گیا۔ اپنے آپ کو غنی و سخی اور ان کو فقیر و سائل بتایا گیا۔ غرض ذرا سے قصہ میں اپنا تلکبر و ترفع  
 لومیت، استغناء سب کچھ ظاہر کر کے حضرت کے جان نثار خاصین کو ناگفتہ بہ اور قابلِ شرم الفاظ سے یاد کیا  
 یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس لئے ضبط فرمایا کہ اس کا انتقام اس خدمت کا مزا  
 ہو گا جس کے لئے آپ دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور عبد اللہ کے نفاق سے بے خبر لوگ ایمان لا کر صحابی بننے سے  
 متوجش ہو جاتے ہیں گے۔ اس قصہ سے آپ کے حکم و بے نفسی اور حسن انتظام و دور اندیشی ہی کا پتہ نہیں چلتا  
 بلکہ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خداوندی بغاوت کے رفع کرنے اور بندگانِ خدا کے ساتھ ان کی اصلاح  
 آخرت کے فکر و خیر خواہی میں آپ کو اس درجہ شغف تھا کہ زبردستی دشمن بھی اس کو کسی  
 وقت مغلوب نہیں کر سکتا۔ ادھر آپ کی وطنی شرافت، انہی نجابت، مطلبی حکومت، بدی ریاست، ذاتی  
 ہمت، قومی عزت، طبعی لطافت، فطری نزاکت کو دیکھا جائے پھر درجہ عبودیت میں کمال ریاضت و غایت  
 توکل، سرتاپا محمود و پسندیدہ خلاق، اخلاق سے مزین ہو کر اصلاح خلق میں مالِ اوچان، عزت اور آبرو  
 کنبہ اور برادری قوم اور وطنی راحت و آرام سب کو خیر باد کہہ کر رات اور دن کے پورے چوبیس گھنٹے غفلت  
 کی خیر خواہی و بہبودی میں وقف کر دینے پر نظر کی جائے اور اس کے بعد ان الفاظ کو دیکھا جائے جو عبد  
 بن ابی کی نخس زبان سے نکلے تھے تو قتل انسانی کو حیرت ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا خیر  
 تھے اور آپ کو سردارِ انبیاء اور مومنین کے لئے غایت درجہ شفیق و رحیم ہونے کا خطاب کیوں ملا تھا غرض  
 آپ کو منافق کے الفاظ کا صدمہ ضرور ہوا مگر آپ نے انتقام لیا اور نہ اس کا خیال فرمایا۔ البتہ اس خیال سے  
 کہ لوگوں میں اس کا چرچا نہ ہو اور دوسروں کے کانوں تک یہ باتیں پہنچ کر باہمی تفریق یا جنگ و جدال  
 کا سبب نہ ہو جائیں نا وقت کوچ کرنے کا حکم دیا اور بقیہ دن اور تمام رات اور اگلے نصف دن تک  
 قافلہ چل کر ایسے وقت پڑا کہ پہنچا کہ دھوپ تیز ہو گئی تھی، اور سب اس قدر تھک گئے تھے کہ پڑتے  
 ہی سو گئے اور خوش حالی کے ساتھ باتیں کرنے کا وقت ہی کسی کو نہ ملا۔



حضرت انس بن حنفیہؓ نے ناوقت قافلہ کی روانگی دیکھی تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سبب دریافت کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ ”تم نے سنا بھی تمہارے رفیق عبد اللہؓ نے کیا لفظ کہے اور وہ کلمات آپ نے نقل کر دیے جو حضرت زیدؓ سے منے تھے۔“ حضرت انسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! باعزت تو آپ ہیں اور واللہ ذلیل عبد اللہ بن ابی ہے۔ سو اس کا یہ کہنا کہ عزت والا مدینہ سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا، صحیح ہو سکتا ہے کہ مرضی مبارک ہو تو مدینہ پہنچ کر اس کو چلا وطن فرما دیجئے اور یا رسول اللہؐ! اس کی حالت یوں بھی قابلِ رحم ہے کیونکہ وہ تو اس کا متمنی تھا کہ اس کی قوم اس کے سر پر تاج رکھ کر تمام ملک کا حاکم تسلیم کرے مگر حق تعالیٰ نے حضرت کو بھیج کے اس کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ پس اس کو یوں سمجھ کر کہ آپؐ اس کی سلطنت چھین لی جو کچھ بھی صدمہ یا حسد اور عداوت ہو وہ کم ہے۔

عبد اللہ بن ابیؓ کو حضرت کے مطلع ہو جانے کی اطلاع ملی تو آپ کے پاس آیا اور جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کچھ نہیں کہا اور کسی نے مجھ کو آپ سے برا بنانے کے لئے یوں ہی یہ کلمات میری طرف منسوب کر کے نقل کر دیئے۔ چند انصار کو جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یقین آگیا اور کہنے لگے کہ ”یا رسول اللہؐ! زید بن ارقمؓ رضی اللہ عنہ تو عمر بچہ میں ممکن ہے کہ ان کو سہو ہوا ہو یا بات کو سمجھے نہ ہوں۔ چنانچہ بات دب گئی اور وہ موقوف ہو گیا۔ حضرت زیدؓ کو جب خبر ہوئی کہ عبد اللہؓ نے بھرے مجمع میں مجھے جھوٹا بنایا تو رنج اور شرمندگی سے باہر نکلنا چھوڑ دیا حضرت کو منہ دکھاتے شرانے اور چھکے لگے آخر سورۃ منافقون نازل ہوئی اور حضرت زیدؓ کی تصدیق میں عبد اللہؓ کے کہے ہوئے کلمات ذکر فرما کر مستنبط کیا گیا کہ مال باعزت کے گھمنڈ پر نہ رہنا، سچی عزت وہ ہے جو دشمنوں کے دل میں بھی گھر کرے اور پیٹھ پیچھے بھی احترام کر لے سو وہ خدا کے اختیار میں ہے اور اللہ کے رسول اور ایماندار بندوں کا حصہ ہے چنانچہ ان کو ملتا ہے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں کہ حقیقت اور ظاہر میں فرق کریں۔

اس وقت حضرت زیدؓ سرور اور سچی عزت سے بہرہ یاب ہو کر یڑوں کی نظروں میں بھی وقعت سے دیکھے جانے لگے اور عبد اللہؓ کی بنی بنائی بات بھی ایسی بگڑی کہ اب اس کی قوم کو بھی اس پر اعتبار نہ رہا جب اس نے کوئی بات کہی جھوٹی سمجھی گئی اور اوپر سے اوپر اپنوں ہی کی طرف جواب دے کر دبا دی گئی آگے چل کر جب کہ مدینہ قریب آگیا تو قفقہ افک پیش آیا جو اپنی صورت اور نتیجہ کے اعتبار سے بڑا دردناک اور عبرت خیز واقعہ ہے اور اس کا پھیلانے والا بھی یہی بد باطن عبد اللہ بن ابیؓ تھا اس لئے اس کا ذکر بھی مناسب ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ سفر کے وقت بیسیوں کے ناموں پر قرعہ ڈالتے اور ان کو ساتھ لے جاتے جن کے نام پر قرعہ نکلتا تھا۔ چنانچہ غزوہ مریضہ میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا حضرت کے ہمراہ گئیں



ایسی میں ایک پڑاؤ پر قیام تھا کہ جہاں صبح ہوتے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حاجت کو جنگل میں ذرا فاصلہ  
 نکل گئیں اور وہاں انکا مار جو اپنی بہن اسما سے مستعار لائی تھیں کم ہو گیا۔ اس کے ڈھونڈنے کو بھر واپس گئیں  
 اس میں ذرا دیر لگی کہ لشکر کوچ کر گیا اور چونکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا دہلی اور ملکہ بدن کی تھیں اس کجاوہ لاد  
 والوں نے یوں سمجھ کر کہ ام المومنین اس کے اندر موجود ہیں بند کا بند اونٹ پر لاد لیا اور یوں بھی جب کسی بوجھ کو عز  
 سمجھ کر بہت آدمی اٹھاتے ہیں کہ ہر شخص ہاتھ لگا ناٹو اب سمجھے تو وزن کا ہلکا بھاری ہونا معلوم نہیں ہو سکتا غرض  
 بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا جنگل سے واپس آئیں تو میدان صاف دیکھا کہ نہ آدمی ہے نہ آدم زاد ایک ہو کا میدان جو  
 دور افتادہ تنہا مسافر کو گھبراتے دیتا ہے آخر اس خیال سے کہ اگلے پڑاؤ پر جب حضرت مجھ کو کم اور میرا کجاوہ خالی  
 پائیں گے تو ضرور میری تلاش میں کسی آدمی کو بھیجیں گے اور وہ مجھ کو ڈھونڈنے میں آئے گا اسی جگہ بیٹھ گئیں اور  
 حقیقت میں یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمال عقل و استقامت کی دلیل ہے کہ نو عمری میں ایسے بھیانک منظر سے  
 گھبراہٹ اور نہ از جا رفتہ ہوتیں ورنہ پاپادہ چل کر قافلہ میں شامل ہونا بھی دشوار تھا اور جگہ چھوڑ دینے پر  
 تلاشی کو پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔ تھوڑی دیر بھی رہیں اس کے بعد نیند کا غلبہ ہوا پس چاروں طرف جا کر  
 سمیٹ کر سارا بدن چھپا اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئیں اور وہیں پڑ کر سو گئیں قافلہ کے پیچھے ایک شخص سیڑھی پر  
 چیز اٹھانے کو ذرا فاصلہ پر رہا کرتا ہے اتفاق سے اس قافلہ میں وہ شخص حضرت صفوان بن یسعل بن معطل رضی اللہ عنہ  
 جو غور کے ساتھ راستہ کو دیکھتے ہوئے آ رہے تھے۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صفوان بن یسعل بن معطل اکثر الزنا  
 شخص تھے کہ جہاں پڑتے سو جاتے تھے چنانچہ پہلی منزل پر بھی قافلہ چلدا اور یہ سوتے رہے اس لئے پیچھے آئے  
 تھے بہر حال جو کچھ بھی ہو جس وقت یہاں پہنچے تو دور سے گھڑی سی پڑی ہوئی معلوم ہوئی اور کچھ قریب آئے  
 تو آدمی کی پرچھائیں محسوس ہوئی۔ حضرت صفوان نے پردہ کے حکم سے پہلے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا  
 اس لئے پاس آکر یہی انکا ام المومنین ہیں اس لئے افسوس و حیرت ساتھ ان اللہ فیما نزلنا النبیہا احوۃ پر ہوا اس  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور وہ چادر سے منہ چھپا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ صفوان نے اپنا اونٹ قریب  
 لاکھڑا کیا اور وہ اس پر سوار ہو گئیں یہ ہمارے تمام کراگے ہوتے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قافلہ میں لا پہنچا یا۔  
 بات تو صرف اتنی تھی مگر اس پر منافقوں نے عیب لگایا اور وہ حاشیہ باندھے کہ بیان کرنے سے  
 غیر مانع ہے عبد اللہ بن ابی نے جس کا شروع منزل کا کارنامہ مذکور ہو چکا آخری منزل میں یہ نکل  
 کھلا یا۔ اس دردناک قحط کا بانی اور حامی ہی تھا۔ اس نے گھر گھر اس کا چرچا پھیلایا کوچہ و بازار  
 میں تذکرے کئے اور آنے جانے والے رفقائے ان دنوں مجاز اس کے گویا کوئی بات ہی نہ کی اسی کی  
 فنی سنائی مسلمان مردوں میں حضرت حسان بن ثابت و مسطح بن اثاثہ اور عورتوں میں حضرت آمنہ بنت



حشر دوم  
جنت رضی بھی چرچا کرنے لگیں اور جگہ جگہ اس بے بنیاد و اسیات قصہ کے تذکرے ہونے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو غمگین ہو کر نبی کی عائشہ رضی سے کشیدگی فرمائی اور ان کے ساتھ وہ پیار کی نظر نہ رہی جن دوسری بیبیوں کو بھی رشک ہوا کرتا اور اس کے قبل وہ اس میں مشہور تھیں۔

حضرت صدیقہ رضی کو کچھ خبر نہ تھی کہ مدینہ میں ان کے متعلق کیا چرچا ہو رہا ہے ان کو سفر سے واپس آ کر بخار چڑھ آیا تھا جس کی وجہ سے اکثر بیہوش پڑی رہتی تھیں اور جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے ہیں تو بے رخی کے ساتھ پاس بیٹھنے والی سے اتنا پوچھ کر چلے جاتے ہیں کہ ان کا کیا حال ہے؟ تو اور زیادہ ہڈی ٹھٹھاں ہو گئیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر بے رخی ان کیونکر ضبط ہو سکتی تھی؟ اندر ہی اندر جھرتیں اور اس افواہ سے بالکل بے خبر تھیں جو شہر میں اُتر رہی تھی آؤ ماں سے جو عیادت کے لئے آئی ہوئی تھیں حضرت کی بے توجہی کا صدمہ ظاہر کیا اور ہر چند انھوں نے سمجھا کہ مکان نہ ہو وجہ کوئی عورت اپنے خاوند کی پیاری ہوتی ہے تو دشمنوں کو حسد کا موقع ملتا ہی ہے مگر ان کی تسکین نہ ہوئی اور آخر جب حضرت تشریف لائے تو انھوں نے میکے جانے کی اجازت چاہی حضرت نے یہاں اجازت دیدی اور فرمایا بہتر ہے کیا مضائقہ؟ چنانچہ یہ اپنے گھر چلی آئیں اور روتے روتے بے حال ہوئیں حضرت نے جہاں تک ہو سکا اس قصہ کی تفتیش بھی کی اور حضرت عائشہ رضی کی باندی سے بھی جانچ کر دریافت کیا مگر جتنی بھی آپ نے تحقیق فرمائی حضرت صدیقہ رضی کی عفت ہی ثابت ہوئی۔ ان کی باندی نے جو حضرت بریرہ بنتی تھیں یا اور کوئی بقسم بیان کیا کہ بجز اس کے کہ بھولی اور ناتجربہ کار ہیں اور کوئی بھی عیب نہیں دیکھیں ہے کہ اٹا رکھا ہوا ہو بکری آکر کھا جاتے تو پرواہ نہیں کرتیں سو جاتی ہیں۔ اس کے سوائے کوئی ایسی بات نہیں جن کے شبہ کا موقع ہو۔

بیس بائیس دن کے بعد حضرت صدیقہ رضی کو ایک روز مرض سے کچھ افاقہ ہوا تو قصائے حاجت کے لئے مسلح کی ماں کو جو رشتہ میں حضرت صدیقہ رضی کی خالہ گویا ان کی وادی ہوئی تھیں ساتھ لے کر جنگ لگتی رہیں ان میں اتفاق سے مسلح کی ماں کا پاؤں چادر میں الجھا اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "تس مسلح" کہ مسلح ہلاک ہو حضرت عائشہ رضی نے فرمایا کہ جو مسلمان جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے اس کو ایسے بڑے لفظ سے کیوں یاد کرتی ہو؟ مسلح کی ماں نے سانس بھرا اور کہا تمہیں کیا خبر کہ اس نے تمہارے متعلق کیا چرچا کر رکھا ہے یہ کہہ کر واقعہ بیان کیا اور جب ہو گئیں پھر کیا تھا حضرت عائشہ رضی یہ سن کر غم کے مارے ہڈی ٹھٹھاں ہو گئیں، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور گھر پیچھے پیچھے ان کو بخار زیادہ چڑھ آیا۔ مکان پر آئیں اور روتے روتے بڑا حال کیا تا مگر شب اسی بے چینی اور صدمہ میں گزر گئی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے رات ختم ہو گئی اور تارے گن گن صبح کی تین دن



تو اتر روتے روتے دم نہ لیا تمام تمام رات آنکھوں میں گزری کہ آنکھ کا آنسو نہ تھا اور تمام تمام دن بجز ضرورت شرعیہ کے اٹھ کر بیٹھ نہ سکیں اور منہ لپیٹے ناز قطار آٹھ آٹھ آنسو روتی رہیں۔ آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ "اے عائشہ! مجھ کو تمہارے متعلق ایسی خبر پہنچی ہے، اگر تم بے گناہ ہو اور یہ محض دشمنوں کا بہتان ہے تو مخترب تمہاری برأت نازل ہو جائے گی اور اگر تم سے خطا ہوئی ہے تو توبہ کرنی چاہیے۔ اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور باپ بھی موجود تھے اور ایک انصاری عورت بھی بیٹھی تھیں حضرت صدیقہ نے باپ سے کہا کہ اس کا جواب دیجئے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ماں سے کہا کہ آپ ہی جواب دیں مگر ماں نے بھی جواب نہ دیا۔ مجبوراً خود بولیں اور کہا مجھے معلوم ہے کہ اس قصہ کا آپ کو یقین آگیا ہے اس لئے اگر کہوں بھی کہ میں بے قصور ہوں تو آپ کو یقین نہ آئے گا اور اگر اقرار کروں تو جھوٹا اقرار کس طرح کروں؟ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں بے خطا ہوں۔ واللہ میں اپنی اور تمہاری کوئی مثال نہیں پاتی بجز اس کے کہ یوسفؑ کے باپ کی طرح یوں کہوں نَعْبُدُ جَبَلًا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا قَالُوا فَوْنَ کہ صبری بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی کی مدد چاہیے۔ اُس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مارے کانپ رہی تھیں اور غلبہ حزن کی سبب حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ رہا کہ یوسفؑ کے باپ کا عنوان سے ذکر کیا۔ اس کے بعد روئی ہوئی پلنگ پر جا پڑیں اور روتے روتے بُرا حال کیا۔ اہل خانہ اسی حال میں تھے کہ آثارِ وحی نمودار ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ محویت طاری ہوئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی آپ کی پیشانی پر پسینہ آگیا گردن مبارک جھک گئی۔ آپ کے سر کے نیچے سہارے کے لئے تکیہ رکھ دیا گیا اور سب خاموش ہو کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ حضرت کو افادہ ہوا اور آپ نے تازہ وحی یعنی سورۃ نوح کی آیتیں پڑھیں۔ جن میں بڑے شد و بد سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اظہار اور بہتان باندھنے والوں پر خطاب فرمایا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افادہ ہونے پر آیات قرآنیہ سنائیں اور فرمایا کہ خوش ہو اے عائشہ رضی اللہ عنہا! حق تعالیٰ نے تمہارا بے گناہ ہونا نازل فرما دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُن کی ماں نے کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مانو انھوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھ پر یہ احسان فرمایا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ حق تعالیٰ میری اتنی عزت فرمائے گا کہ میری عفت کے اظہار میں قرآن نازل ہو گا ہاں یقین تھا کہ خواب یا الہام کے ذریعہ سے حضرت پر میری بے گناہی منکشف ضرور ہو جائے گی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور سورۃ نوح کی اُن آیتوں کو



پڑھ کر سنایا۔ بہتان باندھنے والوں کی کمر پر حد قذف کے وارے مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو سبوتا حاصل ہو گیا کہ بلا دلیل بے حیائی کی بات کا چرچا کرنا یا کسی شریف زادی کو تہمت لگانا اسلام کی شان سے بعید ہے۔ مسلح لشکر انما اور حضرت صدیق رضا میں رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور ہاجر و مسکین و شریک جنگ بدر بھی تھے۔ بایں وجہ حضرت صدیق رضا ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے چونکہ اس قصہ افک میں یہ بھی شریک تھے اس لئے حضرت صدیق رضا نے ان کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی کہ اب ان کو کبھی کچھ نہ دے گا۔ مگر جب حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ اہل فضل اور وسعت والے لوگوں کو اس کی قسم کھانی نہیں ہے کہ وہ کچھ نہ دیں گے۔ ایسے شخص کو جو قرابت دار ہے، مسکین ہے، اللہ کی راہ میں ہجرت کر چکا ہے، ان کو چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم کو محبوب نہیں ہے کہ اللہ تم کو بخش دے؟ اور اللہ بخشے والا ہر مان ہے تو حضرت صدیق رضا نے مسلح کے ساتھ سلوک کرنا قبول دیا اور اب یہ قسم کھائی کہ اس پر خرچ کرنے سے کبھی ہاتھ نہ روکوں گا۔ اس کے بعد کہا کہ میں اللہ کی مغفرت کو یقیناً محبوب سمجھتا ہوں اور کو دینا اس نعمت عظمیٰ کی محرومیت سے پہل جانتا ہوں، غرض قصہ رفت گذشت ہوا اور عبداللہ بن ابی کی اس قدر رسوائی ہوئی کہ کوئی بات کا اعتبار نہ کرتا اور برادری کے بھائی بھی اس کی بات سننے تو بے وقعت سمجھ کر دوبارہ تھے بعض مورخین کی رائے ہے کہ غزوہ لمبیعہ میں ہوا کیونکہ پردہ کی آیت شہ میں نازل ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب +

## باب ۵۵

### غزوہ خندق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی مدافعت اور جہاد و غزوات کے علاوہ جو کچھ وقت ملتا اس کو اندرونی اصلاح اور مسلمانوں کی روحانی تکمیل میں صرف کرتے تھے۔ قرآن مجید پر ابر نازل ہوتا اور حسب ضرورت احکام جو آسمان سے اترتے رہے آپ ان کو صحابہ رضاکہ پہنچاتے، شریعت کی تعلیم فرماتے، اخلاق کی اصلاح کرتے اور اپنی ہم نشینی سے مستفید فرما کر ان روحانی طاقتوں کا فیضان پہنچا کرتے تھے جو تمام اعمال کی جڑ اور زندگی کے کارناموں کا اصل الاصول ہیں صحابہ کی ہمت و ایمان کی مضبوطی جن کا پتہ واقعات مذکورہ سے بھی چل رہا ہے اور آئندہ زمانہ میں تو اس کا اتنا ظہور ہوا کہ مخالفوں کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا یہ سب اسی قوت قدسیہ کا پر تو ہے جو چند روزہ زمانہ میں بہت تھوڑے وقت صحابہ رضاکہ کو پاس بٹھا کر ان پر ڈالا گیا تھا۔



آپ کی ایک اکیلی ذات پر دو مستقل خدمتوں کا بار ڈالا گیا تھا کہ غیروں کو اپنا بنائیں اور انہوں  
 کو مالِ قرب کے سبب سے بلا حقہ پر پہنچائیں۔ سو دونوں جزو کی تکمیل آپ کو مدنی سکونت کے صرف دس سال  
 کی عمر میں ضروری تھی اس لئے آپ بلا تعلقین وقت گویا ہر لمحہ اس کی انجام دہی میں مشغول تھے اور جب  
 نام میں مزاحمت کرنے والی جماعت کفار سے فرصت پاتے اپنے لاڈلے مسلمانوں کی روحانی تعلیم  
 بیت میں مصروف ہو جاتے تھے۔

اس درمیان میں آپ کے دشمن بھی غافل نہ رہتے تھے بلکہ اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایک دفعہ  
 بے تمام بدوؤں کو جمع کر کے مدینہ پر یکدم پورش کر دیں اور نام اور ملک کے بہادروں کی شجاعت دکھا کر دلوں  
 حوصلہ نکال لیں۔ اور ہر سوال کا وہ جہیز بھی آ رہا تھا جس میں ہر سال جنگ کرنے کی دس مکی ابوسفیان نے  
 ایک اُحد میں مسلمانوں کو دی تھی اور گزشتہ سال قحط سالی کا غدر کر کے ظہران سے اپنے لشکر کو واپس لے  
 لیا تھا اس خجالت کا آثار نا بھی منظور تھا اور آئندہ کے لئے بات بھی بنائے رکھی تھی چنانچہ اپنے قاصدوں  
 چار طرف روانہ کیا تاکہ گرد و نواح کی جملہ اقوام عرب اور مختلف قبیلوں کے بُت پرستوں کو مسلمانوں کے  
 خلاف برا بھلا کہیں اور اس مرتبہ ہزار ہا ہزار سپاہیوں کی فوج مدینہ پہنچا اس قصد سے جا چڑھی کہ اس مذہب کی  
 بنیاد اکھیر پھینکے۔ اور ہر قبیلہ بنی نضیر کے چند یہودی جو مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر کے پاس جا کر بے تھے وہ الگ  
 مار کھارہے تھے اپنی عداوت نکالنے کو لڑنے کے لئے لوگوں کو بھڑکار رہے تھے چنانچہ ان کا سردار خبیث بن اخطب  
 قریش میں یہودی اپنے ساتھ لے کر گئے۔ اپنی تدبیر و مشورہ اور کثیر جماعت کی مدد کا وعدہ کیا اور فتح کی قوی  
 بلا کر قریش کی لشکر کشی کے لئے پختہ کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے  
 مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی کی رائے سے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی تجویز قرار پائی چنانچہ کوہِ سلیم کی  
 جانب چوڑی اور گہری خندق کھودنے میں صحابہ بہ مشغول ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی  
 گدال لے کر اس میں شرکت فرمائی۔ چونکہ مدینہ کی دوسری جانب شہرِ نبیاء اور عمارات محکم تھی اس لئے  
 ان کو چھوڑ دیا گیا۔

منافقوں کا اتفاق اس غزوہ میں بھی کئی بار ظاہر ہوا کرتے ہوئے گھبراتے، کام کرنے سے اُکاتے جھوٹے  
 بہانے کر کر کے چلے جاتے اور بعض وقت بلا اجازت داخلہ ہی کھسک جاتے تھے، وقت کم تھا اور کام  
 بہت، خصوصاً اس وجہ سے کہ صحابہ نے خندق کی صورت سے واقف تھے اور نہ اس کا کھودنا جانتے تھے مگر  
 اخلاص سب کچھ کرا دیتا ہے۔ مکہ کا لشکر ابھی آنے ہی نہ پایا تھا کہ خندق بالکل تیار ہو گئی اور جناب رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو چھوڑ کر تین ہزار مسلمان ساتھ لے کر کوچ فرمایا



اور کوہ سلع و خندق کے درمیانی حصہ میں خیمہ نصب ہوا کر ڈائی کا اہتمام کیا۔ دن ہزار کافروں کا لشکر بھی آپہنچا اور اپنی کامیابی کے موموم خیال میں مست ہو کر ادھر ادھر پھیل پڑا قریشی لشکر نے مجتمع ہونے پر اور غطفان نے احد کی جانب چھاؤنی ڈال دی اور مسلمانوں کو گویا اوپر نیچے کی دونوں جانبوں سے گھیر لیا۔ گروہا گروہ عرب کی سخت پورش کا یہ مقتضاتھا کہ دہشت کے مارے مسلمانوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں، نظر خیرہ بن کر حکم اجاتے، کلیجے منہ کو آنے لگیں اور باقتضائے بشریت غلبہ خوف سے گھبرا کر لہجہ و سوے آنے لگیں کہ دیکھئے جنگ کا انجام کیا ہوا اور بچپن یا نہ بچپن۔ اس پر طرہ یہ کہ منافقوں نے یہی ہمتیں کمزور کرنی شروع کیں اور کہنے لگے کہ اہل یثرب یہ ہیبت ناک منظر ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے بھلا یہ طرف سے محصور ہو کر بچاؤ کی کیا صورت ہو سکتی، پتھروں اور تیروں کی بارش ہی سے کچلا ہو جائے گا۔ لوگو! اور پناہ کی جگہ جانیں بچا کر پڑ رہو۔ مگر اللہ کے استقلال مسلمان از جا رفتہ نہ ہوتے اور یوں سمجھ کر یہ بھی تم کا وقت ہے اور آج ہی اس کی جانچ پڑتال ہو گی کہ کون بختہ رہ کر خدا اور خدا کے رسول پر جان نثار کر رہے اور کون اپنی جان بچاتا اور ہول و ہراس سے گھبرا کر بھاگنا چاہتا ہے، پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کہہ دیا حق تعالیٰ کا وہ وعدہ نصرت جس کو سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ جنت میں جانا چاہتے ہو تو جھڑ جھڑا جانے کو تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد ہماری مدد نازل ہو گی، ضرور پورا ہو کر رہے گا معلوم ہو چکا ہے کہ ہر فرقوں میں بنی قینقاع اور بنی نضیر جلا وطن ہو چکے اور آب مدینہ میں صرف ایک قوم یعنی بنی قریظہ باقی تھی جس پر مسلمانوں کو اعتماد تھا کہ کافروں کے شریک حال نہ ہوں گے اور اپنے معاہدہ پر کار بند رہیں گے۔ لیکن انفسوس یہودیوں میں وفا کا نام بھی نہ تھا اور اس بد قسمت قوم کی مصیبت کا وقت بھی آپہنچا تھا۔ اس لئے جس وقت حنظل بن اخطب نے رات کے وقت ان کے سردار کعب بن اسد کے قلعہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اول اُس نے ملاقات سے انکار کیا مگر آخر دروازہ کھول کر حنظل کو بلا لیا اور اُس کی دلائی ہوئی اس امید پر عہد کو توڑ دیا کہ سارے عرب مخالف ہو کر آخری فیصلہ کرنے کے لئے مسلمانوں پر چڑھ آتے ہیں اور اب اسلام کا تخم بھی قائم رہنا دشوار ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو حضرت سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بغرض تحقیق ان کے پاس بھیجا۔ چنانچہ وہ گئے تو ان کو وہاں جانے پر معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ لوگ باغی ہو گئے ہیں اس لئے کہ انھوں نے یوں جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے محمد کون ہیں اور خدا کے رسول کون؟ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں جس کی تابعداری کریں، نہ ہمارا تمھارے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، جاؤ اپنا کام کرو۔ یہ جواب شکر و دونوں حضرات واپس آئے اور حضرت کو اطلاع دیدی۔



یہ وقت بھی عجیب پریشانی کا تھا کہ ادھر سارا عرب پورے سامان کے ساتھ پورٹ کر کے کوٹڑھا جس میں  
 یہ مذہبی مخالفت کی بنا پر گویا مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ پچھلے زمانہ کی دراز عداوت نکالنے کا تہیہ  
 مدہ تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے ہوئے سرداروں کے انتقام کا جوش جھڑپ تھا اور شکست و ہزیمت  
 حالتِ رفع کرنی الگ تھی اور سب پر طرہ یہ تھا کہ آئندہ کی قسمتوں کا فیصلہ اسی پر سمجھ رکھا تھا کہ فتح ہو یا  
 نہ اور اندرونی حالت دیکھتے تو منافقوں کا اندیشہ ایک مستقل مزاجت تھی کہ مارا آستین بنے ہوئے اور  
 بیت کی ہوا کا رخ دیکھنے والے ہیں اس کے علاوہ وقت پر وقادینا ان کا شعار تھا۔ چنانچہ اب بھی یہ کہہ کر  
 دیتے تھے کہ ہمارے گھر خالی ہیں کوئی مرد ذات ہے نہیں دیواریں نیچی ہیں، خور میں اور بچے ڈرتے ہوں گے  
 لئے یہاں ٹھہر نہیں سکتے کیونکہ ان کی حفاظت بھی ضروری بلکہ سب سے مقدم ہے کہ دشمن ان پر آنے پر  
 سے کم چوری آگھسیں اور لوٹ لیں۔ اس پر بنی قرینہ کا اس نازک وقت میں بجائے اعانت کے باغی  
 مخالف ہو جانا سمندر ناز پر تازیانہ بن گیا کیونکہ یہ لوگ مدینہ کے قدیم باشندے ہوئے کی وجہ سے اُس کے ناکوں  
 استوں اور خطرہ کے مقاموں سے پورے واقف تھے اور گھر کے بھیدی بن کر کافروں کو پوری مدد پہنچا سکتے  
 تھے مگر اللہ نے ہمت کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ بھی لاحق نہ ہوئی بلکہ یوں فرمایا کہ ایشاء  
 لو اے جماعتِ سلیمین تم کو کام کرو ہمت نہ وارد قیصر و کسری کے تخت تمہارے قدم چومنے کو فخر سمجھتے ہیں۔  
 آپ ہی کے قلب کی قوت قدسیہ کا اثر تھا کہ ان مسلمانوں پر بھی مطلق ہر اس نہ ہوا کہ جن کی تعداد بھی کم  
 تھی سامانِ جنگ بھی پورا نہ تھا اور بجز توکل کی طاقت کسی چیز کی بھی قوت ان کو حاصل نہ تھی۔  
 دینِ اہلزار کافروں کے لشکر نے خندق کو دیکھا تو حیران رہ گئے کیونکہ عرب نے یہ صورت کبھی نہ دیکھی تھی  
 اس لئے رُکے اور مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برسنا شروع کر دیا۔ مسلمان بھی پتھر اور تیر بھینک کر جواب  
 دیتے رہے اور نہایت استقلال و احسن تدبیر کے ساتھ بیرونی و اندرونی دشمنوں کی مدافعت کرتے رہے  
 کافر بیٹل دن تک مسلمانوں کو گھیرے پڑے رہے مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخر رگستان میں پڑے پڑے  
 اگلا گئے تو کوشش کی کہ کسی طرح خندق کے پار اتریں مگر ناکام رہے آخر عمر بن عبدود جو قریش کا وہ مشہور  
 پہلوان اور نام آور شجاع تھا جو تنہا پچاس ڈاکوؤں پر بھاری ہو کر ایک بار قافلہ سالم نکال لایا تھا چند  
 جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر خندق کے کنارے گھوما اور ایک جگہ تنگ دہانہ پا کر خندق عبور کر آیا۔ یہ چند  
 جوان گھوڑوں پر سوار میدان میں آئے اور مقابل کے خواہاں ہوئے کہ ہے کوئی جو لڑنے کے لئے سامنے  
 آئے؟ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تلواریں ہلاتے ہوئے تشریف لائے اور یہ کہہ کر کہ لے عمر! میرا جی چاہتا ہے کہ تیر  
 خون سے زمین کو سرخ کر دوں۔ اس پر حملہ کر دیا۔ عمر بھی پہلوان تھا اور جنگِ بدر میں کسی زخم کھانے



کی وجہ سے بخیاں انتقام قسم کھاتے ہوئے تھا کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں گا سر میں نیل نہ ڈالوں گا اس میں بیچ و تاب کھا کر گھوڑے سے اتر پڑا اور اُس کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیئے کہ واپسی کا وہم و خملہ نہ رہے اس لئے چند منٹ الٹ پھیر کر تار ہا اور سپہ گری کے کرتب لوگ دیکھتے رہے آخر شیر خدائے وار کیا اور اس کو قتل کر کے زمین پر ڈال دیا۔ اُس کے رفیق جو ساتھ آئے تھے بھاگ پڑے اور اپنی جان بچانے کے لئے اسی راستہ سے خندق عبور کر کے لشکر میں آئے۔

گروہ کفار کو پڑے ہوئے جب کئی ہفتے گزر گئے تو اس خیال سے کہ مسلمان گھبرانہ جاتیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی جماعتوں میں مخالفت پیدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی کہ خرمائے مدینہ کی طرف عرب کے غطفان و خزاعہ کو دے کر ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس خیال کو میں بھی ڈالا مگر انصار نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ جس وقت ہم مشرک تھے ابھی ان بدوں کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم پر دباؤ ڈال کر کچھ لیا میں یا تجارت و مہافت کے علاوہ تیسرے طریق سے ہمارا مال کھائیں اور آج تو ہم کو اسلام کی عزت حاصل ہے اب ان کی کیا حقیقت کہ مدینہ کی کھجوروں پر دندان طمع دراز کریں، ہمارے پاس ان کے لئے بجز تلوار کے کچھ نہیں ہے ان کے رہنے دیجئے کہ اپنے دلوں کا حوصلہ نکالیں، آئندہ آپ حاکم ہیں جس طرح ارشاد ہو ہم تعمیل کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا میں تو صرف تمہاری راحت کے لئے اسی خیال سے کہ گھبرانہ گئے ہوں یہ صورت پیدا کرنی چاہتا تھا۔ سو الحمد للہ جب تم کو حق تعالیٰ نے اتنی ہمت عطا فرمادی تو مبارک ہو انشا اللہ تعالیٰ سبیل پیدا ہوگی۔

کفار قریش کو پڑے ہوئے ایک مہینہ کے قریب ہو گیا کہ نہ خندق پھاند کر ان کو مسلمانوں کے دُورِ دِل لڑنے کی نوبت آئی اور نہ گزشتہ سال کی طرح بے نیل مرام واپس ہونے کی ہمت ہوئی۔ ابن عبدود جس کی پہلوانی کا ان میں ڈکھا بجا ہوا تھا مارا ہی جا چکا تھا اور مسلمانوں کی دُور ہی سے سنگباری و تیرباری پر اور بھی مشرک مڑ چکے تھے۔ سرمدی سخت پڑ رہی تھی، زادِ راہ ختم ہو چلی تھی کہ اتنے مہینے غطفان کے ایک شخص جن کا نام نعیم بن مسعود تھا آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں مسلمان ہوا اور آپ پر ایمان لایا ہوں میرے قابل کوئی خدمت بتائیے اور حکم دیجئے کہ اُس کو انجام دوں۔ چونکہ وہ مسلم تھے اور گوتہا تھے مگر ابھی ان کی قوم کو ان کے مسلمان ہونے کی اطلاع نہ ہوئی تھی اس لئے تدبیر کے ساتھ غطفان و قریش اور بنی قریظہ سب میں تفرقہ ڈال سکتے تھے چنانچہ بمقتضائے الحَرْبِ خُفَّیۃً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے کر اول بنی قریظہ میں گئے اور یوں تقریر کی کہ



ابن کتاب تم نے بڑی غلطی کی کہ اہل مکہ سے میل کر کے محمد سے نقض جہد کیا۔ تم کو تمہارے دوست ندادشمن نے  
 زطائل امیدوں کا سبز باغ دکھا کر ایسا دھوکہ دیا کہ کہیں کا بھی نہ رکھا۔ قریش اور غطفان اگر محمد کا کام تمام  
 کئے بغیر واپس ہو گئے اور نظام ہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدت سے باہر پڑے ہوئے اکتا گئے ہیں تو تم کچھ  
 لو کہ مسلمانوں سے تمہارا کس طرح نباہ ہوگا۔ ادھر فارغ ہو کر جب سلمان تم پر چڑھیں گے تو تمہارا بیج بھی  
 باقی نہ چھوڑیں گے۔ عقلمند ہو کر تم نے کیا حرکت کی کہ بغیر اطمینان کئے اپنی راحت اور امن کی گذران پر پانی  
 پھیر دیا۔ بنی قریظہ یہ باتیں سن کر گہرا اٹھے اور کہا کہ اے نعیم! جو ہونا تھا ہو چکا، اب بتاؤ کیا تدبیر کریں؟ انھوں  
 نے جواب دیا کہ تم اہل مکہ سے کہلا بھیجو کہ اپنے چند سردار یا ان کی اولاد بطور رہن کے تم کو دیدیں کہ وہ تمہارے  
 پاس رہیں تاکہ اگر محمد تمہارا قصد کریں تو اہل مکہ کو اپنے سرداروں کی حفاظت کے لئے مدد کو آنا ضرور ہو،  
 اور جنگ کی مصیبت نہ ہو تمہارے اوپر نہ پڑے، پس اگر وہ اس کو منظور کر لیں تب تو سمجھو کہ وہ تمہارے  
 دل سے خیر خواہ اور برے وقت کے ساتھی ہیں اور اگر نہ مانیں تو جان لو کہ وہ تمہارے دل سے ساتھی نہیں  
 اس وقت صرف اپنا مطلب نکالنے کو تم سے میل کر گئے ہیں۔ یہ بات بنی قریظہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ ایسا  
 کرنے پر رنجتہ ہو گئے۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود، قریش اور اپنی قوم قبیلہ غطفان میں آئے اور ہر ایک سے اپنا خیر خواہ  
 ہونا ظاہر کر کے کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے یہودی بنی قریظہ درپردہ محمد سے مل گئے ہیں۔ آخر اہل کتاب میں او  
 مدینہ میں ان کو رہنا ہے باہر کے پردیسوں کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ بگاڑنا ان کی عقل اور دود  
 اندیشی کے بھی خلاف تھا۔ اب محمد نے ان کو کہلا بھیجا ہے کہ ہمارا دل تم سے جب صاف ہو کہ قریش میں سے  
 کچھ سردار گرفتار کرادو اور تدبیر کے ساتھ ان کو ہمارے حوالہ کر دو۔ پس اگر یہ خبر صحیح ہے تو کوئی دن میں  
 ان کی تم سے درخواست ہوگی کہ اپنے سردار ہمارے پاس بھیج دو اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے آدمی خان  
 قوم کے حوالے کریں کہ محمد ان کا خون بہائیں اور ہم کو خجالت پر خجالت حاصل ہو

نعیم کی یہ تقریر سن کر اہل مکہ کے دلوں میں قریظہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور انھوں نے چاہا کہ قبل  
 از وقت یہودیوں کی جانچ کریں اس لئے اسی دن کہ ہفتہ کی شب تھی ان کے پاس پیام بھیجا کہ اے بنی قریظہ  
 تم دیکھ رہے ہو ہمیں میدان میں پڑے ہوئے عرصہ ہو گیا سا ان رسد ختم ہوا چاہتا ہے اور جنگ کی نوبت  
 نہیں آئی اس لئے اپنا وعدہ پورا کر دو اور صبح کو آمادہ کارزار ہو کر ہمارا ساتھ دو کہ تم اندر سے اور ہم باہر سے  
 مسلمانوں پر یکدم یورش کریں اور ان کام تمام کر کے فارغ و مطمئن ہو سکیں۔

قریظہ نے اس کا جواب کہلا بھیجا کہ کل ہفتہ ہے اور تم کو معلوم ہے کہ یہ قابلِ غفلت دن ہمارے مذہب میں



عبادت کا ہے جنگ کا نہیں، اس لئے صبح ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ نیز اپنے اطمینان کی غرض سے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے چند سردار یا ان کی اولاد بصورتِ رہینہ ہمارے حوالہ کر و تاکہ اپنے اوپر مصیبت پڑنے کے وقت ان کی وجہ سے تمہاری امانت کا ہم کو وثوق رہے۔ قاصد نے یہ پیام قریش اور غطفان سے پہنچایا تو ان کی بدگمانی نہ ختم ہوئی کہ نعیم کا خیال بالکل صحیح ہے اور صاف انکار کہلا بھیجا کہ ہم اپنا سردار کوئی تمہارے حوالہ نہ کریں گے۔ بنی قریظہ نے یہ جواب سنا تو ان کی بدگمانی بڑھی اور کہنے لگے کہ نعیم نے واقعی سچ کہا تھا۔ الغرض اس تدبیر دونوں میں اچھا خاصا بگاڑ ہو گیا اور ایک کو دوسرے پر مطلق اعتماد نہ رہا۔

ادھر اہل مکہ کو پڑے ہوئے قریب ایک مہینہ کے ہو گیا اور ادھر بنی قریظہ کی طرف سے ان کے دل مایوس اور افسردہ ہو گئے، اس پر آسمانی تازیانہ یہ پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پروا موانہایتِ شند بھیج کر چو لھوں سے دیگچیاں گر پڑیں خیمے اکھڑ گئے، کھونٹے اور رسیاں ٹوٹ گئیں اور گھوڑے بھاگنے لگے۔ دیکھ کر فوج کفار کی ہمتیں پست ہو گئیں، دل ٹوٹ گئے اور گھر کی سوچ بھی۔ ابوسفیان نے بھی سر اسمنہ کو کہہ دیا کہ اب یہاں ٹھہرنا مصاحت نہیں ہے اس لئے اسی رات کو سب کو کوچ کر دیا اور صبح ہوتے ہوئے وہ میدان جس میں ذیقین ہزار آدمیوں کی چھل بل نظر آرہی تھی بالکل خالی ہو گیا۔ آفتاب نے جس وقت افق مشرق سے منہ نکالا ہے تو وہ جنگل ہو کا عالم اور لوق دق بیابان نظر آیا جس کو مغرب میں چھپائے وقت بھر پور و آباد چھوڑا تھا۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کا شعار **لَا يَتَضَرَّوْنَ** تھا۔ مہینہ بھر کی تیر و سنگباری سے چھ مسلمان شہید ہوئے اور تین کافر مارے گئے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار کی جماعت ناکام واپس ہو گئی تو انھوں نے بھی واپسی کا تہیہ کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت سنا کر کہ اب آئندہ ان کو ہم پر یورش کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوگی بلکہ ہم ہی انشاء اللہ ان پر چڑھ کر جائیں گے، وہاں سے روانہ ہوئے اور حق تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے ہنسی خوشی اپنے شہر میں داخل ہوئے۔

۵۲ ۵۵

## جنگ بنی قریظہ

حق تعالیٰ کے نزدیک یہ فتح ابھی کامل نہ تھی کیونکہ یہودی بنی قریظہ سے مسلمان کسی طرح مطمئن نہ تھے ان کے معاہدہ کا نقص ہو ہی چکا تھا۔ اہل مکہ کی طرف داری اور سردارِ اسلام کی شان میں گستاخی کھل چکی تھی اور آئندہ ان کی قسم کا بھی اعتبار نہ رہا تھا اس لئے مناسب تھا کہ ان کے قابو پانے سے قبل ہی ان کا علاج کر دیا جائے۔



جاتے اور اس مفسد تخم سے مدینہ کی مقدس زمین ہمیشہ کے لئے خالی کر لی جائے۔  
چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ہتھیار کھول کر اُمّ سلمہؓ کے گھر نہا رہے تھے غسل پورا  
نہ کرنے پائے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ پر چڑھائی کیجئے  
اور ان سے فارغ ہو کر اطمینان سے غسل فرمائیے۔ چنانچہ آپؐ اُسی وقت اسلامی لشکر کو جمع ہونے کا  
حکم دیا عبد اللہ بن اُمّ مکتوم کو مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں نشان جنگ دیا۔ خود سیدنا ابو بکرؓ و  
عمرؓ کو دانتیں باتیں لے کر چند دستے فوج کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے اور عام حکم دیدیا  
کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں۔

اس حکم سے مقصود تعجیل تھی کہ بنی قریظہ میں جلد پہنچا جاسکے چنانچہ صحابہؓ آگے پیچھے فوراً روانہ ہوئے اتفاق  
سے راستہ میں آفتاب غروب ہونے لگا تو صحابہؓ نہیں نماز کے متعلق اختلاف ہوا۔ بعض نے توارشاد نبویؐ کی  
حقیقت کو مقصود قرار دے کر نماز پڑھ لی اور بعض نے الفاظ کے ظاہر پر نظر کر کے یوں کہا کہ آج عصر کی نماز کا  
وقت ہی ہمارے لئے جب ہوگا کہ بنی قریظہ میں پہنچ جائیں اس سے ورے جائز نہیں۔ چند صحابہؓ نے کہا کہ حضرت  
ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے کہ نماز کا وقت نکل بھی جاتے تب بھی نماز نہ پڑھی جائے مگر بعض نے نماز قضا کر دی  
اور بنی قریظہ میں پہنچ کر مغرب کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جب حضرت تشریف لائے تو اس اختلاف کا قصہ سنا  
اور دونوں فریق کی تعریف فرمائی کیونکہ ہر ایک کی نیت بخیر تھی۔ عشاء کے بعد تک اسلامی لشکر کی آمد کا سلسلہ  
جاری رہا اور آخر مسلمانوں نے بنی قریظہ کی گڑھیوں کا ہر چار طرف محاصرہ کر لیا کہ کوئی نکل کر نہیں جاسکے  
اور تنگ آکر بنی نصیر کی طرح نیچے اتر آئیں اور قسمت کا آخری فیصلہ جو کچھ بھی صادر ہوا اُس کو منظور کریں  
ماہ ذیقعدہ کے صرف سات دن باقی تھے کہ محاصرہ عمل میں آیا اور کامل پچیس روز تک قائم رہا کہ نہ یہودیوں  
نے دروازہ کھولا اور نہ جنگ یا صلح کی کوئی کارروائی عمل میں آئی۔ بنی قریظہ کی تباہی کا زیادہ سبب حتی  
ابن اخطب بنا تھا جس نے اپنی جلا وطنی کی عداوت میں ان کو احزاب کا پشت پناہ بنا کر مسلمانوں سے  
باغی بنایا تھا اور وہ بھی اہل مکہ کی واپسی کے بعد حسب وعدہ ان کے سردار کعب بن اسد کے پاس مقیم تھا۔  
ان لوگوں کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان محاصرہ سے تنگ آکر لوٹ جائیں۔ مگر جب انھوں نے دیکھا کہ پچیس دن  
گزر گئے اور مسلمان آخری فیصلہ کے بغیر واپس نہ گئے والے نہیں ہیں۔ تو کعب بن اسد نے سب کو بلایا اور اس  
طرح تقریر کی کہ اے اسرائیل کے بچو! نبی زادو! میرے بھائیو! دوستو! جس حال میں مبتلا ہو اُس کو دیکھ  
رہے ہو، اب تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو، یا تو مسلمان ہو جاؤ اور محمدؐ کا اتباع کر لو جس کے  
زبانوں سے اگرچہ قاتل نہیں ہو مگر دلوں میں جانے ہوئے ضرر ہو کہ وہ برسرِ حق اور نبی آخر الزماں ہیں اور



اگر تمہاری فتنہی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی تو اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ۔  
 جی توڑ کوشش سے باہر نکل کر میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کر دے کہ فحیاب ہوئے تو پوری بچے بہت مل جائیں  
 گے اور ناکام رہے تو پس ماندگان کی طرف سے پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ اور یہ بھی منظور نہ ہو تو آج ہفتہ کی شب  
 اور مسلمانوں کو المہینا ہوگا کہ اس باغیلت دن میں یہودی کی طرف حملہ نہیں ہو سکتا سو ان کی اس وقت بے  
 خبری کو غنیمت سمجھ کر آج اس دن کی غفلت طاق میں رکھ دو اور دفعہ ان پر چھاپہ مار کر سب کا کام تمام کر دو  
 مگر بنی قریظہ نے کسی رائے کو منظور نہیں کیا اور جواب دیا کہ نہ ہم محمد پر ایمان لاسکتے ہیں اور نہ اپنے ہاتھوں ہمارا  
 عیش بی بی بچوں کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ یہ گوارا ہے کہ یوم السبت میں ایسی حرکت کریں جس کے ارتکاب سے  
 ہمارے اسلاف مسخ ہو کر سُور اور بندرتن چکے ہیں۔ کعب بن اسد نے جب دیکھا کہ کوئی رائے کارگر نہیں ہوتی  
 تو خاموش ہو گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ذرا سی دیر کے لئے ابولبابہ کو بھیج دے  
 کہ ان سے مشورہ کر لیں مسلمان ان یہودیوں کا محاصرہ کئے پڑے رہے آخر کو یہودی تنگ آگئے اور مصالحت  
 کا پیام و سلام شروع ہوا۔

بنی قریظہ کا چونکہ قبیلہ اوس سے تعلق تھا حلیف اور باہم عہد و پیمان کئے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے  
 کا مددگار ہوگا اس لئے ان کو یہ توقع ہوئی کہ ابولبابہ اوسى اس مصیبت کے وقت ہمارا ساتھ دیں گے۔  
 چنانچہ حضرت نے ابولبابہؓ کو اجازت دی اور وہ بنی قریظہ میں آئے یہودی بچے اور عورتیں ابولبابہؓ کو  
 دیکھ کر آہ و زاری کرنے اور پاؤں پر سر رکھنے لگے۔ ان کی بے بسی و دایلا پران کو بھی ترس آ گیا اور جب  
 ان سے پوچھا گیا کہ تمہاری رائے میں محمد کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اقرار کر لینا ہمارے لئے کیسا ہے؟ تو  
 انہوں نے اپنے حلق کی جانب اشارہ کر دیا گویا بتا دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمہارے قتل کرنے  
 کا ہے۔ کہنے کو کہہ گئے مگر آخر صحابی تھے اور فیضان نبوت سے قلب میں نور آچکا تھا اس لئے دل پر دفعہ چڑھا  
 لگی اور سمجھے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی خیانت ہوئی کہ حضرت کا منشا جو بصورتِ راز تھا ان پر ظاہر کیا اور  
 ان کی بچاؤ کی تدبیر سے حضرت کو محاصرہ کی مشقت میں ڈالا اس لئے اپنے کو خطا وار سمجھ کر سیدھے مسجد نبوی  
 میں آئے اور اپنے آپ کو ستون سے باندھ کر قسم کھائی کہ حضرت اپنے دست مبارک ہی سے جب کھولیں گے تب  
 گھلوں گا چنانچہ حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ابولبابہؓ میرے پاس آجائے تو میں ان کے لئے استغفار  
 کرتا مگر جب انہوں نے اپنا معاملہ خدا کے حوالے کر دیا تو اب میں بلا نزول وحی کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت سعد بن معاذ بھی قبیلہ اوس کے سردار تھے اور غزوہ خندق میں حبان بن عرقہ کا تیراں کے  
 ہاتھ کی رگ میں آکر لگا جس رگ کا منہ کھل گیا اور خون برابر جاری تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ اگر احزاب کے



ابھی کچھ کام باقی ہے تو مجھ کو صحت دے کہ حضرت کے دشمنوں سے انتقام لوں اور اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو مجھ کو  
 نصیب فرما، ہاں اتنا ارمان ہے کہ وقت پر دعا دینے والے یہودی بنی قریظہ کا انجام دیکھ لوں اور ان کی  
 ہی سے آنکھیں ٹھنڈی کر لوں۔ خندق سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی اسلم  
 کی طبیب عورت رفیدہ نامی کے خیمہ میں داخل فرما دیا۔ جو بیماروں کی وجہ اللہ تبار واری اور جہاد کے  
 زخموں کی مرہم بنی کیا کرتی تھیں۔ خیمہ مسجدی میں تھا حضرت نے اس میں یہ بھی مصلحت سمجھی کہ پاس کے پاس  
 بہت عیادت فرماتے رہیں گے۔ الغرض صبح ہوئی تو بنی قریظہ نے مجبور ہو کر اپنی زندگی کی باگ حضرت کے  
 کی اور کہا بھیجا کہ جو کچھ فیصلہ کرو ہمیں منظور ہے۔ سٹہ میں یہودی بنی قینقاع کے متعلق جب یہی فیصلہ  
 صورت پیش آتی تھی تو ان کے ہم قسم قبیلہ خزرج میں عبد اللہ ابن ابی نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ ان کو  
 نہ کیجئے بلکہ جلا وطن کر دیجئے۔ چنانچہ ان کی رائے مان لی گئی تھی۔ اس لئے بنی قریظہ کی قسمت کا فیصلہ ہوتے  
 ت ان کے ہم قسم قبیلہ اوس نے آرزو کی کہ ان کو ہمارے حوالے کر دیجئے کہ جو مناسب سمجھیں بڑاؤ کریں۔  
 انچہ اپنے منظور فرمایا اور کہا کہ اچھا تمہارے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہمیں منظور ہے۔ یہی قبیلہ  
 س کے چند سربراہ اور وہ اشخاص حضرت سعد کے پاس آئے اور کہا کہ ذرا تکلیف فرمائیے اور مسلمانوں کے  
 ح میں چل کر اپنی ہم قسم قوم بنی قریظہ کے متعلق رخیانہ فیصلہ فرما دیجئے۔ حضرت سعد جن کے زخمی ہاتھ کاخو  
 ن وقت بند ہو چکا تھا سواری پر سوار ہو کر مجمع میں آئے اور یوں فرمایا کہ بیٹا چاہتا ہوں کہ کسی ملامت  
 نے والے کی ملامت کے اندیشہ سے ناحق فیصلہ کر دوں۔ گویا اپنی قوم کو بائوس کر دیا کہ وہ عبد اللہ ابن ابی کی  
 رح یہودیوں پر زندگی کا احسان کرنا نہیں چاہتے اس کے بعد حاضرین سے اقرار لیا کہ میرا دیا ہوا فیصلہ  
 سب پر نافذ اور تمام مسلمانوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہوگا اور سب کے اقرار کر لینے پر یوں فرمایا کہ بنی قریظہ  
 کے تمام مرد بالغ تہ تیغ کئے جائیں اور عورتیں بچے مسلمانوں کے باندی اور غلام بن کر رہیں اور ان کا مکمل  
 مال و اسباب مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آوے۔

حضرت سعدؓ تو یہ فیصلہ سنا کر اپنے خیمہ میں آگئے اور حضرت نے یہ فرما کر کہ سعدؓ نے آسمانی حکم اور منشا  
 خداوندی کے موافق فیصلہ دیا حکم فرمایا کہ سارے بنی قریظہ کو گرفتار کر کے بنت حارث کے مکان میں قید  
 کر دیا جائے چنانچہ سلامی لشکر اپنے مفتوح قیدیوں کو لے کر مدینہ میں آیا اور اگلے دن غدار یہودی قطار در  
 قطار ان خندقوں پر لاکر قتل کئے جانے جو شہر میں اس غرض سے کھدوا دیئے گئے تھے چنانچہ تقریباً سات  
 سو یہودی جو بالغ تھے قتل کر دیئے گئے اور مال و جائداد ضبط ہو کر مسلمانان مدینہ کے قبضہ میں آیا۔ نابالغ بچے غلام بنائے  
 گئے اور یہود میں باندیاں بن کر اہل اسلام کے قبضہ میں آئیں۔ اب حضرت سعدؓ اپنا ارمان پورا کر چکے تھے اور دعا قبول



ہو چکی تھی اس لئے زخم کا انگوڑ پھٹ گیا اور وہ خون جس کا زخم قریب قریب اچھا ہو گیا تھا پھر جاری ہوا۔ سرخ زخم بہتی ہوئی لوگوں نے دیکھی تو فکر ہوا کہ کہاں سے آرہی ہے مگر حیب معلوم ہوا کہ حضرت سعدؓ سفر آخرت کی تیاری کر رہے ہیں تو حضرت کو بھی اطلاع کی۔ آخر یہ خون بند نہ ہوا اور حضرت سعدؓ شربت شہادت نوش فرما کر راہی ملک بقا ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔

ان میں سے چند نفر فیصلہ کی رات میں مسلمان ہو گئے تھے وہ چھوڑ دیے گئے اور اپنی جائداد و املاک قابض رہے۔ عمر بن سعد بھاگ کر نکل گیا جس کا پتہ ہی نہ چلا کہ کدھر گیا عورتوں میں صرف ایک عورت قتل کی گئی جس نے محاصرہ کی حالت میں حضرت سوید بن صامت کو اوپر سے پتھر مار کر شہید کیا تھا۔ سارا مال خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ باندیوں میں ریحانہ بنت عمر کو اپنے لئے انتخاب فرمایا جو چند روز بعد ایمان آئیں اور حضرت کے وصال کے بعد تک رہیں۔ باقی کو حضرت سعد بن زیدؓ کے ہاتھ نجد کی جانب بھیج کر فروخت کر دیا اور ان کی قیمت سے مسلمانوں کے لئے ہتھیار اور سامان جنگ خرید لیا گیا۔

ماہ ذی الحجہ ۶ھ میں مدینۃ الرسول یو دیوں سے خالی ہو گیا اور جس طرح بدر کے بعد بنی قنیقہ اور احد کے بعد بنی نضیر سے امن ملا تھا۔ غزوہ خندق کے بعد بنی قریظہ کی طرف سے مطمئن ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلصین کی روحانی تربیت و تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

ابو لبابہؓ ستون سے بندھے ہوئے تھے کہ نماز اور قضا کے حاجت کے وقت ان کی بی بی آکر ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر اسی ستون سے باندھ جاتی تھیں جس کا نام اس وقت اسطو ابو لبابہ کے ساتھ مشہور ہے یہاں تک کہ چھ دن بعد آخر شب میں جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں تھے ان کی توبہ نازل ہوئی اور حضرت مکی اجازت لے کر اُمّ المؤمنینؓ نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ابو لبابہؓ کو یہ بشارت سنائی اور مبارکباد دی۔ مسلمان دوڑے کراہے ابو لبابہؓ کو ستون سے کھولیں مگر چونکہ قسم کھا چکے تھے اس لئے سب کو ہٹا دیا اور فرمایا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جب کھولیں گے تب کھلوں گا اس لئے میرے کھولنے کا تم لوگ قصد مت کرو۔ آخر صلوة فجر کے لئے حضرت مسجد میں تشریف لائے تو ان کو ستون سے کھولا اور آئندہ کے لئے بنی قریظہ کے محلہ میں جانے کی انھوں نے قسم کھائی کہ جس زمین میں اللہ اور اللہ کے رسول کی خیانت ہوتی ہے وہاں عمر بھر قدم نہ رکھوں گا۔

۵۳

ابو رافع کا قتل اور عمرؓ و ابن عباسؓ کا اسلام

آدس اور خزرج انصار کے وہ مشہور قبیلے ہیں جن میں فطری طور پر ایک کو دوسرے سے بڑھنے کی حرص



مضمون تھا جب دونوں فریق کو حق تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا کی تو یہ مضمون حسناات اور نیکو کاری کی طرف منتقل ہو گیا اور اب دین کے بارے میں ہر ایک کا جی چاہتا تھا کہ دوسرے سے بڑھا ہوا رہے چنانچہ بنی قنیقلہ متعلق فیصلہ خنزرج کے حوالہ ہوا تھا اور انہوں نے رعایت و احسان کو ترجیح دی تو بنی قریظہ کا فیصلہ آئہ اوس کے متعلق ہوا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کو قتل کر دیا گیا۔ کعب بن اشرف دی کا قتل بھی اسی کے کارناموں میں درج تھا کیونکہ اس کے قاتل حضرت محمد بن مسلمہ اور ان کے نادر اوس تھے۔ پس خنزرج میں چرچا ہوا کہ تم کو بھی کسی ایسے دشمن اسلام کو قتل کرنا چاہیے جو کعب بن زید کا اس مضمون میں شریک ہو۔ چنانچہ ان کا خیال ابورافع کی طرف گیا جو یہودی بنی نضیر کا مشہور جراح اور مالدار سردار تھا اور احزاب کو مسلمانوں پر چڑھالانے کی سعی اور ترغیب میں نجی بن اخطب کا ریک تھا جلا وطنی کے بعد خیبر کے قریب ایک گڑھی میں مقیم تھا اور مسلمانوں کی عداوت میں ہمیشہ ہمت رمال خنزرج کرتا رہتا تھا۔ الغرض بنی خنزرج حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابورافع کے قتل کی س کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی اور عبد اللہ بن عتیک مسعود بن مان عبد اللہ بن امیس۔ ابوقتاہہ یعنی حارث بن ربیع، اور خزاعی بن اسود۔ پانچ نفر جس میں حضرت عبد اللہ امیر جماعت تھے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خصوصیت کے ساتھ دیا تھا کہ سچے یا عورت کو قتل مت کرنا۔ پانچوں حضرات رات کے وقت بنام ابورافع کے محل میں داخل ہوئے اور دربانوں میں بل کر دروازے بند ہوتے وقت گنڈیاں اور قفل لگانے میں ان کے شریک رہے۔ دربانوں نے ان کو بھی اپنا جیسا ملازم اور خدمت گار سمجھا اور کسی کو شبہ بھی نہ ہوا کہ یہ جہنمی ہیں۔ آخر چراغ گل کر دیئے گئے۔ قفلوں کی کنجیوں کا گچھا کھوٹی پر لٹکا دیا گیا اور سب پڑ کر سو گئے۔ چونکہ ابورافع قلعہ کے بالائی کمرہ پر رہتا تھا اس لئے کچھ رات گزرنے پر یہ دروازوں کی کنجیاں اپنے قبضہ میں کر کے زمین پر چڑھے اور مکان کے متعدد درجے قطع کر کے اس کمرہ میں داخل ہو گئے جہاں ان کا مقصود پڑا سوتا تھا۔ چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا اندھرا چھایا ہوا تھا اور خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ ابورافع رنگ کا گورا اور بدن کا بھاری خوبصورت شخص تھا اگرچہ اس کے چہرہ کی دھک کچھ سفیدی بن کر اس کی چغلی کھارہی تھی مگر پورا وثوق نہ تھا اس لئے ان میں سے ایک شخص نے آہستہ سے اس کو آواز دی اور کہا "ابورافع!"

ابورافع کی آنکھ کھل گئی اور اس نے جواب دیا کہ "ہاں کون ہیں؟" آواز کا نکلنا تھا کہ اوپر سے تلوار کا دار ہوا کیونکہ یہ بیکار صرف نشانہ قائم کرنے کے لئے ہوئی تھی کہ پتہ چل جائے سونے والوں میں



ہو رافع کو نسا ہے۔ تلوار پڑی مگر تاریکی کے سبب موقع پر نہ پڑی، اچھٹی اور ناتمام کام کرنے لے لوگوں کو کچل دیا اس لئے فوراً ہی پہلے پکارنے والے نے آواز بدل کر آہ کی اور شور مچایا کہ مہاتے کس نے تلوار ماری، اور رافع نے جو تلوار کے وار سے ہم گیا تھا یوں سمجھ کر کہ میرا کوئی خادم ہے جو میرے دھوکہ میں زخمی ہوا غل مچا کر مارا کوئی دشمن گھس آیا ہے جلد دوڑو اور اس کو پکڑو۔ اس آواز پر اطمینان ہو گیا اور اب پتے درپے کئی تلواریں اس پر ایسی پڑیں کہ اس کا قہقہہ کر دیا اور اس سے پہلے کہ چپخنے والی بی بی چراغ جلا کر پیالے شہر کے قاتل اور اپنے بیوہ کرنے والے دشمن کا منہ دیکھے حضرت عبداللہ بن انیس نے تلوار کو اور رافع کے پیٹ پر کھنک بدن کا اتنا زور دیا کہ وہ معدہ کو عبور کرتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور چھدے ہوئے زخمی نے بحالت نزع اتنا کہہ کہ "بس بس" جان ملک الموت کے حوالہ کی۔

حضرت عبداللہ بن عتیک اپنے ساتھیوں سمیت اٹے پاؤں لوٹے اور جس راستے سے گئے تھے جلد جلد سیڑھیاں اترتے اور کنبیوں سے دروازے کھولتے ہوئے باہر نکل آئے۔ رات کا وقت تھا اور گھبراہٹ کا جاگ ہو چکی تھی اور محل میں کہرام مچ رہا تھا حضرت عبداللہ کی آنکھوں میں مرض بھی تھا کہ شب کو کم نظر آتا ہے اس لئے سیر می سے گرے اور ضرب شدید آئی۔ ساتھیوں نے فوراً ان کو اٹھایا اور کمر پر لاد کر اقتال و خیزاں خیمہ کی نہر میں پہنچ کر ان کے خون کو دھویا اور پی باندھ کر صبح ہوئے بیوہ کے نوحہ اور بنی سے اس کا پورا اطمینان کر کے کہ کامیاب ہوئے مدینہ کا راستہ لیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ عرض کیا اور حضرت عبداللہ بن عتیک کو جو پاؤں سے معذور ہو چکے تھے سامنے لایا حضرت نے ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر ہاتھ پھر کر شفقت ہو گئی اور حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار میں غذا کا اثر دیکھ کر فرمایا کہ قاتل یہ ہیں۔

کفار قریش جب مدینہ سے بے نیل مرام واپس ہو کر مکہ پہنچے تو عمر بن عاص نے سرداران مکہ کو جمع کیا اور یوں تقریر کی کہ "اے بہادران عرب! تم دیکھتے ہو کہ محمد کا رنگ دن بدن بڑھتا اور مذہب بڑھتا چلا جاتا ہے ہماری ہمتیں پست ہوتی جاتی ہیں، کمریں ٹوٹی جاتی ہیں، کوششیں ٹھکی جاتی ہیں اور تدبیریں ختم ہوتی جاتی ہیں مدت ہو گئی اور برسہا برس گزر لئے بنی امیہ کی کوفی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس کو نہ گزرتے ہوں مگر محمدؐ اور اصحاب محمدؐ پر کوئی اثر نہیں ہوا آخر کب تک اس ذلت و ناکامی کو گوارا کیا جائے بس اب میری رائے یہ ہے کہ مکہ چھوڑ دوں اور ملک حبش میں نجاشی کی رعایا بن کر گزاروں اگر کسی وقت میں رنگ بدلاؤں ہماری قوم مسلمانوں پر غالب آگئی تب تو کام بن گیا اور اگر محمدؐ کو یہی غلبہ رہا جواب تک ہو رہا ہے اور انجام کار اپنی قوم پر غالب آگئے تو محمدؐ کی رعیت بن کر زندگی گزارنے سے نجاشی کی رعیت بننا بہت کچھ بہت معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور عمرو بن عاص نے عرب کے بہت کچھ چمڑے شاہی نذر گزرا



کے حبش کا رخ کیا۔

نیکو عرب کا چہرہ مشہور تھا اور اس زمانہ میں بڑی قدر کے ساتھ بادشاہوں کی نذر میں قبول ہوتا تھا۔  
 عمرو بن عاص نے جس وقت حسب رواج شاہی آستانہ پر سجدہ کر کے نذر پیش کی تو عزت کے  
 لائق اور ان کو دربار کی حاضری کے ساتھ امن کی زندگی نصیب ہوئی۔ چند روز گزرے تھے کہ،  
 عمر ابن امتیہ ضمری حضرت جعفر و خیرہ کے قتل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر حبش  
 نکل ہوئے اور حضرت نجاشی سے جو مسلمان ہو چکے تھے گفتگو کر کے باہر آئے۔ عمرو بن عاص نے ان کو  
 مدد دے جانے جوش مارا اور یہ شاہی رسوخ کے غرہ پر اپنے رفقاء سے یہ یوں کہہ کر کہ محمد کے قاصد کو بادشاہ  
 قتل کروں گا۔ سیدھے نجاشی کے پاس پہنچے اور سجدہ تعظیمی پورا کر کے جب ملاقات مسرور پایا تو دھوا  
 نص جو ابھی دربار سے باہر نکلا ہے ہمارے ایک خاص دشمن کا قاصد ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور  
 مجھے عطا فرمادیں کہ قتل کر کے دل ٹھنڈا کر لوں۔ حضرت نجاشی یا تو کھلی پیشانی سے ہاتھیں کر رہے تھے اور  
 چہرہ کارنگ بدل گیا اور اپنا ہاتھ پیٹ لیا کہ عمرو بن عاص پر خون سے کیسی طاری ہو گئی اور کہا  
 نہ فرمائیے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا سوال بادشاہ کو اتنا ناگوار ہوگا تو کبھی نہ کرتا۔ نجاشی نے ادھر  
 یا اور فرمایا کہ اے عمرو! کیا تو ان کے قاصد کو مجھ سے قتل کرنے کے لئے چاہتا ہے جن پر وہ محترم فرشتے  
 ہوتا ہے جو موسیٰ بن عمران کے پاس آیا کرتا تھا اور یاد رکھ لے عمرو! قسم ہے خدا کی یہ برسر حق میں  
 ان کو اپنے سارے مخالفوں پر ایسا ہی غلبہ تام حاصل ہوگا جیسا کہ موسیٰ کو فرعون اور اس کے لشکر  
 مسل ہوا تھا اگر تجھ کو اپنے نفس کے ساتھ شفقت ہے تو میرا کہنا مان اور ان کا اتباع کر ورنہ فلاح  
 نہ دیکھو بیٹھے۔ عمرو بن عاص نے نجاشی کی زبان سے یہ کلمات سنے تو قلب کارنگ بدل گیا اور ایمان  
 برائی شاعروں نے ان کے دل پر اپنا رنگ جمالیا کہ بے اختیار بول اٹھے اے میرے محسن بادشاہ!  
 کی بدولت مجھے ہدایت ہوئی اور میں چاہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے  
 لام پر تم مجھ کو بیعت کر لو۔ چنانچہ نجاشی نے ہاتھ بڑھا دیا اور یہ بیعت ہو کر واپس آگئے۔  
 عرصہ تک انھوں نے اپنے رفقاء سے اسلام چھپائے رکھا آخر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے  
 شوق میں وہاں سے رخصت ہوئے تو فتح مکہ سے کچھ قبل خالد بن ولید سے ملے جنھوں نے سب سے پہلے  
 بات کہی کہ اے عمر اب معلوم ہو گیا کہ محمد و اللہ نبی ہیں۔ چلو مسلمان ہو جائیں۔ آخر کب تک نبی کی  
 الفت میں دین اور دنیا برباد کرتے رہیں۔ حضرت عمرو بن عاص یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں تو  
 ہی ارادہ سے مدینہ جا رہا ہوں۔ چنانچہ دونوں ہمراہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر اول حضرت خالد بن ولید



نے بیعت کی اور بعد میں عمرو بن عاص آگے بڑھے اور یہ کہہ کر کہ یا رسول اللہ میں نے بڑی بڑی حرکتیں  
 ہیں پس اگر مسلمان ہونے سے وہ سب معاف ہو جائیں تو مجھے بیعت کر لیجئے چنانچہ آپ نے اطمینان دلا کر  
 سارے گزشتہ گناہ جلا دیتا ہے اور ان کو بیعت سے مشرف فرمایا \*

## باب ۵۲

### بنی لحیان اور غنیم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نئی ہجرت کا چھٹا سال شروع ہو گیا۔ مدینہ الرسول یہودیوں  
 خالی ہو چکا مگر گٹیروں کی دست اندازیاں چلی جاتی ہیں اور بت پرستوں نے جتنی کوششیں کیں ان سب  
 تعالے نے ان کو ناکام رکھا مگر اس پر بھی وہ باز نہیں آئے اور جب موقع ملا اپنی سی کوشش کرتے  
 چنانچہ ربیع الاول یا آخر میں حضرت عکاشہ بن محسن کو چالیس نفر کے ہمراہ غمر موضع کی طرف روانہ  
 کہ اس نواح کی باغی جماعت پر حملہ کریں۔ چنانچہ یہ حضرات نہایت تیز رفتاری سے مقام مذکور پر پہنچے  
 ان کی خبر پا کر بھاگ گئے اور محبوباً حضرت عکاشہ ان کے دونوں اونٹ جن پر قبضہ کر لیا گیا لے کر مدینہ واپس  
 حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو موضع ذی القصہ کی جانب بھیجا گیا۔ چنانچہ یہ اپنے ہمراہیوں کو روانہ  
 لے کر وہاں پہنچے اور صبح ہوئے ان پر چھاپا مارا آخر وہ لوگ بھاگے اور پہاڑوں میں جا چھپے، ایک شخص  
 آیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ ربیع الاول ہی میں حضرت محمد بن مسلمہ کو وشن آدمیوں کے ساتھ بھیجا گیا  
 چھپ کر بیٹھ گئے اور جب مسلمان ہو گئے تو دفعہ ان پر آپڑے نتیجہ یہ ہوا کہ سب مسلمان شہید ہوئے  
 محمد بن مسلمہ زخمی ہو کر لوٹے اور مدینہ پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت زید بن حارثہ موم کی جان بچانے  
 کئے گئے جنہوں نے قبیلہ بنی مزینہ کی ایک عورت کو گرفتار کیا جس کا نام حلیمہ تھا اور اس نے بنی سلیم کے اس  
 کا پتہ بتایا جہاں ان کے مویشی رہتے تھے چنانچہ ان صاحبوں نے ان پر حملہ کیا اور کچھ بکریاں، اونٹ اور  
 نفر کو قید کر کے مدینہ لے آئے۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں یہی زید بن حارثہ پندرہ نفر کے ساتھ بنی ثعلبہ کی  
 کے لئے طرق کی جانب روانہ کئے گئے جو مدینہ سے چھتیس میل پر ایک کنواں ہے، مگر غنیم بھاگ گیا  
 حضرت زید بن حارثہ کے پیش اونٹ لے کر پانچویں دن مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

تیسری دفعہ یہی زید بن حارثہ اسی ماہ جمادی الاولیٰ میں موضع عقیص کی جانب بھیجے گئے جو مدینہ کے  
 میں ہے اور اسی سلسلہ میں غزوہ قرظہ سے چھ ماہ بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو آدمیوں  
 کو ساتھ لے کر بنی لحیان کا قصد فرمایا اس لئے کہ ان لوگوں نے حضرت عاصم شہید کی مختصر دس آدمیوں کی



کے ساتھ رنج کے میدان میں جو دغا بازی کی تھی اُس کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا اور ان مظلوم کا انتقام لینا اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے انکی ہمتیں پست ہو جائیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کو جانشین بنا کر آپ روانہ ہوئے اور یہ ظاہر فرمایا کہ شام کی طرف ہے۔ آج و غسق کے درمیان اس مقام پر قیام فرمایا جہاں اصحاب رنج کا ساتھ ہوا تھا یہاں تک کہ شہداء کی حالت یاد فرما کر آپ چشم نم ہوئے و دعائے مغفرت و ازاد مراتب فرمائی اور نزول رحمت الہیہ کا میلہ بنے۔

بنی لحیان اسلامی لشکر کی آمد سن کر پہاڑوں میں جا چھپے مسلمانوں نے دُودن و ہاں قیام کیا اور ادھر تک روانہ کئے گئے کہ دشمن جہاں ملیں گرفتار کر لئے جائیں مگر بھاگے ہوؤں کا پتہ نہ لگا آخر جناب رسول اللہ علیہ وسلم وہاں سے غسق کی جانب روانہ ہوئے اور دس اسلامی سوار کراع الغمیم کی طرف محض فرض سے روانہ فرما کر کہ قریش کو بھی اس تہیہ انتقام کی اطلاع ہو جائے چودہ دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔ اسی سفر میں آپ اپنی والدہ آمنہ خاتون کی قبر پر چورستہ میں پڑتی تھی بیٹھ کر روتے اور صحابہ یہاں تھے کیونکہ بچپن میں انتقال کر جانے والی ماں کی یاد اور انہ شفق میں آپ کو یاد آتیں اور وہ محبت تلقیاد آگیا جو ہر بشر کو ماں کے ساتھ قدرت نے قائم کر دیا ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا اور جس کی دینے والی گود میں کئی برس پرورش پائی ہو اسی کو مقتنی تھا۔

بنی لحیان سے واپسی کے بعد چند سواروں کا ایک دستہ آپ نے نجد کی جانب روانہ فرمایا چنانچہ وہ لوگ قبیلہ بنی نضیر کے سردار ثمامہ بن اثال کو بلالائے اور حکم رسالت مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا کہ کہیں اُن نہ سکیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے جاتے جب کہیں ان کی طرف ہو کر گزرتے تو مسکرا کر فرماتے ہو کیا خیال ہے؟ ثمامہ بن اثال یہ کہ جس میں مقناطیسی اثر کی کشش پاتے تھے سنتے اور یوں جواب دیتے کہ ملے محمد! اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کرو گے اور قتل کرو گے تو صاحبِ دم کو مل کرو گے پس جس فضیلت کو چاہا ہو اختیار کرو اور اگر مال کے خواہاں ہو تو مانگو جتنا کچھ کہو گے دیا جائے گا۔ چونکہ یہاں خواہش کچھ دوسری تھی اس لئے آپ خاموش ہو کر چلے جاتے اور کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ آخر سری بار جب کہ آپ کے سوال کا ثمامہ نے یہی جواب دیا تو آپ نے صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ ان کو روک دو اور ستون سے لٹول کر اجازت دید کہ جہاں چاہیں چلے جائیں چنانچہ فوراً ثمامہ کی رستی ستون سے علیحدہ کر دی گئی مگر اُس وقت جب کہ ان کے قلب پر نبوی شفقت نے اپنا پورا اثر جمایا اور نور ایمان اپنی شعاعوں کو چاروں طرف پھیلا چکا تھا کیونکہ حضرت ثمامہ نے رہا ہوتے ہی اُس نخلستان میں کھجور کے درخت کے پیچھے جا کر غسل



کیا جو مسجد کے پاس واقع تھا اور فوراً واپس آکر باور بند مسجد میں کلمہ توحید پڑھا جس سے مسجد گونج اٹھی۔  
 شخص کو معلوم ہو گیا کہ تمامہ جو ابھی مجرم بنے ہوئے ستون سے بندھے پڑے تھے، بند کفر و شرک سے بھی  
 اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چند ساعت پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ میرے نزدیک مغرور  
 نہ تھا اور اس وقت آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی مجھ کو پیارا نہیں معلوم ہوتا۔ میرا جی نہ چاہا کہ حالت  
 رہ کر مسلمان بنوں اور لوگ کہیں کہ رہائی کی طبع میں تمامہ نے قید سے گھبرا کر اسلام قبول کر لیا اور  
 کے قصد سے چلا تھا کہ آپ کے لشکر نے گرفتار کر لیا۔ حضرت نے یہ کلمات سن کر ان کو بشارت دی اور فرمایا کہ  
 کر لو چنانچہ حضرت تمامہ دولت اسلام سے مالا مال ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ میں پہنچ کر  
 کی زبانی سنا کہ تمامہ صابی ہو گیا تو طیش میں آ کر فرمایا کہ صابی نہیں بلکہ مسلمان ہوا ہوں اور اب تو  
 لاشریک کی کہ جو غلہ یمامہ سے مکہ کو آیا کرتا تھا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت بغیر ایک دانہ بھی نہ  
 نہ آسکے گا۔ چنانچہ وطن پہنچ کر مکہ کی بھرتی بند کر دی اور کہہ دیا کہ ہمارے ملک کی پیداوار میں اس قوم کا وہ  
 نہیں ہے جو اللہ کے رسول کی دشمن ہو۔

اس کے بعد ہر چند اہل مکہ نے کوشش کی کہ قبیلہ بنی حنیفہ کو راضی کر لیں کیونکہ اس غلہ کی  
 سے ان کو سخت تکلیف پیش آتی تھی مگر ان کی تمام کوششیں بے کار ہو گئیں اور اہل یمامہ کسی طاع  
 نہ ملے جب مایوس ہو گئے تو آخر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا اور آپ کی خدمت بات  
 ایک غرضی بھیج کر مراحم خسروانہ کے اس طرح مستدعی ہوئے کہ اے مخلوق پر رحم کرنے والے مدعی  
 لے بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر ترس کھانے والے سردار! تمہارا کرم اور تمہاری رحمدلی عام ہر  
 رشتہ دار اور ناتنے والے اس سے کیوں محروم رہیں؟ ہمارے حال پر ترس کھاؤ اور بنی حنیفہ کو لکھو کہ  
 سے مکہ کو آنے والا غلہ پھر جاری کر دیں تاکہ ہم کو دوبارہ زندگی حاصل ہو ورنہ قحط سالی سے ہم نہ ہو  
 گے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر فاقہ کشی میں مر جائیں گے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم اور کرم عام چونکہ کسی قوم کے لئے خاص نہ تھا  
 ہر دشمن پر رحم کرنا چاہتے تھے اس لئے اہل مکہ کی اس حالت پر آپ کو افسوس آیا اور آپ نے حالت  
 کے نام حکم بھیج دیا کہ مکہ کا جانے والا غلہ حسب دستور جایا کرے چنانچہ فوراً تعمیل کی گئی اور قحط  
 لوگ پھر فارغ البال ہوئے۔

ماہ شعبان میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کی ماتحتی میں چند مسلمان مقام دومتہ الجندلی طرف  
 روانہ کئے گئے اور حضرت عبدالرحمن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ



ان تھارے مطیع ہو جائیں تو ان کی شاہزادی کو اپنے نکاح میں لے آنا۔ حضرت کا یہ ارشاد حقیقت میں معجزہ  
 ما اور ہونے والے واقعہ کی پیشین گوئی تھی چنانچہ یہ سہریہ وہاں پہنچا تو انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور  
 سلمان ہو کر اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی اطاعت اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت عبدالرحمن نے مسماۃ  
 ناضر سے جو دومۃ الجندل کے بادشاہ امتیغ کی لڑکی تھی نکاح کیا اور حضرت ابوسلمہؓ انھیں کے بطن سے  
 پیدا ہوئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حیاتِ آخری کی پہچان لے کر آئے تھے اسی طرح  
 نبوی زندگی کا امن و امان بھی لاتے تھے اور آپ جانتے تھے کہ مخلوق کو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی  
 مافلت بھی آجاتے تاکہ آسائش کے ساتھ زندگی گزار سکیں مگر جہالت بھری قوم چونکہ اس کی قدر دان نہ  
 تھی اس لئے حرکاتِ باز نہ آتی تھی اور جب موقع پائی لوٹ مار ڈکیتی دھوکہ دہی چل جاتی تھی۔

ایک دفعہ قبیلہ عکّل اور عرینہ کے چند بدو مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور چند روز بعد شکایت کرنے  
 لگے کہ ہمیں نہ مدینہ کی آب و ہوا موافق آئی اور نہ شہری غذا کیونکہ ہمارا گذارا اپنے وطن میں اونٹ اور  
 بکری کے دودھ پر تھا اور یہاں غلہ اور اناج کھانے کے لئے ملتا ہے اس لئے ہم بیمار ہوئے جاتے ہیں  
 اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو شہر سے باہر رہنے اور ان اونٹنیوں کا دودھ پینے کی اجازت دیں  
 جو مسلمانوں نے خیرات میں دی ہیں اور جنگل میں چراگرتی ہیں تو ہماری صحت درست ہو جائے چنانچہ  
 رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور یہ بیمار بدو مدینہ کے باہر اس چراگا  
 میں جا پڑے جہاں اونٹ چراگرتے تھے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ یہ لوگ تندرست ہو گئے اور اب  
 ان کو احسان فراموش بن کر خیانت و بغاوت کی سوجھی۔ چنانچہ انھوں نے دستِ طمع دراز کیا اور مرنے  
 ہو کر ان اونٹوں کو ہکا کر لے گئے جن کے دودھ پی پیکر تندرست ہوئے تھے اور چرواہے کو مار ڈالا  
 جو اونٹوں کی نگہداشت پر مامور تھا۔

ان ناشکر گزار بدوں نے غریب چرواہے حضرت تیسار رضی اللہ عنہ کے قتل ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسا  
 بے رحمانہ برتاؤ کیا جس کو کوئی ہندب شخص دشمن کے ساتھ بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ یعنی ان کے ہاتھ  
 پاؤں کالے زبان میں اور آنکھوں میں کانٹے چھو دیئے اور ناک کان کاٹ کر پٹی ہوئی ریختانی و  
 پتھری زمین پر ڈال دیا یہاں تک کہ انتقال کر گئے وہ صرف اس جرم میں شہید ہوئے کہ انھوں نے  
 رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کے ہکاتے وقت ان بدوں کا مقابلہ کیا اور اس قدر  
 دے ایمانی سے مانع آئے تھے۔



۷۔ سوال کا ہینہ تھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کرز بن خالد فہری کو بینا نفس مسلمانوں کے ساتھ ان مرتد ڈاکوؤں کی طلب میں روانہ فرمایا۔ چنانچہ انھوں نے نہایت تیز رفتاری سے اعرینہ کا تعاقب کیا۔ آخر ان سب کو پکڑ لائے اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ چونکہ غریب چرواہا وحشیانہ حرکت سے قتل کیا گیا تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان کو بھی وہی سزا دی جائے چنانچہ ہاتھ پاؤں کو کر ڈلوایئے گئے اور آنکھوں میں کانٹے چھو دیئے گئے یہاں تک کہ دھوپ کی تیش سے جھلس گئے۔ آفتاب کی تمازت میں جھلس کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس قصہ کے بعد آپ کی صفت شفقت و رحم جو نیک خصلتوں پر غالب تھی جوش پر آئی اور آپ نے ہمیشہ کے لئے حکم فرما دیا کہ آئندہ کسی مجرم کو کیسا ہی سخت کیوں نہ کرے ایسی سزا نہ دیجائے کیونکہ وحشیانہ حرکتیں گو قصاصاً ہی کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو سزاوار نہیں۔

## باب ۵۵

### حدیث بیعت رضوان

چھ برس گزر چکے تھے کہ مکہ کے پر دسی مسلمان جو صرف ایمان لانے کے جرم میں جلا وطن ہوئے تھے وطن کی گلی اور کوچوں کو دیکھنے کو ترس گئے تھے اور گواہی مدینہ کے ساتھ مذہبی اخوت کی بنا پر ان کا رہنا وہ تعلق ہو گیا تھا جس کا اس سے پہلے ان کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا مگر اس وطن کی محبت جس میں پیدا ہوئے پھلے پھولے تھے چونکہ غیر اختیاری اور فطری تھی اس لئے جا نہیں سکتی تھی اور کبھی کبھی ان کو بھی بنا دیتی۔ ادھر طواف اور زیارت بیت اللہ کا شوق الگ گدگد اڑ رہا تھا کیونکہ مکہ ابتدا سے اہل حجاز کا محترم اور قریب قریب دنیا بھر کا قابل عظمت مقام تھا اور مسلمان اس سے دور ہٹا کر گویا محروم ہو گئے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خود بھی بڑی خواہش تھی کہ کعبہ کی زیارت کریں کیونکہ مکہ تمام عرب کا معبد تھا اور قریش اس کے صرف محافظ تھے ان کو اختیار نہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو بھی کعبہ طواف کروائیں مگر قریش کی مذہبی عداوت کچھ اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ مسلمان نامی ایک شخص بھی حج یا عمرہ کرنے کے لئے مکہ میں آنے دینا گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ ان کو کعبہ کی زیارت بھی نہ ہو۔

مدینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مکہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد کسی نے بال منڈوائے کسی نے کتروائے گویا شرعی رسم حلق یا قصر کی ادا کی۔ آپ نے یہ خواب صحابہؓ سے بیان فرمایا تو ان کا وہی آگ کی طرح چھپا ہوا شوق بھڑک اٹھا اور یوں سماں بند ہوا



ی سال ہم کو زیارت بیت اللہ اور عمرہ میں کامیابی نصیب ہو جائے گی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے کہ قریش ایسے بھلے مانس نہیں ہیں کہ بلا مزاحمت ہم کو مکہ میں راستہ دیدیں، اس لئے آپ نے اعلان فرما دیا کہ شہر و نواح مدینہ کے مسلمان جماعت بن کر چلیں تاکہ اہل مکہ پر رعب ہو اور ہم کو روکنا ان کے لئے نادر ہے۔ چنانچہ خود مسلمان تیار ہوئے اور حضرت مدینہ پر تمسک بن عبد اللہ لہثی کو مائل بنا کر یعدہ کے ہینہ میں عمرہ ادا کرنے کی نیت کی مکہ کا رخ فرمایا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے احرام باندھ لیا ستر بٹ جو قربانی کے لئے ہدی بنا کر ساتھ لے گئے تھے نذر اللہ ہونے کی علامت یعنی قلادہ اور اشعار سے بادینے گئے گویا آپ نے بصورت حال اطلاع دیدی کہ ہمارا قصد جنگ کا نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ کا ہے عمرہ کریں اور واپس چلے آویں۔ مگر اہل مکہ کو تو گوارا ہی نہ تھا کہ نکالے ہوئے مسلمان پھر مکہ میں داخل ہوں، وہ اس کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے کہ ان کا دشمن ان کے گھر میں گھسے اس لئے یہ خبر پاتے ہی انھوں نے احرام کے اعراب اور احابش و اقوام مختلفہ کے بدوؤں کو جمع کر لیا کہ گردنیں کٹ جائیں خون کی نہریں بہ جائیں مگر مسلمان مکہ میں قدم نہ دھریں۔

سہامی لشکر عسکان میں پہنچا تھا کہ بشرون سفیان کسی جو جاسوس بنا کر اہل مکہ کا خیال معلوم کر بیٹے کے لئے بھیج دیئے گئے واپس ہوتے ہوئے ملے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش آپ کی روانگی کا حال ہی ذی طوی میں بھل پڑے اور باہم عہد و پیمان کر رہے ہیں کہ آپ مکہ میں داخل نہ ہونے پائیں اور خالد بن ولید پیش خیمہ بنا کر کراع النعیم میں بھیج دیئے گئے ہیں کہ آپ کو آگے بڑھنے سے روکیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ راستہ چھوڑ دیا اور پہاڑی راستہ سے سنگستانی وادیاں قطع کرتے ہوئے حدیبیہ مقام پر آ پہنچے۔ راستہ میں آپ کی تیز رفتار ناقہ قصوار چلتے چلتے ٹھٹھکی اور یکدم زمین پر بیٹھ گئی ہر چند صحابہ نے اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھی اور اٹھی تو اُس وقت جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر یوں فرما دیا کہ ”چھوڑ دو اس ناقہ کو اس کو اسی ذات نے روکا ہے جس نے اصحابِ نعل کے ہاتھی کو روکا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قریش تعظیم بیت و صلہ رحم کے متعلق جو کچھ بھی چاہیں گے میں اُس کے پورا کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا اور جہاں تک بن پڑے گا ان کی درخواست ضرور منظور کروں گا۔“

چونکہ حدیبیہ میں پانی کی قلت تھی اور چوس کر بھی گزارا کرنا چاہتے تو ڈیڑھ ہزار ذی روح کی سیرابی شکل تھی اس لئے صحابہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت عرض کی اور پانی کی شکایت زبان پر لائے۔ آپ نے سامنے ایک لٹا تھا جس سے آپ نے وضو کیا تھا اور جب لوگوں سے سنا کہ ہمارے لشکر میں



نہ پینے کے لئے پانی ہے نہ وضو کے لئے۔ مگر اسی قدر جو آپ کے لوٹے میں ہے تو آپ نے اپنا دست مبارک لوٹے میں رکھ دیا اور پانی بصورتِ معجزہ آپ کی انگلیوں سے اس طرح اُبلنے لگا جیسے چشمہ سے اُبلتا ہے یہاں تک کہ سارے قافلہ نے خوشی بھی پایا اور جانوروں کو بھی پلایا اور وضو بھی کر لیا۔ اس کے بعد آپ اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت ناجیہ بن جندب کو دیا کہ کنویں میں گاڑ دیں۔ چنانچہ انھوں نے تعمیل کی اور وہ کنواں جو ایک ہی دفعہ کی کھچپاتی سے خالی و پاب ہو لیا تھا، پانی سے اس قدر لبریز ہو گیا کہ جب تک اُس جگہ قیام رہا سارا لشکر اس کا پانی استعمال کرتا رہا اور اس میں کمی محسوس نہ ہوئی، یہ آپ کا معجزہ تھا اور عصائے موسوی کے تقاریر مارنے سے بارہ چشمے پیدا ہو جانے سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ پھر پانی کا خزانہ ضرور ہے اور انگلیاں پانی کا محل نہیں۔

جب اسلامی لشکر حدیبیہ میں باطمینان ٹھہر گیا تو بدیل بن ورقاء خزاعی مع چند نفر کے آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ”اے محمد! عرب کے مختلف قبائل نواحِ حدیبیہ میں جمع ہو رہے ہیں اور تم کو بیت اللہ تک بغیر لڑائی کے پہنچنے نہ دیں گے۔ اب بتاؤ کہ تمہارا انتشار کیا ہے اور کس نیت سے آئے ہو؟“ آپ نے جواب دیا کہ ”ہم کو جنگ مقصود نہیں ہے اور تجھے قریش پر کہ ان کو جنگ کے خیال نے کھالیا کہ سوتے میں بھی یہی خواہش دیکھتا ہے کاش وہ بکسو ہو کر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، سارا عرب پڑا ہوا ہے کہ مجھ سے لڑے اور مقابلہ کرے اور قریش چاہیں تو میری پناہ و امان میں داخل ہو کر دوسروں کی طرح مصالحت کر لیں اور اگر جنگ ہی اُن کا مقصود ہے تو ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان دھمکیوں سے میں باز آنے والا نہیں ہوں بہتر ہے لڑیں اور اپنے دلوں کا حوصلہ نکالیں میں بھی جواب دینے کو تیار ہوں لڑوں گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس دین کو غالب کرے یا میں مع اپنے ساتھیوں کے رخصت ہو جاؤں“ بدیل آپ کی یہ گفتگو سن کر قریشی لشکر میں آیا اور کہا کہ اے اہل مکہ! محمد کی بات بڑی خیر خواہی کی ہے تم اپنی قوم کو کیوں تباہ کرتے ہو ان کو چھوڑ دو کہ باقی عرب اُن سے سلط لیں اور اجازت دو کہ وہ عمرہ کر کے اپنے احرام کھول لیں۔ مگر قریش نے نہ مانا اور جواب دیا کہ ”ہم سے نہیں دیکھا جاتا کہ محمد کا بول بالا ہو اور وہ ہمارے گھروں میں آئیں، کل کو سارا عرب جب یوں آوازہ کسے گا کہ قریش کے مخالف شخص نے آخر سب کے ہاتھ باندھ دیئے اور منہ بند کر دیئے تو ہم ایسی بے حیا زندگی کیونکر گزار سکیں گے۔ اس کے بعد مکرز بن حفص کو بھیجا کہ مسلمانوں کو واپس کر دے چنانچہ مکرز سلمیٰ لشکر میں آیا اور اس سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی تقریر کی بدیل سے کی تھی۔ اس کے بعد حلیس بن علقمہ قریشی قاصد بن کر آیا جو احابش کا سردار تھا اور کعبہ کی نیاز کے جانے کا بہت ادب کرتا تھا۔ اُس کو آنا دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے اونٹ جن کے گلوں میں قلائے پڑے ہوئے تھے کمرے



دیتے اور آواز بلند تبلیہ پڑھنا شروع کر دیا۔ حلیس یہ حالت دیکھتے ہی ٹوٹ گیا اور قریش سے کہا کہ اے  
 اہل مکہ ہمارا تمھارا یہ عہد و پیمان نہیں ہے کہ کعبہ کے زائرین کو بھی زیارت بیت اللہ سے روکیں اور اللہ  
 کی نیاز کی بے حرمتی کریں، مسلمانوں کو اجازت دو کہ زیارت کر لیں اور احرام کھول کر وطن واپس ہوں۔  
 قریش نے جب دیکھا کہ اپنی جماعت ہی بگڑ چلی تو حلیس کو ٹھنڈا کیا اور عروہ بن مسعود ثقفی کو جو ہر طرح محتذ علیہ  
 تھا بھیجا کہ مناسب طریق پر قصہ طے کر لیں۔ عروہ بن مسعود سلامی لشکر میں آیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے محمد! قریش تمھارا کنبہ اور برادری ہے اگر تم ان سے لڑے اور فرض کر دو کہ غالب  
 آئے تو کیا تم سے پہلے کوئی گذرا ہے جس نے اپنی قوم کو یوں برباد کیا ہو اور اگر معاملہ اٹکا کہ وہ تم پر حاوی ہو  
 تو خوب یاد رکھو کہ یہ مختصر جماعت جو تمھارے ساتھ ہو گئی اور اپنی مدد کے بھروسہ پر تم کو ابھالے پھرتی ہو کام  
 آئے گی، تم کو اکیلا چھوڑ کر سب بھاگ کھڑے ہوں گے، وقت پڑے پر ان میں سے کوئی بھی تمھارا ساتھ نہ دے گا  
 سیدنا ابوبکرؓ حضرت کے پاس کھڑے تھے عروہ کا یہ کلمہ سن کر غصہ سے بیتاب ہو گئے اور ایسا سخت جواب دیا کہ عروہ  
 اپنا سامنے لے کر رہ گیا البتہ حضرت سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے اور جب علوم ہوا کہ ابوبکرؓ میں تو اتنا کہہ کر چپ  
 ہو رہا کہ ان کا پہلے زمانہ کا مجھ پر احسان ہے اگر وہ نہ ہوتا تو اس کلمہ کا مزہ ضرور چکھاتا۔

عروہ اپنی ملکی رسم کے موافق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنے میں اپنا ہاتھ بار بار آپ کی ریش  
 مبارک پر ڈالتا جاتا تھا جس کا مطلب صرف یہ تھا کہ توجہ کے ساتھ بات سنئے لیکن آپ کے جان نثار صحابہ رض کو یہ  
 حرکت کس طرح پسند آسکتی تھی اس لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ جو خود پہنے اور تلوار ہاتھ میں لئے حضرت کے  
 پاس کھڑے تھے ضبط نہ کر سکے اور اس کے ہاتھ بڑھاتے ہی تلوار کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ ہاتھ دُور  
 رکھ اور برے ہٹ کر ادب کا بات کر۔

مغیرہ بن شعبہ نے زمانہ جاہلیت میں بنی مالک پر حملہ کر کے ان کے مال چھین لئے اور ان کے تیرہ نفر  
 کو قتل کر ڈالا تھا جب سلمان ہوئے تو حضرت فرما دیا تھا کہ ایمان تو تمھارا قبول ہے مگر مال کے معاملہ سے  
 مجھے کچھ واسطہ نہیں تو عروہ بن مسعود نے مقتولین کی دیت ادا کر کے اس معاملہ کی اصلاح کرائی تھی اس  
 اس وقت ان کی یہ حالت دیکھ کر جواب دیا کہ کس قدر سخت مزاج شخص ہے کہ کل ہی کے احسان کو بھول  
 گیا اور یاد نہ رہا کہ میں کیا احسان کر چکا ہوں۔ غرض عروہ بن مسعود کو بھی حضرت نے وہی جواب دیا کہ میری نیت  
 لڑنے کی نہیں ہے البتہ اگر قریش لڑیں گے تو میں مدافعت ضرور کروں گا ورنہ عمرہ کر کے مدینہ واپس چلا جاؤں گا  
 عروہ نے گوشہ ہائے چشم سے صحابہؓ کی اطاعت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا رنگ  
 دیکھا کہ آپ کے وضو کا پانی گرتا ہے تو زمین پر گرنے سے قبل متبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لیتے اور سینہ و آنکھوں سے لگاتے



ہیں پھر دوسرے آدمی اس کا حقد نہیں پاتے تو بھیگے ہوئے ہاتھوں کو چھو کر اُس کی تری سے دل اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر عروہ قریشی لشکر میں آیا اور کہنے لگا کہ ملے اہل مکہ! میں بڑے بڑے بادشاہوں، قبضہ و کسریٰ و نجاشی کے دربار کی حالت دیکھے ہوئے ہوں مگر چونک محمد کے ساتھ اُن کی حالت کا دیکھا وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے دیکھا کہ محمد کے منہ کا دھوون اُنھوں نے لڑا لڑ کر آپس میں تقسیم کر دیا اور کسی کو قطرہ نصیب نہیں ہوا تو دوسرے کے ترہانہ کو چھو کر نبی سے اپنی آنکھوں اور سینہ کو مل لیا۔ اسی تابعدار جماعت جس کی یہ حالت ہو کہ محمد کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کر سکے اور زبان سے حکم نکلتے ہی ہر شخص اس طرح جھپٹ پڑے کہ تعمیل کو عزت اور کارنامہ سمجھے، تمھارے روکے رک نہیں سکتی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام اہل مکہ پر اپنا قصد زیارت ظاہر کرنے کے لئے سفیر بنا کر مکہ بھیجا مناسب معلوم ہوا اور چونکہ مکہ میں اُن کے رشتہ دار زیادہ تھے اور مکہ عموماً اپنی برادری کا زیادہ لحاظ کرتے تھے اس لئے ان کو مکہ روانہ کیا گیا اور یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اگر مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے جو کہ ضعف کے سبب مکہ میں رہ کر اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے کہہ دینا کہ گھبراہٹ نہیں اطمینان رکھیں وہ دن جلد آیا جاتا ہے کہ مکہ دارالاسلام ہو گا اور تم اپنا ایمان علی الاعلان ظاہر کر سکو گے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور ابان بن سعد کی پناہ میں مکہ کے اندر داخل ہو کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیانؓ دو گرا شرافت مکہ کو جا پہنچا یا اگر افسوس وہ لوگ اپنی سے باز نہ آئے اور ان کو بھی یہی جواب دیا کہ محمدؐ کو توجیعتے جی مکہ میں داخل ہونے نہ دیں گے البتہ تم اگر چاہو تو اپنا عمرہ پورا کر لو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے ہوئے تھے کہ عثمانؓ کو ہرگز گوارا نہ ہو گا کہ میرے بغیر عمرہ کرے اور درحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت عثمانؓ نے قریش کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں بیت اللہ کا مومن کروں اور میرے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے حدیبیہ میں پڑے ہوں۔ اس کے بعد چونکہ اس بات چیت میں کچھ وقفہ پیش آیا اور پہلے سفیر حضرت خراش بن امیہ کے ساتھ جو اونٹ پر سوار ہو کر یہی پیغام پہنچانے مکہ کی طرف روانہ کئے گئے تھے، قریش براہِ سلوک کر چکے تھے کہ اُن کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے اور ان کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھاگ کر اپنے قافلہ میں آگئے۔ اس لئے اس توقف سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہوئی اور یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا اور چونکہ سفار کی اس آمد و رفت میں صلح کا پیام سلام ہو چلا تھا اور اہل مکہ میں کسی شخص کا ترہیل کرنا باہمی معرکہ کی صورت بندہ گئی تھی اس لئے اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ کا روکنا اپنے لئے مصالحت سمجھا اور قصد اس التوا سے اس خبر بد کی گویا تائید ہو گئی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر بد نے بہت صدمہ پہنچا یا اور آپ نے حدیبیہ کے میدان میں



بکیر کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر مسلمانوں سے اس مضمون پر بیعت لی کہ جب تک جان باقی ہو کافروں سے  
 اس کے اور بھاگنے یا پیٹھ پھیرنے کا نام نہ لیں گے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر انوار کئی  
 س لئے بعافیت واپس آگئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس بیعت کا نام "بیعت الرضوان" ہے  
 اس کو مجز حد بن قیس کے جو بیعت لیتے وقت اونٹ کے پیٹ کے نیچے جا چھپا تھا باقی تمام قافلہ نے نہایت  
 عوشی سے یہ بیعت قبول کی اور جلد جلد حاضر ہو کر حضرت کے دست مبارک پر ہاتھ رکھا، جب سب کی بیعت  
 فارغ ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ دابنے ہاتھ پر رکھ کر یوں فرمایا کہ "یہ  
 ہاتھ عثمان کے لئے ہے اور یہ بیعت عثمان کی بیعت ہے۔"

چونکہ اس بیعت پر حق تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اس لئے  
 اس کا نام بیعت الرضوان ہوا اور اسی صلہ میں جلد حاصل ہونے والی ایک فتح یعنی خیبر کا مژدہ آیا۔

## ۵۶

### مصالحات اور اس کی پابندی

قریش کو بیعت الرضوان اور اسلامی لشکر کے جی توڑ کر لڑنے پر معاہدہ کرنے کی خبر پہنچی تو گھبرائے اور  
 چاہا کہ کسی طرح مصالحت ہو جائے، مگر اس طرح کہ ہماری بات بھی مانی رہے اور جنگ کی بھی نوبت نہ آئے  
 چنانچہ عمر کے بیٹے سہیل کو جو اپنی قوم بنی عامر میں مدبر و خلیل سمجھا جاتا تھا بھیجا اور سمجھا دیا کہ ہماری غیرت  
 اس عار کو برداشت نہیں کر سکتی کہ محمدؐ اپنے ارادہ میں اس سال کا سیلاب ہو کر جائیں اس لئے جس طرح  
 ہو ان کو مجبور کرنا کہ اس سال واپس ہو جائیں اور آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کر لیں۔ چنانچہ سہیل آیا،  
 اور مصالحت کی گفتگو ہونے لگی۔ اس سے قبل قریش نے اپنے چالیس سپاہیوں جاسوس چھوڑ دیئے اور  
 ان سے کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا محاصرہ کئے رہو اور چاروں طرف گشت لگاتے رہو کہ کوئی اکیلا  
 وکیل ابل جائے تو پکڑ لاؤ۔ چونکہ یہ لوگ اسی حالت میں کہ لشکر کا چکر کاٹ رہے تھے گرفتار کر لئے گئے اور جناب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیئے گئے تھے کہ ہم قتل ساور ہو تو ان کی گردنیں اڑائی جائیں مگر  
 حضرتؐ اپنے کرم سے کام لیا اور ان پر احسان فرما کر حکم دیدیا کہ "سب کو چھوڑ دو جہاں چاہیں چلے جائیں۔"  
 سہیل بن عمرو نے شرائط صلح پیش کیں تو ایسی جن میں مسلمانوں کو ہر پہلو سے دبایا گیا تھا اور کوئی سورا  
 نہ تھی کہ مصالحت ہو مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وعدہ یاد تھا کہ حرمت حرم بیت اللہ کا حق  
 پوری طرح ادا کروں گا اس لئے اول اول گفتگوں کچھ دیر لگی اور آمد و رفت ہوتی رہی۔ آخر جب حضر



نے ساری شرائط منظور فرمائی ہیں تو کسی کو گنجائش کلام نہ رہی اور تحریر کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا یا گیا۔ شرائط یہ تھیں کہ مسلمان بلا عمرہ کئے یہیں سے واپس ہو جائیں اور اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں البتہ دوسرے سال آسکتے ہیں مگر اس وقت بھی صرف تین ہی دن رہ کر واپس جانا ہوگا اور مسلمانوں کو بحرِ پیش قبض اور وہ بھی نیام کئے ہوئے دوسرے ہتھیار لانے کی اجازت نہ ہوگی، دینِ برس تک ہر دو فریق میں لڑائی موقوف ہے گی اور قریش کا جو شخص بغیر اجازت اپنے آقا کے مدینہ میں جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا اگرچہ مسلمان ہو کر گیا۔ اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے گئے چلا آئے تو مدینہ والوں کو اس کی واپسی کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور دینِ سال صلح نامہ میں جس کا جی چاہے محمد کے ذمہ میں داخل ہو جائے اور جس کا دل چاہے قریش کا رفیق بن جائے پس مسلمان قریش کے حلیف نہ لڑیں گے اور قریش اُن سے تعرض نہ کریں گے جن کا عہدِ موافقت مسلمانوں سے ہو ہو اور جو شخص اس کی پابندی نہ کرے گا وہ بد عہد سمجھا جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ بنی خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ ہم عہد ہو گئے اور بنی بکر قریش کے ساتھ۔

اس طرح پر دت کر صلح کرنے سے اکثر صحابہ کو رنج و قلق ضرور ہوا مگر چونکہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم منظور فرما چکے تھے اس لئے سب خاموش تھے۔ اب کتابت شروع ہوئی تو اُس پر بھی جہالت کی ضد ہوئی لگی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو سہیل نے کہا کہ ”میں نہیں جانتا رحمن کون ہے“ وہی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لکھو جو ہم ہمیشہ سے لکھتے آتے ہیں۔ بات بڑھنے کو اتنی ہی بات کافی تھی مگر حضرت نے اس پر بھی چشم پوشی فرمائی اور یوں فرما کر کہ حق تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور سب اچھے ہی اچھے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بہتری بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لکھو۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ مدیہ صلح نامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان بشرائطِ مفصلہ ذیل طے ہوا ہے۔ یہیں تک لکھا گیا تھا کہ اس پر سہیل نے پھر ہٹ کی اور کہا کہ اگر ہم محمد کو اللہ کا رسول سمجھتے تو مخالفت ہی کیوں کرتے اس لئے اس کو مٹاؤ اور ”محمد بن عبد اللہ“ لکھو یہ ہٹ ایسے مضمون پر واقع ہوئی تھی جس کی بدولت اس تفریق و مخالفت تک نوبت پہنچی اس لئے کوئی مسلمان کیونکر گوارا کر سکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ آپ کا وہ خطاب درج نہ ہو جو خداوندی سفارت کی گویا سند ہے مگر حضرت کو لفظی بحث میں مقصود کا کھونا پسند نہ آیا اور آپ نے یوں فرما کر کہ ”میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور عبد اللہ کا بیٹا بھی ہوں پس میرے لئے دونوں خطاب صحیح ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ کی جگہ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ لکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس محترم خطاب کے حروف کو کاغذ سے مٹانا بھی گستاخی سمجھتے تھے اس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ اس لفظ کو مٹاؤں آخر حضرت نے کاغذ اپنے ہاتھ میں لیا اور چونکہ آپ پڑھ لکھتے نہ تھے اس لئے دریافت فرما کر کہ لفظ رسول اللہ







آگے اور صلح کی شرائط پر فریقین میں سے حضرت ابوبکر و عمر بن خطاب و علی بن ابی طالب و عبد الرحمن بن عوف و عبد اللہ بن سہیل و سعد بن ابی وقاص و عمرو بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور مکرز بن حفص کے کہ جو اس وقت مشرک تھے دستخط ہو کر صلح نامہ کی تکمیل ہو گئی۔ حرم میں قربانی کی نیت سے ہمارا لائے ہوئے جانوروں کو اسی میدان میں ذبح کر دیا۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ہدی کو غفر را کر خراش بن امیہ سے سر کا حلق کرایا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت احرام کھول چکے تو ان بھی لپکے اور کسی نے سر منڈوا یا اور کسی نے پال کتروانے پر اکتفا کیا۔ غرض سب احرام کھول دیا، اور حدیبیہ میں بیس دن قیام کے بعد مدینہ واپس ہوئے۔

چند مسلمانوں کو حضرت کی خواب کا بالفعل وقوع نہ ہونے سے کچھ شبہ بھی ہوا مگر جلد زائل ہو گیا کیونکہ ان کو یاد آگیا کہ حضرت نے اس کی تعبیر پورے ہونے کے لئے وقت کا تعین نہیں فرمایا تھا پس کیا ضرور تھا کہ سر کے بالوں کا حلق و قصر ابھی نصیب ہوتا چنانچہ چند ہی سال بعد مکہ فتح ہوا اور خواب کا واقعہ ہو ہوا مسلمانوں کو نظر آگیا۔ اس دبی ہوئی صلح سے اکثر مسلمانوں کو قلق تھا خصوصاً اس شرط پر کہ قریش اپنے آدمی کو مسلمانوں سے واپس منگا سکتے ہیں مگر مسلمانوں کو ایسا اختیار حاصل نہیں، لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو صرف مان ہی نہیں لیا تھا بلکہ برکت کے دکھا بھی دیا کیونکہ مصالحت کے بعد قریش میں سے جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ میں آیا آپ نے بلا غلہ اس کو واپس کر دیا اور چونکہ یہی صلح جس نے اس وقت مسلمانوں کو بظاہر دبا دیا تھا انجام کار فتح مکہ کا سبب بنی اس لئے حق تعالیٰ نے اسی کو فتح کے نام سے تعبیر فرمایا اور لشکر کی واپسی میں جبکہ مدینہ قریب آگیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ فاتحنا نازل ہوئی۔ البتہ عورتوں کی طرف سے چونکہ نہ جنگ کا اندیشہ تھا نہ اعانت کی توقع اور ان کی بے بسی ان کو نہ ہی نفع سے منتفع نہ ہونے دی تھی نیز ان کے مسلمان ہونے اور ہجرت کرنے پر تباین مذہب و تباین دار کے سبب ان کا نکل قریش سے ٹوٹ گیا اس لئے چند ہی روز بعد حکم خداوندی یہ معاہدہ مردوں کے لئے مخصوص ہو گیا اور اس کا اعلان کر دینے کے بعد جو عورت ذات مسلمان ہو کر مدینہ میں آئی وہ واپس نہیں دی گئی البتہ ان کے وہ ہر جو ان کے کافر شوہروں نے ان کو دیئے تھے واپس کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ جس طرح مرتد ہو جانے والی عورت کو اپنے دیئے ہوئے ہر کا مطالبہ مسلمانوں نے اہل مکہ سے کیا۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کے ہر بلا مطالبہ ان کافر شوہروں کو بھیجا دیتے، ہاں اگر کسی مرتد عورت کا ہر قریش سے وصول نہیں ہوا تو مسلمان ہو جانے والی عورت کے ہر سے اس مقدار کی تلافی ضرور کر لی اور غرض



مسلم  
معاوض کا برابر نباہ کرتے رہے۔ چنانچہ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُمّ کلثوم انھیں عورتوں میں ہیں  
مسلمان ہو کر مدینہ ہجرت کر آئی تھیں اور گو ان کے بھائیوں عمارہ اور ولید نے حضرت ان کو  
ابھی مگر اپنے ان کو ان کے حوالہ نہیں کیا البتہ ہر واپس کر دیا۔

حدیبیہ سے واپس ہوئے چند روز گزرے تھے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے چند غطفانی  
وہوں کی معیت میں مدینہ کے باہر ان اونٹوں پر حملہ کیا جو چراگاہ میں چر رہے تھے اور چرائے  
لے مسلمان صحابی کو قتل کر کے ان کی بی بی کو بھی گرفتار کر لیا اور اونٹوں کو ہسکالے گیا۔ حضرت  
اکوع کو اطلاع ملی تو تیر و کمان ہاتھ میں لے کر تنہا نکل کھڑے ہوئے اور راہ میں اونچی پیڑی پر باوازی  
دیوؤں پکار کر کہ ”لے اللہ کے سوار و چلو“ ڈاکوؤں کے پیچھے لپکے یہاں تک کہ ان کو پالیا اور تیر پر تیر برسا  
روح کر دیئے۔

ادھر یہ آواز مدینہ میں پہنچی تو مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی اور سب سے پہلے حضرت مقداد بن عمرو اپنی  
رہ پہنے ہوئے دشمن کے تعاقب میں جانے کو حضرت کے پاس آئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم بھی چلنے کی تیاری فرما رہے تھے۔ چنانچہ ان کے نیزہ میں رتوار باندھ کر ارشاد فرمایا کہ تم چلو او  
میں بھی پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ اس کے بعد مسلمان صحابہ رض کا تار بندھ گیا اور جس کے کان میں بھی  
حضرت رض کی آواز پہنچی وہ پیدل و سوار آگے پیچھے لپکا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
بھی حضرت عبداللہ ابن مسکوم رض کو مدینہ پر عامل بنا کر روانہ ہوئے اور دشمن پر حملہ کی غرض سے  
چلے مگر اس سے پہلے کہ یہ جماعت دشمن تک پہنچے حضرت سلمہ رض اپنا کام کر چکے تھے کیونکہ صرف تیر کے حملوں  
سے دشمنوں کو مقام ذی قرق تک جو ایک تالاب کا نام ہے بھگاتے چلے گئے اور ایک ایک کر کے سارے  
اونٹ واپس لے لئے بلکہ تین چادریں بھی دشمن سے چھین لیں اور عشاء کے وقت جب کہ جناب رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اسلامی لشکر ان سے ملے تو یہ اونٹوں کو ہسکائے ہوئے مدینہ کی طرف لا رہے  
تھے۔ اس وقت حضرت انھوں نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے دشمنوں کو پانی پینے  
کی مہلت نہیں دی ہے اس لئے اگر تنو مسلمان میرے ساتھ کر کے اجازت عطا فرمادیں تو دشمنوں  
کو مع ان کے مال و متاع کے گرفتار بھی کر لاؤں۔ مگر حضرت نے مصلحت نہ سمجھی اور یہ ارشاد فرما کر  
کہ وہ لوگ اب غطفان میں قیام کریں گے وہیں کھامیں پتیں اور ماندگی رفع کریں گے، ہمارے اونٹ  
مع گرفتار شدہ مسلمان عورت کے واپس مل ہی گئے ہیں اس وقت آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہاں سے  
مراجعت فرمائی +



# باب ۵۷

## غابہ اور فتنہ خیبر

اپنی منشاء کے موافق کام میں کسی کی اطاعت کر لینا ہر شخص کو سہل ہے مگر اصل فرماں برداری یہی ہے کہ مضمون نفس کو گراں گذرے اور کسی طرح گوارا نہ ہو اس میں دوسرے کی رائے اور حکم کو مقدم سمجھ کر مخالفت کی جائے اور اس سے بڑا درجہ یہ ہے کہ دل بھی اُس پر راضی ہو جائے اور قلب پر گرائی نہ ہو، اور اس سے بڑا درجہ یہ ہے کہ آقا کی عظمت اور محبت اور بڑھ جائے اور بجائے اس کے کہ حکمت و مصلحت کی تلاش ذہن میں آئے کہ طفل نوزائیدہ اپنی دایہ کی گود میں ہے کہ جس طرح چاہے پٹھائے چنانچہ حدیبیہ میں صبر کی اطاعت خدا اور رسول کا جو کچھ امتحان ہوا اس میں ان کو یہی اعلیٰ ترین کامیابی حاصل ہوئی اور مضمون جس کو نفس کسی طرح پسند نہیں کر سکتا تھا ان کے لئے عظمت و محبت رسول کی زیادتی کا سبب ہوا کہ جب کبکیر کے درخت کے نیچے حرم محترم میں قتال کی بیعت ان سے چاہی گئی تو بلا تامل موت کے لئے تیار ہو گئے اور جب چند ہی ساعت کے بعد سورۃ کمزوری کی صلح پر رضامندی چاہی گئی تو اس کو بخوشی مان لیا اس لئے حق تعالیٰ نے علاوہ پر وائے خوشنودی کے جس کو وحی قرآنی بنا کر نازل فرمایا اس صلح میں دنیوی مال و متاع سے بھی صحابہ رہنما کو بہرہ مند بنانا چاہا تاکہ فی الجملہ اس دل شکستگی کی جس کی منشاء بھی اسلام ہی کی محبت ہے تلافی ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اسلام کا بول بہر حال بالائے مصلحت کسی چشم پوشی سے حقیقہ کمزور یا نیچا نہیں ہو سکتا بلکہ وقار و علم کے ساتھ عالی ظرف ہونے کی یہی علامت ہے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہوتے بین دن گذرے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سفر کا قصد فرمایا اور مدینہ پر حضرت سباع بن غریف کو عامل بنا کر مین یا اکیس محرم کو بجز جابر بن عبد اللہ کے کہ عذر کے سبب رہ گئے تھے باقی تمام اہل حدیبیہ کی ڈیڑھ ہزار جماعت کو لے کر آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

خیبر اپنے بانی عملی شخص کی جانب منسوب مدینہ سے جانب شمال و مشرق آٹھ دن کی راہ یعنی چھپیانوے میل پر واقع تھا جس میں سات قلعے تھے جو نہایت مضبوط اور ہر قسم کی حفاظت کے سامان سے بھرے ہوئے تھے یہاں عموماً یہود آباد تھے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کی مخالفت پر بدووں کو بھڑکاتے تھے اور غطفان سے تو قرار داد ہو چکی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کے ضرور پشت پناہ بنیں گے۔



جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ غطفان کو بھی معلوم ہو جائے کہ اسلامی لشکر یہودیہ خیبر پر پورش  
 رہا ہے اس لئے عصر اور صبحا مقامات کو گزرتے ہوئے وادیِ رَجِیع میں قیام فرمایا جس کے اُس جانب  
 تھا اور اس جانب قبیلہ غطفان۔ اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور شب کے وقت جب کہ تمام اہل قصبہ  
 یہودیہ سوئے تھے خیبر کے پہلے قلعہ کے قریب جا پہنچے یہودی اپنی حفاظت سے غافل نہ تھے اور اسلامی  
 لشکر کا اُنچ اندیشہ ضرور رہتا تھا اس لئے قلعہ سے باہر حفاظت کے لئے چوکیدار رہتے اور باری باری  
 مت کر کے تمام رات پہرہ دیا کرتے تھے مگر آج کی شب اتفاق سے کوئی پہرہ دار بھی نہ تھا اور خوب موقع  
 کہ غفلت میں مارنا جائز ہوتا تو شیخون مار کر سب کو قتل کر دیا جاتا مگر حضرت کی عادت تھی کہ جب رات  
 یہی قصبہ میں پہنچتے تو ہاتھ روک لیتے اور صبح کی اذان کے منتظر رہتے تھے۔ پس اگر فجر کے وقت اذان سننے  
 معلوم ہو جاتا کہ یہاں کوئی مسلمان بھی ہے اس لئے احتیاط فرماتے اور اذان نہ سننے تو حملہ کا حکم دیتے  
 جنگ کا آغاز فرمادیتے تھے چنانچہ خیبر میں بھی آپ رات کے وقت پہنچے کہ جنگل میں سناٹا چھایا ہوا تھا  
 راکھی ہوئی مخلوق اپنے اشیانوں میں بسیرا کر رہی اور حجاز کا ریگستان سنسان اور خاموشی کے عالم میں  
 لشکرِ حجاز کو شمشاد بنا ہوا تک رہا تھا اس لئے آپ صبحا پہلے کوٹھڑے کا حکم فرمایا اور سب وہیں  
 آرام شب گزاری۔ اہل خیبر اپنے آلاتِ زراعت لے کر صبح کو باہر نکلے تو اسلامی لشکر جس میں مہینہ میسرہ  
 مقدمہ، ساقہ اور قلب پانچوں حصے تھے، دیکھ کر چلا آئے کہ ”حمداً للہ محمد والحمدیس“ قسم خدا کی  
 کہ پورا لشکر لے کر چڑھ آئے اس کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگے اور شہر میں گھس گئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور فرمایا کہ ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ خیبر کی تباہی کا وقت  
 آگیا۔ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہاں کے کافروں کی صبح بُری اور ہولناک ہوتی ہے۔“  
 اُس رات جس کی صبح کو اسلامی لشکر خیبر میں داخل ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 تھا کہ ”صبح کو جنگ کا جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب سمجھتا ہے اور اللہ  
 اور رسول اُس کو محبوب سمجھتے ہیں، کہ فتح اس کے ہاتھ پر ہوگی۔“ چنانچہ ہر شخص نے اس مشرورہ کی تمنا میں  
 بے چینی سے رات گزاری کہ دیکھیں وہ خوش نصیب کون ہے، آخر صبح ہوئی تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا یا  
 اور جب اُن کی آنکھیں دُکھنے کا عذر کیا گیا تو آپ نے اپنا ثعاب دھن مبارک لگا کر جھنڈا اُن کے ہاتھ میں دے کر  
 فرمایا کہ بسم اللہ کرو اور میدان میں جاؤ۔ چنانچہ آپ کی آنکھیں فوراً اُچی ہو گئیں اور آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ  
 کر لیا۔ فتح کے متعلق تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما ہی چکے تھے چنانچہ یکے بعد دیگرے خیبر کے قلعے  
 فتح ہوئے اور وہاں کے اموال و باغات و زمین اور نقد و ہتھیار سب مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے سب سے



پہلا قلعہ جو مفتوح ہوا "انام" اور یہاں بجز حضرت محمود بن مسلمہ کے جن کو کسی یہودی نے قلعہ کے اوپر پتھر لڑھکا کر شہید کر دیا تھا اور کوئی مقتول نہیں ہوا۔ اس کے بعد قومیں کی نوبت آئی جو ابورافع کی اس کا قلعہ تھا۔ ان لوگوں نے جنگ کے بغیر اپنے اموال کا مسلمانوں کو دینا گوارا نہیں کیا اور دونوں طرف سے بندی ہو کر لڑائی شروع ہو گئی۔

مرحبا جو بڑا بہادر اور پہلوان یہودی تھا میدان میں نکل کر مقابل کا خواہاں ہوا کہ کوئی جو مقابلہ کرے؟ چنانچہ حضرت علی آگے بڑھے مگر محمد بن مسلمہ نے یہ کہہ کر کہ "میرا بھائی محمود شہید ہو چکا اس لئے اُس کا انتقام لینے کو میرا دل چاہتا ہے" مقابلہ کی اجازت حضرت علی رضے سے لی اور اکیلے میدان میں تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ آخر حضرت محمد بن مسلمہ نے مرحبا کی دونوں پنڈلیاں کاٹ کر زمین پر ڈال دیں اور ہر چند کہ اُس نے زخموں کی تکلیف اکتا کر درخواست کی کہ میرا کام تمام کر دو مگر انھوں نے یوں فرما کر کہ "اچھا ہے موت کا مزہ چکھتا رہے کیونکہ میرے بھائی کو بھی پتھر سے کچل کر تکلیف کا ساتھ مارا ہے" وہاں سے آئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضے اور اس کو ٹپتا پایا تو گردن جدا کر کے اُس کا قصہ لے کر اور جہنم میں پہنچایا۔

مرحبا کے بعد اس کا بھائی یا سرمیدان میں آیا اور مقابل کا طالب ہوا۔ چنانچہ حضرت زبیر رضے اور گو اس وقت ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے باقتضائے بشریت عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! اب یہ میرے بچے کو قتل کر دے گا۔ مگر جب حضرت ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ تمھارا صاحبزادہ ہی انشاء اللہ اُس کو قتل کرے گا تو اُن سکون ہو گیا اور دونوں پہلوانوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخر حضرت زبیر رضے غالب آئے اور باسر کو بھی اس کے بھائی کے پاس پہنچا کر اپنے لشکر میں آگئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے قلعہ میں گھس گئے اور ہر طرف دروازوں کو بند کر لیا۔ مسلمانوں نے قلعہ اپنے حصار میں لے لیا اور چاروں طرف سے گھیر کر وہیں ٹھہر گئے۔ کامل مین روز اسی طرح گذر گئے کہ نہ باہر والے اندر پہنچ سکے اور نہ اندر والے باہر آئے آخر یہودی تنگ آگئے اور اس خوف سے کہ سامانِ رسد ختم ہونے پر فاقہ مرنا پڑے گا اس محفوظ قلعہ میں منتقل ہونا چاہا جو پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور جس کے نیچے شیریں چشموں اور خوراک و نفیس غذاؤں کا بہت کچھ بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ اس قلعہ کو خالی کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور خود اس قلعہ میں جا کر جو قلعہ الزبیر کے نام سے مشہور تھا۔ اسلامی لشکر نے قوموں پر قابض ہو کر قلعہ الزبیر کا محاصرہ کیا اور جب تین یوم کے بعد غزالی نامی یہودی سے اطلاع ملی کہ قلعہ کے آس پاس شاداب جنگلوں اور شیریں نہروں کا بہت کچھ ذخیرہ فراہم ہے جس میں تہہ خانوں کے راستہ قلعہ والوں کو پہنچتا اور برسوں آتا ہے۔



کری کرتے رہنا بہت سہل ہے، تو آپ نے ان سرسبز مقامات پر قبضہ کر لیا اور اہل قلعہ کی آمد کے  
ساتھ بند کر لئے۔ یہودی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے اور مجبوراً لڑنے مرنے پر آمادہ ہو کر باہر نکل  
پڑے۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور سخت جنگ ہوئی کہ چند مسلمان بھی کام آئے اور دس یہودی قتل ہوئے  
یہود نے اپنا پلہ کرتے ہوئے دیکھا تو بھاگے اور خیر کی پرلی جانب جو قلعے کتیبہ اور طلیح اور سلام  
کے نام سے مشہور تھے، ان میں جا پناہ لی مسلمانوں نے ہزیمت خور وہ یہودیوں کا تعاقب کیا اور جو پلا  
کو قید یا تہ تیغ کیا۔ اس کے بعد آپ بقیہ قلعوں کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کو چاروں طرف  
بیر کر منجلیق قائم کر دی کہ اس کے ذریعہ سے پھر اگر قلعوں میں پہنچائے جائیں تاکہ اہل قلعہ جنگ  
باہر نکلیں اور مردانہ وار معاملہ کا تصفیہ کریں۔ چودہ دن تک ان قلعوں کا محاصرہ رہا انجام کار  
وہ لوگ مال و متاع اور بی بی بچوں کے علاوہ اپنی جانوں سے بھی مایوس ہو گئے تو امن کی درخواست  
ابن ابی حقیق یعنی ابورافع کے بیٹے نے جو باپ کا جانشین اور گویا حاکم قوم تھا کہلا بھیجا کہ امان ملے تو صلح  
پام دینے کو خود حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور صلح کی گفتگو  
نے لگی آخر بائیں شرط ان کی جان بخشی ہوئی کہ زمین و باغات یعنی جائیداد غیر منقولہ مسلمانوں کی ہوگی  
کے علاوہ ہتھیار اور مویشی اور نقد و نقری و طلائی زیورات پر بھی مسلمان قابض ہوں گے البتہ جو  
سے بدن پر ہیں ان کو پہنے ہوئے مع اہل و عیال یہاں سے نکل جاؤ اور جدھر منہ سرسٹا ہے چلے جاؤ  
اگر خلاف معاہدہ نقدی وغیرہ میں سے کوئی شے مسلمانوں سے مخفی رکھی یا چوری چھپے ساتھ  
کر گئے تو صلح ٹوٹ جائے گی اور پھر مسلمانوں کو قتل و قید کا اختیار حاصل ہے۔

یہود نے جو ہر طرح فاتح کے قبضہ میں آچکے تھے اس وقت اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانوں  
ابچنا بہت غنیمت سمجھا اور وعدہ کر لیا کہ مجھ بدن کے کپڑوں کے کوئی چیز ساتھ نہ لے جائیں گے مگر  
زین و طمع اور فریب و مکر جو ان کی طبیعتوں میں پلا ہوا تھا اپنا رنگ لاتے بغیر نہ رہا۔

حقی بن اخطب نے کیسہ زر یعنی نقد و زیورات کے تھیلہ کا پتہ نہ دیا کہ کہاں ہے؟ جناب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کی جو یہودی نصیر اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے تھے تلاش فرمائی اور  
ابن اخطب کے چچا کنانہ بن ربیع سے بالتخصیص اس تھیلے کے متعلق دریافت فرمایا کہ کیا ہوا مگر یہ لوگ  
انکار کر گئے اور کہا کہ بیکاری کے زمانہ میں خورد و نوش کے اخراجات اور مصارف جنگ میں سارا مال  
کام آگیا اور جو کچھ امانہ تھا خرچ ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند فرمایا کہ مدینہ  
چھوڑے ہوئے تم کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے اور مال امانہ تھا کہ برسوں ختم نہیں ہو سکتا مگر اس پتہ



نہ دیا پر نہ دیا آخر ایک یہودی سے معلوم ہوا کہ فلاں ویران جنگل میں کتنا نہ کو اکثر گھومتے ہوئے ہیں  
دیکھا ہے ممکن ہے کہ مال وہاں مدفون ہو۔ اُس وقت حضرت نے کتنا نہ کو پھر بلایا اور فرمایا کہ اگر وہاں  
مال برآمد ہو گیا تو معاہدہ امان فسخ ہو جائے گا۔ مگر افسوس کہ اُس نے جان دینی پسند کی اور مال دینی  
پسند نہ کیا۔ کیونکہ اس کا جواب یہ تھا کہ ہاں بیشک اگر مال نکل آئے تو ہمیں قتل کر دیجئے۔

آخر حضرت آدمی بھیج کر اس ویرانہ کو کھدوایا تو وہ تھیلہ اس میں سے برآمد ہو گیا اور اس طرح  
نقص عہد کی وجہ سے اس خاندان کے یہودی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ عورتیں باندیاں بنائی گئیں بچے غلام  
ہوئے اور محبتی بن اخطب کی بیٹی صفیہ جو کتنا نہ بن ربیع کے نکاح میں تھیں اور مال غنیمت کی تقسیم کے  
وقت حضرت وحیہ کے حصہ میں آئی تھیں قوم کی شہزادی ہونے کے سبب اُن سے واپس کی گئیں اور  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور اُم المؤمنین قرار پائیں۔ حضرت صفیہؓ کی دو بیوی بھی رہی  
ہیں جو انھیں کے ساتھ گرفتار ہو کر آئی تھیں، ان کے بدلہ میں حضرت وحیہؓ کو دی گئیں اور انھیں  
نے بہت خوشی سے یہ تبادلہ منظور کیا۔

جنگ سے واپسی میں مقام سد الصبار پر پہنچ کر اپنے ولیمہ کیا اور دسترخوان بچھا کر موجودہ توشہ  
یعنی نپیر، چھوڑے اور گھی کا سادہ مالیدہ مسلمانوں کو کھلا دیا۔ جس میں گوشت یاروئی کا نام بھی  
تھا۔ حضرت صفیہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ گویا چاند اُن کی گود میں آ بیٹھا۔ صبح کو انھوں نے یہ خواب  
کتنا نہ سے ذکر کیا جس کی زوجیت میں آئے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے تو اس نے جھٹکا کر ان  
مُنہ پر طمانچہ کھینچ مارا اور یوں کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے تو اس بادشاہ کی دلدادہ ہے جس کا مدینہ  
میں خروج ہوا ہے۔ اُس وقت حضرت صفیہؓ کو آپ کے حالات کی خبر بھی نہ تھی آخر چند ہی روز بعد  
خیبر کا قصد ہوا اور اس وقت تک آپ کے مَنہ پر طمانچہ کا نشان موجود تھا۔ بد عہدی ظاہر ہونے  
کے بعد باقی یہودیوں کو جلا وطن ہو جانے کا حکم ہوا اور ان کے باغات و زمین سب ضبط کر لئے گئے مگر چونکہ  
انھوں نے کریم پیغمبر کی شفقت کے بھروسہ پر پھر یہ درخواست پیش کی کہ آپ کو یہاں کے انتظام اور کاشت کے لئے  
بہر حال مزدوروں کی ضرورت ہوگی، اس لئے اگر ہم ہی سے یہ کام لے لیا جائے تو ہم مسلمانوں کی خراج گزار  
رعیت بنے ہوئے اپنے وطن میں پڑے رہیں گے اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست  
منظور فرمائی۔ بٹائی پر خدمت کے لئے یہود کو قائم رکھا اور یوں فرما کر کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں رکھیں گے  
پیداوار منقسم فرمادی کہ نصف بحق زمین مسلمانوں کا اور نصف بحق کاشت یہودیوں کا۔ چنانچہ کئی سال  
تک یہ صورت قائم رہی اور آخر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں جب کہ جزیرہ عرب کا کفار عرب خالی



منظور ہوا تو اسی استحقاق مشروط کی بنا پر یہودی خیر کو بھی نکال دیا اور وہ ملک شام کی طرف چلے گئے۔  
خیر سے ملحق ایک موضع فدک تھا انھوں نے ہمایوں ظفر لشکر کی فتوحات اور یہودی ہزیمت دیکھی تو  
میں اور اس سے قبل کہ ان پر چڑھائی کی جائے انھوں نے بایں شرط صلح کا پیام بھیجا کہ نصف زمین کن  
مالوں کو دیدیں اور نصف اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ حضرت نے اس کو منظور فرمایا اور اہل فدک  
نصف حصہ پر مالکانہ اور نصف پر مستاجر بن کر قابض رہے۔

اسی غزوہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کے گوشت کی حرمت فرمائی اور عین  
وقت جب کہ صحابہؓ نے ہانڈیوں میں اس کا گوشت چڑھا رکھا تھا منادی ہوئی کہ ہمارا اہل کا گوشت  
م ہے۔ صحابہؓ نے یہ آواز سننے ہی ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت پھینک دیا۔

اسی غزوہ میں مدت معینہ تک نکاح کی جس کو متعہ کہتے ہیں ممانعت ہوئی اور غزوہ اوطاس میں  
نکاح ہوا مگر پھر حرام ہوا اور حضرت نے فرمادیا کہ "متعہ حرام ہے قیامت تک" آپ خیر ہی میں تھے  
حضرت جعفر بن ابی طالب مع دیگر مہاجرین کے جو باجائز رسالت آئے تھے کہ سے حبشہ کی جانب ہجرت  
کئے تھے اور حضرت کے مدینہ منورہ پہنچنے کی اطلاع پا کر حاضر آستانہ ہونے کے متمنی تھے، تشریف لے  
نے حضرت نے حضرت جعفرؓ کو چھاتی سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ  
فتح خیر کی مسرت زیادہ ہے یا جعفرؓ سے ملنے کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری جو حضرت کی ہجرت سے  
ملح ہو کر اپنی قوم کے کچھ اور پر پچاس مسلمانوں کے ساتھ یمن سے روانہ ہوئے تھے، اتفاق سے حبشہ  
پہنچے تھے کیونکہ ہوائے ان کی کشتی کو حبش کے کنارے لاپہنچا یا تھا۔ یہاں حضرت جعفرؓ سے ملاقات  
دئی اور ان کو بھی آمادہ ہجرت دیکھا اس لئے انھیں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خیر میں حضرت سے ملاقات  
کی۔ یہ سب حضرات صاحب ہجرتین اور اہل سفینہ کے نام سے مشہور ہوئے اور باجائز اہل اسلام خیر کی  
نیمت میں شریک کئے گئے۔

سلام بن مشکم کی بی بی یہودیہ عورت نے جس کا نام زینب بنت الحارث تھا یہ بات معلوم کر کے کہ  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت زیادہ مرغوب بکری کا گوشت بھونا اور سب کو زیر آؤ  
کر کے دست میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ زیر ملا یا اس کے بعد حضرت کی دعوت کی اور وہ گوشت سامنے  
لا رکھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ میں لقمہ رکھا مگر نگلانا تھا کہ تھوک دیا اور ارشاد فرمایا کہ

لے یعنی دو ہجرت والے۔ ایک ہجرت کرے حبشہ کی جانب ہوئی جو دار الامان تھا اور دوسری ہجرت حبشہ سے مدینہ منورہ کی



اس دست نے مجھ سے کہہ دیا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ چنانچہ زینب بلائی گئی اور اُس سے دریافت کیا گیا کہ اُس نے اقرار کیا اور کہا کہ بیشک میں نے زہر ملا یا تھا اور اس سے مقصود یہ تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ ضرر سے بچ جائیں گے اور آپ کو اطلاع ہو جائے گی اور اگر طالب حکومت و بنیادار ہیں تو ہمیشہ کے لئے راحت مل جائے گی۔ چنانچہ آپ نے اُس کو رہا کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔

برابر بن مسرور کے صاحبزادے حضرت بشر بن جوح حضرت کے ساتھ شریک طعام تھے چونکہ اسی گوشت کا لقمہ خلق سے آمار چکے تھے اس لئے متاثر ہوئے اور آخر جاں بزنہ ہو سکے کی وجہ سے راوی و البقا ہوئے فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ چونکہ ایک صحابی نے زینب کی حرکت سے وفات پائی تھی اس لئے حضرت نے یہ فرما کر کہ میں اپنا انتقام نہیں لیتا مگر زہر خورانی کے حق العبد پر چشم پوشی بھی نہیں کر سکتا۔ زینب کو قصاصاً قتل کیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ماہ صفر میں خیبر سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف تشریف ہوئے جہاں کچھ یہود اور کچھ عرب مسلمانوں سے جنگ کا تہیہ کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے تو انھوں نے تیر برسہائے شروع کر دیئے جن میں ایک تیر نے حضرت کے ایک غلام مدغم کا کام تمام کر دیا آخر مسلمانوں نے ان لوگوں کو چار طرف سے گھیر لیا اور تبلیغ اسلام کے بعد صف بندی ہو کر جنگ شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں گیارہ یہودی مقتول ہوئے اور اگلے دن چاشت کا وقت تھا کہ فتح ہو کر اسلامی قبضہ میں آگیا۔ یہود تیمار کو ان فتوحات کی خبر پہنچی تو انھوں نے عقل سے کام لیا اور درخواست صلح میں پیش قدمی کی۔ چنانچہ آپ نے اُن کی درخواست منظور فرمائی اور وہ لوگ اپنے اموال پر قابض رکھے گئے۔ اس کے بعد اسلامی لشکر چار دن وادی القریٰ میں گزار کر مدینہ واپس ہوا اور مدینہ میں حضرت نے ابو ہریرہؓ کو موجود پایا جو ہجرت کر کے یہاں پہنچ گئے تھے اور حضرت کے منتظر ہوئے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں جب کہ عرب کو کفار کھالی کیا تو خیبر اور فدک کے یہودیوں کو جلا وطن فرمایا اور تیمار وادی القریٰ کے یہود کو اس لئے رہنے دیا تھا کہ یہ ہواضع و شام میں داخل ہیں نہ کہ عرب میں۔

اسلامی لشکر نے واپسی کے وقت راستہ میں جب کہ آدھی رات گزری تھی، ایک میدان میں پڑاؤ کیا اور حضرت بلالؓ کے طلوع صبح صادق کے وقت نماز کے لئے جگانے کی خدمت سپرد کر کے سب باطمینان سو گئے۔ حضرت بلالؓ کو دیر تک تو نفلیں پڑھتے رہے، آخر اپنے اونٹ کی کانٹھی سے کمر



جہ شرق کی جانب بٹھ کر کے اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ دن کی سفید دھاری نمودار ہو تو فجر کی اذان دے کر  
 رکو جگاؤں مگر یہ بھی مسافر اور آخر بشر تھے اس لئے نیند نے غلبہ کیا اور بے خبر سو گئے۔ آفتاب نکل آیا اور  
 ان کی آنکھ نہ کھلی آخر سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا کر حضرت بلالؓ  
 کو از دی۔ بلالؓ بھی جاگ اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ پر بھی اسی حالت کا غلبہ ہوا جس کا  
 ہے لشکر پر غلبہ ہوا تھا۔ اس لئے کہ دیر تک تو میں نماز میں مشغول رہا آخر مطلع کی طرف طلوع صبح کے  
 آثار میں بٹھ کر کے بیٹھا تھا کہ سو گیا اور آپ کی آواز منے سے قبل کی مجھے خبر نہیں کیا گذرا اور کب سورج نکلا۔  
 چونکہ عذر معقول تھا اس لئے حضرت سرزنش نہ فرمائی اور یوں ارشاد فرما کر کہ اس میدان میں شیطان کا  
 بے وہاں سے کوچ فرما دیا تھوڑی دیر چل کر جب کہ آفتاب بھی ایک نیزہ چڑھ چکا تھا آپ اترے اور  
 ان واقعات کے ساتھ باجماعت نماز فجر قضا پڑھی۔ اس سے طلح نظر کر کے بے اختیار می کی نیند خصوصاً  
 ہی حالت میں کہ بیداری کا پورا اہتمام کر لیا گیا تھا مواخذہ کے قابل نہیں ہے اس واقعہ میں جناب  
 مول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا ثبوت ملتا ہے اور ان حضرات کو نماز کے قضا ہونے سے جو کوشت  
 انقباض ہوا ہو گا وہ ان کے لئے ترقی مراتب کا سبب جدا بنا اور آئندہ قیامت تک کے لئے اس پاکباز  
 باجماعت کو نمونہ ہائے امت کے تسلیم بل گئی جن کو ایک نماز کا باق قضا ہونے بشریت قضا ہو جانا پہاڑ سے زیادہ گراں  
 نذر کر عجب نہیں کہ حزن و غم میں ہلاکت کا سبب بن جاتا۔ بہر حال حق تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی  
 ہے اور اس قصہ میں جس کا نام قضیہ لیلۃ التحریس ہے کھلی ہوئی مصاحبتیں معلوم بھی ہو رہی ہیں \*

## ابو بصیرؓ اور ابوالعاصؓ

حق تعالیٰ کی مخفی حکمتوں کا سمجھنا بشر کا کام نہیں ہے کون کہہ سکتا تھا کہ وہی ناگوار شرط جس نے  
 مسلمانوں کے دل دکھائے تھے یعنی مدینہ میں پناہ لینے والا مسلمان قریش کو واپس دیدیا جائے چند روز  
 بعد ایک عجیب رنگ لانے گی اور اس بہتر انجام کا سبب بنے گی جس کی اس سے پہلے کوئی خیال بھی نہیں  
 کر سکتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ لئے تو عتبہ بن اسید جو ابو بصیرؓ کی کنیت مشہور  
 تھے اور مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مکہ میں مجوس تھے موقع پا کر بھاگ نکلے اور مدینہ میں آ پہنچے۔ بالمبینان پھر  
 بھی نہ پائے تھے کہ ازہر بن عبد مناف اور احنس بن شریق کا خط لے کر ایک شخص عامری مع ان کے غلام



کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور ابوبصیر رضی کی واپسی کا حسب قرار داد مطالبہ کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو بلایا اور فرمایا کہ میاں تم کو معلوم ہے کہ ان لوگوں سے ہماری مسلح ہو چکی ہے اور جو شرط قرار پائی ہے اس سے تم واقف ہو، چونکہ ہمارے مذہب میں فدر اور بد عہدی جائز نہیں ہے اس لئے ہم تم کو رکھ نہیں سکتے جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا دہی تمہارے اور دیگر ضعیف مسلمان کی نجات کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔ ابوبصیر نے جو مسلمان ہونے کے جرم میں کافروں کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ کیا پھر مشرکین کے حوالہ کیا جاتا ہوں تاکہ وہ مجھ کو اسلام لانے کے سبب اچھی طرح ستائیں؟ مگر آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ صبر کرو اور جاؤ خدا تمہارے اور دوسرے ضعیف مسلمانوں کے لئے بہتر سبیل کرے۔ چنانچہ ابوبصیر دونوں فرستادہ قاصدوں کے ساتھ کر دیئے گئے اور مکہ جانے کے لئے مدینۃ الرسول سے باہر نکلے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبصیر ایک دیوار کے سایہ میں آرام لینے کو بیٹھ گئے اور ان کے پاس ہی ان کے محافظ ساتھیوں نے بیٹھ کر ناشتہ کھانا شروع کیا۔ ابوبصیر نے عامری شخص کی تلوار پر نظر ڈال کر تعجب کے ساتھ کہا کہ بھائی صاحب! کیا تمہاری تلوار کا سنی اور وقت پر کام دیتی ہے؟ عامری نے کہا کہ خوب اور اچھا کام دیتی ہے۔ ابوبصیر نے کہا کہ اجازت ہو تو دیکھ لوں؟ عامری سپاہی کو کیا خبر تھی کہ موت سر پر کھڑی ہوئی ہنس رہی ہے اس لئے بے تکلف اپنی تلوار ابوبصیر کے حوالہ کر دی اور کہا کہ ہاں دیکھو اور اچھی طرح دیکھو کہ کسی عہدہ ہے۔ ابوبصیر نے وقت کو غنیمت سمجھا اور تلوار کو نیام سے نکالتے ہی ایک جست کی اور عامری کی گردن اڑا کر زمین پر ڈال دی۔ دوسرے محافظ نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو جان بچا کر بھاگا اور گھبراہٹ میں آیا کہ حضرت کی پناہ لے اور قہر سناٹے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے ہی پہچان گئے کہ کوئی سانحہ پیش آیا ہے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ڈرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا ہوا؟ غلام نے جو خوف کے مارے کانپ رہا تھا جواب دیا کہ تمہارے صحابی نے میرے رفیق کو قتل کر دیا۔ دیر نہ گزری تھی کہ ابوبصیر رضی بھی تلوار جمال کئے ہوئے آ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا ذمہ پورا ہو چکا کہ حسب وعدہ آپ نے مجھ کو ان کے حوالے کر دیا۔ اب میں نے اپنی جان خود بچائی ہے کہ دین کے متعلق فتنہ میں نہ پڑوں۔ سونہ کوئی آپ پر الزام ہے اور نہ مجھ سے باز پرس، میں جانوں اور میرا مذہب۔ حضرت یوں فرما کر کہ ”عجب لڑائی کا بھرکانے والا شخص ہے اگر کچھ لوگ ساتھی ہوتے تو ختم ہو جاتے۔“ ابوبصیر سمجھ گئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا مدینہ میں رہنا پسند نہیں مناسب ہے



میں باہر رہوں اور اپنے جیسے گرفتار ان مصیبت نو مسلموں کو اپنا ساتھی بنانا رہوں چنانچہ یہ وہاں سے  
 پائے اور اس گزرگاہ پر جا قیام کیا جدھر مال سے لدے ہوئے قریشی کاروان آیا جایا کرتے تھے مگر  
 یہ بتیرے مسلمان تھے جو اپنی کمزوری کے سبب اپنا اسلام ظاہر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ نہ ان میں اتنی  
 دولت تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ میں آ رہیں اور نہ اتنی سکت تھی کہ مکہ میں رہ کر کھلم کھلا اہل مکہ کا مقابلہ  
 کریں اور نہ اتنی ہمت تھی کہ جابر باشندوں کی ایذاؤں کو برداشت کریں۔ مذہبی محبت جو ان کے دلوں  
 پر چکی تھی جانے والی نہ تھی اور جب بھی کسی طرز سے ظاہر ہوتی تو وہ پابزنجیر بنا کر قید کر دیے  
 جاتے تھے۔ اب دو ہی باتیں تھیں کہ یا تقیہ کر کے اپنے ایمان کے ساتھ جان کو بھی بچا لیں اور یا موقع پا کر  
 ان نکلیں مگر اس مصالحت نے یہ راستہ بھی ان کے لئے مسدود کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام  
 غدر جانتے نہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مکہ سے بھاگ کر جائے گا وہاں اہل  
 مکہ کے ضرور حوالہ کر دیں گے اس لئے ان کی رہی سہی ہمتیں بھی پست ہو گئی تھیں اور سخت امتحان  
 مبتلا تھے کہ اس سبکی میں بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔ اب جب کہ ابوبصیر کا قلعہ ان کے  
 نون میں پڑا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ”اگر اس کے ساتھ دوسرے لوگ  
 آتے“ انھوں نے سنا تو ان کو اپنی نجات کا راستہ معلوم ہو گیا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ مکہ و مدینہ  
 درمیان ایک پناہ کی جگہ بھی ہے جہاں رہ کر نہ مکہ والوں کی دست درازی کا خوف ہو گا نہ اہل  
 مدینہ پر بد عہدی و غدر کا الزام اس لئے اب جو شخص بھی مکہ میں مسلمان ہوا اور مشرکوں کے نیچے ظلم  
 مہرایا وہ یہیں رکتا اور ابوبصیر کا ساتھی بنتا لیا یہاں تک کہ چند روز میں ستر آدمیوں کی جماعت  
 گئی اور ملک شام سے آتا ہوا جو بھی کارواں اُدھر سے گزرا اس کا مال و اسباب لوٹ کر انھوں نے آپس  
 میں بانٹ لیا۔ حضرت ابو جندل بھی انھیں میں شامل ہوئے اور دن بدن یہ جماعت بڑھتی رہی،  
 یہاں تک کہ اہل مکہ اس رہزنی سے گھبرا اٹھے کیونکہ کوئی مالی کارواں ایسا نہ تھا جو سالم بچ نکلا ہو اور  
 کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس راستہ سے گزرنے پر قتل نہ کر دیا گیا ہو۔ انھیں آیام میں ابوالعاص بن  
 ربیع جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے اور حضرت زینبؓ کے شوہر ہونے کی وجہ سے  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے، ملک شام سے مال تجارت لئے ہوئے آرہے تھے کہ  
 راستہ میں ابوبصیر و ابو جندل رضی اللہ عنہما کی جماعت نے قافلہ پر حملہ کیا مال و اسباب لوٹ لیا اور اہل کارواں  
 کو قید کر لیا۔ ابوالعاص جب غزوہ بدر میں قید ہو کر آئے اور فدیہ بھی دینے کی شرط پر چھوڑ دیئے گئے  
 تھے۔ چنانچہ انھوں نے مکر پہنچ کر اپنا فدیہ روانہ کیا جس میں حضرت زینبؓ کا وہ ہار بھی تھا جو ان کو حضرت



خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ اُس کو دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور صحابہؓ کی رائے سے یہ مال اس شرط پر واپس کر دیا تھا کہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں۔ چنانچہ ابوالعاصؓ نے شرط پوری کی اور حضرتؓ کی صاحبزادی کو جو عرصہ سے بھڑی ہوئی تھیں باپ کے پاس بھیج دیا۔ اُس وقت سے حضرت زینبؓ مدینہ میں تھیں اور ابوالعاصؓ اپنے قدیم خیال جاہلیت پر جمے ہوئے مکہ میں مقیم تھے۔ ابوالعاصؓ دیانتداری و فایز عہد میں بہت مشہور تھے اور اسی وجہ سے یہ کاروان جو ان کی نگرانی میں شام سے آرہا تھا۔ قریش و دیگر اہل مکہ کی امانتوں اور ودائع سے گویا بھرا ہوا تھا۔ ابوبصیرؓ نے مال تو اپنی جماعت پر تقسیم کر دیا مگر ابوالعاصؓ کو محض اس وجہ سے کہ گو مشرک تھے مگر داماد تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ مع ان کے ہمراہیوں کے چھوڑ دیا کہ جان سالم لے کر چلے جائیں۔ ابوالعاصؓ کے ساتھیوں نے ان کے طفیل میں موت سے نجات پا کر مکہ کا راستہ لیا اور لے ٹکھٹے اپنے وطن پہنچے، مگر ابوالعاصؓ نے گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں اہل وطن کو مُنہ دکھائیں، اس لئے سیدھے مدینہ منورہ آیا اور شب کے وقت حضرت زینبؓ کے پاس داخل ہو کر اس کے طالب ہوئے۔ نماز فجر کا سلام پھرنے پر حضرت زینبؓ نے جو نسوانی صفوف میں بیٹھی تھیں پاؤں بلند کیا کہ ابوالعاصؓ نے رات مجھ سے پناہ چاہی اور میں نے ان کو امان دے کر اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ چنانچہ حضرتؓ اور آپ کے تمام صحابہؓ نے بخوشی اس امان کو منظور فرمایا اور کہہ دیا کہ ہم نے بھی پناہ دی اُس شخص کو جسے زینبؓ پناہ دی اس کے بعد جب ابوالعاصؓ نے اپنے قافلہ پر ابوبصیرؓ کی جماعت کے ہاتھ ڈالنے اور گولٹ لینے کا حال بیان کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کیا اور اس طرح ارشاد فرمایا کہ ابوالعاصؓ میرا داماد ہے اور ان کی طرف سے اب تک مجھ کو کوئی ایذا نہیں پہنچی جس کی مجھے شکایت ہو۔ یہ مال تجارت اور قریش کی امانتیں لئے ہوئے شام سے آرہے تھے کہ ابوبصیرؓ نے مال تو سارا گولٹ لیا البتہ اہل قافلہ کو زندہ چھوڑ دیا سو میں نہیں چاہتا کہ میری یا میرے اصحابؓ کی طرف سے ایسے شخص کو جس نے مجھے ایذا نہیں پہنچائی کوئی ایذا پہنچے۔

ابوبصیرؓ و ابو جندلؓ کو آپ کے اس ارشاد کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے سارا مال جو اس قافلہ سے چھینا تھا اپنی جماعت کے واپس لے کر جمع کیا اور جو ادھر ادھر چلا گیا تھا اس کو بھی اکٹھا کیا اور حضرتؓ کے پاس بھیج دیا کہ ابوالعاصؓ کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ابوالعاصؓ نے اپنی چھوٹی بڑی ایک ایک چیز پالی اور اب اس کو لے کر مکہ روانہ ہوئے، مکہ پہنچ کر ساری امانتیں اہل امانت کے حوالہ کیں۔ اس کے بعد مجمع میں کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ اے اہل قریش اور اے اہل مکہ کیا تمہاری ساری امانتیں تم تک پہنچ گئیں اور کوئی چھوٹی یا



بڑی چیز باقی تو نہیں رہی؟ اور جب اس کے جواب میں چار طرف سے یہ صدا بلند ہوئی کہ بیشک ہمارے مال و متاع بجنسہ ہم تک پہنچ لئے اور ہم نے تم کو ہر طرح امانت و ارحمہ کا سچا اور وعدہ کا پورا پایا تو انھوں نے کہا کہ - اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ کہ میں مسلمان ہوا اور اپنے مذہب کے توبہ کی۔ اس مذہب کی حلاوت میرے دل میں پہنچتے ہی بیٹھ گئی تھی مگر وہاں اس خیال سے مسلمان نہیں ہوا کہ تم بدعت کہو گے اور تہمت رکھو گے کہ ہمارے مال ہضم کر کے مذہب تبدیل کیا ہوا محمد اب اس سے فارغ ہو چکا اور حقوق العباد میں کوئی حق سہر پر نہیں رہا اس لئے باطل کو چھوڑتا ہوں اور حق کو قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد مدینہ روانہ ہوئے اور حضرت زینبؓ کے شوہر رہ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمر گزاری۔

اہل مکہ ابوبصیر کی جماعت کے ہاتھوں تنگ آ گئے تو پھر رحمتہ للعالمین کے دامان کرم سے پناہ پکڑ لی اور بارگاہ رسالت میں رحم و قرابت کا واسطہ دے کر ملتی ہوئے کسی طرح ابوبصیر کو اپنے پاس بلا لیں ہم اپنی شرط سے باز آئے نہ ان کو واپس لیں نہ آئندہ ایسی جرأت کریں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ میں صلحنامہ کے خلاف کسی مکہ کے مفرور کو مدینہ میں پناہ دینی نہیں چاہتا مگر قریش کی نوبت ابوبصیر کی بدولت خاتمہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے انھوں نے بعد متنازعہ عرض کیا کہ ہم پر رحم فرمائیے اور ہماری سختی پر لحاظ نہ فرمائیے چنانچہ آپؐ منظور فرمایا اور ابوبصیر کو لکھ بھیجا کہ مع اپنی جماعت کے مدینہ میں آجاؤ۔ مگر افسوس جس وقت والانامہ ابوبصیر کے پاس پہنچا اس وقت وہ نزع کی حالت میں مبتلا اور اپنے پاک خدا کے سامنے حاضری کے سامان میں مشغول تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا نام سن کر ابوبصیر نے آنکھیں کھول دیں اور ہاتھ بڑھا کر اس کو لیا مگر کھول کر دیکھنے نہ پائے کہ جان بحق تسلیم ہوئے اور والانامہ چھاتی پر رکھا رہ گیا۔ حضرت ابوبصیرؓ تو راہی عالم آخرت ہوئے اور ابو جندل رضی اللہ عنہ ان کو یہیں دفن کر کے اپنی ساری جماعت کو ساتھ لے کر تعمیل ارشاد نبویؐ مدینۃ الرسول کا راستہ لیا۔ اس طرح پر وہ ناگوار شرط جس نے مسلمانوں کے دل دکھائے تھے منسوخ ہو گئی اور اس کے بعد جو مسلمان بھی کافروں کے ہاتھوں تنگ آیا وہ مکہ سے نکل کر سیدھا مدینہ چلا آیا اور بآمن و اطمینان مذہبی ترقی میں لگ گیا۔



# خطوط اور تحریری دعوتِ اسلام

حدیبیہ کی صلح علاوہ اس کے کہ انجام کار فتح مکہ کا سبب بنی یوں بھی فتح مبین تھی کہ اس کی بدولت لوگوں کے لئے تبلیغ احکام اور ہدایتِ اسلام کا دروازہ کھل گیا جو عرب کی آئے دن کی مخالفت کے سبب اب تک بند پڑا ہوا تھا اس لئے کہ ایامِ مصالحت میں اہل اسلام کو کافروں سے مل جل کر اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کا موقع ملا اور ان کو بغاوت و قتال کی مشتعل نظروں سے یکسو ہو کر ان کا سننا نصیب ہوا۔ اور یہی کلمۃ الحق کی تحمیری کا بڑا ذریعہ تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف نبی بن کر تشریف لائے تھے اور آپ کو اپنی تھوڑی عمر میں بہت کچھ کرنا تھا اس لئے ضرورت تھی کہ اہل عرب کی طرف اطمینان حاصل ہو تو اسلام کی پیاری صدا عرب کے باہر پہنچائی جائے اور آفاق میں رہنے والی مخلوق کی اصلاح آخرت کا فرض انجام دیا جائے اور اب تک چونکہ قریش کی متعصبانہ فہم اور رات دن کی اس جنگ و جدال نے جو اسلام کے خلاف میں ان کی طرف بھڑکتی رہتی تھی اس کو وہ ہی نہ دیا تھا اس لئے دنوں سال کیلئے مصالحت کی دستخطی دستاویز مکمل ہو جانے پر ادھر سے یکسو ہوئی تو دشمنانِ اہل کتاب کی مدافعت اور باشندگانِ اطرافِ ارض کی ہدایت کے لئے وقت نکل آیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ دنیا کی طرف دعوتِ اسلام کے والا نامے ارسال فرما کر ادھر اہل عرب کو سوچنے کی جہلت دیدی اور ادھر اپنا منصب پورا فرما کر غیر ملکی مخلوق کو اسلامی منافع سے متمتع بنایا چنانچہ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک دن آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور اس طرح تقریر کی کہ اے صاحبِ حق تعالیٰ نے مجھ کو ساری مخلوق کے لئے رسول اور رحمت بنا کر بھیجا ہے پس میرے حکم کی تعمیل میں اختلاف نہ ڈالنا جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے احکام میں ان کے حواریوں نے اختلاف ڈال دیا اور جب صحابہؓ نے اس کی صورت دریافت فرمائی تو آپ نے جواب دیا کہ جس اطاعت و اتباع کی طرف حکم میں بلارہا ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں کو بلایا تھا مگر ان کی یہ حالت ہوئی کہ اگر کسی نے کسی کو جگہ جانے کا ان کو حکم ہوا تو بخوشی انھوں نے مان لیا اور مسافتِ بعیدہ پر پہنچنے کا امر ہوا تو اس کو طاعیت گئے اور اُداس چہرہ بنا کر ایسے بوجھل ہوئے کہ گویا زمین پکڑے لیتی ہے اور اٹھنے نہیں دیتی اور ان پر عتاب ہوا اور صبح کو جب سو کے اٹھے تو ہر شخص کی زبان میں بات کرتا تھا جس زبان والوں کی طرف سے



کے لئے امر عیسوی صادر ہوا تھا یہ ان کی سزا تھی اور اسی میں انہوں نے جان دی۔

صحابہ جن کی اطاعت کا امتحان ایک ایک لمحہ کی حالت ہو چکا تھا کہ اپنے دین کی خاطر گھر چھوڑا وطن چھوڑا، جائیداد چھوڑی، بی بی بچے چھوڑے، مال و اسباب چھوڑا، عزت چھوڑی حتیٰ کہ جان تک دینے میں تامل نہ کیا اور اپنے رسول کا حکم پاتے ہی جہاد و غزوات میں نکل کھڑے ہوئے ایسے کامیگو تھے کہ تنہا یا مرافقت میں دور و دراز کے سفر سے گھبرا جاتے اور حضرت کی طرف قاصدین و کرسلاطین و ملوک کے درباروں میں داخل ہو کر اپنے مذہب کی پاک اور بلند صدا پہنچانے سے جھجکتے اور اب تو صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کی پوری جانچ ہو چکی تھی کہ ایسے مضمون میں جس سے پہاڑ بھی کانپ جائیں۔ ان حضرات نے اطاعت رسول کا حق ادا کر دیا کہ وہ شرائط جن میں ان کے مذہب اور جان کے دشمنوں نے صورتہ ان کو ہر طرح دبایا تھا اور جس کو بلند پایہ مذہب والا شریف خاندان شخص بلا کسی حاکم مختار کی اطاعت کے ذاتی حیثیت سے کبھی گوارا نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے بخوشی منظور ہی نہیں کیں بلکہ ان پر بدل و جان عمل کیا اور بدگما کا وسوسہ گذرے بغیر ہمیشہ اس یقین پر قائم رہے کہ سچی عزت حضرت کی اطاعت پر موقوف ہے اور دین و دنیا کی بہتری اسی میں ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ظاہر ہوا اس نے ان پاکیزہ نفوس میں ہر شخص سفارت کے لئے آمادہ نظر آیا اور بصورت حال ہر ایک نے درخواست کی کہ پیام رسانی کی خدمت پر مجھ کو مامور فرمائیے چونکہ سلاطین سے مراسلت تھی اور دنیوی حکام میں تحریر کو با وقعت بنانے کے علاوہ وثوق و اعتماد کے لئے بھی تہر ثبت ہونے کی ضرورت تھی اس لئے صحابہ کے مشورہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم مبارک کی تہر کندہ کرائی جس کا حلقہ چاند کا تھا اور نگینہ عقیق یا حبشی پتھر کا یا چاندی ہی کا تھا مگر صنعت کے اعتبار سے حبش کی طرف منسوب ہے ہر حال اس پر لکھا ہوا تھا **رسول اللہ** اس کے بعد حسب رواج ہرن کی جھالیوں پر چند والا نامے اسلامی دعوت میں لکھوائے گئے اور تہر ثبت ہونے کے بعد معتمد سفراء کے ہاتھ سلاطین و ملوک کی جانب ادھر ادھر روانہ کر دیئے گئے۔

اس انگوٹھی کو بوسہ میں کندہ ہوئی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے وقت اتار کر رکھ دیتے باقی اکثر اوقات سید سے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں اس طرح پہنے رہتے تھے کہ نگینہ ہتیلی کی جانب رہتا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد کے بعد دیگرے حضرت صدیق و فاروق و ذوالنورین و خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ میں رہی۔ آخر خلافت عثمانی کے چھٹے سال جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی پر بیٹھے ہوئے انگلی سے نکال کر اس کو ہاتھ میں اچھال رہے تھے، کنویں میں گر گئی اور ہر چند کہ سارا پانی نکلوا دیا گیا مگر نہ ملی پر نہ ملی۔ اس مبارک انگشتری کے گم ہونے سے جس میں سیلابی انگشتری کی خاصیت تھی، آخر سلطنت اسلامی میں اختلال کا دروازہ کھلا اور ہوئے فتنہ و فساد جو کچھ بھی ہوئے۔ ۱۲۰



ہر قتل شاہ روم کے نام کا فرمان لے کر حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی روانہ ہوئے جس کی عبارت یہ تھی:  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی ہِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتٰی بِہِ الْہُدٰی  
 اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَعَاِیَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلَمْتَ تَسْلَمُ اَسْلَمَ یُوْنٰثُ اللّٰهُ اَجْرُکَ مَرَّتَیْنِ فَاِنِ تَوَلَّیْتَ فَاِنِ  
 عَلَیْکَ اَلْمَ اِلٰہِیْنِیْنِ یَا اَہْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَکُوْنُ  
 بِہِ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا الشَّہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ  
 والا نام لے کر حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ تیز رفتار سانڈی پر سوار ہو کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور  
 پیام رسائی کو انجام دیا۔

ہر قتل ! اپنے مذہب نصرانیت کا عالم اور مملکت روم پر حاکم تھا چونکہ فن نجوم و کہانت میں بڑی  
 دستگاہ رکھتا تھا اس لیے اپنی مہارت فن سے معلوم کیا تھا کہ مملکت روم پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہونے والا  
 ہے جو خنثی ہوں گے چنانچہ گھبرا اٹھا اور تمام دن مضحمل و پریشان رہا۔ ہر چند اس کے مصاحبین نے اسے  
 دلایا کہ سوائے قوم یہود کے کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ ہماری سلطنت  
 جانب نظر اٹھا کر دیکھیں، مگر اس کو اطمینان نہ ہوا تاہم مزید احتیاط نواح کی ولایتوں میں اس مضمحل  
 کے پروانے جاری کر دیئے کہ یہودیوں کو جہاں پاؤ تہہ تیغ کر دو اور اس قابل نہ رکھو کہ سلطنت روم  
 پر حملہ کرنے کی جرأت کریں۔ چنانچہ ہزاروں یہودی محض اس شبہ پر قتل کر دیئے گئے کہ یہی خنثی قوم  
 نصاریٰ پر قبضہ کرنے والی ہے مگر امر مقدر چونکہ ٹل نہیں سکتا اس لئے آفتاب اسلام کی شعاعوں نے افق  
 روم پر نظر ڈالی اور عین اُس وقت جب کہ ہر قتل شاہ فارس پر فتحیابی کے شکر میں بیت المقدس آ  
 ہوا تھا یعنی صوبہ دار نے اسلامی قاصد کے آنے کی اطلاع دیے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا والا  
 بادشاہ تک پہنچا دیا۔ چونکہ دریافت کرنے سے معلوم ہو چکا تھا کہ فرستادہ شخص بھی ختنہ بربدہ ہے اور تمام  
 عرب میں اس کا رواج ہے اس لئے ہر قتل کے ہوش اڑ گئے اور اُس نے باوازی بلند کر دیا کہ اسے  
 باشندگان روم تمہاری سلطنت کا وقت برابر مولیا اور وہ لوگ پیدا ہو گئے جن کو اس مملکت کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہر قتل شاہ روم کی طرف یہ پیام ہے کہ، سلام اُس پر جس نے ہدایت  
 کا اتباع کیا۔ اَمَّا بَعْدُ میں تم کو بلاتا ہوں دعوت اسلام کی طرف مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے، اسلام لے آؤ حق تعالیٰ تم کو دوسرا  
 اجر دے گا اور اگر نہ مانا تو یاد رکھو کہ تم پر تمہاری قوم، ارباب کا بھی گناہ ہو گا کہ اہل کتاب اور ایک کلمہ کی جانب جو سادہ  
 ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم نہ عبادت کریں مگر اللہ کی اور نہ شریک کریں اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بناتے ہم میں ایک دوسرا  
 کو رب اللہ کو چھوڑ کر پس اگر وہ رُگرداں ہوں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ ۱۲



نظام کی باگ بانہ میں لینی ہے۔ اس کے بعد ہر قتل نے حکم دیا کہ کوئی عربی شخص ایسا لاؤ جو مدعی نبوت کے حالات بیان کر سکے۔ چنانچہ ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے اور تجارتی ضرورت کے قریشی قافلے کے ساتھ یہاں آتے ہوئے تھے لائے گئے۔ ابوسفیان چونکہ اپنی جماعت میں معزز سمجھے جاتے تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار بھی تھے اس لئے ہر قتل نے اُن کو واقع کار و رست سمجھ کر اپنی گفتگو کے لئے انتخاب کیا اور ترجمان کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ چونکہ میری جماعت کے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر یہ شخص کوئی بات خلافِ واقعہ بیان کرے تو ضرور ٹوٹنا، اس لئے گو میں اُس وقت محسوسِ سلام نہ تھا مگر میری ہمت نہ ہوتی کہ ذرہ برابر جھوٹ ملاؤں اور قوم میں رُسوا یا شاہی دربار میں بے عزت بنوں۔ اس کے بعد گفتگو ہوئی اور ہر قتل نے سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اور ذات و شرافت کا حال دریافت کیا۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ نہایت شریف النسب ہاشمی و مطلبی نسل کے شریف زادہ ہیں جن سے بہتر عرب میں کوئی خاندان نہیں۔ اس کے بعد ہر قتل نے پوچھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے بھی کسی بات میں محمدؐ کو جھوٹ بولتے پایا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ کبھی نہیں بلکہ سچائی میں مشہور اور ضرب المثل رہے ہیں پھر ہر قتل نے پوچھا کہ اُن کے خاندان یا اجداد میں کیا کوئی شخص کبھی بادشاہ ہوا؟ ابوسفیان نے کہا کہ کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ ہر قتل نے کہا، کیا اُن سے پہلے کسی دوسرے شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کسی نے نہیں۔ پھر ہر قتل نے سوال کیا کہ اچھا جو لوگ اُن کی پیروی کر رہے ہیں وہ امیر ہیں یا غریب ہیں؟ ابوسفیان نے کہا کہ قریب قریب سب غریب اور ایسے ہیں جن کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پھر ہر قتل نے پوچھا کہ اُن کا گروہ ترقی کر رہا ہے یا تنزل؟ ابوسفیان نے کہا کہ ان کی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ہر قتل نے سوال کیا کہ جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اسلام کو ناپسند سمجھ کر کبھی مُرتد تو نہیں ہوتا؟ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں۔ ہر قتل نے کہا کہ لڑائی میں تم اُن پر غالب آتے ہو یا وہ تم پر؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کبھی ہم غلبہ پاتے ہیں اور کبھی وہ۔ اس کے بعد ہر قتل نے پوچھا کہ کیا یہ عہدی یا خلف وعدہ کبھی اُن سے صادر ہوا؟ ابوسفیان نے کہا کہ ابھی تک تو کیا نہیں مگر ان چند آیام کی خبر نہیں ہے جو ہم کو سفر کی حالت میں گزرے کیونکہ آج کل ہمارا اُن کا باہمی معاہدہ ہے اور غیب کی خبر اللہ کو ہے دیکھئے یہ وعدہ بھی پورا ہوتا ہے یا نہیں؟

ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں ان تمام باتوں کا جواب دیتے وقت سوائے ہاں یا نہ کے کچھ نہ کہہ سکا البتہ اس جواب میں اتنی بات بڑھا کر کہ مجھے موقع ملا اور اگر اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر



سوال کے جواب میں جھوٹ بلاتا۔ ہر قل اس کے بعد ذرا خاموش ہوا اور کہا کہ اے لوگو! میری حقیت کو اس مضمون سے تعلق ہے جو اکثر خدا کے رسولوں میں رہا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ نبوت ہمیشہ خاندان میں رہی ہے تاکہ مخلوق حقیر نظروں سے نہ دیکھے اور وہ نبی کی اطاعت و ہدایت کا واسطہ میں مانع نہ ہو۔

پھر یہ بھی عقل کے نزدیک واجب التسلیم ہے کہ جو شخص دنیوی امور میں جھوٹ بولنے سے ڈرے خدا پر ہمتان باندھنے اور غلط بیانی اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی کیونکر جرأت کر سکے گا اس سے نکلتا ہے کہ محمد عربیؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور اس کے مؤید یہ قرآن ہیں کہ عالم کے دلوں پر گرنے کا دعویٰ ان کی زبان سے کسی کی تقلید سے ظاہر نہیں ہوا کیونکہ ان کے باپ دادا میں اگر بادشاہ ہوتا تو خیال ہو سکتا تھا کہ وہ نبوت کے جیلہ سے جدی میراث پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور سے پہلے اس خاندان میں کوئی شخص مدعی نبوت ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کر رہے ہیں لیکن اب اس کا احتمال نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ نتائج و ثمرات بھی دوسرے پیغمبروں سے ہیں کیونکہ محمد عربیؐ کا اتباع بھی زیادہ انھیں لوگوں نے کیا ہے جو افلاس و فقر کے سبب ملک کی دنیا میں بے وقعت ہیں اور درحقیقت ہر زمانہ میں خدا کے پیغمبروں کا اتباع پہلے غریب ہی لوگوں کا ہے کیونکہ روسا اپنے مال و ریاست پر مغرور و بدست ہو کر نبی کے اتباع سے کتراتے رہتے ہیں اور علاوہ ان کے اتباع کرنے والوں کی اپنے مذہب پر پختگی ان کی حقانیت کی مستقل دلیل ہے کہ اسم لائے پیچھے منحرف ہونا کوئی جانتا ہی نہیں کیونکہ درحقیقت مذہب حق کے لئے ایک حلاوت و جہاد کا مزہ آجانے کے بعد چھوٹنا مشکل ہے اور نبی کا اپنی قوم سے مقابلہ کرنا اور کبھی فتح پانا اور کبھی ہار کا غالب آجانا ایسا مضمون ہے جو ہمیشہ انبیائے سلف میں ہوتا رہا کہ جنگ و مقابلہ ہر طرز کا ال بنارہا کہ کسی نیچے اور کبھی اوپر تاکہ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ جبراً ہم کو اپنا مطیع بنایا گیا البتہ معاہدہ کی پابندی خدائی فرستادوں کا زیور ہے جس کو اللہ کا پیغمبر کسی حال میں نہیں چھوڑے۔ سو میرے نو سوالات اور ان کے جوابات محمدؐ کا پیغمبر خدا ہونا ثابت ہو رہا ہے اور اب مجھے یہ پوچھنا باقی ہے کہ وہ اپنا مطیع بنا کر لوگوں سے کیا چاہتے ہیں۔ کن باتوں سے منع کرتے اور کام کرنے کو کہتے ہیں؟ ابوسفیانؑ نے جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں دیوتاؤں کو خدا نہ سمجھو، ان کے ساتھ نہ جھکاؤ۔ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو۔ پانچ وقت نماز نہ پڑھو۔ اپنے مال میں سے شرعی مقدار کے موافق زکوٰۃ ادا کرو۔ محتاج رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو اور نیک برتاؤ رکھو۔ زنا مت کرو اور



مت کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ ایک دوسرے کا ناجائز طور پر مال مت کھاؤ، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سن کر ہر قتل بے اختیار پکار اٹھا کہ جو باتیں تم نے بیان کی ہیں اگر سچ ہیں، تو بے شک محمد اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور اگر مجھ سے ہو سکتا تو میں ان کے حضور میں حاضر ہو کر قدم چومتا اور پاؤں دھو کر بیٹا اور یقین جانو کہ جس جگہ آج میرے قدم میں کسی دن یہاں ان لوگوں کا جھنڈا اہرا تا ہوگا۔

قیصر روم کی یہ تقریر سن کر حاضرین متحیر رہ گئے اور شاہی توجہ اسلام کی طرف پا کر چار طرف سے اراکین سلطنت نے شور مچایا۔ اس بد امنی اور شور و شغب میں ابوسفیان مع اپنی جماعت کے باہر نکال دیئے گئے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہر قتل کے یہ کلمات سن کر میں حیران تھا اُس کے چہرہ کو تنکنا اور خیال کرتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز میں اس قدر ترقی کر لی کہ بادشاہ روم کے دل میں بھی ان کا خوف موجود ہے چنانچہ دربار سے باہر نکل کر انھوں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ "ادھوا بوبکشتہ کے لڑکے کا اس قدر رعب چھا گیا ہے کہ قیصر بھی ڈرتا اور کانپتا ہے۔"

جان و آبرو ہر شخص کو عزیز ہے اور عزت و جاہ کا چھوڑنا کوئی سہل بات نہیں اس لئے ہر قتل نے اراکین سلطنت کا رنگ بدلا ہوا پا کر سکوت اختیار کیا۔ ہر قتل نے مصالحت اگرچہ اس وقت اپنا حال چھپایا مگر چونکہ اس کے دل میں لگی ہوئی تھی اس لئے اُس نے آخری کوشش پھر کی اور ایک دن مشہور علمائے نصاریٰ کو قلعہ حمص میں جمع کیا اور قلعہ کا دروازہ بند کرائے۔ بعد اس طرح تقریر کی کہ "اے مذہب اور ملک کے مددگار و اور لے آسمانی ملت کے حامی و جان نثارو! میں تم سے ایک خاص بات کہنی چاہتا ہوں جس میں سراسر تمھارا نفع اور قومی و ملکی بہبودی مضمر ہے پس میری بات کان لگا کر سنو اور سمجھ کر جواب دو۔ تم کو معلوم ہے کہ حجاز میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اس شخص کے حالات تمھارے کانوں میں پڑ چکے ہیں سو میں نے جہاں تک غور کیا وہ خدا کے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں اس لئے میری رائے میں ملکی رسوم اور آبائی مذہب کا پاس کرنا قرین عقل ہے اور نہ مقتضائے دین پس اگر نجات کے متلاشی ہو تو اسلام لے آؤ اور عربی پیغمبر کا اتباع کرو ورنہ اپنا ملک بھی ہاتھ سے کھو بیٹھو گے اور حق تعالیٰ کے روبرو ذلت و رسوائی مجدا ہوگی۔ ہر قتل اتنا کہنے پایا تھا کہ مجمع کا رنگ بدلا ہوا پایا کہ حاضرین مجلس سے یک لخت شور مبرپا کیا اور ناراض ہو کر منہ میں پڑ پڑاتے اور طیش میں پھج و تاب کھاتے دربار سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کا راستہ لیا مگر کوڑا بند پائے، اس لئے پھر واپس ہوئے اور

لے ابوبکشتہ بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی کنیت ہے اور اس وقت ابوسفیان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لقب سے یاد کرنا

اسی جاہلیت کا اثر تھا جس پر وہ تھے۔ ۱۲ منہ



آدہ فساد ہو کر بادشاہ پر حملہ کرنا چاہا۔

ہر قل نے رُخ پلٹا ہوا دیکھ کر اپنی بات کا بھی پہلو بدلا اور کہا کہ "اے مذہب نصرانیت کے شیعہ! تم کو آزمانا چاہتا تھا کہ دیکھوں تم کو اپنے مذہب کا کس قدر پاس ہے اور تمہارے قلب میں کیا سما یا ہوا ہے سو الحمد للہ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم اپنے مذہب کے شدید اثبات ہوئے یہ سنکر سب کے چہرے خوشی سے دکنے لگے اور ہر قل کے سامنے سب سجدہ میں گر گئے اس کے بعد ہر قل کو بہت نہ ہو کہ مذہب اسلام کی تائید و ترغیب میں کوئی کلمہ زبان سے نکالے البتہ قاصدِ اسلام و حبیبِ کلبی کو بلایا اور کہا کہ سلطنت میں ایک شخص علمائے نصاریٰ میں نہایت با عظمت ہے جس کا نام طغاطر ہے تم اس کے پاس اپنے پیغمبر کے حالات سناؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے پس اگر اُس نے اسلام قبول کر لیا تو سمجھ لو کہ تمام مسلمان ہو جائیں گے چنانچہ حضرت وحیدؑ وہاں سے اٹھ کر طغاطر کے مکان پر گئے جو عمر رسیدہ ضعیف شخص تھا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرما کر ہر قل کا قول بھی سنا دیا جس سے ظاہر ہوا تھا کہ طغاطر کے اسلام پر مذہب حق کی ترقی موقوف ہے۔

طغاطر حقیقت اپنے مذہب کا فہم عالم تھا اس لئے قبول حق میں تامل نہ ہوا اور دولتِ ایمان االاہی ہوئے اس کے بعد مصاہف میں لیا اور سپید کپڑے پہن کر باہر نکلے تاکہ اپنا ایمان علی الاعلان کرے اس نے اپنے مکان سے چل کر اُس کلیسا میں پہنچے جہاں علمائے نصاریٰ کا مجمع تھا اور آواز بلند کر کے "اے عیسائیت کے دیندار! مولو! میں پیغمبرِ عربی پر ایمان لے آیا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کی غرض سے کہتا ہوں کہ یہی وہ پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰؑ روح اللہ نے خبر دی ہے پس اگر نجات کے خواہاں ہو لیکو اور اسلام سے بہرہ یاب بنو" طغاطر کے یہ کلمات سنکر علمائے نصاریٰ کے چہرے سُرخ ہو گئے اور طغاطر پر حملہ کرنے کے لئے چار ہفت ٹوٹ پڑے حضرت طغاطر اس ضربِ شدید کے متحمل نہ ہو سکے اور جاری تسلیم ہوئے فَإِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

ہر قل کو اس قصہ کی خبر ہوئی تو اُس نے سمجھ لیا کہ مذہبِ اسلام کا اقرار کرنا اس وجہ موجب ہے اس لئے دنیوی چند روزہ عیش و عشرت پر آخرت کی دائمی راحت کو ترجیح نہ دے سکا اور حضرت کلبیؑ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

## باب ۶۰

### خسرو پرویز اور باذان!

جس طرح رومی بادشاہ کا خطاب قیصر تھا۔ اسی طرح بادشاہِ فارس کا لقب کسری تھا جو خسرو کا اعزاز ہے۔



اور جس کسری کا ہم ذکر بیان کر رہے ہیں، اس کا نام پرویز ہے۔  
یہ متکبر بادشاہ ہرمز کا بیٹا اور نوشیروان عادل کا پوتا ہے اس کے نام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
خط لکھا اور عبد اللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ روانہ فرمایا جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا کہ والا نامہ بحرین کے  
مندرجہ ذیل ساوی کے حوالہ کر دیں اور کہہ دیں کہ خسرو پرویز کے پاس پہنچا دیے چنانچہ حضرت عبد اللہ  
نہ ہوتے اور نامہ مبارک مندر کے حوالہ کیا جو بصرہ و عمان کے امین شہر بحرین پر کسری کا ماتحت حاکم  
اور مندرجہ ذیل ساوی نے والا نامہ کسری کے پاس پہنچا دیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى كَسْرَى عَظِيمِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى  
نَبِيَّ اللَّهِ وَرَسُولَهُ وَآمَنُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَدْعُوهُ  
عَاقِبَةُ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللَّهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لَيْسَ دَرَمَنَ كَانَ حَيًّا وَمَيِّتًا الْحَقُّ عَلَى الْكَافِرِينَ أَسْلِمُوا  
لَكُمْ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ إِثْمُ الْمُجْرِمِينَ

پرویز شاہ فارس نہایت مغرور اور بدست بادشاہ تھا حالانکہ چار سال ہوئے قیصر کے ہاتھوں ذلیل  
وار ہو چکا اور شکست فاش کھا چکا تھا مگر جو نخوت خمیر میں پڑی تھی وہ نہ گئی اور جو بد حالی اس کی تقدیر  
لکھی جا چکی تھی اس کے اسباب جہتا ہوتے جس وقت نامہ مبارک ہاتھ میں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس کے نام سے پہلے لکھا ہوا ہے تو جھلا اٹھا اور اس غصہ میں کہ مرسل نے اپنا نام  
اس سے پہلے کیوں لکھا، نامہ مبارک کو پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد اپنے ماتحت باذان صوبہ دارین کے  
حکم نامہ جاری کیا کہ عرب تمہارے علاقہ میں ہے اس لئے مدعی نبوت کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو  
چنانچہ اس نے تعمیل کی اور دو سپاہیوں کے ہاتھ آپ کے نام اس مضمون کا خط بھیجا کہ ”اے محمد! تم  
مائل خط ہذا کے ساتھ خسرو پرویز شاہ فارس کے پاس چلے آؤ۔“

یعنی قاصد بارگاہ رسالت میں پہنچے تو رعب اور ہیبت سے کانپ اٹھے۔ جناب رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ دو شخص جن کی ڈاڑھیاں منڈی اور مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں سائے  
لٹے ہیں اور شانہ کی رگیں خوف کے سبب حرکت کر رہی ہیں تو دریافت فرمایا کہ ایسی بُری صورت بنانے

لے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف کسری شاہ فارس کی طرف رسام ہو کہ، سلام اس پر جس نے ہدایت کا اتباع  
کیا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ ہی کا اور اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک  
محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ میں تم کو بلا تا ہوں خدائی دعوت کی جانب کیونکہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تمام مخلوق کی جانب  
تاکہ ڈرائے اس کو جو زندہ ہو اور حق ثابت ہو جائے کافروں پر۔ مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے، ہاں اگر انکار کیا تو دربار کھو  
کہ، مجوس سا گناہ بھی تم ہی پر ہو گا۔ ۱۲ منہ



کاتم کو کس نے حکم دیا؟

حصہ دوم

قاصد جو خوف زدہ اور بہوت کھڑے تھے بدشواری آنا جواب دے سکے کہ ہمارے رب خسرو پر وزیر نے اس  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بھائی کو حکم دیا کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کتر دو اگر کسی نے  
تم سے پیچھے معبود کا حکم چھوڑ کر چھوٹے معبود کا کہنا مانتے ہو اس کے بعد اپنے فرمایا کہ "اچھا ٹھہرو کل میرے پاس آنا"  
اگلے روز دونوں سپاہی حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس مجھے لیجانا چاہتے ہو وہ  
سے رخصت ہو لیا اور خسرو پر وزیر اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں رات قتل ہو گیا قاصدوں نے ایک زبردست سلطنت  
کے بادشاہ کے متعلق یہ قطعی فیصلہ سنا تو متعجب ہوئے اور آخرین واپس ہوئے تاکہ اس پیشین گوئی کی تصدیق کر  
جو دسویں جمادی الاول ۳۷ شنبہ کے متعلق کی گئی تھی چنانچہ باذان بھی حیران رہ گیا مگر حبشہ فارس کا  
اطلاع نامہ ہاتھ میں پہنچا کہ فارس کے بادشاہ شیردیکہ کی جانب اطلاع دی جاتی ہے کہ خسرو پر وزیر جو کہ ظالم تھا اس نے  
پاداش کو پہنچا اور رات کے وقت مقتول ہو کر سلطنت فارس ہمارے ہاتھ میں آئی۔ عربی مدعی نبوت کے متعلق  
حکم پر وزیر کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اس کو قاصد در حکم ثانی ملتوی رکھو۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
مداقت کا معترف ہوا اور اپنے دونوں بیٹوں سمیت سلمان ہو گیا حاکم کے سلمان ہو جانے پر یمن میں سلام پھیل  
گیا اور گرد و ہاگردہ مسلمان ہو گئے خسرو پر وزیر نے والا نامہ کے ساتھ جو گستاخی کی تھی جس وقت حضرت عبداللہ  
ابن حذافہ کی زبانی اس کی اطلاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ کو رنج ہوا اور آپ نے  
اس طرح ارشاد فرمایا کہ "یا اللہ کسریٰ کی سلطنت کو بھی پارہ پارہ کر دے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پر وزیرین ہرمز  
کے قاتل شیرویہ کو بھی اطمینان کے ساتھ سلطنت کرنی نصیب نہ ہوئی اور صرف چھ مہینہ حکومت کر کے یہ  
بد نصیب بھی وہ زہر کھا کر راہی ملک بقا ہوا جس پر اس کے مقتول باپ نے بخیال انتقام دوا و مقتوی باہ لکھ دیا  
تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چند بادشاہوں نے فارس پر حکومت کی اور آخر سارا خاندان تباہ  
ہو گیا یہاں تک کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے خلافت فاروقی میں عراق کی جانب چڑھائی کی اور  
وہ زبردست سلطنت جو ہزار سال سے قائم تھی ایسی پاش پاش ہوئی کہ ہمیشہ کے لئے نابود ہو گئی۔

## باب ۶۱

### نجاشی و مقوقس اور منذر بن ساد

ایک خط واری حبش کے نام لکھا گیا اور عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ روانہ کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ اَسْلِمَ اَنْتَ فَاِنِّيْ اَعْلَمُ



اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحٌ وَكَلِمَةٌ آتَاهَا إِلَى مَرْيَمَ ابْنَتِ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ فَحَمَلَتْ بِعِيسَى فَخَلَقَهُ اللَّهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفْثِهِ خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْمَوَالِيقَ عَلَى طَاعَتِهِ وَأَنْ تَتَّبِعَنِي مِنَ الْبَلَدِ جَاءَنِي فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُودَكَ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ بَلَغْتُ وَتَصَحُّتُ بَلَوًا نَفِيعَتِي وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ أَتْبَعَ الْهُدَى ط حضرت عمرو بن امیہ والا نامہ لے کر روانہ ہوئے اور بحرِ سفر طے کر کے ملک حبش پہنچ کر شاہ حبشہ کو خط پہنچایا۔

یہ نجاشی جس کے نام والا نامہ بھیجا گیا وہ نجاشی نہیں ہے جس کے زمانہ میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی اور کے جنازہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتبانہ نماز پڑھی تھی بلکہ یہ دوسرا بادشاہ جو ان بعد ملک حبش کا والی ہوا اور اس کے ایمان کا حال معلوم نہیں کہ لایا یا نہیں۔

چونکہ اکثر مورخین کو نجاشی کے لفظ سے جو ہر والی حبش کا خطاب ہوتا تھا شبہ پڑ گیا ہے اس لئے اس خط حضرت اسحمہ والی حبش کے نام سمجھ کر ان کے ایمان اور حضرت کے ساتھ اطہارِ محبت و ارسالِ تحائف ذکر کر گئے ہیں مگر علامہ ابن قیمؒ کی تحقیق جو زاد المعاد میں ہے یہی ہے کہ مُرسل الیہ دوسرا نجاشی ہے جو تھا خط مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ روانہ ہوا جس کا مضمون یہ تھا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الْمُقَوْسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ رَحِمَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلِمًا وَاسْلِمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَ لِقَائِهِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ أَهْلِ الْقِبْطِ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا لِقَوْلِ الْهُدَى وَإِنَّا نَمُسْلِمُونَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف پیام ہے کہ اسلام لے آؤ تم۔ پس میں حد بیان کرتا ہوں غاری طرف اُس اللہ کی کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا بادشاہ ہے پاک ہے سلامتی والا ہے امن دینے والا ہے محافظ اور گواہ یتاہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ اور اس کا ایک کلمہ ہیں جس کو مریم بتول پاکباز ظاہرہ کی طرف ڈالا پس وہ عیسیٰ کی حاملہ ہو گئیں تو ان کو اللہ نے پیدا فرمایا اپنی روح اور نفخ سے جیسا کہ آدم کو پیدا فرمایا اپنے دست (قدرت) سے اور میں تم کو بلاتا ہوں اللہ بخانہ کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ڈلاتا ہوں، اُس کی اطاعت پر موافقت کی جانب اور یہ کہ میرا اتباع کرو اور ایمان لاؤ میں (شریعت) پر جو میرے پاس آئی کیونکہ میں اللہ کا واثقی رسول ہوں اور میں بلاتا ہوں تم کو اور تمہارے مائتھوں کو اللہ عزوجل کی طرف اور یاد رکھو کہ میں پہنچا چکا اور نصیحت کر چکا پس تم سب میری نصیحت قبول کرو اور اسلام اُس جس نے ہدایت کا اتباع کیا اللہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ محمد اللہ کے بندے اور پیغمبر کی طرف سے مقوقس بادشاہ قبط کی طرف (پیام ہے کہ) سلام ہے اُس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ اس کے بعد میں تم کو بلاتا ہوں دعوتِ اسلام کی طرف۔ مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے (یقیناً برکت)



حضرت حاطب والا نامہ لے کر متھر کی طرف روانہ ہوئے اور شاہی دربار میں پہنچ کر والی مصر کے دربار میں داخل ہوئے۔ نامہ مبارک اس کو دیا اور یوں تقریر فرمائی کہ: "اے بادشاہ! تم سے پہلے اس ملک کا مالک ہو چکا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو دیت آغے کہا تھا سو حق تعالیٰ نے اُس کو دنیا و آخرت کا عذاب میں پکڑا اور ایسا انتقام لیا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہوئی سو تم کو بھی عبرت لیننی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ دوسروں کو تمہارے حال سے عبرت لینے کا موقع ملے۔" بادشاہ مصر نے عربی قاصد کی یہ محاباد لیرا نہ گفتگو سن کر تعجب کیا اور کہا کہ ہم بھی صاحب مذہب ہیں اور نصرانیت پر قائم ہو جب تک اس سے بہتر مذہب نہ آوے اُس کو تبدیل کرنا ہمیں گوارا نہیں ہے۔" حضرت حاطب نے جواب دیا کہ تم کو مذہبِ اسلام کی طرف بلاتے ہیں جو تمام مذہبوں سے بہتر اور ہر دنیوی و دینی ضرورت کو کافی ہے ہمارے پیغمبر نے جس وقت اس مذہب کی منادی کی تو سب سے زیادہ سخت اُن کی قوم تھی جو قریش کہلاتے ہیں اور آپ کے سب سے زیادہ دشمن یہود ہوئے اور نصاریٰ تو نسبتاً نرم اور قریب تر ثابت ہوئے، قسم ہے اپنی زندگی کی کہ موسیٰ علیہ السلام نے جیسی بشارت عیسیٰ علیہ السلام کی دی تھی ایسی ہی عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے اور ہمارا بلا نامہ تم کو قرآن کی جانب ایسا ہے جیسا کہ تم نے اہل توریت کو انجیل کی طرف بلایا اور جو لوگ نبی کو پائیں وہ ان کی اُمت کہلاتی ہے اور ان پر لازم ہے کہ اس کا اتباع کریں اور چونکہ تم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اس لئے تم کو ان پر ایمان لانا پڑے گا اور ہم تم کو دینِ شیخی سے روکے نہیں بلکہ اس کا حکم کرتے ہیں کہ اس کو بھی مذہبِ حق سمجھو اور اس کا ادب قائم رکھو البتہ اعمال میں شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنا پڑے گا اور آج اس کے بغیر نجات نہیں ہے۔

موقوف ایک سمجھدار شخص تھا مگر جانتا تھا کہ اسلام کے اختیار کرنے میں سلطنت ہاتھ سے جاتی۔ اس کے ساتھ ہی نصرانی المذہب ہونے کی وجہ سے آخرت کا معتقد اور جزا و سزا سے واقف تھا اس لئے فکر میں پڑ گیا کہ دنیوی حکومت کو ترجیح دے جو سرِ دست اختیار میں ہے مگر جلد فنا ہونے والی ہے یا سلطنت کی رغبت کرے جو چند روز بعد دوسری زندگی اور دوسرے عالم میں حاصل ہوگی مگر ہمید قائم رہے گی۔ غرض اس وقت کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور یہ کہہ کر کہ اچھا ہم سوچ کر جواب دیں گے دیکھتے ہیں اور اسلام لے آؤ اللہ تم کو تمہارا اجر و چند عطا فرمائے گا۔ پس اگر تم نے نہ مانا تو یاد رکھو، تم ہی پر تمام جلیلوں کا گناہ ہوگا۔ اہل کتاب آؤ ایک کلمہ کی طرف جو مساوی جو ہم میں اور تم میں کہ ہم نے عبادت کریں مگر اللہ کی اور نہ شریک کریں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بناوے ہم میں ایک دوسرے کو رب اللہ کو چھوڑ کر پس اگر وہ رُود گرداں ہوں تو کہہ کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ



ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے حوالہ کر دیا کہ اس کو احتیاط سے رکھے۔ اس کے بعد غور کیا اور  
 ار کیا کہ بے شک یہ مدعی نبوت نہ جاؤ وگرنہ میں نہ کاہن، پھر غیب کی باتوں سے مطلع کرنا ضرور معجزہ او  
 بیت صادقہ کی علامت ہے۔ اب یہ اعمال، سو جن باتوں سے یہ منع کرتے ہیں درحقیقت وہ رغبت  
 قابل نہیں اور جن امور کا حکم کرتے ہیں وہ نفرت کے لائق نہیں۔ پس آپ کے سچے ہونے میں تو  
 شبہ نہیں ہو سکتا۔ بایں ہمہ آپ کا اتباع بحالت موجودہ خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے ایمان نہ  
 اور کاتب کو بلا کر زبان عربی یہ خط لکھوا کر قاصد کے حوالہ کیا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لِتَحْتَدِ  
 عَبْدُ اللّٰهِ مِنَ الْمُتَوَقِّعِ عَظِيمِ الْقَبْطِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قُرِئَتْ كِتَابُكَ وَفُهِمَتْ مَا ذَكَرْتَ  
 وَمَا تَدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمْتُ اَنْ نَّبِيًّا بَقِيَ وَكُنْتُ اُظَنُّ اَنْتَ اَنْتَ يَخْرُجُ فِي السَّامِرِ وَقَدْ اَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ  
 بَعَثْتُ اِلَيْكَ بِجَارِيَتَيْنِ لَمْ يَمَسَّ مَكَانٌ فِي الْقَبْطِ عَظِيْمٌ وَبِكِسْوَةٍ وَاَهْدَيْتُ اِلَيْكَ بَغْلَةً لِّتَرْكَبَهَا  
 السَّلَامُ عَلَيْكَ ۝

شاہ مصر کا یہ خط لے کر جس میں اسلام کا اقرار نہیں کیا گیا حضرت ساطب مدینہ منورہ واپس ہوئے  
 واریہ و سیرین دونوں باندیاں اور وہ خچر جس کا نام دُلْدُل تھا مع اُس مصری لباس کے جو  
 مقوس نے مدینہ آپ کی نذر گزارا تھا، حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے۔  
 پانچواں خط منذر بن سادئ شاہ بحرین کے نام لکھا گیا اور حضرت عمار بن الحضرمی اُس کو  
 لے کر روانہ ہوئے چنانچہ حضرت منذر مشرف باسلام ہوئے اور بدستور اپنی حکومت پر قائم رکھے گئے اُن  
 کی رعایا جو مذہب یہودیت و مجوسیت رکھتی تھی کچھ مسلمان ہوئی اور کچھ اپنے مذہب پر قائم رہی اس لئے  
 انھوں نے ان کے متعلق بارگاہ رسالت سے حکم چاہا کہ کیا برتاؤ کریں اور اس مضمون کا خط لکھ کر روانہ  
 اَمَّا بَعْدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّيْ قُرِئْتُ كِتَابُكَ عَلٰی اَهْلِ الْبَحْرَيْنِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَحَبَّ الْاِسْلَامَ وَاعْتَجَبَهُ  
 وَدَخَلَ فِيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهُ وَبَارِضِيْ مَجُوسٍ وَيَهُودٍ فَاحْدِثْ اِلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ کی خدمت میں مقوس شاہ قبط کی طرف سے (عرض ہے کہ) آپ پر سلام۔ اما بعد  
 میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں جو کچھ آپ نے ذکر کیا اور جس مذہب کی دعوت دی ہے اُس کو سمجھا اور میں یقیناً  
 جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی ہیں (جو ضرور پیدا ہوں گے) مگر میرا گمان یہ تھا کہ اُن کا ظہور ملک شام میں ہوگا اور میں  
 نے آپ کے قاصد کا اعزاز کیا اور دو باندیاں جو قبطیوں میں بڑی صاحبِ مرتبت ہیں مع کچھ کپڑے کے آپ کے لئے  
 دینے بھیجا ہوں نیز ایک خیر تاکہ آپ اُس پر سوار ہوں، والسلام علیک۔ ۱۲۔ منہ

۲۔ بعد حمد و مصلوٰۃ یا رسول اللہ میں نے آپ کا والا نامہ باشندگان بحرین کو پڑھ کر سنایا تو بعض نے اسلام کو محبوب  
 سمجھا اور پسند کیا اور اُس میں داخل ہو گئے اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میرے ملک میں (بقیہ برصغور)



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر کی صلاحیت و سعادت کو بظہر عزت دیکھا اور ہر جا میں یہ والانامہ تحریر فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى الْمُنْدَرِیْنِ سَادِیْکَ عَلَیْکَ فَاِیُّ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُهُ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِیُّ اَذْکَرُ لَکَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّہٗ مَنْ یَنْصَحُ اِنَّمَا یَنْصَحُ لِنَفْسِہٖ وَاِنَّہٗ مَنْ یُطِيعُ رَّسُوْلِیْ وَیَتَّبِعْ اَمْرَہُمْ فَقَدْ اطَاعَنِیْ وَمَنْ نَعِمَ لَہُمْ فَقَدْ نَعِمَ لِیْ وَاِنْ رَّسُوْلِیْ قَدْ اَمَّنَا عَلَیْکَ وَ اِنِّیْ قَدْ شَفَعْتُکَ فِیْ قَوْمِکَ فَاتْرُکْ لِلْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْلَمُوا عَلَیْہِ وَعَفُوْتُ عَنْ اَهْلِ الذُّنُوْبِ مِنْہُمْ وَاِنَّکَ مَعْمَا لَصَلِیْحٌ فَلَمْ نَزَلْکَ عَنْ عَمَلِکَ وَمَنْ اَقَامَ عَلَیْہِ یَهُودِیَّةً اَوْ مَجُوسِیَّةً نَعَسَ الْیَہْرَیَّةُ ۚ زَمَانَةُ نُبُوْتٍ مِّنْ خُطُوْبِہِیْنَ کِیْ یَاوْنُثْ کِیْ یُدِیْ وَغَیْرَہٗ بِرُکْبَہٖ جَاتِی تَحِیْ اَمْتِدَادِ زَمَانِ سَبَبِ حُرُوْفِ کِیْ سُوْرَتُوْنِ اَوْ رُطْرُکَاتِیْنَ مِّنْ یَّحِیْ کَیْ فَرَقَ اَکْبَیْہِ اِسْ لَیْ جِیْ جَا اَکْرَتَا نَہَا کَہِیْنَ وَدِیْ رُوْشِ نَظْرَ اَیْ تَوَا نَکْھُوْنِ سَیْ لَکَالِیْ جَاتِی۔ اَلْفَاقِ سَیْہِ وَالانامہ جو منذر بن سادی کے نام ہرن کی پر ارسال ہوا تھا ۱۲ھ میں کسی فرانسیسی سیاح نے باطراف بلاد مصر ایک قطبی راہب سے مولے کر کے المعظم امیر المؤمنین عبد المجید خان عثمانی والی قسطنطنیہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے والانامہ کو ہمراہ تبرکات نبوی قسطنطنیہ میں محفوظ رکھا اور عکسی نوٹ کی چند کاپیاں اودھر اودھر ارسال فرما دیں چنانچہ مولانا قاضی محمد ایوب صاحب بھوپالی کی وساطت سے اس کا عکس ہندوستان میں بھی پہنچا اور خوشنویس سے ایک نقل بندہ کو بھی مل گئی جسے عام مسلمانوں کو اس کا نظارہ کرانے کے لئے چربہ لے کر خوبصورت مع ترجمہ و نقل بخط نسخ مروجہ طبع کر کے علیحدہ شائع کر دیا گیا اور خریداران رسالہ ہذا کے لئے اس کو صرف ۲ روپے دیا گیا ہے تاکہ قلب و مکان کو زینت اور آنکھوں کو خشکی و روشنی پہنچانے کا موقع مل سکے ۛ

(بقیہ مکتبہ) بخوس اور یہود آباد ہیں سو ان کے متعلق میری جانب حکم صادر فرما دیں کہ کیا برتاؤ کروں؟ ۱۲۹ھ  
۱۳۰ھ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے منذر بن سادی کی جانب (قلبی ہے کہ) سَلَامٌ عَلَیْکَ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جسے  
سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور بیشک محمد اس بندہ اور رسول ہے۔ ابا بعد میں تمہیں اللہ  
وجل کو یاد دلانا ہوں بیشک جو خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنی ہی خیر خواہی کرتا ہے اور جو اطاعت کرتا ہے میرے قاصدوں کی اور حکم ماننا ہے  
میری اطاعت اور جس نے انکی خیر خواہی کی اس نے میری خیر خواہی کی بیشک میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کی بابت  
سفارش قبول کی پس چھوڑ دو مسلمانوں کے لئے (وہ مال راحت) جس پر وہ ایمان لائے اور میں نے درگزر کی خطا واروں کے  
تم بھی قبول کرو اور جب تک تم اصلاح کرتے رہو گے ہم تمہیں تمہارے کام سے معزول نہ کریں گے اور جو شخص یہودیت یا  
پر قائم رہے اس پر جزیہ ہونا چاہئے۔ ۱۳۰ھ



## شاہِ عمان و حاکمِ بیکامہ

چٹھا خط عمان کے ڈوبادشاہوں جعفر بن جلدی اور عبد بن جلدی کے نام لکھا گیا جو باہم حقیقی مائی تھے اور عمرو بن العاص رض کے ہاتھ روانہ کیا گیا اس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى جَعْفَرٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ الْجَلْدِيِّ سَلَامٌ عَلَى  
 أَنْتَ بَعِ الْهُدَى أَمَا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكُمْ مَابِدِ عَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمَاتُ سَلَامًا فَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَى  
 نَاسٍ كَافَّةٍ لَا تُذِرُ مَنْ كَانَ حَيًّا وَ بِحَقِّ الْحَقِّ عَلَى الْكَافِرِينَ فَإِن كُنتُمَا إِن آخِرَتُكُمَا بِالْإِسْلَامِ وَ لَيْتَكُمَا  
 إِن أَبَيْتُمَا أَنْ تُقَدَّ ابَا الْإِسْلَامِ فَإِنَّ مُلْكَكُمْ مَارَآئِلَ عَنْكُمَا وَ خَيْلٌ تَحْمِلُ بِسَاحَتِكُمَا وَ تَطْهَرُ  
 بِوَتِي عَلَى مُلْكِكُمَا هُ حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ خط لکھ کر مہر لگائی اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے حوالہ کیا چنانچہ  
 عمان کی طرف روانہ ہوئے اور پہلے عبد بن جلدی کے پاس پہنچے جو عمر میں گوجھوٹا تھا مگر ڈور اندیش  
 و نرم دل تھا۔ حضرت عمروؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر  
 ہمارے اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں پس میری سنو اور سوچ سمجھ کر جواب دو۔ عبد نے کہا کہ میرا  
 بھائی مجھ سے عمر میں بھی بڑا ہے اور حکومت میں بھی مقدم۔ اس لئے میں تم کو ان کے پاس بھیجے دیتا ہوں  
 تاکہ وہ تمہارا خط پڑھیں اور جو مناسب سمجھیں جواب دیں۔ اس کے بعد دریافت کیا کہ تمہارا مطلب  
 کیا ہے اور کیا پیام لے کر آئے ہو؟ حضرت عمروؓ نے عاصؓ نے اتنی گنجائش کو غنیمت سمجھا اور دلیرانہ طرز پر نرم  
 الفاظ میں اس طرح تبلیغ فرمائی کہ ”میں تم کو بلاتا ہوں اللہ وعدہ لا شریک کی جانب کا اس کے مساوا  
 سب کی عبادت چھوڑ دو اور گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔“  
 حضرت عمروؓ کے والد عاص بن وائل سے شاہِ عمان اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ کی طرف جلدی کے بیٹوں جعفر اور عبد کی طرف (پیام ہے کہ) سلام اس پر جس نے  
 ہدایت کا اتباع کیا۔ انا بعد میں تم دونوں کو بلاتا ہوں اسلامی دعوت کے مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے۔ پس بیشک میں اللہ کا پیغمبر  
 ہوں تمام لوگوں کی جانب تاکہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہے اور ثابت ہوئی کافروں پر سو بیشک اگر تم دونوں نے اقرار  
 کر لیا اسلام کا تو میں تم کو بحال رکھوں گا تمہارے ملک پر اور اگر انکار کیا اسلام کا اقرار کرنے سے تو بلاشبہ تمہارا ملک جاتا رہنے والا  
 ہے اور گھوٹے تمہارے میدان میں حملہ کرتے (نظر آئیں گے) اور میری نبوت تمہاری سلطنت پر غالب آکر رہے گی۔ ۱۲ منہ



اپنی قوم قریش کے سرداروں میں شمار ہوتا ہے اس لئے دریافت کیا کہ ملے عمر و اہم اپنی قوم کے سردار کے لئے  
ہو بتاؤ تمہارے باپ کا محمدؐ کے متعلق کیا خیال رہا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ ایمان نہیں لایا اور  
حالت کفر میں مر گیا۔ مگر آج میری تمنا یہی ہے کہ کاش وہ حضرت پر ایمان لے آتا اور میں بھی اپنے باپ  
ہم خیال تھا مگر الحمد للہ کہ مجھ کو ہدایت اور اسلام کی توفیق ہوئی۔ عبد نے کہا کہ تم نے محمدؐ کا اتباع کیا  
اور کہاں کیا؟ انہوں نے کہا کہ تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ حبشہ میں شاہ حبش حضرت امجد کے ہاتھ  
مسلمان ہوا ہوں۔ شاہ عمان کو نجاشی کے مسلمان ہو جانے پر تعجب ہوا اور پوچھا کہ نجاشی کی قوم نے اپنے باد  
کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ سب بدستور مطیع رہے اور اپنے بادشاہ کے طریقہ کو اختیار  
کرتے چلے گئے۔ عبد نے کہا کہ کیا علماء و صوفیائے نصاریٰ نے بھی کچھ مخالفت نہیں کی؟ حضرت عمرؓ  
نے جواب دیا کہ نہیں وہ بھی موافق رہے اور نبی عربی پر ایمان لے آئے۔ شاہ عمان یہ سن کر  
ہو گیا اور کہا کہ اے عمر! ذرا سنبھل کر کہو دیکھو شریف آدمی کے لئے جھوٹ سے زیادہ کوئی خصلت  
رسوا کن نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک جھوٹ بُری چیز ہے، نہ میں جھوٹ بولتا ہوں  
اور نہ جھوٹ بولنا اپنے مذہب میں جائز سمجھتا ہوں واقعی بات یہی ہے جو بیان کر رہا ہوں۔ یہ سن کر  
عبد بن جلدی نے کہا غالباً ہر قل شاہ روم کو اپنے ماتحت صوبہ کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع  
ہوئی ہوگی ورنہ ضرور کوئی گل کھلتا۔ عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ خبر کیوں نہیں ہوئی۔ ہر قل اس قصہ سے  
مطلع ہو چکا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ شاہ حبش شاہ روم کو جو خراج ادا کیا کرتا تھا وہ مسلمان ہونے کے  
بند کر دیا اور کہا کہ واللہ اب اگر ایک درہم بھی مانگے گا تو ہرگز نہ دوں گا۔ کسی نے یہ خبر ہر قل کو جا پہنچائی اور  
اس کے بھائی نیاق نے غضبناک ہو کر بھائی کو بھڑکایا بھی کہ کیا حبشی غلام کو اس حالت پر چھوڑ دیا جا  
گا کہ وہ آپ کو خراج بھی ادا نہ کرے اور آپ کے مذہب کو چھوڑ کر نوپید ادین کا معتقد بن جائے تو میری  
لے اس کا یہ جواب دیا کہ ہر شخص مختار ہے کہ اپنے لئے جو مذہب چاہے پسند کرے میں اس کا کیا کر سکتا  
ہوں اور واللہ اگر سلطنت کی محبت نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا۔

عبد بن جلدی نے یہ کلمہ سن کر حیرت کے ساتھ حضرت عمرؓ کو دیکھا اور کہا کہ دیکھو دیکھو اے عمرؓ  
کیا کہتے ہو؟ حضرت عمرو بن العاصؓ نے قسم کھائی اور فرمایا کہ قسم ہے حق سبحانہ کی میں جو کچھ کہہ رہا ہوں  
کہہ رہا ہوں۔ حضرت عمروؓ کی اس گفتگو کا عبد بن جلدی پر بہت کچھ اثر ہوا اور اس خیال کہ دعوت  
محمدؐ کا آوازہ حبش و روم میں گونج چکا ہے۔ مذہب اسلام کی عظمت شاہ عمان کے دل میں بیٹھتی جا  
گئی، آخر اس نے کہا کہ اچھا اے عمرو! تمہارے پیغمبر کس کام کا حکم دیتے اور کن باتوں سے منع کر



۴۸  
 ؟ عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا کہ سب سے اول اللہ عز و جل کی اطاعت کا امر فرماتے اور اس کی  
 امرانی سے منع کرتے ہیں۔ نیکو کاری و صلہ رحم کی تاکید فرماتے اور ظلم و زیادتی سے روکتے، زنا کاری اور  
 اب خواری سے منع کرتے اور پتھروں، مورتوں اور صلیب کی پرستش کی ممانعت فرماتے ہیں۔ شاہ  
 ان پر نصائح شن کر مسرور ہوا اور بے اختیار کہہ اٹھا کہ کیا عجیب و مرغوب احکام ہیں جن کے صاحب  
 مل کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اے کاش میرا بھائی بھی اس مضمون میں میری موافقت کرے تو ہم دونوں  
 صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں مگر میرے بھائی کو سلطنت کی محبت سے اس لئے امید نہیں کہ اس کا  
 بڑا ناگوار کرے۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا کہ ایسا خیال نہ کیجئے مذہبِ اسلام اور سلطنت میں منافات نہیں  
 روہ اسلام لے آئے تو بدستور ملک پر قائم رکھے جائیں گے البتہ زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے کچھ حقوق کا مطالبہ ہوگا  
 آپ کے اُمراء سے وصول کیا جائے گا اور آپ ہی کے فقرار و مساکین پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد  
 خوں نے مالی صدقات کی تفصیل بیان کی اور عبداللہ بن جلدی نے عمرو بن عاصؓ کو یہ کہہ کر رخصت  
 کر دیا کہ میں مناسب موقع دیکھ کر بھائی صاحب تذکرہ کروں گا تم چند روز توقف کرو اور کبھی کبھی مجھ سے ملے رہو۔  
 حضرت عمروؓ وہاں ٹھہرے اور عبداللہ نے اپنے بھائی جعفر سے وقتاً فوقتاً اس کا تذکرہ کرنا شروع کیا،  
 خراہک دن عربی قاصد کو جعفری دربار میں بلا بھیجا اور حضرت عمروؓ نے پھر کردہ خط جعفر کے حوالہ کیا جعفر  
 نے والا نامہ اول سے آخر تک پڑھا اور اپنے بھائی عبداللہ کے ہاتھ میں دے کر قاصد سے دریافت کیا کہ  
 شہزاد اور دیگر قبائل عرب کا ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ بعض نے برضا و خود  
 اتباع کر لیا ہے اور بعض نے تلوار کے خوف سے گردن جھکائی ہے اور اکثر نے تو اپنی اپنی سمجھ کے موافق  
 اللہ کی ہدایت کو مان ہی لیا ہے اور اس نواح میں مجز آپ کے کوئی نہ رہا جس نے ضلال پر ہدایت کو  
 ترجیح نہ دی ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ بھی اسلام قبول کریں اور اگر آج آپ نے انکار کیا تو یاد رکھئے کہ  
 بہت جلد جنگی گھوڑے اس میدان میں پہنچائے دکھائی دیں گے جو سبزہ کو پامال اور کھیتی کو برباد کر کے  
 چھوڑیں گے اور اگر آپ اپنے پیغمبر خدا کی دعوت کو قبول کر لیا تو مجھے امید ہے کہ اپنی حکومت پر بحال رکھے جائیں  
 گے اور کوئی گزند کسی قسم کا نہ پہنچے گا۔ جعفر نے یہ تقریر سن کر قاصد کو واپس کیا اور کہہ دیا کہ آج مجھے غور  
 کرنے کی ہمت دو اور کل آؤ تاکہ جواب فیصل دیدوں۔ چنانچہ حضرت عمروؓ وہاں سے لوٹ کر عبداللہ بن  
 جلدی کے گھر آئے اور عبداللہ نے اطمینان دلادیا کہ آج کی گفتگو سے امید یہودی معلوم ہوتی ہے اگر  
 بھائی صاحب نے ملک کی زیادہ حرص نہ کی تو توقع ہے کہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔ آخر اگلے دن ہوا تو  
 حضرت ابن العاص جعفری دربار کی طرف چلے مگر چوہدریوں نے روک دیا اور باریابی نہ ہوئی اس لئے



پھر عہد کے پاس آئے اور صورت حال بیان کی، تب عہد نے اُن کو اجازت دلوائی اور جیفر بن جلدی جواب دیا کہ "بلا جلال و قتال اپنا مملوکہ مال کسی شخص کے حوالہ کر دینا بڑی کمزوری کی علامت ہے اور اگر اس میدان میں جنگ ہوئی تو وہ کوئی معمولی جنگ نہ ہوگی۔"

عمر بن عاصؓ یہ گفتگو سن کر جیفر کے ایمان سے یابوس ہوئے اور یہ کہہ کر وہاں سے واپس ہوئے کہ "بہتر ہے میں کل کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔" جیفر کو جب یقین آ گیا کہ راست گو قاصد کل کو روانہ ہو جائے گا اور اب جنگ کا ہولناک منظر قسمت کا فیصلہ کرے گا تو اپنے بھائی عہد کو خلوت میں لے گیا اور دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتا رہا کہ مدعی نبوت کے ساتھ جن کی ہدایت سلاطین و حبش کے دلوں پر بیٹھ چکی ہے، ہمیں کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ آخر اتباع ہی میں بہبودی دیکھ کر حضرت ابن العاصؓ کو دوبارہ بلایا اور دونوں بھائیوں نے متفق اللفظ ہو کر اپنے اسلام کا اظہار کر دیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کے ہر فیصلہ و حکم پر بخوشی راضی ہیں چنانچہ حضرت واپس ہوئے اور حضرت کو اس کی اطلاع دے کر مسرور بنایا۔

ساتواں خط پیام کے حاکم ہوزہ بن علی کے نام لکھا گیا اور حضرت سلیط بن عمرو عامری کے ہاں روانہ ہوا اس کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى هُوَذَةَ ابْنِ عَلِيٍّ سَلَامٌ عَلَى مَنْ آمَنَ الْهُدَى وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيُظْهِرُ إِلَى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَاظِرِ فَاسْلِمُوا وَسَلِّمُوا وَاجْعَلْ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ حَضْرَتِ سَلِيطُ بْنُ يَمَامٍ پینچر والا نامہ ہوزہ کے حوالہ کیا اور منتظر جواب ہو کر قیام فرمایا۔ ہوزہ نے ان کی خوب عظمت کی، خلعتِ فاخرہ دیا اور ہجر کی بیش قیمت مصنوعات کا حملہ دے کر والا نامہ جواب باپ مضمون لکھ کر واپس کیا کہ جن باتوں کی طرف آپؐ بلاتے ہیں ان کے پیارے اور مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ اہل عرب مجھ کو بڑی عظمت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اُن کے دلوں میں میری ہدایت بھی ہوتی ہے اس لئے ملک کا کچھ حصہ بانٹ لے اور مخصوص اختیارات میرے حوالے کر دیجئے، تب میں آپ کا اتباع کر لوں گا۔"

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوزہ بن علی کی طرف (پیام ہے کہ) سلام اس پر جس نے ہوزہ کا اتباع کیا اور معلوم کر لو کہ میرا دین عنقریب ظہور پائے گا جہاں تک بھی اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکیں۔ پس اسلام لے لے سلامتی پاؤ گے اور کچھ تمہارے قبضہ میں ہے بحال رکھوں گا۔ ۱۲ منہ



حضرت سلیمان علیہ السلام سے روانہ ہوئے اور محلہ و خلعت جو کچھ ملا تھا حضرت کے سامنے رکھ کر خط حوالہ اور صورت حال بیان کر دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط دیکھ کر یوں ارشاد فرمایا کہ "ایک پورے برابر زمین بھی مانگے گا تو نہیں مل سکتی۔ وہ اور اس کا مال و متاع غنیمت مانگے والا ہے۔" چنانچہ جس وقت آپ فتح مکہ کے سفر سے واپس ہوئے، جبریل امین نے وحی پہنچائی کہ اطلاع دی کہ ہوزہ دنیا کو چھوڑ گیا اور راہی ملک بقاء ہوا۔ حضرت نے اس کی اطلاع صحابہ کو دی اور یہ بھی فرمایا کہ پیام میں ایک جھوٹا مدعی نبوت پیدا ہوگا جو میرے بعد قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ سید کذاب کا وجود جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اس پیشین گوئی کا مصداق ہوا اور خلافت مدنی میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ ہوزہ کے پاس ایک نصرانی مذہب و مشقی عالم رہتا تھا جس سے ہوزہ نے مشورہ لیا اور والانامہ و دعوت اسلام کا قصہ بیان کیا تھا۔ اُس نے اس کو نصیحت کی تھی کہ تمہاری فلاح اسی میں تھی کہ اطاعت کرتے کیونکہ محمد ہی وہ نبی عربی ہیں جن کی بشارت سیدنا عیسیٰ بن مریم نے دی ہے اور ہمارے پاس انجیل میں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، مگر چونکہ ہوزہ کی تقدیر میں ایمان نہ تھا اس لئے وہ صرف اس دامن سے کہ ملک ہاتھ سے جا رہا ہے کا اور بٹ کر رہنا پڑے گا، نعمتِ آخرت سے محروم رہا۔

انھوں خطِ حدیبیہ سے واپسی کے وقت غوطہ و مشق کے حاکم حارث بن اشم غسانی کے نام لکھا گیا جس کو لے کر حضرت شجاع بن وہب روانہ ہوئے، اس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولُ اللَّهِ إِلَى الْخَيْبِ بْنِ أَبِي شَمْرَةَ سَلَامٌ عَلَى مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ  
وَأَمِنْ بِهِ وَصَدَّقَ دَائِي أَدْعُوكَ إِلَى أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ يَبْقَى لَكَ مُلْكُكَ

نواں خط جبکہ بن ایہم غسانی کے پاس شجاع بن وہب کے ہاتھ بھیجا گیا۔ اور دسواں والانامہ بین کے بادشاہ حارث بن عبد کلال حمیری کے نام لکھا گیا جس کو لے کر ہاجر بن ابی امیہ مخزومی روانہ ہوئے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ملک عرب میں شعر و شاعری اور علم انساب کا چرچا نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا مگر یہ سب محض زبانی تھا جس کا مدار صرف حافظہ اور گویائی پر تھا اور تحریر کا رواج مطلق نہ تھا بلکہ حروف کی کوئی صورت بھی نہ جانتا تھا کہ آلف۔ با۔ تا کی شکل کیا ہے اور کتابت کس کو کہتے ہیں؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کہ، سلام اس پر جس نے ہدایت کا آئینہ لایا اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی، اور میں تم کو بلاتا ہوں اس امر کی جانب کہ ایمان لاؤ اس پر جو یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں تمہارا ملک تمہارے لئے بحال رہے گا۔ آمین



کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اشخاص جنہوں نے کتابت نسخ کے فن کی بنیاد ڈالی قبیلہ بنی طلحہ کے تین افراد ہیں جن کے نام مرامرہ، اسلم اور عامر ہیں انہوں نے قدرتی ذکاوت کی بنا پر یکجا جمع ہو کر حروف کی شکل اور وضع قرار دی اور حروف تہجی اس ترکیب سے مقرر کئے جس طرح سریانی زبان میں تھے جب یہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہو چکے اور نقوش و صورت حروف کے ساتھ ان کی باہمی ترکیب پر قابو ہو گیا تو باشندگان حیرہ نے اس فن کو ان سے سیکھا۔ حیرہ والوں کا ایک شاگرد جس کا نام بشیر بن ولید تھا اور دوسرا الجندل کا رہنے والا بغرض زیارت کعبہ یا اور کسی ضرورت کے آقا ابوسفیان بن حرب کے جو امیر معاویہ کے والد تھے ملا ابوسفیان نے فن کتابت عربی کے سیکھنے کی بشیر سے درخواست کی۔ چنانچہ ابوسفیان اور ابوقیس بن عبد مناف دو شخص مکہ میں بشیر کے شاگرد بنے۔ بشیر تو لکھنا سکھا کر چلا گیا اور ان دونوں نے اہل طائف کو جہاں بغرض تجارت ان کی آمد و رفت رہتی تھی تحریر سکھائی اور اس طرح پر فن کتابت میں رائج ہوتا رہا۔

ملک مصر اور شام میں بھی بہت لوگ بشیر بن ولید کے شاگرد بنے مگر اہل عرب چونکہ اپنی ہمت کے پکے اور قہم کے محتاج ہونے سے غیر مانوس تھے اس لئے بہت ہی سست رفتار پر چلے اور کتابت کی تعلیم و تعلم کو زیادہ قدر کی نظر سے نہیں دیکھا تاہم جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قبیلہ قریش میں سترہ شخص صاحب علم موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن عفانؓ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

قریش کے علاوہ دیگر قبائل جو عرب میں آباد تھے رفتہ رفتہ وہ بھی اس فن کو سیکھتے گئے اور اس طرح حجاز کے اکثر قبیلوں میں اس کا رواج ہو گیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں بھی اسلام سے پہلے تحریر کا رواج تھا اور انصار اپنے ان قصائد و اشعار کو بذریعہ کتابت قلم بند کرنے لگے تھے جو اب تک حافظہ اور زبان پر تھے اس فن کتابت سلسلہ علم کے بقا کا وہ ذریعہ اہل عرب کے ہاتھ آگیا جس نے ان کی زبانی روایتوں کو محفوظ بنا کر دور کے زمانوں اور مقامات میں پہنچا دیا۔ آغاز اسلام یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو تحریری سرمایہ مسلمانوں کا مایہ ناز ہے وہ قرآن مجید کی متفرق آیات و سورتیں صلح حدیبیہ کے معاہدے وغیرہ اور وہ خطوط مسطورہ ہیں جو بارگاہ رسالت کے سلاطین عالم کی طرف بھیجے گئے مگر بعد میں اس فن کی بدولت جو نعمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی وہ ایسی با عظمت ہے کہ گویا اس کے بغیر ان کو اسلام کا پہنچنا ہی ناممکن تھا۔ چنانچہ زمانہ صدیقی میں جمع قرآن اور اس کی کتابت اور خلافت فاروقی و عثمانی میں اس کی جامع مانع تدوین مسلمانان ہند و فارس و روم و روس وغیرہ اس بار احسان



حقتہ دوم  
 امت تک مسکد و ش نہ ہونے دے گی اور خلفاء بنی اُمیہ و عباسیہ کے دور میں تو جو کچھ اس کے پھیل پھول  
 لے اُس کا پتہ اُن عظیم الشان شاہی کتب خانوں سے چلتا ہے جن میں ہر فن اور ہر علم کی کتابیں بخط نسخ لکھی  
 تی پائی گئیں اور جس کی بنا پر وہ بے بہا اور بھرپور اسلامی علمی سرمایہ اپنی ندرت و کثرت کے اعتبار سے  
 اہل اقوام میں ضرب المثل بنا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ امت محمدیہ مذہبی علم  
 علاوہ جملہ فنونِ نافعہ کی معدن و منبع بنے اس لئے اس کا ذریعہ بعثتِ محمدیہ سے چند سال قبل پیدا  
 پایا اور یہ شرف بھی جس کے احسان سے قیامت تک آنے والی نسلیں سرنگوں میں باشندگانِ مکہ میں قریش ہی کے  
 والہ کیا کہ وہی اُستاذِ کل اور معلمِ اول قرار پادیں۔

چونکہ زمانہ نبوت کی روش کتابت بھی جُدا تھی اس لئے وہ طرز دکھانے کے لئے حضرت منذر بن ساوی  
 نے نام والا نامہ کی نقل پر یہ ناظرین کر کے اس حصہ کو ختم کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم. محمد رسول الله الى المنزلة. ساوی  
 سلام علیک خاتی احمد الله الیک الزی لا اله غیرہ و  
 اشهد ان لا اله الا الله و اک محمد عبده و رسوله اما  
 بعد خاتی از حمد الله عزوجل خاتہ من ینفد فالعائن بعد  
 لنفسه و انه من طهر سلو و یتبع امرهم فقد اطاع و من بعد  
 لیو فقد نعد و اک رسد قد اثنوا علیک خیرا و ان قد  
 شفعتک فی قومک فاترو سلیعوا ما اسلموا علیہ و عفوت من اهل  
 الذنوب فاقبل منهم و انک معا بعد فاک نعلد من بعد  
 و اتام علی یهودیة او یحوسیة فعلیہ البزیه



گو اس نقل میں پورا نمونہ جو نوٹ کے چربہ میں ہے نہیں آیا تاہم درستی حروف کے ساتھ پوری کوشش  
 کی گئی ہے کہ نقل میں اصل کی جھلک صاف نظر آجائے۔ حق تعالیٰ بندہ کی اس خدمت کو قبول فرما دے  
 اور توفیق بخشے کہ حصہ سوم جس میں وصالِ نبوی تک کے حالات درج ہوں گے پورا ہو جائے جس کا  
 تدہائے دراز سے مسلمانوں کو انتظار ہے اور میں بھی اس کو اپنا زندگی کا کارنامہ و صدقہ جاری قرار  
 دینے کا اُمید دار ہوں۔ آمین امین بحاجۃ سیدنا و مولانا شفیع الکاظمین و بحرۃ نبیہ الامین  
 و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و صلے اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی الہ و اصحابہ  
 و ازواجہ و ذرئائہ اجمعین برحمتہ یا ارحم الراحمین



# فہرست مضامین تاریخ اسلام

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
			<b>حصہ دوم</b>
۲۴۵	باب ۵ مصالحت اور اس کی پابندی	۱۴۰	باب ۳۲ مدینہ طیبہ کی پہلی آبادی
۲۵۰	باب ۵ غابہ اور فتح خیبر	۱۴۲	باب ۳۳ مدینہ میں انصار کی آبادی
۲۵۴	باب ۵ ابوبصیر اور ابوالعاص	۱۴۶	باب ۳۴ حضرت ابوالیوب انصاری کا شرف
۲۶۲	باب ۵ خطوط اور تحریری دعوت اسلام	۱۴۸	باب ۳۵ مسجد قبا اور مسجد نبوی اور مسجد جمعہ
۲۶۸	باب ۵ خسرو پرویز اور باذان	۱۵۲	باب ۳۶ سلمہ نبوی عبد اللہ بن سلام اور
۲۷۰	باب ۵ نجاشی و مقوقس اور منذر بن سادہ	۱۵۴	سلطان فارسی رضی اللہ عنہما کا اسلام
۲۷۵	باب ۵ شاہ عمان و حاکم یمامہ	۱۶۰	باب ۳۷ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور اذان کی مشروعیت
	<b>حصہ سوم</b>	۱۶۳	باب ۳۸ نبوی سیاست اور جہاد کی اجازت
۲۸۳	باب ۶ سلمہ سرایا اور غزوة القضا	۱۶۲	باب ۳۹ سلمہ غزوات و سریات
۲۹۲	باب ۶ منیر نبوی اور غزوة موتہ	۱۷۹	باب ۴۰ سلمہ بدر میں جنگ اور اس کا نتیجہ
۲۹۹	باب ۶ سلمہ ذوالخلفہ اور ذات السلاسل	۱۸۲	باب ۴۱ سلمہ بدر کے قیدی اور مال غنیمت
۳۰۲	باب ۶ سلمہ غزوة مکہ کی تیاری اور	۱۸۶	باب ۴۲ نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا اور غزوة سویق
۳۰۶	حاطب بن ابی بلتعہ	۱۹۱	باب ۴۳ سلمہ بنی قینقاع اور کعب بن اشرف
۳۱۰	باب ۶ جنگ کی تیاری	۱۹۸	باب ۴۴ دوسری جنگ یعنی غزوة اُحد
۳۱۲	باب ۶ فتح مکہ	۲۰۴	باب ۴۵ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت
۳۲۵	باب ۶ مجرموں کے انجام اور مکہ کی	۲۰۸	اور جنگ کا نتیجہ
	سیاست و انتظام	۲۱۰	باب ۴۶ حرمہ الاسد اور رجم
	باب ۶ سلمہ غزوة حنین اور	۲۱۲	باب ۴۷ سلمہ سولی اور اس کا انجام
	غزوة طائف	۲۱۴	باب ۴۸ سلمہ برمعونہ
	<b>حصہ چہارم</b>	۲۱۵	باب ۴۹ سلمہ بنی نضیر پر چڑھائی
۳۳۸	باب ۷ سلمہ بنی تمیم اور تحصیل	۲۲۲	باب ۵۰ سلمہ بدر صغریٰ اور دوسرے الجندل
۳۴۳	زکوٰۃ و صدقات	۲۲۸	باب ۵۱ سلمہ غزوة مریح اور حضرت
۳۵۰	باب ۷ سلمہ غزوة تبوک	۲۳۳	صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بیعت ان
۳۵۹	باب ۷ مسجد ضرار اور متخلفین	۲۳۶	باب ۵۲ سلمہ غزوة خندق
۳۶۹	باب ۷ سلمہ وفود اور فرقت ج	۲۴۰	باب ۵۳ سلمہ جنگ بنی قریظہ
۳۷۵	باب ۷ سلمہ حجة الوداع		باب ۵۴ ابورافع کا قتل اور عمر بن عاص کا اسلام
۳۸۵	باب ۷ سلمہ مرضی و وفات		باب ۵۵ سلمہ بنی لحيان اور عربین
	باب ۷ تدفین و خاتمہ		باب ۵۶ سلمہ حدیبیہ و بیعت رضوان







## حصہ سوم

## باب ۶۳-۵۷

## سرایا اور عسکر القضا

فتح خیبر کے بعد آخر ماہ شوال تک آپ نے مدینہ میں قیام فرمایا اور مختلف سرایا اپنے صحابہ کی ماتحتی میں داخلہ آئے۔  
روانہ کئے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں چند صحابہ کا لشکر نجد کی جانب قبیلہ بنی فزارہ  
کے مقابلہ میں بھیجا گیا جو فتح مند و منصور واپس ہوا۔

دوسرا سریہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تین سو اوروں کا ہوا زن کی جانب بھیجا گیا  
مگر ہوا زن اس کی اطلاع پاتے ہی وطن چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس لئے اسلامی لشکر نے وہاں پہنچ کر جب  
کسی کو بھی نہ پایا تو واپس ہوا اور گوراہر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی ترغیب دی کہ چلتے چلائے  
قبیلہ خثعم پر حملہ کرتے چلیں جو اُس وقت خشک سالی سے بد حال اور قحط زدہ ہونے کے سبب کمزور  
بنے ہوئے ہیں مگر حضرت فاروقؓ نے گوارا نہیں کیا اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اس خدمت پر مامور نہیں فرمایا اور بلا اجازت رسالت پناہ مجھ کو قدم اٹھانا پسند نہیں ہے۔

تیسرا سریہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تین سو اوروں کا بشیر بن دارام یہودی  
کی جانب بھیجا گیا اس لئے کہ اُس نے بھی غطفان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر  
بھڑکایا تھا چنانچہ اسلامی لشکر خیبر میں داخل ہوا اور بشیر کو مع تین یہودیوں کے جن میں یہودی  
کے ساتھ اونٹ پر ایک مسلمان سوار تھا مدینہ لے چلے تاکہ حضرت خود ہی جو مناسب تصور فرماویں فیصلہ  
فرماویں راستہ میں مقام قرقرہ پر جو خیبر سے چھ میل ہے بشیر کی نیت بگڑی اور اُس نے اپنے رفیق حضرت  
عبداللہ بن انیس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ حضرت عبداللہ اس کی بدینتی سے آگاہ ہو گئے اور اونٹ  
کو ایڑ لگا کر قوم کو آواز دی کہ "جلد چلیں اور ہوشیار رہیں۔"

بشیر چونکہ موقع کا منتظر تھا اس لئے حضرت عبداللہ بھی ہوشیار رہے مگر آخر دونوں میں جنگ



ہوئی جس میں بشیر کا پاؤں کٹ گیا اور حضرت عبداللہ کے دماغ میں زخم آیا یہودی بد عہدی وغیرہ دیکھ کر مسلمانوں سے ضبط نہ ہو سکا اور ہر ایک نے ردیف کو قتل کر دیا۔ الغرض سارے یہودی مارے گئے اور بجز ایک شخص کے جو باندھا ہوا بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا، کوئی نہ بچا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن امیہ کے زخم پر لعاب مبارک لگایا جس نے مرہم اکسیر کا کام دیا اور پھر بدت العمران کے شر میں نہ کبھی درد ہوا نہ درم۔

چوتھا سریہ حضرت بشیر بن سعد انصاری کی ماتحتی میں تین صحابہ کا بجانب فدک بنی مرہ کے مقابلہ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے اور مویشی جو جنگل میں چر رہے تھے اپنے قبضہ میں کر کے مدینہ کا رخ کیا۔ بنی مرہ کو اپنی بکریوں اور اونٹوں کا ایسی سہولت کے ساتھ دشمنوں کے حوالہ کر دینا کب گوارا ہو سکتا تھا اس لئے اطلاع پاتے ہی نکل پڑے اور آخر رات کے وقت اسلامی لشکر تک پہنچ گئے مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن سروں پر آہینا تو ٹھہر گئے اور تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی یہاں تک کہ تیر ختم ہوئے اور بعض مسلمان خالی ہاتھ ہو جانے کے سبب وہاں سے چل دیے۔ صبح ہوئی تو حضرت بشیر نے جنگ شروع کر دی مگر دشمن کی تعداد زیادہ تھی اس لئے اکثر مسلمان شہید ہوئے اور بنی مرہ اپنے مویشی لے کر چل دیے۔ حضرت بشیر بھی تھوڑی دیر کے بعد فدک کی طرف روانہ ہوئے اور چند روز وہاں قیام فرمایا یہاں تک کہ جب زخم اچھے ہو گئے تو روانہ ہوئے اور بحیرت مدینہ منورہ آ گئے۔

پانچواں سریہ قبیلہ جہینہ کے حرقات کی جانب روانہ ہوا۔ حضرت آسامہ بن زیدؓ سے یہ غلطی کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے شخص یعنی نہیک بن مرواس کی نیت کو تغیر پر محمول کر کے قتل کیا، اسی واقعہ میں ہوئی۔ جس کو سنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور بار بار فرمایا کہ اے آسامہ! تمہارا کون سا تہ دے گا جب کہ قیامت کے دن کلمہ لا الہ الا اللہ سے منازعہ ہوگی؟ یہاں تک کہ حضرت آسامہؓ نے بائیں تمنا توبہ کی کہ کاش آج اسلام لایا ہوتا کہ مسلمان بن کر اس غلطی کا ترک نہ ہوتا اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کو قتل کروں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ فتح حاصل ہوئی اور ہر مسلمان کے حصہ میں دنل ادنٹ کے برابر غنیمت حاصل ہوئی۔

چھٹا سریہ حضرت غالب بن عبداللہ کلبی کی ماتحتی میں قدیدہ کی جانب بنی الملوچ کے مقابلہ کو بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ بے خبری میں شب کے وقت دشمن پر چھاپہ ماریں۔ چنانچہ حضرت غالبؓ روانہ ہوئے اور قدیدہ کے قریب پہنچ کر حارث بن مالک لیشی سے ملے جو مسلمان ہونے کی نیت نکلے تھے،



حضرت غالب نے اُن کو گرفتار کر لیا اور یہ فرما کر کہ ہم کو احتیاط کی بہت ضرورت ہے پس اگر اسلام کا شوق تھا سچا ہے تو ایک دن رات بندھا رہنا تم کو کچھ مُضر نہ ہوگا۔ اُن کی مشکلیں باندھ کر ایک شخص کے حوالہ کر دیا اور تاکید فرمادی کہ اگر بدبختی دیکھو تو فوراً اگر دن اُڑا دینا۔ اس کے بعد آگے بڑھے اور جب بعدِ عصر قیدی کی حد میں داخل ہو گئے تو حضرت جندب بن مکیت جہنی آبادی کے متصل ٹیلہ پر جا سوس بنا کر اس لئے بھیجے گئے کہ دشمن کی تعداد اور حالت کا پتہ چلائیں۔ چنانچہ حضرت جندب ٹیلہ پر چڑھے چونکہ شام کا وقت تھا اور آفتاب غروب نہ ہوا تھا اس لئے ایک دشمن نے دیکھ پایا اور محسن اس گمان پر کہ کوئی دشمن معلوم ہوتا ہے تیر کھینچ مارا جو حضرت جندب کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا مگر انھوں نے اُف نہ کی اور آہستہ سے اُس کو نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ دشمن نے پھر دوسرا تیر مارا اور وہ اُن کے شانہ میں لگا مگر اس پر بھی انھوں نے حرکت نہ کی اور نکال کر اُس کو بھی پاس رکھ لیا۔ دشمن نے یہ سمجھ کر کہ آدمی ہوتا تو گرتا یا بھاگ جاتا، نظر کو شبہ ہوا ہے خاموشی اختیار کی اور بی بی سے یہ کہہ کر کہ صبح کو میرے تیر ڈھونڈھ لائو اپنے کام میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ جب تہائی رات گزری اور سب اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر عالمِ خموشاں میں آئے تو آوازِ تکبیر سنائی ہوئی اور دفعۃً اسلامی لشکر نے حملہ کر دیا جس پر قدرتِ پائی قتل کیا اور مویشی وغیرہ جو ہاتھ لگے لیکر وہاں سے چل دیئے۔ راستہ میں حارث بن مالک کو جنھیں قیدی بنا کر ایک صحابی کی حراست میں چھوڑا تھا ساتھ لیا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔

بنی الملوح نے اپنے دشمن کی یہ جرات دیکھی تو غصہ میں بیتاب ہو گئے اور اسی سہرا کی پی گروہا کر وہ تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ چند میل پر مسلمانوں کو پکڑ لیا اور صرف ایک جنگل کا فصل رہ گیا جو قدرتی نشیب کے سبب سیل بنا ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مسلمانوں کا حامی فضلِ خداوند نہ ہوتا تو بنی الملوح کی جماعت سب کو قتل کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ تھی مگر حق تعالیٰ کو نجاتِ موسویؑ کا دکھانا منظور تھا اس لئے جس وقت اسلامی لشکر سیل میں پہنچا تو دفعۃً پانی کا سیلاب آیا جس نے دشمنوں کے پاؤں پکڑ لئے کیونکہ ادھر مسلمان اس نشیب کو باطمینان قطع کر رہے تھے اور ادھر بنو یلیع بنظرِ حسرتِ یاس کھڑے ہوئے ان کو تنگتے تھے نہ اتنی ہمت تھی کہ تیز رو میں قدم ڈالیں اور نہ غیرت و غصہ تقاضا کرتا تھا کہ بے نیل مرام واپس ہوں۔ آخر اسلامی لشکر سالماً غانماً مدینہ پہنچ گیا اور بنو یلیع کے ہاتھ نہ کوئی مسلمان آیا نہ اُن کے چھنے ہوئے آل کا کوئی حصہ۔

چند روز بعد حبیل بن نویرہ خبر لایا کہ یمن و غطفان اور حیان و عیینہ مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں

لے رہے تھے سفرِ خیبر میں اسلامی لشکر کا راہبر بنایا گیا تھا یہ ساتواں سرے ہوا۔ ۱۲ منہ



کر رہے ہیں اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس کی روک تھام کی جائے۔ چنانچہ آپ نے اہل الرائے صحابہ کو جمع فرما کر مشورہ کیا اور حضرت بشیر بن سعد کو تین سو مسلمانوں کا سپہ سالار بنا کر بیل بن نویرہ ہی کی رہبری میں خیبر کی طرف روانہ فرمایا تاکہ دنوں چھپتے اور راتوں چلتے باغی جماعتوں تک اچانک پہنچیں اور موقع پا کر بحسن تدبیر چھاپہ ماریں، چنانچہ یہ لوگ روانہ ہوئے اور منزل مقصود پر پہنچے۔ حضرت بشیرؓ نے حکم نبوی کی پوری تعمیل کی اور صبح ہوتے دشمنوں کے موشیوں پر جو آبادی سے باہر پڑے ہوئے تھے جاقبضہ کیا۔ دشمنوں کو خبر ہوئی تو بھاگ نکلے اور تتر بتر ہو کر ادھر ادھر جا چھپے۔ چنانچہ سلامی لشکر آبادی میں داخل ہوا تو گھروں کو خالی اور بلا مکین کے پایا اس لئے موشی لیکر واپس ہوئے۔ مقام سلاح پر پہنچے تھے کہ عینہ کا جاسوس نظر پڑ گیا اس لئے اُس کو مار ڈالا مگر اُن کو خبر نہ تھی کہ عینہ کی جماعت بھی قریب ہی پڑی ہے کیونکہ آگے بڑھے تو دفعہ دشمنوں کی جماعت سے ٹکھ بھڑ ہو گئی اور ہواناک جنگ سے بہادروں کے حوصلے نکلنے شروع ہو گئے۔

حق تعالیٰ کی غیبی نصرت جس نے ہمیشہ مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ چونکہ یہاں بھی صحابہؓ کے قدم چومنے کو موجود تھی اس لئے چند ہی گھنٹے میں فتح کے آثار نمودار ہو گئے اور باغیوں کے دلوں میں ایسا رعب چھایا کہ سب بھاگ نکلے یہاں تک کہ خود عینہ جو لشکر کا سردار اور سرد آرمہلوان کہلاتا تھا گھوڑ پر اڑ لگائے بدحواس بھاگتا اور کہتا جاتا تھا کہ ”ٹھہرنے کا کام نہیں پیچھے سے دشمن پکڑنے کو چلا آ رہا ہے“ مسلمانوں نے دشمنوں کی یہ بدحواسی دیکھی تو تعاقب کیا اور مال و اسباب کے علاوہ دو آدمیوں کو گرفتار کر کے مدینہ کا رخ کیا۔ غرض بعافیت تمام اپنے وطن پہنچے اور مال غنیمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا۔ دونوں گرفتار ان بلا قیدی چونکہ مسلمان ہو گئے، اس لئے رہا کر دیئے گئے اور مال و اسباب تقسیم ہو کر مجاہدین کے قبضہ و تصرف میں آیا۔

اس کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ جشم بن معاویہ کا سردار رفاعہ بن قیس ایک بڑی جماعت لیکر غابہ میں مقیم ہے تاکہ بنی قیس کی عداوت کو مشتعل کر کے مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کرے اس لئے آپ نے حضرت ابو خذاد سلمیٰ کو بلایا اور صرف دو مسلمان صحابہ کو ساتھ کر کے ارشاد فرمایا کہ بنام خدا جاؤ اور رفاعہ کی پوری اطلاع لیکر آؤ کہ کیا کر رہا ہے۔ چنانچہ تینوں حضرات ایک دہلی اونٹنی پر جو لا غری کے سبب اُٹھ بھی نہ سکتی تھی روانہ ہوئے۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ یا تو چلتے وقت اُس اونٹنی کو مشکل لوگوں نے اُٹھایا تھا اور یا غروب آفتاب سے قبل اس نے تینوں مسلح سپاہیوں کو منزل مقصود پر پہنچا بھی دیا۔ چنانچہ حضرت ابو خذاد اترے اور اپنے دونوں



رفیقوں کو پہاڑی ٹیلہ کی اوٹ میں چھپ بیٹھنے کی باہن الفاظ نصیحت فرما کر کہ ”جس وقت تکبیر کہوں تو فوراً میرا ساتھ دینا“ خود بھی ایک کین گاہ میں چھپ رہے۔

رات ہو گئی اور شب کی تاریک چادر نے پہاڑی ریگستانی کو ڈھانپ لیا۔ طیور اپنے آشیانہ میں آرام کرنے لگے اور عشاء کے قریب چار طرف سناٹا چھا گیا۔ ابو حذافہ اس انتظار میں کہ وقت تو اپنا کام بناؤں تاکہ لگائے بیٹھے تھے کہ کسی آنے والے کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی اور انہوں نے ہوشیار ہو کر اپنی تیز نگاہ سے اُس کا تعاقب کیا۔

ان کو خبر نہ تھی کہ جس شکار کی طبع میں گھر سے نکلے ہیں اس کو موت کا لاسہ ان کے پاس ہی کھینچے لارہا ہے اور وہ رفاعہ جس کی اطلاع لانے کو مامور ہوئے ہیں قتل ہونے کے لئے کشاں کشاں چلا آ رہا ہے اس لئے کہ اتفاق سے اُس دن موشیوں کا چرواہا اتنی رات گئے تک آبادی میں نہ پہنچا تھا اور اس کی تلاش میں خود رفاعہ بن قیس یہ کہہ کر کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے تلوار گردن میں ڈال کر تنہا اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا اور ہر چند کہ اس کی قوم نے ہمرکاب ہونے کی خواہش بھی کی مگر اس نے نہ مانا اور کسی ساتھ نہ لیا یہاں تک کہ حضرت ابو حذافہ کی کین گاہ پر گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور عین اُس مقام پر پہنچ گیا کہ ہوشیار تیرانداز کا نشانہ بن سکتا تھا۔ اس لئے ابو حذافہ نے وقت کو غنیمت سمجھا اور کمان کا چیل چڑھا کر ایسی شہست لگائی کہ تیر ہو پر اڑتا ہوا رفاعہ کی چھاتی میں لگا اور سوا دِ قلب میں اتر چلا گیا۔

رفاعہ کی زبان سے چیخ بھی نہ نکلی اور وہ وہیں گر کر چند منٹ میں ٹھنڈا ہو گیا۔ حضرت ابو حذافہ نے اپنے آپ کو کامیاب دیکھا تو لپکے اور رفاعہ کا سر کاٹ کر قبضہ میں کر لیا اس کے بعد باواز بلند تکبیر کہی اور تلوار لے کر لشکر میں کوڑ پڑے۔ ان کے دونوں رفیقوں نے جو آواز تکبیر پر کان لگائے بیٹھے تھے کلمہ اللہ اکبر سنا تو بالہر تکبیر کہتے ہوئے نکل پڑے اور بھرے دشمنوں پر جی توڑ کر حملہ کر دیا۔ بے خبر قوم جو حیر و اسے کی تاخیر سے متوحش بیٹھی تھی۔ اس وسوسہ سے کہ غنیمت آچر حاتین مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکی اور ہراسیمہ ہو کر ادھر ادھر بھاگ نکلی۔ فاتح مسلمانوں نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور غلام باندیاں مال و اسباب بکریاں اونٹ جتنا کچھ بھی لاسکے خاطر خواہ لے کر چلے گئے۔ چنانچہ بغایت تمام مدینہ پہنچے اور مال اسباب کے ساتھ رفاعہ کا سر حضرت ابو حذافہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا ڈالا۔ حضرت نے اس کامیابی پر مسرور ہو کر حق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا فرمایا اور حضرت ابو حذافہ کو جنہیں اپنے نکاح کے لئے ہر کی پوری مقدار ادا کرنی ضروری تھی مال غنیمت سے تیرہ چلا



لے عطا فرمائے۔

نواں سریہ رضم کی جانب روانہ کیا گیا جس میں ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ بھی شریک تھے اور اسی واقعہ عامر بن اضبط اشجعی جو السَّلامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہوئے گزرے محلم بن جثامہ کے ہاتھوں قتل ہوئے اس لئے سارے اسلامی لشکر نے ان کو مسلمان سمجھ کر اپنے ہاتھ روک لئے مگر محلم بن جثامہ کسی عداوت سابقہ پر وقت غنیمت سمجھ کر ان کا اسلام تقیہ اور نجات کے حیلہ پر حمل کر کے تلوار چلا بیٹھے اور ان کے مال و متاع قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ان کے بارے میں قرآن مجید بھی نازل ہوا کہ لے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں لڑ کر لیا کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور اس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ کیا تم ونبوی متاع چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں موجود ہیں تم بھی تو پہلے ایسے تھے پس اللہ نے تم پر احسان کیا اس لئے مناسب ہے کہ تعقیب کیا کرو بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے سریہ کے واپس آنے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ سنا تو بہت مغموم ہوئے اور بار بار فرمایا کہ اے محلم کیا تو نے قتل کیا اس کے بعد کہ مقتول نے ایمان کا اظہار کر دیا تھا اس کے بعد جب یحییٰ بن بدر نے عامر کے خون کا مطالبہ کیا اور اس پر مصر ہوئے کہ قاتل اور اس کے قبیلہ سے دلخواہ انتقام لیں گے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی سعی فرمائی اور آخر اقرع بن حابس کی کوشش سے عامر کی قوم ویت لینے پر راضی ہو گئی اور محلم کے لئے حضرت یحییٰ استغفار فرما کر قصہ رفع دفع کیا۔

دسواں سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمی کا ہے جن کو چند صحابہ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا اور وہ قشتیش آیا کہ کسی بات پر غصہ ہو کر انہوں نے آگ جلوائی اور لشکر سے کہا کہ اس میں گھس جاؤ اور چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیدیا ہے کہ امیر الجیش کی اطاعت منہ نہ پھیرنا اس لئے تم کو میرے حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ آمادہ ہو گئے اور بعض بائیں ٹھٹکے کہ گھربار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں تو اسی لئے آئے کہ آگ سے نجات ملے پھر آپ کا مطیع ہو کر آگ میں جانا کیوں کر جائز ہوگا۔ چنانچہ اس وقت بات رفع دفع ہو گئی اور واپسی پر جب حضرت کو اس قصہ کی اطلاع ہوئی تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر آگ میں گھس جاتے تو پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ امر غیر مشروع میں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں۔

خیبر کے بعد نجد کی جانب غزوہ ذات الرقاع ہوا جس میں ننگے پاؤں میں زخم اور چھالے ہو جانے کی وجہ

لے اس غزوہ کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مگر چونکہ اختلاف ہے کہ کس میں ہوا یا کس میں اس لئے تبعاً یہاں بھی محمل طور پر ذکر کر دیا ہو گا۔ سر میں بعض شہ میں ہوئے مگر چونکہ تاریخ متمیز نہیں ہوئی اس لئے سب کو خیبر کے ذیل میں ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲ منہ



مسلمانوں نے چھڑے باندھے تھے اور اس غزوہ کا نام غزوہ بنجد اور غزوہ بنی انمار بھی ہے۔  
ایسی سال مدینہ میں قحط بھی پڑا کہ معصوم و شیرخوار بچے بھی بھوک و پیاس سے ہلکنے لگے آخر ماہ رمضان المبارک میں جب کہ آپ جموعہ کے دن منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے صحابہؓ نے حضرت کے درخواست اور اپنے دعا فرمائی تو خوب پانی برسا اور قحط رفع ہو گیا۔

ذیقعدہ ۳۳ھ میں حسب قرار داد صلح آپ نے عمرۃ القضا کا تہیہ فرمایا اور حکم دیدیا کہ سفر حدیبیہ جو ساتھ تھے وہ ضرور چلیں۔ چنانچہ صحابہ جوق جوق ساتھ ہوئے اور جس وقت مقام یانج پر پہنچے تو نہ ہتھیار تیرکمان، بھالا نیزہ وغیرہ وہیں چھوڑے اور صرف تلواروں کو نیاں میں کئے ہوئے آگے بڑھے یہیں سے آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو مکر روانہ فرمایا کہ میمونہ بنت الحارث عامریہ کو حضرت نکاح کا پیغام دیں چنانچہ وہ آگے پہنچے اور حضرت میمونہ نے اپنا وکیل حضرت عباس کو بنایا جو ان پہنچتی تھے اس لئے کہ حضرت عباس کی بی بی ام الفضل حضرت میمونہ کی حقیقی بہن تھیں چنانچہ حضرت عباس نے اس رشتہ کو بڑی خوشی سے منظور کیا اور حضرت میمونہ بعوض چار سو درہم دین تہر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

جس وقت کہ مدینہ اسلامی دنیا کا دار السلطنت قرار پایا تھا اسلام کی شوکت ترقی کر رہی تھی اہل اسلام کی قوت و غلبہ کا نقارہ حجازی پہاڑیوں میں گونج رہا تھا۔ اہل مکہ کے کان بھی اس گونج سے نا آشنا نہ تھے اور اندیشہ تھا کہ عورتیں اور بچے جنہوں نے مسلمانوں کی قوت آنکھوں سے نہیں دیکھی مسلمانوں کی ہیبت سے متاثر نہ ہو جائیں اس لئے پیش بینی کے طور پر مشہور کر دیا کہ مسلمان جب سے مکہ چھوڑ کر گئے ہیں اب وہاں کی ناموافقت اور مدینہ کے و باقی بخاری وجہ سے بہت ناتوان بن گئے ہیں اس افواہ کے چار طرف پھیلانے سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان بیت اللہ کا طواف چونکہ سکون کے ساتھ کریں گے اس لئے ضعف و کمزوری کی تائید ہو جائے گی مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو چکا تھا اس لئے جس وقت صحابہؓ اپنے سردار کو اس طرح درمیان میں لیکر چلے جہت ہالہ اپنے بیچ میں قمر کو لے لیتا ہے تو آپ حکم دیدیا کہ مونڈھے کھولیں اور طواف کے تین چکروں میں سر نکال کر سپاہیوں کی طرح شانے ہلاتے اور بہادرانہ طرز پر اکڑتے ہوئے تیز قدم چلیں تاکہ مشرکین کے خیال کی عملاً تردید ہو جائے۔

بعض اہل مکہ ان ایام میں مکہ چھوڑ کر رشک و عناد کے سبب باہر جا رہے تھے تاکہ حضرت کو بااں جاہ و جلال آنکھوں سے نہ دیکھیں اور جو بچے بوڑھے اور عورتیں وغیرہ باقی رہے تھے وہ چونکہ وہ تحقیق



ہمٹ آتے تھے کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والے پر اس حد تک نظر ڈال سکیں جہاں رکن یمانی ہو اس لئے دوسری جانب اہل رفتار پر چلنے کی اجازت باقی رہی چنانچہ صحابہؓ نے اس کی تعمیل کی اور حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اپنی تلوار کو حائل کئے ہوئے اس مضمون کے دل سوز اشعار رجز پڑھتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی ہمارے ہمارے ہوئے آگے آگے چلے کہ اے کافروں کے بچو! ہٹو راستہ چھوڑو! ہم خداوندی ارشاد کے موافق حضرت پر ایمان لائے اور ایسی ضیافت تمہاری ہمائی کرنے کو تیار ہیں جو کھوپریوں کو بدن اور دوست کو دوست سے جدا کر دے گی۔

مسلمانوں کا انداز شجاعت دیکھ کر اہل مکہ خوف زدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ جھوٹی بات ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ کی ہوائے کمزور بنا دیا یہ تو پہلے سے بھی زیادہ چست اور قوی ہیں کہ بحالت طواف جب کہ ہر شخص نرم اور عاجزانہ رفتار سے چلتا ہے۔ ان کی طبیعتی جھتی ان کو سینہ نکالنے پر مجبور کر رہی ہے اب اگرچہ یہ وجہ باقی نہیں رہی مگر یہ حالت طواف کی سنت ہو کر باقی ہے اور قیامت تک رہے گی تین دن ختم ہوئے تو کفار مکہ کا حضرت علیؓ پر تقاضا ہوا کہ معاہدہ کے موافق مدینہ واپس ہوں، نیز سہل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ کی معرفت عین اس وقت جب کہ آپ انصار کی مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرت سعد بن عبادہ سے باتیں کر رہے تھے تقاضا پہنچا اور حویطب نے چیخ کر کہا کہ ہم تم کو اللہ تعالیٰ کی اور معاہدہ کی قسم دیتے ہیں کہ ہمارے ملک سے نکل جاؤ یہ سن کر حضرت سعدؓ نے غصہ میں جواب بھی دیا کہ تو جھوٹا ہے واللہ یہ تیری یا تیرے باپ دادا کی زمین نہیں ہے اور ہم ہرگز نہ جائیں گے مگر حضرت نے سختی کو پسند نہ فرمایا۔ البتہ نرمی کے ساتھ یوں جواب دیا کہ میں نے تمہارے کنبہ کی قریشیہ عورت سے نکاح کیا ہے سو اگر اتنی اجازت دو کہ ولیمہ یہاں کر لوں کہ اپنی جماعت کے ساتھ تم کو بھی شریک دعوت کر سکوں تو اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا مگر جب اہل مکہ نے اس کو بھی نہ مانا اور کہا کہ یہ تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں ہے۔ تو آپؐ ابورا فح کو جو آپ کے غلام تھے حکم دیدیا کہ کوچ کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ ان کی آواز سننے ہی سب سے سامان سفر باندھ لیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کے موافق تین دن قیام کے بعد مکہ سے روانہ ہو کر تہرانہ مقام پر قیام فرمایا اور ابورا فح کو بھیچے چھوڑا کہ اتم المومنین حضرت میمونہؓ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیتے آئیں چنانچہ وہیں خلوت فرمائی اور وہیں حاضر ولیمہ میں کھلایا گیا۔

حضرت میمونہؓ حارث کی بیٹی اور ازواج مطہرات میں سب کے بعد وفات پانے والی بی بی ہیں اور اتفاق سے ۳۳ء میں اسی مقام سرف پر وصال فرمایا جہاں خلوت کا اتفاق ہوا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ تہات المومنین میں سب کے بعد انتقال فرمانے والی حضرت صفیہؓ ہیں۔ واللہ اعلم۔ کچھ رات ہے اندھیرے



سے اسلامی لشکر نے سرف سے کوچ کیا اور وہ ماہ ذی الحجہ میں بعاثیت مدینہ پہنچے۔  
 مکہ سے چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی نو عمر صاحبزادی جو اس وقت تک مکہ میں تھیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر  
 چچا چچا پکارتی ہوئی پیچھے دوڑیں اس لئے حضرت علیؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا اور حضرت فاطمہؓ کے لالہ لالہ کی طرح پرورش کر کے  
 ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت حمزہؓ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی تھے جس کی بنا پر  
 نے آپ کو چچا کہا اور حضرت حمزہؓ چونکہ ابو طالب کے حقیقی بھائی تھے اس لئے حضرت علیؓ و جعفر ابن ابی طالب اس بچی  
 چچا زاد بھائی ہوئے البتہ حضرت جعفر کی بی بی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی لڑکی کی خالہ تھیں جس کی وجہ سے ان کو دونوں  
 خصوصیت تھی چنانچہ حضرت حمزہؓ کی تیمم بچی کی تربیت کے متعلق حضرت علیؓ و جعفر اور حضرت زید بن عاصہ میں اختلاف  
 ہوا اور ہر ایک نے اپنے رشتے اور تعلق یعنی قرابت و یگانگت کے استحقاق کو ظاہر کیا۔  
 حضرت زید بن عاصہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حمزہؓ سے اگرچہ کوئی نسبی رشتہ نہ تھا مگر ہجرت کے بعد صحابہ کی باہمی  
 مواخاۃ کے وقت چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دینی بھائی قرار دیا تھا اور  
 حضرت زید اس تیمم بچی کو اپنی بھتیجی سمجھتے اور یہی وجہ استحقاق قرار دے کر اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر  
 رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر کہ محبت میں خالہ بمنزلہ مال کے ہے حضرت جعفرؓ کو ترجیح دی اور  
 کے لئے تسلی بخش کلمات اس طرح فرمائے کہ اے علیؓ نسب اور دامادی کے تعلق سے تم میرے ہو اور میرے  
 اور اے جعفر! تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو اور اے زید! تم ہمالے دینی بھائی اور مددگار و غوث ہو  
 اس عمرۃ القضا کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہت ایسے ایسے مشہور آدمی جنہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
 ایذا رسانی اور جو بیانی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور مسلمانوں سے پہلے بھی جنگ کر چکے اور آئندہ برسر  
 لڑنے کے لئے مستعد تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و دریا دلی اور وعدہ وفائی و کریمانی  
 دیکھ دیکھ کر سچے مسلمان ہو گئے اور چند ہی روز بعد مکہ کو چھوڑ کر اس بادشاہ کے قدموں میں آ پڑے جس کے  
 سالہا سال سے گہری عداوت قائم کر رکھی تھی۔

## منبر نبویؐ اور غزوہ موتہ

جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے تو قبلہ بیت المقدس  
 تھا اور بنائے مسجد نبویؐ کی یہ صورت تھی کہ بحالت امامت آپ کا مسئلہ وہ جگہ تھی جہاں کھڑے ہو کر اسطو  
 خلق پشت کی جانب اور باب عثمان کی محاذات میں شام کی جانب اس وقت توجہ ہوتی ہے اور جب



بعد کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تو چودہ پندرہ دن آپ نے اسطوانہ مخلق کے پیچھے جس کو آب اسطوانہ عاتقہ کہتے ہیں نماز ادا کی اور اس کے بعد آپ کا قیام اُس جگہ متعین ہو گیا جہاں آب حرا اب قائم ہو گئی ہے۔ مسجد کی اُس تعمیر میں منبر بھی نہ تھا اور آپ کے متصل پچھان گئی جانب فرش پر کھڑے ہو کر خطبہ سناتے اور طول قیام کی وجہ سے کسل عارض ہوتا تو اُس لکڑی سے سہارا لیتے تھے جو وہاں نصب تھی۔ حج خیر کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ مسجد میں کچھ وسعت ہو جانی چاہئے۔ اس لئے آپ نے اس کی اصلاح فرمائی اور طولاً عرضاً سو سو گز مسجد کو وسعت دیدی۔ اسی اثنا میں ایک انصاریہ عورت کے غلام مہمون نجار نے درخواست کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں سیڑھی دار منبر بناؤں جس پر کھڑا ہونا اور بیٹھنا آسان ہو اور خطیب کی جگہ بلند ہو جانے کے سبب جملہ حاضرین کو نصائح کا سنا سہل ہو جائے چنانچہ آپ نے منظور فرمایا۔ اور مہمون نجار کی آقا انصاریہ کو کہلا بھیجا کہ اپنے غلام کو میرے لئے منبر تیار کرنے کی اجازت دیدو۔ اس طرح پر غابہ کی مستحکم و مضبوط لکڑی سے جو درجہ سے نو میل کے فاصلہ پر تھا ایک خوبصورت منبر تیار ہو کر مسجد نبوی میں اُس جگہ رکھا گیا جہاں کہ آج رکھا ہوا ہے۔

یہ منبر دو ذراع لمبا اور ایک ذراع چوڑا تھا جس میں تین درجے تھے اور ہر درجہ کا عرض ایک باشت اُس کا تیسرا درجہ بیٹھنے کے لئے تھا۔ جب منبر شریف مسجد میں رکھا گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جگہ چھوڑ دی تو وہ لکڑی جس پر کبھی کبھی تکیہ فرمایا کرتے تھے آپ کے فراقِ صحبت سے یک لخت تڑق گئی اور نیکیاں لے کر اس طرح رونا شروع کیا جس طرح صاحبِ دل انسان اپنے محبوب کے صدمہ بحر و مفارقت سے روتا ہے۔ لکڑی کا اس مفارقت کے رنج میں رونا اور اوٹنی کی طرح جلانا ایسا مشہور واقعہ ہے جو متعدد روایات کے ثابت ہے اور مستند کتابوں میں باسانید مختلف بیان کیا گیا ہے کہ وہ لکڑی اس قدر بقیار ہوئی کہ تمام حاضرین مجلس اُس کی حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے یہاں تک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور جسم مبارک کو لکڑی سے مس کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تو چاہے تو جس حالت پر تھی اسی حالت پر تجھ کو چھوڑوں اور اگر تیری خواہش ہو تو تجھ کو بہشت میں بٹھاؤں کہ وہاں کی نہروں اور چشموں سے سیراب و شاداب ہو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا مس کرنا اور ان کلمات کا فرمانا تھا کہ بیجان لکڑی کا گریہ نالہ بند ہو گیا اور آخر کار آپ نے یہ فرما کر اسے دار الخلد کو اختیار کیا منبر کی جانب مراجعت فرمائی۔

حضرت حسن بصریؒ اِس قصہ کو سن کر روایا کرتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ لکڑی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روتے اور مسلمان انسان کی آپ کے ہجر میں آنکھ بھی نہ پیسے۔



سنگ و نیا تے کہ در و خاصیت مست

بزدادی داں کہ در و معرفت نیست

یہ منبر شیخین کے زمانہ تک اپنے حال پر رہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چھ سال گزرنے پر نیچے کے درجہ سے جس کو خلافت مدنی کے بعد حضرت فاروق نے ادباً اختیار کیا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر گئے اور سب سے پہلے منبر شریف کے لئے جامہ قبطیہ کی پوشش بنائی بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ منبر اطہر کو لباس پہنانے والے شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم حضرت معاویہ جب اپنے زمانہ امارت میں دمشق سے مدینہ حاضر ہوئے تو قصد کیا کہ منبر شریف کو ملک شام میں لے جائیں مگر منبر کا جگہ سے ہلانا تھا کہ عالم تاریک ہو گیا اور آفتاب سیاہ پڑ کر ایسا اندھیرا چھایا کہ دن کو تاریک نظر آنے لگا، تب حضرت معاویہ اس قصد سے باز آئے اور فرمایا کہ میرا مقصود منبر کے ہلانے سے یہ تھا کہ دیکھوں اُس کی مقدس لکڑی کو زمین نہ کھا گئی ہو۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے چھ درجے اور زیادہ کئے اور منبر شریف کو اس جدید منبر پر اٹھا کر رکھا۔

کئی سال بعد جب کہ زمام سلطنت خلفائے عباسیہ کے ہاتھ میں آئی تو خلیفہ ہدی نے قصد کیا کہ امیر معاویہ کی طرح چھ درجے اور بڑھائے مگر حضرت امام مالک نے منع فرمایا کہ نبوی یادگار کے ساتھ شاہی مباہلہ کو دخل دینا گویا سلاطین کے لئے نمود تقاضا کا مشغلہ قائم کر دینا ہے جو عند الشرع پسند نہیں ہے۔ حضرت معاویہ کا بنوایا ہوا منبر جب امتداد زمانہ کی وجہ سے بوسیدہ ہو گیا تو خلفائے عباسیہ میں کسی با اقتدار بادشاہ نے منبر کی تجدید کی اور بقایا تے منبر نبوی کی کنگھیاں بنائی گئیں مگر افسوس کہ ۱۵۲ھ کی مشہور آتش زدگی سے عباسی خلیفہ کا بنوایا ہوا منبر بھی جل گیا اور پھر از سر نو منبر بنوایا گیا ہے جس میں بادشاہان اسلام اپنے اپنے عہد حکومت میں کچھ کچھ تغیر کرتے رہے یہاں تک کہ سلطان روم سلطان مراد خاں بن سلیم خاں مرحوم نے ۹۹۵ھ میں منبر مقدس رومی پتھر کا بنوایا اور ہفت جوش کا قہر قائم کیا جس کا تاریخی سال کسی رومی فاضل نے اس عبارت میں ظاہر کیا ہے۔ منبر اعر سلطان مراد۔

سلطان مراد مرحوم کے بعد کسی بادشاہ نے منبر پر تغیر نہیں کیا البتہ حسب ضرورت ترمیم ہوتی رہی چنانچہ سلطان عبد المجید خان بن سلطان محمود خاں نے جب کہ مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کرایا اور ۱۲۵۵ھ میں عمارت سے فراغت پائی تو اسی منبر کو اپنی جگہ قائم کیا اور شاید کچھ ترمیم ہوئی ہو مگر تجدید نہیں ہوئی جیسا تواریخ سے ثابت ہے۔



اسی سال حضرت آریہ قبطیہؓ کے بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت  
 ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور جس صحابی نے یہ مژدہ حضرت تک پہنچایا ان کو ایک غلام غنایت کیا گیا۔  
 مسجد نبوی قریظہ سے شمال کی جانب نخلستان کے درمیان حمرہ شرقیہ کے نزدیک بغیر حیت کی  
 یک چار دیواری ہے جس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف چودہ گز اور عرض قبلہ سے شام کی جانب  
 تیارہ گز ہے یہ مقام مسجد مشربہ امرا ابراہیم کے نام سے مشہور ہے یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ  
 پیدا ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند باغات بھی یہیں تھے جن کو آپؐ فقرار پر وقت فرمایا  
 حضرت آریہ قبطیہؓ شاہ اسکندریہ کی ہدیہ بھیجی ہوئی باندی تھیں جن کو حضرت اپنے لئے پسند فرمایا  
 تھا اور جن کے ساتھ حُسن سیرت و حُسن صورت مالا مال ہونے کے سبب حضرت کو خاص اُنسیت تھی اور چونکہ  
 بی بی عائشہؓ کو باقتنائے بشریت ان کی نسبت ایک غیرت پیدا ہوئی تھی اس لئے حضرت نے ان کو حارث بن نعمان  
 کے مکان سے منتقل کر کے عوالی مدینہ میں اس مقام پر لاٹھیرایا تھا جہاں یہ مبارک مسجد ہے اور اسی جگہ بھی  
 کبھی تشریف لائے اور دیکھ جایا کرتے تھے اور اسی جگہ حضرت آریہؓ کو صاحبزادہ کی دود دولت نصیب ہوئی  
 جس سے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بعد دوسری عورتیں محروم رہیں۔

اس قصبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قصبہ سے جو حضرت ہاجرہ اور بی بی سارہ کے درمیان  
 پیش آیا ایک خاص مناسبت ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ بلحاظ نبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
 اس وراثت ابراہیمی سے بہرہ یاب ہونا بھی ضروری تھا۔

چند روز ہوئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمر ازدی کو قیصرِ روم  
 یا حاکمِ بصری کے نام کا خط دے کر شام کی جانب روانہ فرمادیا تھا اور آپ کو اطلاع ملی تھی کہ قیصر کے  
 ایک ماتحت جس کا نام شرجیل بن عمر غسانی ہے اول ان کو قید کیا اور پھر سامنے بلا کر قتل کرویا اس  
 آپ اس رنج و غصہ کو ضبط نہ کر سکے اور ماہِ جمادی الاولیٰ ۳۷ھ میں مسلمانوں کی تین ہزار فوج حضرت  
 زبید بن حارثہؓ کی ماتحتی میں ملک شام کی جانب اس غرض سے روانہ فرمائی کہ ظالم و بدعہد غسانی شہزادہ  
 سے اس غلہ رو بے رحمی کا انتقام لے چنانچہ شرجیل نے قاصد کے قتل کا اقرار کیا اور ایک عظیم الشان جنگ کی  
 بنیاد ڈالی۔

مسلمانوں کا قیام معان میں تھا کہ ان کو دشمن کے آمادہ پیکار ہو کر چلنے کی اطلاع ملی اور معلوم  
 ہوا کہ خود ہر قتل ایک لاکھ جرار فوراً لئے ہوئے بلقار مقام پر پڑا ہوا ہے چنانچہ مسلمان رُکے اور دو  
 رات اسی مشورہ میں گزاریں کہ لڑنا چاہئے یا حضرت کو اطلاع دے کر اس وقت تک لڑائی متوخر کرتی



چاہئے کہ مدینہ سے کافی کمک آجائے آخر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے نہ رہا گیا اور اپنے اس طرح تقریر کی کہ  
 "لے بہادران اسلام! جس آرزو کے حاصل کرنے کو تم مدینہ سے نکلے ہو واللہ اسی سے آج ڈر رہے ہو آخر  
 بتاؤ تو یہی کہ شہادت کے سوا تمہارا مقصود کیا ہے جس نے تم کو گھروں سے نکالا پھر تمہارا گھبراہٹا ملک کے  
 انتظار میں جنگ سے پس و پیش کرنا عیث ہے تم کو معلوم ہے کہ ہم قوت یا کثرت کے بھروسہ کبھی نہیں لڑے  
 ہم کو تو اپنے اس دین پر لڑنا اور جان دینا منظور ہے جس سے ہم کو حق تعالیٰ نے نوازا ہے سو ظاہر ہے  
 کہ جنگ کا انجام یافتہ ہے اور یا شہادت۔ بہر حال ہمارے لئے ہر دو صورت پسندیدہ ہیں اس لئے تن بہ تقدیر جلو  
 اور نظر بخدا آمادہ کارزار ہو جاؤ یہ تقریر سن کر مسلمانوں کے بدن میں حرارت پیدا ہو گئی اور رگ شجاعت میں  
 ہمت و مردانگی کا خون لہریں مارنے لگا۔ چنانچہ سب پل پڑے اور اب ہر ایک کی خواہش ہوئی کہ سب آگے  
 قدم میرا ہو۔

مشارف پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن قریب آ پہنچا اس لئے مسلمان اُس کے قریب موضع موتہ میں ہمت  
 آئے اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

مدینہ سے چلتے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداری کا جھنڈا حضرت زید  
 بن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور یوں فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو ابوطالب کے بیٹے جعفرؓ کو جھنڈا لینا  
 اور جعفرؓ بھی انتقال کر جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ اور یہ بھی شہید ہوں تو مسلمانوں میں سے کوئی شخص حاکم بن  
 لیا جائے۔ گویا ان الفاظ سے اشارہ کر دیا تھا کہ ایسا ضرور ہونا ہے اور اس پیش آنی والی جنگ میں ان تینوں حضرات  
 کے شہید ہونے کے بعد جو تھے مسلمان کے ہاتھ پر فتح و ظفر نصیب اہل اسلام ہوگی۔

افق مشرق سے آفتاب نکلنے لگا تو اس خوفناک نظارہ کو جھانکنا جو شام کے سرسبز و شاداب زمین پر  
 آج ہونے والا تھا کہ وہ میدان جس کی ٹھنڈی ہوائیں شباب پر تھیں کشت و خون کا بازار گرم ہوا چاہتا  
 ہے چنانچہ حضرت زید بن حارثہؓ رضی اللہ عنہ پھر پہلے اپنے تین ہزار کی مختصر جماعت کو لئے ہوئے جاتے نظر  
 آئے شجاعت و مردانگی نے اُن کے قدم چومے اور اقبال و ظفر نے پیشانیوں کا بوسہ لیا کیونکہ باوجود قلت کے  
 اُن کی ثابت قدمی اور تین لکھ تعداد سے زیادہ فوج کے مقابلہ پر آمادگی باہر سادگی و متانت عقل کو خیرہ  
 بنائے دیتی تھی غیبی نصرت اور کریم خداوندی کا چہرہ سر پر رکھے ہوئے جس وقت حضرت زید صدف بندی فرما کر  
 آگے بڑھے تو فوج میں زلزلہ پیدا ہو گیا اور ہیبت ناک جنگ شروع ہو گئی۔ تین ہزار کی جماعت کو ایک لاکھ  
 فوج کا مقابلہ کرنا تھا اس لئے مسلمان نیزہ و تلوار لئے ہوئے گھمسان میں کود پڑے اور اس میدان میں جو  
 رنگ بزرگ پھولوں سے گلکار بنا ہوا تھا۔ خون کی سرخ ندیاں بہنے لگیں۔ آخر حضرت زید زخمی ہوئے اور نیزہ



پھاؤں میں گھر گئے اور تھوڑی ہی جنگ کے بعد دفعہ گر کر جان بحق تسلیم ہوئے **فَاتَانَاللّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ**  
 حضرت زیدؓ شہید کے ہاتھ سے نشان کا چھوٹنا تھا کہ حضرت جعفرؓ نے لپک کر اس کو اٹھا لیا اور لکارا کہ یہاں  
 مسلمانو! آگے بڑھو اور خدا پر نظر رکھ کر دشمنوں کا قلع قمع کر دو یہ روح پھونکنے والی آواز مسلمانوں کا  
 یہی جوش بڑھانے کو کافی تھی اس لئے شیر بر کی طرح لپکے اور جس طرح دھوپ کی شعاعیں صبح بونے شب  
 کی تاریکی میں گہستی ہیں یہ بھی دشمنوں کے جسم غفیر میں گہستے چلے گئے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور خود  
 حضرت جعفرؓ اپنی فوج کے ساتھ اپنے کمال استقلال و جوانمردی کا ثبوت دے رہے تھے کہ ایک دشمن نے  
 ان پر حملہ کر دیا اور تلوار کے وار سے ان کے گھوڑے کا پاؤں کاٹ دیا گھوڑے کا گرنا تھا کہ حضرت جعفرؓ پیادہ  
 ہو کر فوج میں گئے اور اسلامی نشان سنبھالے ہوئے باتیں ہاتھ سے لٹتے رہے آخر دشمن نے داپہنے ہاتھ پر  
 وار کیا اور اس کے کٹ جانے پر انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ چونکہ حضرت جعفرؓ اسلامی لشکر  
 کے سپہ سالار تھے اور دشمن کی زیادہ نظر انھیں پر تھی کہ سر وار مارا جائے تو جماعت کو بھاگنے کی سوجھے  
 اس لئے ان کے باتیں ہاتھ پر وار ہوا اور ایسا کاری ہوا کہ ہاتھ کو قطع کرتا چلا گیا۔ حضرت جعفرؓ دونوں  
 ہاتھوں سے بیکار ہوئے تو اسلامی نشان سینہ پر رکھ کر دانتوں سے داب لیا اور کوشش کی کہ جھنڈا اگرنے  
 نہ پائے اور مسلمانوں کو انتشار لاحق نہ ہو مگر حضرت کا ارشاد پورا ہونا اور ان کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہونا  
 تھا اس لئے نیروں اور تلواروں کے ان پر وار پر وار ہونے لگے اور سینہ اور شانہ کے مابین سامنے رخ پر  
 تھے زخم کھا کر جان اپنی خالق کے حوالہ کی۔ چونکہ ان کے دونوں ہاتھ خدا کی راہ میں کام آئے اس لئے  
 حق تعالیٰ نے ان کو دوا باز و عطا فرمائے جن میں پرواز کی طاقت دی گئی کہ جنت میں جہاں چاہیں  
 اڑتے پھریں۔ چنانچہ اب بھی ان کا لقب جعفر طیار اور ذوالجناحین جس کے معنی ہیں اڑنے والا اور دوا باز  
 حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ سے اسلامی نشان گرا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا اور فوج کو لڑائی  
 کے گھمسان میں بڑھانے لئے چلے گئے مگر چونکہ ان کی رفتار میں ضعف تھا اس لئے ان کے چپازاں بھاتی نے  
 ان کی ٹھوک کو محسوس کیا اور ذرا سا گوشت کا ٹکڑا دے کر کہا کہ اس کو کھا لیجئے تاکہ کچھ سہارا اور کم مضبوط  
 ہو جائے چنانچہ انھوں نے اس کو منہ لگایا یہ تھا کہ فوج کی ایک سمت شور برپا ہوا اور حضرت عبداللہؓ  
 فرما کر ملے ابن رواحہؓ تو ابھی دنیا ہی میں موجود ہے گوشت کو پھینک کر آگے بڑھ گئے، لڑے اور خوب لڑے مگر  
 امر حق ان کے لئے بھی مقتدر ہو چکا تھا اس لئے تھوڑی ہی دیر بعد زمین پر گرے اور شہید ہو کر عالم  
 بقا کو سدھارے

حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے بعد اسلامی نشان حضرت ثابت بن ارقمؓ نے اٹھا لیا اور فرمایا کہ مسلمانو!



حسب ارشاد نبوی کسی مسلمان کو اپنا سر وار قرار دو۔ اور جب ساروں طرف سے صدمہ ہوئی کہ تم کو ہی سپہ سالار تجویز کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور نہ اس خدمت کو انجام دے سکتا ہوں آخر حضرت خالد بن ولید ابیر شکر بنائے گئے اور انہوں نے اسلامی نشان ہاتھ میں لے کر آگے قدم بڑھایا۔

حضرت سیف اللہؓ کو وہ دن یاد تھا کہ بحالت کفر میدانِ احد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں بہادری اور تہمت دکھائی تھی اس لئے اُس کی تلافی کا اُن کو ارمان تھا اور چاہتے تھے کہ موقع ملے تو کافروں کے مقابلہ میں شرافت شجاعت کا ثبوت دوں۔ اس لئے بکمال ہمت بسم اللہ کہہ کر رومی فوج کے ٹڈی دل میں گھسے اور وہ تہمت کیس کیا جس کا نمونہ کئی صدی بعد سلطان صلاح الدین نے دکھایا ہے۔

حضرت خالد بن ولید کا شیرازہ حملہ ایسا نہ تھا جو فوج کو بجائے خود قائم رکھتا اس غور اور یورش نے دشمن کی صف بندی میں انتشار پیدا کر دیا اور مسلمان عیسائی افواج کو چیرتے پھاڑتے آگے بڑھے چلے گئے حضرت سیف اللہؓ کو اس جنگ میں یکے بعد دیگرے تو تلواریں بدلتی پڑیں اور آخر ایک چوڑی میانی تلوار نے دیر تک کام دیا جس کا آخر انجام یہ ہوا کہ رومی فوج ٹھہرنے لگی اور سیکڑوں لاشیں چھوڑ کر میدان سے رخ پھیر گئیں اسلامی لشکر بھی لڑتے لڑتے اُکتا گیا تھا اور زید بن حارثہ و جعفر و عبداللہ بن رواحہ کے علاوہ مسعود بن اوس و حبیب بن سعد و عباد بن قیس و حارثہ بن نعمان و سراقہ بن عمرو اور عمرو بن زید کے دونوں صاحبزادے کلیب و مبارک اور سعید ابن حارث کے دو لڑکے عامر و عمر وغیرہ شہید ہو چکے تھے اس لئے دشمن کا تعاقب مصلحت نہ سمجھا اور یوں بھی جنگ سے مقصود ملک گیری نہ تھی بلکہ اس ظلم کا انتقام لینا تھا جو مظلوم شہید حضرت حارث بن عامر از دی کے ساتھ کیا گیا تھا اور وہ حاصل ہو چکا تھا اس لئے مدینہ کی طرف واپسی مناسب معلوم ہوئی اور اسلامی لشکر نے مراجعت کی لہذا مدینہ واپس ہوا۔ اس سے قبل کہ اسلامی لشکر مدینہ پہنچے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرما دیا تھا کہ میںوں سرور کیے بعد دیگرے شہید ہوئے اور آخر خدا کے پہلوان خالد سیف اللہؓ نے ہاتھ میں شمشیر لی حضرت ان کی خبر شہادت بیان فرماتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے آخر حضرت یعلیٰ بن منبہ موتہ سے اطلاع لیکر جب حضرت کی خدمت میں پہنچے تو اپنے حرفا حرقا سارا واقعہ اُن سے نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے زمین کا فاصلہ میرے لئے مرفوع کر دیا تھا اور میں معرکہ کی حالت بچشم خود دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد محسب الدین کی آمد آمد کا شور ہوا تو حضرت مع صحابہؓ کے بغرض استقبال شہر سے باہر تشریف لائے اور لڑکوں میں سے جو دوڑتے ہوئے ساتھ آ رہے تھے حضرت جعفر کے صاحبزادے عبداللہ کو اور بلخی پر اپنے آگے بٹھالیا اور باقی صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ بچوں کو اپنے ساتھ سوار یوں پر سوار کر لیں۔

اسلامی لشکر کو بھی چونکہ اس غزوہ میں مشقت زیادہ اٹھانی پڑی تھی اس لئے دشمن کے کنارہ کرنے



ان کو بھی کنارہ کشی پسند آئی اور گویا اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جنگ کا انجام ہر دو فریق کے لئے برابر رہا کہ  
میں نے ان کو کنارہ کش سمجھا اور انہوں نے ان کو۔ اور اسی وجہ سے جب سلمانان مدینہ نے مجاہدین کا استقبال  
یا تو بعض صحابہؓ نے فرار اور جہاد سے بھاگنے والا لقب دیا مگر حضرت یوں ارشاد فرما کر کہ نہیں یہ لوگ فرار نہیں  
کر رہے ہیں کہ پھر جنگ ہو تو پھر لڑنے کو تیار ہیں۔ سب کو خاموش کر دیا۔

جس دن حضرت جعفرؓ کے انتقال کی خبر سنائی گئی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا کر ان کے گھر بھیجا  
بیوہ اور یتیم بچے کھالیں اور یوں ارشاد فرمایا کہ مصیبت زدوں کو پکانے کا ہوش نہ ہو گا۔ نیز تین روز تک  
بازار دہائی کی تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھے اور خود صبر فرما کر دیگر متعلقین کو صبر کی تعلیم و تلقین فرمائی +

## ۶۵ — ۵۸

### ذوالخصلہ اور ذات السلاسل!

کعبہ مکرمہ کا مرجع خلائق ہونا کچھ ایسا لوگوں کو کٹھک رہا تھا کہ حجازی باشندے عام مخلوق کا اس کی طرف  
بھان بنگاہ حسد دیکھتے اور یوں چاہتے تھے کہ اس کے مقابل ایک ایسا مکان اپنے ملک میں ہم بھی تیار کریں  
جس کی عظمت کی جائے اور قریش کی طرح با عظمت و متولی بیت الحرام بن کر ہم بھی لوگوں کے مقتدا اور مقدس  
قرار پائیں۔ چنانچہ اہل یمن میں قبیلہ خثعم نے اس خیال کو عملی جامہ پہنا کر ایک مکان بنایا اور اس کا نام کعبہ  
رکھ کر باشندگان ملک کو ترغیب دی کہ مکہ کے سفر کی سعوت و خرچ کو برداشت نہ کریں۔ چنانچہ ان کو کامیاب  
ہو بھی چلی گئی اور لوگوں نے اس کا طواف و احترام شروع کر دیا تھا۔

اہل مکہ کو اپنے تفاخر و شیختی سے فرصت نہ تھی کہ ادھر توجہ کرتے اور یوں بھی ان کو مذہب  
اور دین سے متش نہ تھا البتہ ذاتی عظمت میں کمی کا دوسوہ پیدا ہو کر اہل یمن سے مقابلہ کی شاید ہمت  
ہوئی مگر ہر وقت مسلمانوں کے درپے تخریب رہنے کی آگ اور رات دن خانہ جنگیوں کے بکھڑوں سے  
ان کو اس کا خیال بھی نہ ہوا کہ یمن کی بدعت کو تلبیہ میٹ کریں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اگرچہ اہل مکہ نے حرم محترم میں داخل ہونے اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے روک رکھا تھا چونکہ کعبہ  
کے سچے حامی و متولی تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد و اعظم ہی تھا کہ خانہ خدا کو ہر قسم کی گندگی و نجاست  
اور بے حرمتی و سوراہے محفوظ بنائیں۔ اس لئے اہل یمن کی یہ حرکت آپ کو بہت گراں گذری اور آپ نے  
غزوہ تونہ سے فارغ ہوتے ہی حضرت جریر بن عبد اللہ کو قبیلہ اہلس کے ڈیرہ سو سواروں کا افسر بنا کر بعثت  
تمام یمن کی جانب روانہ فرمایا کہ قبیلہ خثعم پر حملہ آور ہوں اور اس مکان کی جس کا نام انہوں نے کعبہ قرار دیا ہے



اینٹ سے اینٹ بجادیں چنانچہ محمدی کچھار کے شیرین کی طرف لپکے اور چند ہی روز میں بانیل مرام واپس آکر مژدہ کامیابی حضرت کو آکر سنا یا۔

اسی آثار میں آپ کو اطلاع ملی کہ قضاۃ کی ایک جماعت مدینہ کی طرف آیا چاہتی ہے اس لئے آپ نے ماہ جمادی الثانیہ ۸ھ میں حضرت عمرو بن العاص کو بلایا اور سفید روار و سیاہ نشان عطا فرما کر تین سو سرداران ہاجرین و انصار کی جماعت پر امیر بنا کر حکم دیا کہ قضاۃ کی اس سے پہلے کہ وہ مدینہ کا رخ کریں مدافعت ہونی چاہئے چنانچہ یہ مختصر لشکر جس میں صرف تین سو آدمی تھے جن پر صحابہ باری باری سوار ہو جاتے تھے مدینہ روانہ ہوئے اور راتوں چلتے، دنوں چھپتے دشمنوں کے قریب پہنچ گئے وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور مدینہ سے کم کم آتے بغیر حملہ کرنا قرین مصلحت نہیں اس لئے حضرت رافع بن مکیث جہنی کو روانہ کیا گیا کہ بارگاہ رسالت میں مدد کی درخواست کریں چنانچہ آپ نے دو مسلمان جن میں حضرت ابو بکرؓ و عمر فاروقؓ بھی داخل تھے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے ماتحت بنا کر عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ فرمائے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو نصیحت فرمائی کہ اختلاف نہ کریں اور دونوں باہمی اتفاق کے ساتھ دینی خدمت انجام دیں۔

نیا اسلامی لشکر پہنچ جانے سے غازیان اسلام کی ہمت بڑھ گئی اور گو بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ لشکر ہاجرین کی سرداری حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ میں ہو مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے حسب وصیت نبوی اختلاف کو نہ کیا اور اس طرح پر نماز کی امامت اور سارے لشکر کی سیادت حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھ میں رہی آخر یہ پانچ سو کا لشکر آگے بڑھا اور قضاۃ کے قصبہ کو روندنا ہوا بٹلا چلا گیا کسی دشمن کی ہمت نہ ہوئی کہ سامنے آئے یہاں تک کہ منتہی پر پہنچ کر بنی قضاۃ کا جتھا نظر آیا اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا۔ قضاۃ میں کہاں طاقت تھی کہ بہادران اسلام کا مقابلہ کریں، اس لئے ان کو اپنی جان کے لئے پڑ گئے اور ادھر ادھر بھاگ کر سبے بمشکل اپنی جانیں بچائیں۔ دشمنوں سے میدان خالی دیکھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے خوف بن مالکؓ جی کو قاصد بنا کر مدینہ روانہ کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ فتح سنائیں چنانچہ وہ خبر آستانہ ہوئے اور وہ واقعہ بیان کیا۔ چونکہ لشکر اسلام کا قیام اس پانی پر ہوا تھا جس کا نام سلسل ہے اس لئے اس غزوہ کا نام ذات السلاسل ہو گیا اور بعض نے کہا ہے کہ سلاسل سلسلہ وار رنگ کو کہتے ہیں اور چونکہ وہ زمین ریتی تھی کہ دور تک یہ سلسلہ قائم تھا اس لئے یہ واقعات ذات السلاسل کہلایا۔

یہ غزوہ ہے جس میں سیدنا عمرو بن العاصؓ کو اختلام ہو گیا تھا اور چونکہ سردی شدید تھی کہ علی الصباح غسل میں اندیشہ ہلاکت تھا تو انہوں نے تیمم کر کے نماز فجر پڑھائی اور جب حضرت کو اطلاع ہوئی کہ بعض



مسلمانوں پر گرائی ہے کہ بلا غسل کئے ہوئے جنبی امام کا اقتدار کیا تو آپ نے براہِ تہ تکلفی اُن سے اس طرح فرمایا کہ کیوں صاحبِ بحالتِ جنابت امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھا دی؟ مگر جب انہوں نے سردی کی زیادتی بیان فرما کر یوں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد سن چکا ہوں کہ "اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو بیشک اللہ تم پر نہایت مہربان ہے" تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

رجب ششم میں تین سو مہاجرین و انصار حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی ماتحتی میں ساحلِ سمندر کی جانب جہنیہ کے ایک قبیلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر تھا چنانچہ یہ لوگ کابل پندرہ دن ساحلِ بحر پر پڑے رہے کہ اول تین تین اونٹ پو میہ ذبح ہو کر تقسیم ہوئے اور جب سوار یوں کے کم ہو جانے کے خوف سے امیر لشکر کی فوج کے متعلق ممانعت ہو گئی تو سوکھے درختوں سے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام سریہِ خط ہے اور سیف البحر کہلاتا ہے کیونکہ سیف کے معنی عربی میں ساحل اور کنارہ کے ہیں۔

اس غزوہ میں لشکر کی فاقہ کی تکلیف دیکھ کر جب سب کے بچے ہوئے چھوڑے جمع کئے گئے تو دو تھیلیاں بھریں جو تین آدمیوں کو بھی نا کافی تھیں مگر مجبوری سب کچھ کراتی ہے اس لئے یہ مشترکہ توشہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں سب کو بانٹ دیا گیا اور آخر جب اس کے بھی ختم ہونے کا وقت آیا تو حکم دیا گیا کہ ایک ایک چھوٹے سے زیادہ کسی سپاہی کو نہ دیا جائے اور جب یہ بھی ختم ہو لیا تو اس چھوڑے کی قدر معلوم ہوئی جو سارے دن کی خوراک میں نصیب ہوتا تھا۔ آخر اس فاقہ و فاقہ کش لشکرِ اسلام کی غیبی مہمانی ہوئی اور سمندر نے ایک بہت بڑی مچھلی کنارہ پر لا ڈالی جو تین سو مجاہدین کے لئے آٹھارہ دن کی خوراک کافی ہوئی حضرت ابو عبیدہؓ نے اُس کی ایک پسلی زمین پر کھڑی کرائی تو ایک اونچا اونٹ محلِ سمیت اُس کی کسی جانب مٹس کئے بغیر بیچ میں کوئٹل گیا اور اس کی آنکھ کے حدقہ میں منوں آٹا گوندھ کر خمیر ہوا۔

مچھو کے پیاسے لشکرِ سپاہی پندرہ دن سے زیادہ اسی مچھلی کا گوشت کھاتے اور چربی بدن پر ملتے رہے جس کا نام غنبر ہے یہاں تک کہ تیل کی مالش سے لاغر بدن فرہ اور خوراک نہ پہنچنے سے کمر سے لگے ہوئے پیٹ ترواڑ ہو گئے آخر مدینہ آکر جب صحابہؓ نے حضرت کے سب حالات بیان کئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کابچا ہوا گوشت کچھ ہے بھی؟ تب صحابہؓ نے اس کو حضرت کے سامنے رکھا اور آپ نے اس کو تناول فرمایا۔

بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ لشکر اس قریشی قافلہ سے تعرض کرنے کو چلا تھا جو سمندر کے کنارہ کنارہ جارہا تھا اور چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد قریش کا تعرض چھوڑ دیا گیا اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ سریہ خط، قبل سالہ میں قبل حدیبیہ ظہور میں آیا اور چونکہ یہ قرین قیاس بھی ہے اس لئے عنوان میں ہم نے اس



کو درج نہیں کیا۔

اسی ماہ رجب شہدہ میں حضرت زیدؓ شہید کے صاحبزادہ حضرت اُسامہؓ ایک شخص اسلامی جماعت کے سرور بنا کر حبش بن عامر کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے جس نے قتل و قاتل کی آگ سلگا کر حرّہ کا لقب پایا تھا چونکہ اس کے جدِ اعلیٰ یعنی جہینہ کی اولاد میں سرکش قبائل متعدد تھے اس لئے اس سریر کا نام سریرِ حرّہ جہینہ ہے۔

بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ اس غزوہ کا دوسرا نام سریرِ غالب بن عبد اللہ لیشی ہے جو مقام کی جانب غزوہ موتہ سے قبل شہدہ کے ماہ رمضان میں ہوا پس ماننا پڑے گا کہ حضرت اُسامہؓ امیر الحبشہ نہ تھے کیونکہ حضرت زیدؓ کی حیات میں یہ سردار لشکر نہیں ہوئے اور حضرت زیدؓ غزوہ موتہ شہدہ میں شہید ہوئے ہیں۔

اسلامی نشان جو صبح کی ٹھنڈی ہوا میں جھونکے لے رہا تھا نظر آتے ہی بدوؤں نے فرار کے سوا غلصہ نہ دیکھ کر شروع کیا اور مسلمان فتح و نصرت کے ساتھ بہت کچھ مال غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے +

۶۶ — ۵۸

## غزوہ میکہ کی تیاری اور حاطب بن ابی بلتعہ

زمانہ نبوت سے قبل مالک بن عباد حضرمی جو بغرض تجارت جا رہا تھا خزاعہ کے قصبہات میں گذرنا تو بنی خزاعہ اُس پر حملہ کیا اور مالک کو قتل کر کے اس کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ بنو بکر نے اپنے آدمی پر خزاعہ کی یہ زیادتی تھی تو انتقام کے درپے ہوئے اور موقع پا کر ایک خزاعی شخص کو قتل کر بیٹھے۔ اس طرح خزاعہ اور بنی بکر میں عداوت قائم ہو گئی۔ چند روز بعد خزاعہ نے بنی اسود کے تین سرداروں کو قتل کر دیا۔ بنی بکر کو اپنے اشراف قوم بنی اسود کے تین نفر کا مقتول ہونا بہت شاق تھا اور فکر میں تھے کہ اس کا انتقام خزاعہ سے لیں مگر چند ہی روز بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اہل عرب اپنی خانہ جنگیوں کو بھول کر باہمی اتفاق کے ساتھ آپ کی مخالفت اور اسلام کی مزاحمت پر تل گئے یہاں تک کہ شہدہ میں صلح حدیبیہ کا قصہ پیش آیا اور بنی بکر قریش کے ذمہ میں داخل ہوئے اور خزاعہ مسلمانوں کے ذمہ آئے۔ اس معاہدہ کی رو سے جس طرح مسلمانوں سے قریش کو لڑنا ممنوع ہوا اسی طرح بنو بکر کو خزاعہ سے جنگ و جدال حرام ہو گیا مگر افسوس کہ بنی بکر کے دلوں سے وہ کینہ جو بنی اسود کے تین نفر مقتول ہونے سے پیدا ہوا تھا نہ گیا بلکہ انھوں نے صلح حدیبیہ کو غنیمت سمجھا کہ خزاعہ کا اس بھروسہ پر



مطمن اور غافل بنا رہا ہمارے جوش انتقام کے لئے مفید اور معین ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سہ ماہ میں نفل بن معاویہ و ملی اپنی ایک جماعت بنی بکر کو لے کر بنی خزاعہ پر جو تیر چہترم پر مقیم تھے چڑھ آیا اور آخر شب میں جبکہ وہ بخیر پڑے سوتے تھے شیخون مارا بنی بکر کا یہ حملہ صرف اپنی قوت کے بھروسہ پر نہ تھا بلکہ قریش ان کی پشت و پناہ تھے اور خفیہ طور پر ہتھیاروں سے مدد کرنے کے علاوہ صفوان ابن امیہ خویلب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص یوں سمجھ کر کہ رات کو دیکھنا کون پرستہ چھپاتے ہوئے میدان جنگ میں بھی آئے۔ خزاعہ چونکہ معاہدہ پر قائم اور دشمنوں کی طرف ہمدردی نہ بیان ہو جانے کی وجہ سے مطمن تھے اور یوں بھی رات کا وقت تھا اور آرام کی نیند پڑے سوتے تھے اس لئے مدافعت نہ کر سکے اور وہاں سے کڑ کی طرف بھاگے کہ حرم محترم میں داخل ہو کر اپنی جانیں بچائیں مگر بنی بکر نے حرم کا لحاظ بھی بالا طاق رکھا اور قتل و غارت کرتے ہوئے دار امن میں گھس گئے یہاں تک کہ خزاعہ کے بیٹے نفر کام آئے اور باقی نے مکہ میں بدیل بن ورقارہ و رافع کے گھر میں پناہ لی۔

خزاعہ نے عین اُس وقت جب کہ مصیبت میں مبتلا تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر دہائی دی اور حکیم خداوندی وہ فریاد آپ کے کان میں پڑی تو آپ حضرت تیمونہ کے حجرہ سے جہاں اُس وقت آپ تشریف فرما تھے "لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ" پکار اٹھے۔ اس کے بعد آپ فرمایا بھی کہ قریش نے بد عہدی کی اور بنی بکر کے مددگار بن کر خزاعہ پر شیخون مارا تین دن کے بعد جب عمرو بن سلام خزاعی فریادی بن کر مدینہ آیا اور اس وقت جب کہ آپ صحابہ کے درمیان مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے قصہ سنایا تو آپ فریادری کا وعدہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سفر کی تیاری شروع فرمادی۔ بنی بکر اور قریش کرنے کو تو کر گزرے مگر بد عہدی و صلح شکنی ایسا جرم نہ تھا جس کی یادداشت سے وہ لوگ غافل رہتے اس لئے جس وقت اُن کو ہوش آیا اور سوچا کہ اگر مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوگئی تو مصیبت کا آسمان سر پر ٹوٹ پڑے گا تو دم بخود رہ گئے اور پیش بندی کے طور پر ابوسفیان کو بعجلت تمام مدینہ روانہ کیا کہ بحسن تدبیر اس قصہ کی مکافاتہ کرے اور صلح کی مدت میں اضافہ کرنے کے حیلے سے مدد کی تجدید و اصلاح کر آئے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ میں داخل ہوا اور اپنی بیٹی حضرت اُم حبیبہ کے گھر اتر اجوڑ ہوا مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر گئیں اور بعد فتح خیبر حضرت کی زوجیت میں داخل ہو کر اُم المؤمنین بن چکی تھیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے کہ معاہدہ کو مضبوط کرنے کے لئے اہل مکہ کا سفیر کر ابوسفیان آیا چاہتا ہے۔ اس لئے ابوسفیان کے آنے پر حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی تعجب نہ ہوا اور انھوں نے باپ کو دیکھتے ہی وہ بچھونا جس پر حضرت آرام فرمایا کرتے تھے، تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ بیٹی! میرے قابل یہ بستر نہیں آیا اس بستر کے قابل میں نہیں ہوں؟ مگر جب بیٹی کا یہ جواب سنا کہ یہ بستر ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور تم مشرک ہو تو بہت شرمندہ ہوا اور یہ کہہ کر کعبہ سے جدا ہو کر تیری عادت بدل گئی وہاں اٹھ کھڑا ہوا



ابوسفیان متفکر تھا کہ مقصود کی تہید کس طرح اٹھائے اور جب بیٹی کا یہ حال ہو تو دوسرے سے کیا توقع ہے؟ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور مطلب ظاہر کر کے چاہا کہ درمیان میں پڑ کر درخواست منظور کرادیں مگر حضرت نے صاف جواب دیدیا کہ مجھ سے یہ کام کسی طرح نہ ہو سکے گا۔ آخر وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس اور وہی درخواست کی۔ مگر یہاں جواب اس سے بھی زیادہ تیز اور طنز و مذاق سے لبریز تھا کہ ہاں جناب میں تمہاری سفارش کے لئے مناسب بھی ہوں، جس کی یہ حالت ہے کہ ذرا بھی موقع پاؤں تم کو براہ کرم نہیں نہ کروں۔

یہاں سے مایوس ہو کر صاحبزادی کے حجرہ میں گیا جہاں حضرت علی و فاطمہ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت حسنؓ سامنے کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان نے بہزار نرمی حضرت علیؓ سے کہا کہ اے ابوطالبؓ کے صاحبزادے تم نیک دل و گنہ داری کا زیادہ لحاظ کرنے والے ہو امید ہے کہ میری درخواست رد نہ کر دو گے اور مجھ کو نامراد لوٹنا ہوا نہ ہو سکے گا۔ اس کے بعد منشاء بیان کیا۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور جواب دیا کہ "افسوس اے ابوسفیان! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام کا غم فرما چکے ہیں جس کے بدلنے کی ہم کو ہرگز طاقت نہیں ہے۔" یہ مایوس کن فقرہ ابوسفیان نے حضرت زہراؓ کی طرف منہ کیا اور کہا کہ اے فاطمہؓ! کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اس بچے سے کہو جو تمہارے سامنے کھیل رہا ہے کہ مخلوق کو پناہ دلائے اور ہمیشہ کے لئے لوگوں کو احسان مند بنا کر سارے عرب کا سرور و حاکم مختار قرار پائے۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میرے بچے کا یہ کام نہیں اور آج اباجان کے خلاف کوئی بھی اہل مکہ کو پناہ نہیں دے سکتا تم اس خیال سے درگزر کرو اور جو کچھ مناسب سمجھو کرو۔

ابوسفیان نہایت پریشان تھا کہ نہ صورت کامیابی ہے نہ بے نیل مرام واپس ہو جانے کی ذلت و رسوائی کا تحمل۔ اُس کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا تھا اور اُس کی حالت اہل طرافت کا کھلونا بن گئی تھی۔ خدا کی شان ہے یا وہ وقت تھا کہ احد کی تلہی میں مسلمانوں کے مقابلہ پر اپنے دل کا حوصلہ نکالنے کو عزت سمجھتا تھا اور یہ وقت ہے کہ مدت صلح بڑھ جانے کی درخواست نہ حضرت کی خدمت میں پیش کرے کی جرات ہے اور نہ کوئی سفارش کا ذمہ لیتا ہے کہ اس کا ہم کلام ہی بنے۔ آخر مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں اُس کو امنڈتی ہوئی نظر آئیں۔ دنیا دفعۃً اُس کی نظر میں تاریک ہو گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اُس نے دبی ہوئی آواز سے کہا کہ اے علی! میں تو کسی گھر کا بھی نہ رہا اب مکہ والوں کو کس طرح منہ دکھاؤ رشتہ قرابت کا واسطہ مجھے مشورہ دو کہ کیا کروں کیونکہ میری عقل ٹھکانے نہیں اور نہ میرے ہوش حواس بجا ہیں حضرت علیؓ اس کو مائلنا چاہتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر یوں پکار دو کہ میں نے امان دی، اور اس کے بعد مکہ چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا۔ کیا اس سے میری کاربر آری؟



جائے گی اور محمد میری دی ہوئی امان کو مان لیں گے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اس کی تو مجھے خبر نہیں مگر تمہارے لئے اس کے علاوہ اور بات سمجھ میں بھی نہیں آتی۔

ابوسفیان دریاۓ ندامت دیاس میں کچھ ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ جد و منزل میں بھی تمیز نہ کر سکا اور یہ بھی سمجھا کہ یہ میرا محول اڑا گیا ہے چنانچہ الفاظ مذکورہ پکار کر جواب لئے بغیر مکہ واپس ہو گیا اور قریش کے سامنے مارا قسطہ دوہرایا لیکن جب اہل مکہ نے اپنی سفارت بے سود پائی تو ابوسفیان پر لعن کرنے لگے اور کہا گیا کہ افسوس نہ لڑائی کی خبر ملی نہ صلح کی اور نہ اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی نہ جنگ کی تیاری کا موقع ملا۔ مجب سے کہ علیؑ نے ابوسفیان کے ساتھ مذاق کیا اور یہ بیوقوف سمجھا بھی نہیں۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ و مدینہ کی مراسلت مسدود فرمادی اور چاہا کہ ہر حملہ اچانک وقوع میں آئے مگر افسوس حال لب بن ابی بلتعہ سے اس موقع پر غلطی ہوئی کہ انھوں نے حضرت کے غزوہ مکہ کا عزم خط میں لکھ کر معقول اجرت پر ایک عورت کے حوالہ کیا کہ مکہ والوں کو پہنچا دے۔ چنانچہ اس عورت نے اپنے سر کی مینڈیوں میں اس خط کو چھپالیا اور مکہ روانہ ہوئی۔ ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی اور آپؐ علیؑ اور زبیرؓ یا مقدادؓ کو حکم دیا کہ فوراً جائیں اور روضہ خاخ پر پہنچیں جہاں وہ عورت ملے گی جو حاملہ کا خط لئے جا رہی ہے۔ چنانچہ یہ حضرات روضہ خاخ پر پہنچے اور عورت کو روک کر اس کے مال و اسباب کی تلاشی لی اور جب خط نہ ملا تو عورت کو ڈانٹا کہ یا خط حوالہ کرے ورنہ برہنہ کر کے ملاشی لی جائے گی۔ آخر عورت نے اوٹ میں آکر سر کھولا اور بالوں کے بندھے پھٹنے لگے پچھلے میں سے خط نکال کر حضرت علیؑ کے حوالہ کیا جس کو لے کر یہ حضرات واپس ہوئے اور حضرت کے حضور اس کو لا کر رکھا۔ اس کے بعد حضرت حاملہ کی طلبی ہوئی اور دریافت کیا گیا کہ کیا بات ہے جو ظہور میں آئی؟

حضرت حاملہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ خط میرا ہے مگر الحمد للہ میں مسلمان ہوں اور جو حرکت مجھ سے ہوئی اس وجہ یہ تھی کہ میں قریشی نہیں ہوں اور میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں مجھے خیال ہوا کہ عام مسلمانوں کے اہل و عیال کی حفاظت تو ان کے رشتہ اور تعلق رحم کی وجہ ہوگی مگر میں جب تک کوئی خاص احسان اہل مکہ کے ساتھ نہ کروں اس وقت تک میرے بچوں کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں اس کے ساتھ ہی میں سمجھتا تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو ضرورت فتح حاصل ہونی ہے دشمنوں کو کوئی اطلاع دے یا نہ دے بہر حال بول بالا اسلام کا ہو گا پس بلحاظ وقت کرم دشتن میں نے آپؐ کے عزم کی اطلاع اہل مکہ کو دے کر ایسے بچوں کی محافظت جان ال کا وسیلہ بنانا چاہا تھا اور نبیؐ حضرت فاروقؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں مگر جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ اے عمر! تمہیں کیا خبر ہے جنگ بدر میں شریک ہونے والے مسلمان



کس رتبہ کے ہیں اور کیا عجب کہ حق تعالیٰ نے یوں کہہ دیا ہو کہ جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں تو حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ الغرض حضرت حاملہ کا قصور معاف کر دیا گیا اور حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "مسلمانو! ان کافروں سے کسی قسم کا رابطہ نہ بنانا"۔

## باب ۶

### جنگ کی تیاری

چونکہ وہ وقت آگیا تھا کہ لات و غزنی اور منات کی ٹوڑیں ملیا میٹ کی جاتیں۔ کعبہ میں رکھے ہوئے اصنام گول سارہوں اور گڑے کفر و شرک حرف غلط کی طرح مٹ جائے اس لئے حضرت عبداللہ بن ابی مکتوم کو اور بروایت ابو رہم یعنی کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ کو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر طفر بیکر لے کر مدینہ روانہ ہوئے اور راستہ میں دو ہزار مسلمانوں کی تعداد اور شامل ہوئی جس کو ملا کر اسلامی لشکر بارہ ہزار ہو گیا جن میں ہاجرین و انصار، اسلم و غفار، مزنیہ اور سلیم و جہنیہ جملہ اقوام کے مسلمان شریک تھے چونکہ مسلمان روزہ دار تھے اس لئے قدید پر پہنچ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار کیا اور آپ کو دیکھ کر تمام مسلمانوں نے روزے افطار کر لئے۔

طفر بیکر منزل منزل چلا جاتا تھا کہ راستہ میں حجہ مقام پر حضرت عباسؓ مع اہل و عیال آتے ہوئے ملے جو جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ واپس ہو گئے اور اپنی سقایت زمزم کے منصب پر قائم تھے اور اب ہجرت کئے ہوئے مدینہ آ رہے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے معاف فرمایا اور کہا کہ جس طرح میری نبوت آخری ہے اسی طرح عباسؓ کی ہجرت آخری ہے چنانچہ حضرت عباسؓ لشکر کے ساتھ ہوئے اور موکب ہمالیوں نے مڑا نظر ان پر قیام کیا۔ خیمے نصب ہوئے سواری کے جانور چھوڑ دیئے گئے اور خیموں کے سامنے آگ روشن کر دی گئی۔ اب تک اہل مکہ بالکل بے خبر تھے کہ کل کو کیا ہوا چاہتا ہے۔ نہ کسی خبر کی صورت ان کو دیکھنی نصیب ہوئی اور نہ کوئی جاسوس کسی قسم کی اطلاع لے کر آیا مگر چونکہ ان کے دل اپنے قصور کی پاداش کے اندیشہ سے خود بخود دہل رہے تھے اس لئے کبھی کبھی کوئی سردار اس انتظار میں شہر سے باہر نکل آتا تھا کہ شاید کوئی آتا ہو مگر کوئی شخص ملے اور معلوم ہو جائے کہ مسلمان کس خیال و ارادہ میں ہیں چنانچہ آج بھی ابوسفیان اور بدیل ابن ورقار اسی جستجو میں نکلے



دئے تھے اور اتفاق سے یہاں آہنچے تھے جہاں ہزار ہا آگ کے شعلے اُن کو نظر آرہے تھے۔  
حضرت عباسؓ نے آخر مکہ میں پرورش پائی تھی اور جو لوگ بھی وہاں آباد تھے آخر وہ رشتہ اور کنبہ کے تھے  
س لئے ان کو افسوس تھا کہ دفعۃً اسلامی لشکر مکہ میں پہنچا تو اہل مکہ پامال ہو جاتیں گے کاش اُن کو خبر مل  
جائے کہ اُن بلا سے آسمانی آنے والی ہے۔ تو حاضر آستانہ ہو کر امن چاہیں اور رسول کے قدموں پر  
لڑ کر پناہ کے خواہاں ہوں کہ جان بخشی ہو جائے اور قتل و غارت سے بچ جائیں۔

اسی جستجو میں کہ کوئی لکڑہارا یا چرواہا اہل جائے تو اُس کو بیجا مہربانوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے خچر پر سوار ہو کر حضرت عباسؓ کیلئے درخت تک آگئے تھے جو جنگل میں کھڑے ہوئے تھے کہ اُن کو آمدت محسوس  
ہوئی اور انہوں نے سنا کہ دو شخص باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے خزاعہ اپنا انتقام لینے کو  
تہہ بڑھ آئے۔ دوسرے نے کہا کہ خزاعہ کی تو نہ اتنی ہمت ہے نہ اتنی تعداد۔ حضرت عباسؓ کے کان میں یہ  
آواز بڑی تو انہوں نے پہچانا کہ ابوسفیان ہے چنانچہ یہ آگے بڑھے اور پکارا کہ ابوسفیان! ابوسفیان نے اپنی  
خاص گنیت سنی تو حضرت عباسؓ کی آواز پہچانی اور کہا کہ ابوالفضل! حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ہاں  
میں ہوں اور افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ مصیبت تمہارے سر پر آہنچی اور اب کسی قریشی کو نجات ہونی مشکل  
ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر لشکر کے ساتھ تشریف لے آئے اور کل کو مکہ کی قسمت کا فیصلہ  
ہونے والا ہے۔ ابوسفیان یہ اطلاع پا کر کانپ اٹھا اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان  
کوئی تدبیر بتاؤ کہ امان ملے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ کہ حضرت کے سامنے لے چلوں  
اور امان چاہنے میں جلدی کرو ورنہ اندیشہ ہے کہ یہیں گردن نہ اڑا دی جائے۔

ابوسفیان نے جس کے چھکے چھوٹ چکے تھے اس مشورہ اور وقت کو غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کی  
پشت کی جانب اُسی بغلہ پر سوار ہو گیا۔ حضرت عباسؓ نے تمام نبوی خیمہ کی طرف لپکے اور راستہ میں جو بھی  
ملا وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر دیکھ کر خاموش ہو گیا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان  
کو دیکھ پایا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ بغلہ بیٹھا۔ پر سوار ہے اس لئے یہ کہہ کر تلوار لے کر لپکے کہ شکریہ ہے  
خدا کا جس نے بلا معاہدہ و عقد کے تجھ پر قدرت بخشی کہ جس کا جی چاہے تجھے قتل کر دے۔ ادھر حضرت عباسؓ نے  
خچر کو تیز کیا اور ادھر حضرت عمرؓ نے رفتار میں تیزی کی مگر سوار اور پیدل میں آخر فرق ہے اس لئے حضرت  
عباسؓ پہلے پہنچ گئے اور جلدی سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ حضرت فاروقؓ  
جو پیچھے آ رہے تھے بولے کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ابوسفیان کی گردن اڑا دوں۔ ابوسفیان جس  
کی زندگی کا فیصلہ حضرت کالب مبارک نے پہنچا تھا اس عالم بیکسی میں حیران تھا کہ دیکھئے کیا مقدر ہے



یہاں تک کہ حضرت عباس و فاروق اعظم میں گفتگو ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرما کر قہقہے کیا کہ "عباس! اس کو لیجاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو صبح کے وقت آنا تب فیصلہ کیا جائے گا۔" چنانچہ حضرت عباس ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے آئے اور علی الصبح اس کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا جہان کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے تھے کب جاتے تھے کہ ابوسفیان پر شفقت نہ فرمادیں۔ اس آپ مسکرائے اور محبت بھرے لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا کہ "ابوسفیان کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم کو معلوم ہو کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے؟" ابوسفیان یہ کریمانہ خطاب شکر شرمایا اور کہا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان! تم کس قدر حلیم و کریم ہو اور کس قدر رشتہ داری و قرابت کا لحاظ رکھنے والے ہو۔ درحقیقت اگر کوئی شریک خدا ہوتا تو آج یہ پڑنے پر ضرور کام آتا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا "تو کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لیتے کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں؟" ابوسفیان نے جواب دیا کہ "میرے ماں باپ تم پر قربان! تم کس قدر حلیم و کریم ہو اور کس قدر رشتہ و قرابت کا لحاظ رکھنے والے ہو۔ ابھی اس کی طرف سے دل میں کچھ شبہ چلا جاتا ہے۔" حضرت عباس نے یہ کلمہ سنا تو گہرا گئے اور فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! جلدی کلمہ پڑھا اور اسلام لے آس سے پہلے کہ گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ ابوسفیان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ۔ حضرت عباس سمجھتے تھے کہ ابوسفیان کا دل ابھی اچھی طرح صاف نہیں ہوا اور ایسے شخص کو جو عمر بھر حکومت و تفاخر کا عادی رہا ہے، مطیع بن کر عام مسلمانوں میں شامل ہونا سہل نہیں ہے اس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوسفیان کو کوئی امتیاز عطا فرمائیے جس سے اُن کو اپنی قوم پر فخر کا موقع ملے۔ چنانچہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بہتر ہے "جو کافر بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان دی جائے گی۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "نیز جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اُس کو بھی امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اُس کو بھی امان۔"

حضرت ابوسفیان نے مسلمان ہو کر اور امتیازی تمغے لے کر مکہ جانا چاہا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ اچھا ہے اگر ابوسفیان کو ان دو پہاڑیوں پر لے کر کھڑے ہو جاؤ جہاں کو اسلامی لشکر گزرے گا تاکہ اسلامی عظمت اُن کے قلب میں پیوست ہو جائے اور مشاہدہ سے نورانیت میں برکت ہو چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو گھائی ٹکے کنا سے پر لے کر کھڑے ہو گئے اور اسلامی لشکر کا معائنہ کرایا۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ موکب ہمایوں قطار در قطار آ رہا ہے کہ قبیلہ قبیلہ



الگ اور گروہ گروہ اپنے نشان سے ممتاز ہے۔ اول خالد بن ولید نشان لئے ہوئے نکلے جن کے ماتحت ایک ہزار نبی سلیم کا گروہ تھا جس وقت یہ لوگ تنگی تلواریں ہلاتے اور باواز بلند تکبیر کہتے ہوئے چلے تو یہاں گونجنے لگے اور سننے والوں کے دل سینوں میں دہل گئے۔ اس کے بعد ہر گروہ مستانہ دار جو شیش تخت میں جھومتا اور اپنے سردار کے جھنڈے کے نیچے تکبیر کی آوازوں سے گونج پیدا کرتا ہوا نمبردار گزرتا رہا۔ ابوسفیانؓ ہر جماعت کو دیکھتے اور پوچھتے جاتے تھے کہ عباس یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباسؓ ان کو قبیلہ کا نام بتاتے اور بتاتے جاتے تھے کہ فلاں جماعت ہے اور فلاں گروہ یہاں تک کہ انصار کی وہ جماعت نظر آئی جنہوں نے اہل مکہ کی رد کی ہوئی نعمت کو دامنوں میں لیا اور اس ضعف کے زمانہ میں اللہ کے پیغمبر کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا تھا جب کہ آج کے دن کی حالت کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا انصاری کا فوجی نشان حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جس وقت ابوسفیانؓ کے قریب پہنچے تو پکار اٹھے کہ اے ابوسفیانؓ! آج اس جنگ کا دن ہے جس میں کعبہ کی حرمت حلال سمجھی جائے گی۔ ابوسفیانؓ یہ کلمہ سن کر گھبرا اٹھے اور کہا کہ اے عباسؓ! افسوس آج مکہ والوں کا کوئی مددگار نہیں۔

انصار کے بعد ہاجرین کا وہ مختصر گروہ چلا جس میں فلک اسلام کا مہتاب جلوہ افگن تھا اور جنگ کا سیاہ نشان حضرت کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن العوامؓ تھائے ہوئے تھے آپؓ اس روز سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اسی قصوار اونٹنی پر سوار تھے جس پر مکہ سے ہجرت کرتے وقت غار ثور کے لئے سوار ہوئے تھے اور کمال شوق و ذوق سورۃ فتح کی وہ شروع آیتیں پڑھتے جاتے تھے جن میں حق تعالیٰ نے اس فتح عظیم کا آپؐ کو ثرہ سنایا اور وقوع سے بہت قبل آج کا مبارک دن واقع ہونے کی بشارت دی تھی جس وقت آپؐ ابوسفیانؓ کے قریب پہنچے تو ابوسفیانؓ نے حضرت سعدؓ کا کلمہ سنایا کہ وہ کہتے ہیں آج حرم کی حرمت کے حلال ہونے کا دن ہے۔ آپؐ فرمایا کہ نہیں اے ابوسفیانؓ! آج تو وہ مبارک دن ہے جس میں کعبہ کی عظمت کی جائے گی اور اس کو لباس پہنایا جائے گا۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے ہر طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں اب ایک وہ زمانہ آیا کہ آپؐ اہل مکہ پر اپنی شفقت و رحمت ظاہر کرنے کے لئے تشریف لائے۔ ایک دن وہ تھا کہ آپؐ کو اپنا یہ وطن اندھیری رات کی تاریکی میں صرف ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر چھوڑنا پڑا تھا اور ایک یہ دن ہے کہ آپؐ بارہ ہزار مسلمانوں کے سردار بن کر مکہ فتح کرنے کے لئے دن کے وقت تشریف لائے ایک وہ وقت تھا کہ مکہ کا بچہ بچہ آپؐ کی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہوا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ قرشی سردار جان کے خوف سے مکہ چھوڑ بھاگنے پر تیار ہیں۔ غرض جب ابوسفیانؓ نے تمام لشکر دیکھ لیا تو کہا کہ



ملے عباسؓ نے ہمتیجے چند روز میں بڑی ترقی کر لی کہ اتنی فوج اور سلطنت بڑھالی کہ حضرت عباسؓ  
 مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سلطنت نہیں نبوت ہے اور خدا داد عطیہ ہے کہ آپ کو آپ کی کوشش کا ثمرہ دینا  
 ہی میں دیکھنا نصیب ہوا۔ اس کے بعد ابوسفیانؓ تو رخصت ہو کر مکہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ کو پیدل اور بے ہتھیار فوج کا افسر بنایا اور حضرت خالدؓ کو جو مہینہ پر تھے یہ  
 محکم دیا کہ مکہ کی اسفل جانب سے داخل ہوں اور بنفس نفیس کی جانب اعلیٰ سے داخل ہونے کا قصد فرما کر  
 جنت المعلیٰ کی سمت جوں مقابہ اور اس جگہ جہاں اس وقت مسجد فتح تعمیر ہے نشان نصب کرایا +

## باب ۶۸ مہر فتح مکہ

حضرت ابوسفیانؓ مکہ میں آئے تو باواز بلند پکار کر کہا کہ ملے قریش! یہ محمدؐ آگئے، ایسا لشکر لے کر  
 جس کے مقابلہ کی تم میں سکت نہیں، سو اب نجات کی فکر کرو اور سن لو کہ جو شخص میرے گھر میں داخل  
 ہو جائے گا اُس کو امان مل جائے گی۔ ابوسفیانؓ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ کو یقین نہ آیا اور یہ کمزوری  
 کی بات اس قدر ناگوار گذری کہ اس نے شوہر کی مونچھیں پکڑ کر کہا کہ لوگو! اس بو قوف چربی کی لوند  
 احمق کو قتل کر ڈالو۔ ابوسفیانؓ نے کہا اس گھمنڈ میں رہو اور اپنی لاطائل امیدوں کے غرہ پر اپنے  
 کوتاہ نہ کرو۔ پس آخری نصیحت یہی ہے کہ جان بچاؤ اور میرے گھر میں داخل ہو کر پناہ پکڑو۔ پھر  
 اہل مکہ پر ہر اس چھاگتی اور حسرت کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تکیے لگے کہ ابوسفیانؓ کے گھر میں کون کون  
 سا سکے گا۔ ابوسفیانؓ نے کہا کہ ہاں اور جو حرم میں گھس آیا اس کو بھی امان ہے اور جس نے گھر میں بیٹھ کر  
 اپنا دروازہ بند کر لیا اُس کو بھی امان ہے۔ تب لوگوں میں بھگی مچ گئی اور کوئی حرم میں آگھسا اور کوئی  
 ابوسفیانؓ کے گھر میں اور جو بچے انھوں نے اپنے گوارہ بند کر کے گنڈیاں لگالیں۔

عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ نے اس حالت میں بھی عافیت کی قدر نہ پہچانی اور لوگوں کو ابھارا  
 کہ وہ ایک کمرہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھ رہنا شرافت کے خلاف ہے اس لئے ماروا اور مرد یہاں تک کہ نسخ  
 پاؤ اور یا شرافت کا نام چھوڑ کر ہمیشہ کی نیند سو رہو۔ چنانچہ ابوباش اور مختلف قبائل کے لوگ آمادہ جنگ  
 ہو گئے جنھوں نے خندہ میں جمع ہو کر عکرمہ کو اپنا سردار بنایا اور تلواریں لے کر اُس جانب چلے جہاں  
 حضرت سید اللہ خالد بن الولید تعینات تھے۔



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ دیکھا تم نے؟ اہل مکہ اب بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے اس لئے جاؤ اور جو کوئی بھی آمادہ جنگ نظر آئے اس کو کاٹ کر پھینک دو اور مجھ سے کوہِ صفا پر آکر ملو۔

صحابہؓ کے کانوں میں اس حکم کا پڑنا تھا کہ جو قتل کا شیدانہ تھا وہ بھی اہل مکہ کو قتل کرنے پر تل گیا۔ مگر عکرمہ کی جماعت ہی کیا تھی جو اس لشکرِ عظیم کی مزاحمت کر سکتی اس لئے جو بھی ملا صحابہؓ نے اس کو ہی سلا دیا اور تھوڑی دیر میں بارہ اور بروایتے چوبیس کافر قتل کر دیئے گئے جن میں میں قبیلہ بنی بکر کے تھے اور چار بڑیل کے۔

مسلمانوں میں حضرت گرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد صرف دو صحابی شہید ہوئے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ **يَا قَاتِلِہٖ وَاِنَّا اِلَیْہٖ رَاجِعُونَ** آخر لشکرِ اسلام منظر و منصور آگے بڑھتا چلا آیا اور ہر میت خوردہ کفار میں کسی نے اپنے گھر میں گھس کر گوارہ بند کر لیتے اور بعض سردارانِ قریش نے جلا وطنی کو وسیلہ نجات سمجھ کر مکہ کو چھوڑ دیا۔ ابوطالب کی ساری جائداد و مکانات چونکہ عقیل اور طالب یعنی ان دو بیٹوں کے قبضہ میں آئے تھے جو باپ کے انتقال کے وقت کافر تھے اور حضرت جعفر اور علی چونکہ مسلمان تھے اس لئے ایک جہنم لے سکے تھے اور حضرت عقیل نے ساری جائداد و بحالتِ کفر ہی بیچ کھوچ کر برابر کر دی تھی اس لئے اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوں ایک صحابی رضائے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ مکہ میں کس مکان میں قیام فرمائے گا؟ تو آپ نے یہ کہہ کر کہ عقیل نے چھوڑا ہی کیا ہے یوں فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلمان کی میراث نہیں پاسکتا۔ کل انشاء اللہ مکہ فتح ہونے پر خیف بنی کنانہ یعنی اس پہاڑی ٹیلہ پر قیام ہوگا جو پہاڑی تلہٹی میں سیلِ آب سے مرتفع اور جہاں مسجد خیف واقع ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ کفارِ قریش نے ایک زمانہ میں حضرت سے عداوت کی بنا پر بنی ہاشم و بنی مطلب کو گویا برادری سے گرا دیا تھا اور اس مضمون کا تحریری معاہدہ مرتب کیا تھا کہ نہ ان سے لڑ کی کالین دین ہو اور نہ مال انسا کی خرید و فروخت۔ اور اس تین سال کے زمانہ میں جو قریش کی ظالمانہ روش کا ایک شعبہ تھا حضرت کو اپنے گنبد یعنی ہاشمی و مطلبی خاندان سمیت شعب ابوطالب میں رہنا اور فاقہ و بھوک کی ناقابلِ برداشت تکالیف کا جھیلنا پڑا تھا۔ یہ مقام خیف وہی جگہ ہے جہاں اس معاہدہ کی تکمیل اور اس کی تعمیل پر قیام عہدی ہوئی تھی۔ آج اس جگہ قیام اسی لئے تجویز ہوا کہ وہ گزرا ہوا وقت یاد آکر نعمتِ خداوندی کا شکر ادا ہو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سانڈنی پر سوار، ار رمضان المبارک کو دن چڑھے مکہ میں داخل ہوئے



صحیحہ کا حجم تغیر الہ قمر کی طرح ہر چار طرف سے آپ کو گھیرے ہوئے تھا اور آپ سورہ فتح کی آیتیں پڑھتے جاتے تھے۔ تواضع کے سبب آپ کی گردن جھکی جاتی تھی، گویا کہ آپ ناقہ کے پازان ہی پر سر بسجود تھے۔ مسجد الحرام میں داخل ہو کر سب سے پہلے اپنے حجر استود کو بوسہ دیا اور پھر بیت اللہ کے گرد سات چکر لگا کر طواف کیا اس کے بعد اپنے عثمان بن طلحہ کو بلایا جن کے پاس کعبہ کی کنجی تھی اور قفل کھول کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہوئے وہاں جا کر فرشتوں اور پیغمبروں کی وہ صورتیں جن کی کافر پرستش کرتے تھے بکھلوا کر پھینکوا دیں۔ دو نفل نماز ادا کی اور دروازہ پر تشریف لا کر مختصر وعظ فرمایا جس میں توحید کا اعلان، اسلام اور تقویٰ کی ترغیب، نخوت کی بُرائی اور زمانہ جاہلیت کے کینے اور عداوتوں کے ناقابل انتقام ہونے کا اظہار تھا اور بیت اللہ کی درباری وسعتائے زمزم کے سوا وہ تمام حقوق باطل فرماتے جو قریش نے اپنے لئے تجویز کر رکھے تھے۔ اس کے بعد اپنے اہل مکہ سے جو حرم میں بھرے بیٹھے تھے اور یکسی و عاجزی کے ساتھ آپ کا منہ تک رہے تھے، متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے اہل مکہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ اور جب سب طرف سے آواز آئی کہ اے ہمارے بھتیجے اور اے ہمارے شہزادے رحم و شفقت رحم و شفقت تو اپنے لئے وہ لفظ فرماتے جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے خطا دار بھائیوں سے کہے تھے کہ آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرے اور وہ تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہو جاؤ! پھر سب آزاد ہوا اور کسی پر غلامی کا داغ آنے والا نہیں رہا اس کے بعد ایسا عجیب نظارہ ظاہر ہوا کہ اس جیسا تواریخ میں نہ لکھا گیا نہ لکھا جائے اور وہ یہ کہ جماعت پر جماعت آتی اور اسلام میں داخل ہو رہی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کسی زمانہ میں دس برس ہوئے اہل مدینہ کی بیعت لے چکے تھے اسی طرح اہل مکہ سے بھی اقرار لے رہے تھے کہ ہم عبادت میں کسی کو خدا کا شریک نہ کریں گے، پوری زنا نہیں کریں گے، لڑکیوں کو باریں گے نہیں، نہ جھوٹ بولیں گے اور نہ عورتوں پر جھوٹی ہمتیں دھریں گے اس طرح پر قرآن شریف کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں کھلے الفاظ سے یہ بشارت دی گئی تھی کہ اے محمد! ہم نے تم کو کامل اور کھلی فتح دی تاکہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں اور نعمت تام ہو کر نصرت کاملہ تم کو نصیب ہو۔

کوئی مذہب اور کوئی عقیدہ کیسا ہی سادہ یا چھوٹا کیوں نہ ہونا آشنا کالوں میں ڈال کر دلوں میں پلانا جس قدر دشوار ہے اُس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اپنا ہم خیال بنانے کی کبھی کوشش کی ہو اس کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ کس قدر صاحب مذہب ہیں جنہوں نے اپنی کامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھی تو اور بھی عقل حیران ہوتی جاتی ہے۔ بد مذہب کے بانی سکھیا منی اور یونانی حکیم افلاطون نے اپنے



فلسفیانہ خیالات کے پھیلانے کی جو کچھ کوشش کی اُس سے ہندی اور فارسی کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عالی دماغ یا نبیان مذہب اپنے مقصود کو پورا کئے بغیر ایسے وقت دنیا سے رحلت کر گئے کہ ان کے دشوار کام کا کوئی سنبھالنے والا بھی نصیب نہ ہوا۔ آخر نیابت کی مہتم بالشان خدمت خود بخوار۔ شاگردوں اور ظلم کے خوگر بادشاہوں کے حوالہ ہوئی۔ چنانچہ عیسائی قوم کا بادشاہ قسطنطین بودھ مذہب کا ماتحت حامل اشوکا زشتیوں کا نائب حاکم دارا اور اسرائیلی جماعت کا سردار یوشا نظیر میں پیش کئے جاسکتے ہیں یہ فضیلت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مخصوص تھی کہ آپ اپنی رسالت کو بذاتِ خود پورا کریں۔ عرب جیسی ان پڑھ اور ضدی قوم میں ہدایت پھیلا میں، ہزاروں ہزار بندگانِ خدا کی زبانوں پر کلمہ توحید جاری ہوتا ہوا کالوں سے سنیں اور کل روحانی و اخلاقی نعمتوں کی تکمیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ مکہ جو نایب ارض ہونے کی وجہ سے گویا زمین کی مملکت کا دار السلطنت ہے جس روز دار السلام بنا اور کعبہ جس کو جلالت گاہ ہونے کی بنا پر بیت اللہ کا لقب ملنے کی عزت حاصل ہے جس دن بتوں کی گندگی و نجاست سے پاک صاف ہوا تو آپ کی بعثت کا وہ مقصود اعظم حاصل ہوا جس کے لئے آپ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ آج کوہِ اربعین و قیقان تکبیر و تحمید الہی کی گونج سنائی دینے لگی اور عرب کے رگستانی ذرے نور معرفت سے چمکتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ یادہ وقت تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ کے خواہشمند ہو کر اپنے نفس کو قبائل عرب پر پیش کرتے اور ہر شخص کالوں پر ہاتھ دھر کر الگ ہو جاتا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ ہر مجرم سے مجرم اور خطا دار سے خطا دار شخص جو امان سے مایوس ہے حضرت اُس کو اپنی چھاتی سے لگانے اور شفقت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ تمہارا کوئی شخص بال بکا نہیں کر سکتا۔ ایک دن وہ تھا کہ طائف کے بچوں اور ادباش غلاموں نے وعظ و نصیحت کرتے وقت آپؐ پر ہر سائے تھے اور ایک آج کا دن ہے کہ باوجود فاتح و قابو یافتہ ہونے کے تلواروں کو میان میں کر لینے کا حکم دیا گیا جو کہ کسی دشمن کی انگلی بھی نہ کاٹو۔ یادہ وقت تھا کہ اہل مکہ نے آپؐ کے قتل اور قید کے منصوبے باندھے تھے۔ غلاموں تک نے ڈانٹا اور گالیاں سنائی تھیں، یتیم و لاوارث سمجھ کر جس کسی نے جو کچھ چاہا کہہ لیا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ بے رحم دشمنوں پر شفقتوں کی پکھالیں اندیل کر ان سے یوں کہا جاتا ہے کہ آج میں تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا تم کو ذلیل ہوتے دیکھ نہ سکوں گا اور تم پر ملامت ہوئے سن نہ سکوں گا۔ ع

”بہ ہیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجاست“

یہ ہے نبوتِ محمدیہ کا کارنامہ جس کی نظیر عالم میں ملنی ناممکن ہے اور یہ ہیں وہ اخلاق جن پر ملازوں



کو آج تک تازہ اور دعویٰ ہے کہ سردارِ انبیاء میں ہر نصیبت محمودہ بدرجہ اتم موجود تھی۔ دنیا بھر میں کسی مذہب اور کسی قوم کو اگر دعویٰ ہو تو اپنے پیشوا کے حالات بیان کرے اور اخلاقِ محمدیہ کے ساتھ مقابلہ کر کے دکھائے کیونکہ کھوٹا کھراکسوتی پر کس کر جانچا جاسکتا ہے اور آدنی و اعلیٰ مقابلہ ہی کے وقت پہچانا جاسکتا ہے جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے فضالہ بن عمر لٹھی چاہا کہ اہل مکہ کے دلوں کا غبار نکالے اور موقع پا کر آپ پر پیش قبض چلائے مگر حضرت نے اس کی پروا بھی نہ کی اور جب فضالہ پاس آیا تو مسکرا کر فرمایا کہ فضالہ میں؟ فضالہ نے جواب دیا کہ جی حضور! آپ نے فرمایا کہ دل سے کیا باتیں کر رہے ہو؟ فضالہ نے کہا کہ کچھ نہیں یاد رہی میں مشتول ہوں۔ حضرت ہنسے اور فرمایا کہ توبہ کر تو بہ جھوٹ بولنا اور وہ بھی بحالت طواف بڑا گناہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ فضالہ کے سینے پر رکھا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ حضرت نے دست مبارک میرے سینے سے اٹھایا نہیں تھا کہ میرے قلب کو سکون حاصل ہو چکا تھا اور حضرت کی محبت دل میں ایسی جگہ کر گئی تھی کہ آپ کے زیادہ دنیا میں کوئی پیارا معلوم نہیں ہوتا تھا اس کے بعد آپ اپنی چچا زاد بہن اُمّ ہانی کے گھر میں تشریف لائے اور غسل فرما کر آٹھ رکعت قبل از دوپہر چاشت کے وقت ادا فرمائیں۔

ایک زمانہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے درخواست کی تھی کہ بیت اللہ کا قفل کھول دو تو میں اندر سے زیارت کر لوں مگر عثمان نے سختی سے انکار کیا اور آپ کو جھڑک دیا تھا۔ اُس وقت آپ نے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ کیا عجیب ہے ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو کہ جسے چاہوں دوں۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ خدا وہ دن نہ دکھائے قریش کی کس قدر ذلت کا دن ہو گا اگر ایسا ہوا۔ تو حضرت یوں فرما کر خاموش ہو رہے تھے کہ ”نہیں وہ دن قریش کی ذلت کا نہ ہو گا بلکہ ان کی عزت بڑھے گی اور ان کا اکرام کیا جائے گا۔“ بات تو آئی گئی ہو چکی تھی مگر آج جب حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا تو عثمان کو وہ قول یاد آگیا اور باوجودیکہ حضرت عباسؓ نے عرض بھی کیا کہ کنجی بردار مجھ کو بنا دیجئے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا اور کنجی یہ کہہ کر عثمان کے حوالہ کی کہ تم کو یہ خدمت مبارک ہو اور اب اس کو بجز ظالم کے کوئی تم سے نہ چھینے گا اور جب حضرت عثمان کنجی لے کر چلنے لگے تو اپنے دوبارہ آواز دی اور فرمایا کہ عثمان وہ بات بھی یاد ہے جس کو مدت ہوئی میں نے زبان سے نکالا تھا حضرت عثمان اُس وقت شرما گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ خوب یاد ہے مگر تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہم پر فضیلت دی اور بیشک ہم ہی خطا دار تھے۔

اہل مکہ کے ساتھ باوجودیکہ انھوں نے مسلمانوں پر ہر قسم کی زیادتیاں کی تھیں اور کسی زمانہ میں ایذا



سانی کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتا تھا۔ حضرت کی طرف سے نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا گیا اور آپ نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ آپ تلوار نہ نکالیں اور مکہ والوں کے ساتھ بلطف و کرم پیش آویں۔ البتہ گیارہ مرد اور چھ عورتیں جنہوں نے ناقابلِ عفو جرم کئے تھے، قصور وار باقی رہے اور اجازت دی گئی کہ جہاں طبع قتل کر دیئے جائیں۔

وہ گیارہ مرد جن کے خون ہدر کئے گئے تھے مفصلہ ذیل ہیں: ابو جہل کا بیٹا عکرمہ۔ اُمیہ کا بیٹا سفوان۔ میر حمزہ کا قاتل وحشی۔ سعد بن ابی سرح کا بیٹا عبد اللہ۔ زہیر کا بیٹا کعب۔ اسود کا بیٹا ہبار۔ زبیری کا بیٹا عبد اللہ۔ خطل کا بیٹا عبد الغزی۔ صبابہ کا بیٹا مقش۔ نفیل بن وہب کا بیٹا حارث۔ نقید کا بیٹا حویرث۔ چنانچہ پچھلے چار قتل کئے گئے اور باقی سات مسلمان ہو جانے کے سبب چھوڑ دیئے گئے۔ اور وہ چھ عورتیں جن کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی تھی ابوسفیان کی بیوی ہند اور ابن خطل کی دو باندیاں قرینہ و قرینہ اور اربہ، سارہ و اُم سعد ہیں۔ جن میں آخر کی چار عورتیں قتل کی گئیں اور ہند و قرینہ مسلمان ہو گئیں۔

بیت اللہ کے اندر اور ارد گرد آیام سال کی تعداد کے موافق تین سو ساٹھ بیت چسپاں اور منصوبے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اُس لکڑی سے جو آپ کے دست مبارک میں تھی بتوں کی طرف اشارہ کیا یہ آپ کا معجزہ تھا کہ جس بُت کے منہ کی طرف اشارہ ہوا وہ چپت اور جس کی پشت کی جانب اشارہ ہوا وہ آوند سے منہ کر گیا یہاں تک کہ گل وہ عورتیں جن کے پاؤں سیسہ سے جمائے گئے تھے زمین پر آ پڑیں اور وہ تصویریں جو دیوارِ کعبہ پر چسپی ہوئی تھیں چاہِ زمزم سے پانی منگوا کر دھوا دی گئیں۔ اس طرح کفار کے مصنوعی خدا اور ہاتھوں کی بنائی ہوئی عورتیں بالکل توڑ ڈالی گئیں۔ بُت پرست اپنے جھوٹے معبود کو ٹوٹتے ہوئے حسرت کے ساتھ دیکھتے تھے لیکن آج ان پر یہ بات کھل گئی تھی کہ ان کی عورتیں بالکل بیکار ہیں اور اب ان کو یہ آیت قرآنی جس پر وہ ایک زمانہ میں ہنستے تھے سچ معلوم ہونے لگی کہ حق آیا اور باطل غائب ہوا حقیقت میں باطل ایک دن مٹنے والا ہے۔ آپ کی شفقت و کرم کنیزی اور ظالموں کے ساتھ احسان و دریا دلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو اہل مکہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے وہ تو بھاگ گئے باقی جو بھی آیا وہ سر جھکاتا اور کلمہ شہادت پڑھتا ہوا آیا یہاں تک کہ عین اُس وقت جب کہ آپ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے نو مسلموں کو بیعت فرما رہے تھے حضرت ابوبکر اپنے بوٹے باب ابو قحافہ کو جن کی بصارت جاتی رہی تھی، ہاتھ تھامے ہوئے لے کر آئے تو حضرت نے یوں فرما کر بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی ہم ہی ان کے مکان پر چلے چلتے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور حضرت ابو قحافہ جن کی سفید ڈاڑھی نیچے لٹک رہی تھی بعد



دل مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خضاب کرو اور ڈاڑھی کو ہندی سے رنگ لو تاکہ یہود  
مشابہت نہ رہے۔

فتح مکہ کے دن اسلامی لشکر میں مہاجرین کا شمار یا بنی عبد الرحمن اور انصار میں خزدج کا شمار  
بنی عبد اللہ اور قبیلہ اوس کا شمار یا بنی عبد اللہ تھا۔

۶۹

## مجرموں کے انجام اور مکہ کی سیاست و انتظام

گیارہ مرد اور چھ عورتیں جن کے خون ہدر کئے گئے اور دربار نبویؐ سے حکم ہوا تھا کہ جہاں میں قتل  
جائیں چونکہ قابل ذکر ہیں تاکہ ان کے جرائم اور جرم کے انجام و نتائج معلوم ہو جائیں اس لئے مختصر امر  
کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

عبد العزیٰ بن خطل عرصہ ہوا مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور عبد اللہ نام قرار پایا تھا مگر اس  
وقت جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کو محصل بنا کر اس کو  
بھیجا تھا اس نے اپنے خدمت گار کو اس تصور پر کہ کھانا پکھنے میں ذرا دیر ہو گئی تھی جان مار ڈالا اور  
خود اس خوف کہ مدینہ واپس ہونے پر قصاصاً قتل کیا جائے گا مرتد ہوا اور مال زکوٰۃ لے لو کر مکہ چلا آیا تھا۔ آج  
فتح مکہ کے دن جب کہ اُس کا خون ہدر کیا گیا تو کہیں جائے فرار نہ پا کر حرم شریف میں گھس آیا اور بیت اللہ  
کے پیردوں سے لپٹ گیا کیونکہ سمجھتا تھا کہ یہاں ضرور جان بچ جائے گی مگر چونکہ اسلام کی ترقی اور کفر کے  
لمبا میٹ کر دینے کے لئے آج کے دن حرم میں بھی قتل کی اجازت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو  
دی گئی تھی۔ اس لئے جس وقت ایک مخبر نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ عبد العزیٰ پر دہائے کعبہ کو بکڑے کھڑا  
ہے تو آپ نے حکم فرمایا کہ جاؤ اور فوراً قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ارشاد عالی کی تعمیل کی گئی اور ابن خطل کا خون  
دیوار کعبہ کے نیچے بہا دیا گیا۔ فتح مکہ کے اگلے دن جو وعظ آپ نے فرمایا اُس میں ظاہر کر دیا تھا کہ مکہ زمین کی  
پیدائش کے دن سے عند اللہ محترم ہے اور قیامت تک اس کی یہ حرمت باقی رہے گی کہ ہر اس شخص کو  
جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو نہ یہاں خون بہانا جائز ہے اور نہ درخت کا ٹٹا حلال۔ اور  
اگر کوئی میرے فعل سے استدلال کرے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور  
تم کو اجازت نہیں ہے اور میرے لئے بھی صرف دن کی ایک ساعت کے لئے قتال حلال ہوا تھا  
اس کے بعد آج اُس کی حرمت وہی ہو گئی جو کل تھی۔ پس حاضرین کو چاہئے کہ دوسروں کو یہ مضمون



مقیس بن صبابہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں ہجرت کر گیا تھا۔ مگر وہاں ایک عجیب قلعہ پیش آیا کہ اس کے  
 الم بھائی ہشام بن صبابہ کو ایک انصاری نے مشرک سمجھ کر قتل کر دیا اور جس وقت مقیس کی طرف سے  
 ہشام کے قتل کی بابت عدالت نبوی میں استغاثہ دائر ہوا تو قاتل انصاری ہلائے گئے اور  
 اعلیٰ قرار دیئے گئے مگر چونکہ یہ قتل خطا صادر ہوا تھا اس لئے اس سچے اظہار کے بعد شرعی قانون  
 موافق انصاری مسلمان پر دیت کے سنواؤنٹ واجب کئے گئے اور یہ خون بہا وصول کر کے مقیس  
 پر دیا گیا۔ معاملے ہو لیا اور عدل و انصاف کے قاعدہ پر جھگڑا منٹ چکا تھا مگر مقیس کو اس کی خبا  
 لینہ و طبیعت نے پیغمبر کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے دیا اور اس نے موقع پا کر اپنے بھائی کے قاتل  
 انصاری مسلمان کو قتل کر ڈالا اور گرفت و مواخذہ کے اندیشہ سے مُرتد ہو کر مکہ بھاگ آیا۔ آج جبکہ  
 وق العباد کی تلافی کی جا رہی تھی تو اس کا خون ہر ہوا۔ چنانچہ حضرت نبیلہ رضی اللہ عنہا نے  
 اُس وقت جب کہ مقیس اپنے مشرک رفقاء کے ساتھ ایک گوشہ میں بیٹھا شراب پی رہا تھا قتل کیا۔  
 حارث بن ملہ اطلال کہ میں وہ ایذا رساں کافر تھا جس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف  
 پہنچانا اپنی عزت سمجھ رکھا تھا۔ اس کی خیانت حد سے بڑھ گئی اور شان رسول میں ناشائستہ کلمات اس کے  
 یہ کلام بنے ہوئے تھے آج فتح مکہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

حزیرت بن نقیب بھی ایذا رساں و ہجو بیانی میں حارث کے قدم بقدم تھا جب غلبہ اسلام کے  
 بارگاہ دن اس کا وقت آن کر برابر ہوا اور موت ہر پہلی تو خوف زدہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہا حضرت علی  
 لاش کرتے ہوئے اُس کے گھر پہنچے تو جواب ملا کہ ”جنگل گیا ہوا ہے یہاں موجود نہیں“ حالانکہ گھر میں  
 موجود تھا مگر یہ جواب سن کر حضرت علی واپس ہو گئے اُس کے چند ہی لمحہ بعد حزیرت گھر سے نکل کر سیلاب  
 باناجا بتا تھا کہ راہ میں حضرت علیؑ نے دیکھ پایا اور واسط جہنم کیا دی ہیں وہ چاروں مقتول مرد جن کو  
 فتح مکہ میں جان سے مارا گیا۔

عکرمہ بن ابو جہل کی ایذا رسائی محتاج بیان نہیں ہے۔ عکرمہ نے اپنے باپ ابو جہل کی دیکھا دی  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ غزوہ مکہ میں  
 بھی خالد بن ولیدؓ کے لشکر کی مزاحمت عکرمہ نے کی اور دو شہید ہونے والے مسلمانوں میں ایک مسلمان  
 عکرمہ ہی کے ہاتھ شہید ہوئے مگر اللہ کی رحمت کے دریائے ناپید انار کی غواصی انسان کی طاقت سے باہر ہے  
 جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عکرمہ کے ہاتھوں فوجی مسلمان کے شہید ہونے کی اطلاع



ہوئی تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ قاتل و مقتول دونوں جنت میں نظر آتے ہیں۔

صحابہؓ کو یہ کلمہ شکر تعجب ہوا اور سمجھ گئے کہ اس لفظ میں عکرمہ کے مسلمان ہونے کی بشارت تھی مگر پر اسلامی تسلط ہونے پر عکرمہ نے اپنی بغاوت یاد کر کے اس اندیشہ سے کہ یہ برسوں کی خطائیں ہرگز قابلِ عفو نہیں ہیں مگر چھوڑ کر جلا وطنی اختیار کی مگر عکرمہ کی بی بی اُم جمیل جو مسلمان ہو کر اپنے باغی خاوند کے لئے امان کی خواہشمند ہوئیں تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کے خون پھر ہونے کا حکم واپس لے لیا۔ اُم جمیل اپنے خاوند کی تلاش میں مکہ سے باہر نکلیں اور اُس وقت جب کہ عکرمہ سمندر کے کنارے پہنچ لیا اور جہاز پر چڑھ کر کسی دوسرے ملک میں جانے کا تہیہ کر رہا تھا، خاوند سے ملیں اور بارگاہ رسالت کے امان حاصل ہونے کا ذکر کر کے واپسی کی خواہش کی۔ عکرمہ یہ حال سن کر حیران ہو گیا۔ کبھی اپنی عداوت و بغاوت کے قیسے یاد کرتا اور کبھی اس لطف کرم اور نرمی و ملامت پر نظر ڈالتا تھا۔ آخر کار اُم جمیل کے ہمراہ ہولیا اور مکہ واپس کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھ کو امان مرحمت فرمائی ہے؟ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ "ہاں تم کو امان دی گئی ہے" یہ جواب سن کر عکرمہ حیران ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ اس قدر مختل و کرم اور غفور و رحیم پوشی نبی کے سوا دوسرے میں نہیں ہو سکتی مسلمان ہو گئے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت عکرمہؓ کی یہ حالت ہوئی کہ قرآن مجید دیکھ کر ایک وجہ کی حالت پیدا ہوئی اور یہ کہہ کر کہ "یہ میرے رب کا کلام ہے" رقت طاری ہو جاتی تھی۔ خلافت مدنیقی میں جب کہ فتنہ مرتدین کے دفع کرنے کے لئے بارہ لشکر مرتب کئے گئے تھے ایک لشکر کی سپہ سالاری حضرت عکرمہ کے ہاتھ میں تھی اور اسی مبارک عہد میں حضرت عکرمہ جنگِ اجتادین کا ہولناک منظر دیکھتے ہوئے شہید ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ صفوان بن اُمیہ نے بھی ایذا و کفر میں عکرمہ کا ساتھ نہیں چھوڑا یہاں تک کہ غزوہ مکہ کے اسلامی لشکر کی مزاحمت میں عکرمہؓ کی مرافقت بھی کی اس لئے اسلام میں بھی ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا البتہ حضرت عکرمہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور حضرت صفوان کا اسلام غزوہ خنین کے بعد ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن وہبؓ کی سفارش پر ان کے بدر خون کا حکم واپس لے لیا اور امان کی علامت میں اپنا نام حضرت عمیرؓ کے حوالے فرمایا۔ حضرت عمیرؓ نے صفوان کو عین اُس وقت جبکہ وہ بھی دریائے سندھ کے لئے تیار تھا امان کی اطلاع دی اور صفوان نے حاضر ہو کر دو ماہ کی مہلت مانگی کہ میں سوچ لوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ دو ماہ چھوڑ جاؤ ماہ کی مہلت ہے۔

جنگِ خنین کے وقت ننوڑہ اور اسی کے موافق جنگی سامان صفوان کے عاریتہ لیا گیا اور جب فتحِ خنین کے بعد مالِ غنیمت کے تھیر بکری و دنبوں کے گلے پر صفوان کی نظر پڑی تو صفوان حیران ہو کر بولے کہ کس قدر



ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ سن کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صفوان لیجاؤ یہ سارا کھلے تم کو دے دیا۔ صفوان بن امیہ رسالتِ نبوی کی یہ دریا دلی دیکھ کر حیران ہو گئے اور یہ کہہ کر کہ اس قدر دلت سوائے پیغمبر کے دوسرے میں نہیں پائی جاسکتی۔ مسلمان ہو گئے۔

وحشی کے ہاتھ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زرارہ کو اسیدنا امیر حمزہؓ کا شہید ہونا وحشی کے دل پر رونے کا سبب ہوا تھا لیکن وحشی اس سے پہلے کہ قتل کیا جائے طائف کی جانب بھاگ گیا کیونکہ صحابہؓ وحشی کے خون کے پیاسے تھے اور ہر مسلمان چاہتا تھا کہ حمزہؓ کے قاتل کا خون میرے ہاتھ سے پایا جائے مگر خیال پورا نہ ہونے پایا اور وحشی قرآن کی یہ آیت سن کر کہ اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بندو اللہ محبت مایوس نہ بنو بیشک اللہ تمام گناہ بخشتے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لمان ہو گئے حضرت وحشی نے خلافتِ صدیقی میں میلہ کذاب کو قتل کیا ہے اور اس خطا کی عملاً تلافی کی جو البتہ کفر حضرت امیر حمزہؓ کو قتل کرنے کی ان سے صادر ہوئی تھی۔

عبداللہ بن ابی سرح فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوا اور کتابتِ وحی پر مامور ہوا تھا۔ ایک بار واللہ سمیعؑ نے یا ایہا اللہ غفور رحیمؑ جیسی آیتوں میں یہ قصہ پیش آیا کہ وحی کے نقل کرتے وقت اس سے قبل کہ آخری کلمہ زبانِ نبویؐ سے ارشاد ہو عبد اللہ کاتبِ وحی کے دل میں وارد ہوا اور اس نے زبان کھدیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرما کر کہ ہاں یہی نازل ہوا ہے۔ نقل کر دیا مگر عبد اللہ کی گمراہی لئے یہ دوسرے کافی ہو گیا اور اس نے وحی کا دعویٰ کرنے کے بعد عام طور پر مشہور کیا کہ جو کلمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوتے ہیں وہی مجھ پر القا کئے جاتے ہیں نیز کبھی یہ بھی بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر بھی میں ہوتی اور میں جو چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔ الغرض عبد اللہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور آج فتح کے دن خون بہائے جانے کے اندیشہ سے عثمانی امان میں پناہ گزیں ہوا کیونکہ حضرت ذوالنورین عبد اللہ کے رضائی مائی تھے۔ حضرت عثمانؓ ہی نے کمال سسی و کوشش کے ساتھ عبد اللہ کا قصور معاف کرایا اور عبد اللہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ کی عرصہ تک یہ حالت رہی کہ اپنے ارتداد اور دعویٰ نبوت کی شرم و ندامت کے سبب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منہ نہ کر سکے آخر کار عثمانی کوشش سے یہ حجاب مرتفع ہوا اور حضرت عبد اللہ کو نبوی صحبت سے مستغنی ہونے کا موقع ملا۔ خلافتِ عثمانیہ میں جب کہ حاکم مصر مقرر ہوئے تھے ملک افریقہ کی فتح انھیں کے ہاتھوں ہوئی اور آخر شہادتِ حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمان کے خون سے بچنے کی نیت پر یکسو ہو گئے اور پیش آنے والی اسلامی خانہ جنگیوں میں کسی فریق کے طرفدار نہیں بنے۔

کتب بن زبیر ایک شیریں بیان شاعر تھا جس نے ابتدائے اسلام میں جب کہ عرب کو کلمہ توحید سے



تفرقتا اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس روانہ کیا تھا چنانچہ کعب کے بھائی حبیبہؓ سلام کی مقناطیسی کشش کے سبب سمان ہو کر مدینہ سے واپس نہ آ سکے اور بھائی کو لکھ بھیجا کہ "آخرت میں بھائی کے لئے کسی کی تصدیق کی حاجت نہیں ہے اگر بھلا چاہتے ہو تو بلا تامل حاضر ہو کر مجھ جیسے بن جاؤ" کعب کو بھائی کا وہاں رہ جانا اور بلا مشورہ سمان ہو کر اس طرح بیباکانہ جواب لکھ بھیجا اس قدر ناگوار گذرا کہ اس نے اس خط کے جواب میں چند اشعار ہجوئیہ لکھ بھیجے جن میں ایک شعر یہ بھی ہے

سقال ابو بکر بکائیں ردیۃ فانہلک المامور منها وعلک

(اول ابو بکرؓ نے تجھ کو ایک ناقص پیالہ پلایا اور اُس کے بعد وہی پیالہ اُس شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ کو پلایا جو ابو بکرؓ سے علاقہ رکھتا ہے اور بار بار پلایا) اس کے بعد کعب کی بغاوت اور مخالفت و بددین زیادہ ہوتی رہی اور آخر فتح مکہ کے دن جان کے اندیشہ سے اُس کو مکہ چھوڑنا پڑا۔

چند روز بعد جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیاست مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لے گئے تو کعب بن زہیر مدینہ حاضر ہو کر اسلام لانے کی نیت سے روانہ ہوا۔ راتوں چلتا دنوں چھپتا اُس وقت جب کہ سید البشرؐ مسیحا میں تشریف فرما تھے مسجد کے دروازہ پر اونٹنی بٹھا کر یکبارگی چیخ اُٹھا کہ "میں کعب بن زہیر ہوں، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" اس کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس کا ایک شعر یہ بھی ہے

ان الرسول لسيف يستضاء به مہند من سیوف الہند مسلول

(حقیقت میں پیغمبر قابل تعریف ہندی تلواروں میں ایک ایسی ننگی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔) اس شعر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح بھی فرمائی اور بجا سیف کے نور اور سیوف الہند کے "سیوف اللہ" بنوا دیاجس کا ترجمہ یوں ہو گیا کہ (پیغمبر اللہ کی تلواروں پر ایک ننگی تلوار اور ایسے نور ہیں جس سے دوسرے روشن ہو جاتے ہیں)۔

یہ قصیدہ "بانت سعادہ" کے نام سے مشہور ہے اور اسی قصیدہ کے صلہ میں حضرت کعبؓ کو وہ رب نبوی مرحمت ہوئی جس کو اپنی مدت العمر حضرت کعبؓ نے علیحدہ کرنا گوارا نہیں کیا اور باوجود حضرت امیر معاویہؓ کے اصرار اور دس ہزار قیمت دینے کے بھی فروخت کرنا منظور نہیں فرمایا البتہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد سے بیس ہزار دینار کے عوض وہ چادر لی گئی اور شاہی تبرکات میں داخل کی گئی اسلام لانے کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لکھا ہوا ہجو یہ شخص کو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کعبؓ کو سنایا اور مزاح کے طور پر دریافت فرمایا کہ یہ شعر بھی تمہارا ہی لکھا ہوا ہے؟ حضرت کعبؓ خراشے اٹھائے اور



ماضی جوانی میں جہارت تائید رکھتے تھے، عوض کرنے لگے کہ بیشک یہ شعر میرا ہے مگر نہ اس طرح جیسا کہ آپ نے  
 لکھا بلکہ رویت میں وال کی جگہ واؤ ہے جس کے معنی خوش گوار کے ہیں اور مامور نہیں بلکہ مامون جو جس کے معنی  
 امانت دار کے ہیں۔ ان دو حروف کی تبدیلی سے جو یہ شعر مدحیہ بن گیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے اس رسائی ذہن سے خوش ہو کر آفریں فرمائی۔

ہبتار بن اسود کا یہ جرم تھا کہ جب جنگ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے وقت ابوالعاص اس شرط پر  
 رہائے گئے کہ اپنی بی بی یعنی حضرت کی بڑی صاحبزادی زینب کو مدینہ بھیج دیں تو ابورافع اور مسلمہ ان کے لینے  
 کو نہ گئے اور ابوالعاص نے وعدہ کے موافق حضرت زینب کو ہودج میں بٹھلا کر مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔  
 ہبتار بن اسود نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور چند اوباش کفار کو ساتھ لے کر مدینہ کے راستہ میں  
 حضرت زینب پر حملہ آور ہوا۔ دونوں صحابہ سے مقابلہ ہوا اور آخر ہبتار نے حضرت زینب کے ایک نیرہ مارا جس  
 کی وہ تاب نہ لاسکیں اور پتھر پر گر پڑیں حضرت زینب حاملہ تھیں اس صدمہ سے حمل گر گیا اور اسقاط حمل کے  
 اس مرض میں گرفتار ہوئیں جس سے جاں برب نہ ہو سکیں اور آخر مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد راسخی ملک بقا  
 ہوئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

فتح مکہ کے دن ہبتار بن اسود کا خون ہر ہوا مگر ہبتار اس سے پہلے کہ مسلمانوں کے قبضہ میں  
 آئے روپوش ہو گیا آخر حضرت کعب کی طرح عین اس وقت جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ  
 کے مجمع میں تشریف فرما تھے مدینہ پہنچ کر اچانک نبوی دربار میں حاضر ہوا اور آواز بلند کیا کہ میں ہبتار بن  
 اسود ہوں اور مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول فرما کر بیعت لی  
 اور جانشاہ حادثہ کے متعلق جو کچھ تصور صادر ہوا تھا معاف فرما دیا۔

گیارہویں مروجہ یعنی عبداللہ بن زبیری کے جرم اور اسلام کی صورت کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔  
 واجب القتل چھ مستورات میں ہند بنت عتبہ نے جو ابوسفیان کی بی بی تھیں، مسلمانوں کے ساتھ جو  
 سختی کا برتاؤ کیا تھا وہ جگہ جگہ معلوم ہو چکا ہے خصوصاً حضرت حمزہ کو قتل کرانا اور نعلین کے ساتھ وحشیانہ  
 حرکت پیش آنا کہ سینہ چیر کر کلمہ نکالا اور دانتوں سے چبا یا، چہرے کے اعضاء کاٹے اور ناک کان کا ہار بنا کر  
 پہنا۔ اس جرم میں ہندہ کا خون ہر کیا گیا لیکن اس سے پہلے کہ قتل کی جائیں، ہندہ عورتوں کے  
 زمرہ میں شامل ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور مسلمان ہو گئیں۔

حضرت ہندہ نے مسلمان ہوتے پیچھے گھر واپس آکر وہ ساری مورتیں جو پرستش کے لئے رکھی ہوئی  
 تھیں توڑ ڈالیں اور کہہ کر کہ "افسوس میری اتنی عمر تمہارے فریب میں ضائع ہوئی" بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے



کر ڈالا۔ ہندہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہا کرتی تھیں کہ ”یا رسول اللہ! ایک دن وہ کہ میرے نزدیک زمین پر آپ سے زیادہ دشمن کوئی نہ تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ پیارا اور محبوب کوئی نظر نہیں آتا“ ہندہ نے ایک مرتبہ بکری کے دو بچے پر یہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر گزارنے اور عرض کیا کہ میرے پاس بکریاں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور چند ہی روز بعد اس کا ایسا ظہور ہوا کہ ان سے بکریاں سنبھالی سنبھلتی تھیں۔

قتلِ قرینہ اور قرینہ ابنِ خطل کی دو باندیاں اور ارنبہ ابنِ خطل کی آزاد کی ہوتی تو نہ تینوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں لغو و بیہودہ اشعار سُری آواز سے گایا اور عسے والے اہل مکہ کے دل بُھایا کرتی تھیں۔ ان تینوں کنیزوں کے بھی خون بدر نکھتے گئے تھے جن میں قرینہ اور ارنبہ ماری گئیں البتہ قرینہ خوف زدہ ہو کر مکہ سے بھاگ گئی اور جب کسی کی شخص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان حاصل کر لی تو قرینہ حاضر خدمت ہو کر مسل ہو گئیں۔

نثارہ بنی مطلب کی آزاد شدہ باندی تھی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہر کرنے اور ہجو یہ اشعار گانے، ایذا پہنچانے اور بیہودہ محمول اُڑانے میں بیباک تھی۔ چونکہ فتح مکہ کے دن اس کا بھی خون بدر ہوا تھا اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں قتل ہوئی البتہ چھٹی عورت یعنی امّ اسعد کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ بھی آج ہی کے دن قتل ہوئی، اور اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ کون تھی اور کیا خاص جرم تھا اور کس نے قتل کیا۔

مکہ مکرمہ میں مکمل موروثوں کے برباد کرنے اور تمام رسوماتِ مشرکانہ کے منسوخ فرمانے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ باواز بلند بکا دے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بُت یا مورت نہ رکھے۔ چنانچہ گھروں کی مورتیں بھی توڑ پھینک دی گئیں اس کے بعد آپ نے اُن بتوں کو توڑنے کو جو نواحِ مکہ میں واقع تھے سرایا روانہ فرمائے۔ چنانچہ ۲۵ رمضان کو حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ عزیٰ کے مٹانے کو بھیجے گئے جو قریش اور بنی کنانہ کا مشہور اور سب سے بڑا بُت تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ سواغ کی طرف کہ نہیل قبیلہ کا بُت تھا۔ اور حضرت سعد بن زیدؓ اشلہ بنی سواروں کے ساتھ مناة کو نابود کرنے کو جو قادیہ کے قریب اوس و خزرج اور عنان وغیرہ کا بُت تھا، روانہ ہوئے۔ چنانچہ یہ حضرات گزار کر



سے فارغ ہو کر آئے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر جو کچھ زر و نقد ان کے خزانوں اور بیٹوں میں سے  
رآمد ہوا لا کر حضرت کے سامنے رکھ دیا۔

اس کے بعد مبارہ شوال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تین سو پچاس ہجیرین و انصار اور بنی  
کے سردار بن کر قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ ان کو اسلام کی تبلیغ اور مذہب حق  
لی ہدایت کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو بنی جذیمہ جو مسلمان ہو چکے تھے  
ہتھیار لئے ہوئے سامنے آئے اور سچائے آسمان کے مہبانان پکارنے لگے۔ مہبان کے معنی  
انحراف کے ہیں اور اس سے بنی جذیمہ کا مطلب یہ تھا کہ ہم بت پرستی کے آبائی مذہب سے منحرف ہو کر  
اسلام کے نئے طریقہ میں داخل ہوئے مگر چونکہ کافر مسلمانوں کو مہبائی کہتے تھے کہ انھوں نے اپنے  
قدیم مذہب سے انحراف کیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس لفظ سے ان کو مسلمان نہ سمجھا اور ہر چند کہ انھوں نے  
ظاہر کیا کہ ہم نے آبادی میں مسجد بنائی ہے اور اذان و نماز کے پابند ہیں مگر صورت حال نے  
کہ ہتھیار لئے کر آئے تھے اس کی تائید نہ کی اور گو اس کا بھی انھوں نے عذر کیا کہ ہم میں اور عرب  
کے بدوؤں میں چونکہ عداوت ہے اس لئے ہتھیار لے آئے ہیں اندیشہ ہوا کہ شاید وہ ہم پر  
چڑھ آئے ہوں۔ مگر اس کو جان بچانے کا حیلہ سمجھا گیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ  
اچھا ہتھیار دیدو اور اپنی مشکیں کسو اگر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دو۔ چونکہ بنی جذیمہ سچے  
مسلمان تھے اور حملہ آور لشکر کو مسلمان سمجھے ہوئے تھے اس لئے ان کو اس میں بھی تامل نہ ہوا اور انھوں  
نے نہایت خوشی سے اپنے ہتھیاروں اور جانوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد  
شب گزرنے پر صبح ہوئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو حکم دیدیا کہ بنی جذیمہ کا جو قیدی جس کے  
پاس ہو وہ اس کو قتل کر دے۔ چنانچہ بنی سلیم نے تعمیل کی اور بہت سے مسلمان اس غلط فہمی  
کی بدولت مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ مگر انصار و ہجیرین نے کہنا نہ مانا اور اپنے  
تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ نیز یہ کہہ بھی دیا کہ یہ تمھاری غلطی ہے جس کا فیصلہ دربار رسالت  
میں چل کر ہوگا اور ہم کو ایسی اطاعت کا حکم نہیں ہے جس کی غلطی کا علم ہمیں ہو چکا ہو۔  
اس کے بعد جب سلامی لشکر مکہ واپس آیا اور حضرت نے قصہ سنا تو آپ کو بہت رنج ہوا اور  
اول آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ اے اللہ! جو کچھ خالد رضی اللہ عنہ نے  
کیا ہے میں اُس سے بری ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کہ بنی جذیمہ کے جس  
اشخاص مقتول ہوئے اُن کی دیت ان کے وارثوں کو پہنچائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ



کے پاس آئے اور جس کا جتنا حق تھا اس کو پورا پورا ادا کر دیا۔ جب آپ بیت کار و پیہ حق داروں کو دے چکے اور کچھ دراہم و دنانیر آپ کے پاس بچے تو آپ نے نہایت سخاوت و دریادلی کے ساتھ ان کو بھی انھیں کے باقی رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔

اس وقت جب کہ مکہ دار الکفر بنا ہوا تھا اور ہزار ہا بت پرست اُس میں آباد اور شراف و شجاعت کے تدعی بن کر ہر طرح قابو یافتہ تھے، کیا کوئی شخص خیال کر سکتا تھا کہ مذہب اسلام ہو نہار اور پھلدار درخت کو یہ استحکام نصیب ہو گا کہ خاص کفرستان کو دارالامان والا ایمان بنا جس وقت عرب کی رگستانی زمین میں ضدی و جنگجو بدوؤں کی اصلاح کے لئے رسول مقبول صلی علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے تو مایوسی کی گھنگور گھٹائیں پھیلی ہوئی اور ناامیدی کے تاریک بادل اُن کی نظر آ رہے تھے۔ آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے کفار قریش نے روک دیا تھا اور جھنڈ کے جھنڈ آپ کو چچا ابوطالب کے پاس آکر اس بات کے ملتی ہوئے تھے کہ ”اپنے بھتیجے کو روکو کہ وہ ہمارے بتوں پر نہ کہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ“ قریش کا غصہ دن بدن بڑھتا رہا اور آخر ابوطالب کا ہاتھ اُٹھ کر گویا اہل مکہ کے لئے عام اجازت ہو گئی کہ معصیت و ایذا کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا استقلال تھا کہ آپ نے دنیا بھر میں اپنے ایک مُرتبی و محافظ یعنی ابوطالب کی علیحدگی کا بھی خیال نہ کیا اور صاف الفاظ میں فرما دیا کہ ”چچا جان اگر کافر میرے واسطے ہاتھ میں اور باتیں ہاتھ میں مانتا ہے تو اب بھی اس پاک کلام کے چھوڑنے کو مجھ سے کہیں، تب بھی میں اپنے مقصد سے ہرگز نہ ڈگوں گا یہاں تک کہ خدا اپنے مقصد کو ظاہر کر دے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں“

الحمد للہ کہ مقصد پورا ہونے کا وہ مبارک دن دنیا ہی میں آپ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جس لئے آپ نے اس فقرہ میں لوگوں کو منتظر بنایا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی رسالت کا وہ ثمرہ ظاہر ہوا جس میں آپ عقل کو حیران بنانے والی اُس استعداد کو کام میں لانے جس نے اعزاز و اقارب و مفارقت کنبہ اور برادری کی مخالفت، وطن اور مولد و مسکن کی ہجرت، غرض ہر پریشان کرنے والی حالت کو محض خواب و خیال بنا دیا تھا۔ آپ ہمت نہ ہارے اور آخرت کی جاوید نعمتوں کے کربیا ہاتھوں سے لٹانے میں ایسے سخی و کریم ثابت ہوئے جس کی نظیر ملنی محال ہے۔

اگر لوگ ایمان نہ بھی لاتے تب بھی آپ کے کام کی عظمت میں کوئی بے نہ لگتا۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا اثر اپنے رشتہ داروں پر نہ پہنچا بلکہ آپ کے حواریں بھی آپ پر ایمان لانے میں اس قدر مضبوط ثابت نہیں ہوئے، جیسے امت محمدیہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ، مگر پھر بھی



امت روح اللہ کی رسالت میں کوئی ضعف نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ ضعف ایمان خود معتقدین کی  
تی کمزوری کے سبب تھا اور جب حضرت کے کام کی عظمت کے ساتھ یہ نتیجہ بھی پیش نظر ہو کہ بعالم  
بائی مکہ چھوڑنے کے آٹھ برس بعد آپ بعد شان و جلال اور ہزار شوکت و عظمت لطف و کرم کی  
میر کرتے اور احسان و انعام کی پکھالیں اُنڈیلتے ہوئے اپنے وطن میں داخل ہوئے تو عقل  
بران ہوتی جاتی ہے۔

چونکہ نواح و اطراف کے عرب آپ کی صداقت کا آخری معیار فتح مکہ کو ٹھہرایا تھا کیونکہ وہ  
صحابِ فیل کے قحطے اور دیگر واقعات سے تجربہ کر چکے تھے کہ کوئی اہل باطل مکہ پر فتح نہیں پاسکتا  
میں لئے جس وقت مکہ آپ کے قبضہ میں آگیا تو عرب کے ایمان کی رکاوٹ جاتی رہی اور گروہ اگر وہ لوگ  
آکر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے۔ اہل مدینہ نے جب یہ عالم دیکھا تو یوں سمجھ کر کہ وطن ہر شخص کو  
یارا ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں اقامت فرما دیں مگر  
نب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ انصار کو مخاطب بنایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ "معاذ اللہ  
نم کو میں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔ مجھ کو تم ہی میں جینا اور تم ہی میں مرنا ہے" انصار  
بے حد مسرور ہوئے اور اُنہیں یوم مکہ میں اقامت فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ  
منورہ کو مراجعت فرمائی \*

## باب ۷۸

### غزوہ حنین اور غزوہ طائف

مکہ و طائف کے مابین موضع حنین و موضع اوطاس کے باشندوں یعنی قبیلہ ہوازن اور ان کے  
ساتھ دوسرے فرقوں ثقیف و مضر و حثیم نے جو مکہ کے ارد گرد بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرایا کرتے  
تھے فتح مکہ کی اطلاع پا کر آخری جھڑجھڑی لی اور قسمت آزمائی کا منصوبہ باندھ کر چاہا کہ سب مل کر  
اپنے ملک و مذہب کی حفاظت پر جی توڑ کر کوشش کریں۔ چنانچہ چار ہزار کفار کی جماعت حنین میں  
جمع ہوئی جو مکہ سے براہِ عرفات طائف کے قریب دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ذوالمجاز کے پہلو میں  
ایک مشہور وادی ہے۔ اس جماعت کا سردار مالک بن عوف نضری تھا اور اُس نے اپنے لشکر کے  
ساتھ ان کے بی بی بچوں اور تمام موشیوں کو لے لیا تھا تاکہ ان کی حفاظت کے لئے جان کا دینا سہل



ہو جائے۔ مقام کی جانب نسبت کے اعتبار سے اس غزوہ کا نام حنین و اوطاس ہے اور مقابلین کے لحاظ سے غزوہ ہوازن۔

جب ہوازن و تقیف کے وادی حنین میں جمع ہونے کی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو جنگ کا عزم فرما کر اول حضرت عبداللہ بن ابی حداد سلمیٰ کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ دشمنوں کی جمعیت و کیفیت معلوم کر کے آویں اور جب انھوں نے واپس آکر مفصل کیفیت سنادی تو آپ نے دس ہزار مدنی ہجیرین و انصار طلقائے مکہ یعنی نو مسلم اصحاب کو ہمراہ لیا اور حضرت عتاب بن اسید کو امیر مقرر کیا۔ ۱۲ شوال ۶۰۰ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے جہاں ہوازن کی جماعت اپنے اہل حیا سمیت سامان عیش و طرب کو لئے اپنی بھیڑ بکریوں کے گلے گھیرے ہوئے پڑی تھی۔

مسلمانوں کو حنین میں پہنچنے کے لئے ایک تنگ گھاٹی سے ٹکنا تھا اور مالک بن عوف نے پیش قدمی کے طور پر پہلے ہی اُس کے ناکوں اور راستوں پر قبضہ کر کے فوج کے دستے کے دستے بٹھا دیئے اور کمال مستعدی ان کو مامور کر دیا تھا کہ جس وقت مسلمان بے خبری کے ساتھ یہاں پہنچیں تو دفعۃً ان کو تیروں کا نشانہ اور نیزہ و تلوار کا شکار بنا لیا جائے اور اتنا موقع نہ دیا جائے کہ وہ باخبرہ یا جنگ کے لئے آمادہ ہو سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وقت اسلامی لشکر اس وادی سے نیچے اترتا تو اچانک ان پر حملہ ہوا اور دشمنوں کا جم غفیر ٹڈی دل کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا جس سے وہ گھبرا گئے اور بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ نکلے۔

دشمنوں کی چال اور خفیہ تدبیر کی وجہ سے جب اسلامی لشکر میں بھیگی ہوئی ہو گئی تو گویا مسلمانوں کو شکست ہو گئی کیونکہ اُس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے چند اصحاب رضی اللہ عنہم ہجیرین میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور اہل بیت میں علی رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ و فضل بن عباس و ربیعہ بن عباس، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور امین بن امین وغیرہ کے کوئی بھی نہ رہا۔ سب بتر بتر ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور اس بے سرو سامانی کی حالت میں ان کے پاؤں آیسے اکھڑے کہ جتنا مشکل پڑ گیا یہاں تک کہ بعض بدگمان ضعفاء کو بدگمانی کا موقع ملا، کسی نے کہا کہ آج مسلمان ایسے بھاگے ہیں کہ وریا سے ورے رکنے کا نام نہ لیں گے، اور کوئی بولا کہ آج ہجر کے ملیا میٹ ہونے کا دن آپہنچا۔ غرض جس نے جو چاہا کیا مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی کچھ پروا نہ کی اور اس کس پرسی کے ہنگامے میں آپ کی شجاعت و استقلال نے ثابت کر دیا کہ آپ کے ہاتھی خون میں جو انہری کا بھی وہ پورا حصہ شامل ہے جو افضل الرسل میں ہونا چاہئے کیونکہ



اس تنہائی و کس مہر سی کے خوفناک وقت میں اپنی سواری سے نیچے اتر گئے اور پا پیادہ یہ کلمات  
 کہے ہوئے آگے بڑھے ”میں نبی ہوں جھوٹا نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں“ چند صحابہؓ  
 آپ کے ساتھ رہ گئے تھے ہالہ بنے ہوئے آپ کو اپنے اندر لئے ہوئے تھے اور آپ چاہتے تھے کہ سب آگے  
 میں اور بنفس نفیس دشمنوں کے جہم غفیر کا مقابلہ کریں، آخر حضرت امین ابن ائم امین شہید ہوئے  
 ہوازن کا ایک شخص حضرت کی طرف بڑھتا ہوا نظر پڑا جو سرخ اونٹ پر سوار جنگ کا سیاہ  
 مان اور ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں لئے قوم کے آگے آگے جولاہی کرتا اور جس کو پاتا قتل کرتا تھا حضرت  
 نے دیکھا اور ایک انصاری شخص نے اُس کو اس نخوت کے عالم میں دیکھا تو لپکے اور حضرت علیؑ نے پیچھے  
 آکر اونٹ کے پاؤں میں ایسی تلوار ماری کہ اس کے دونوں قدم کٹ گئے اور وہ شہرین کے تل  
 پڑ گیا۔ سامنے سے انصاری نے ٹہلت نہ لینے دی اور سوار پر وار کیا کہ پنڈلی میں اترتا چلا گیا آخر  
 سوار گرا اور اُس کے ہمراہیوں نے مجتمع ہو کر دست بدست لڑائی شروع کر دی۔

مسلمانوں کا یہ انتشار چونکہ عارضی تھا اس لئے جس وقت حضرت عباسؑ نے باواز بلند بکارا  
 کہ اے جماعت انصار! اور اے گروہ ہاجرین! اے بیعت رضوان والو! اور اے کبیر کے نیچے کھڑے ہو کر  
 لڑو اور پیٹھ نہ پھرنے کا عہد کرنے والو! کہاں جا رہے ہو؟“ تو سب لبتیک بکارتے ہوئے لوٹ پڑے  
 اور کھسان کی لڑائی میں مشغول ہو گئے مسلمانوں کا بصد حیرت و دامت کوٹنا اور شجاعت جوش میں  
 ہر مارنے والے خون کا اُبلنا تھا کہ چند ہی لمحے میں میدان جنگ کا رخ پھر گیا اور اب اس میدان  
 میں کافر بھاگتے نظر آئے جہاں مسلمانوں کو بھاگنا پڑا تھا اور چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ایک مٹھی خاک لشکر کفار کی طرف پھینک کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ ”یہ منہ ذلیل و خوار ہوں“  
 اس لئے ہوازن و ثقیف کے ہزیمت خوردہ بدوؤں کے جماؤ کی کوئی صورت نہ رہی اور بی بی بچوں کے  
 ساتھ سارے مال و متاع کو چھوڑ کر ہزار ہا سیملگی کافروں نے شہر جانوں کے تلف ہوئے پیچھے نہایت  
 نقصان کے ساتھ شکست پائی۔

کفار کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب اور کثیر التعداد مویشی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، بھاگے  
 ہوئے ہوازن میں ایک جماعت گرفتار ہوئی اور کچھ لوگ جن میں زیادہ تر قوم ثقیف کے بدو تھے اپنے  
 سردار لشکر یعنی عوف بن مالک کے ساتھ طائف کے اُس قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے جہاں کھانے پینے  
 کی سال بھر کے لئے کافی مقدار رسد پہلے سے جمع کر رکھی تھی اور باقی جو بچے وہ اوٹھاس کے مستحکم درہ  
 میں جا چھپے یا نخل کی جانب روپوش ہو گئے۔



حضرت شیبہ بن عثمان جن کے دل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ اور مکہ پر بیہوشی قابض ہونا کھٹک رہا تھا اسلامی لشکر کے ساتھ اس نیت ہوئے تھے کہ ممکن ہے ہوازن کے ساتھ مسلمانوں کی ہمت بھڑکے وقت موقع ملے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کرنے سے قریش کے دلوں کی آگ نکلے اس لئے عین اس وقت جب کہ مسلمان منتشر ہو رہے تھے یہ اپنی بدینتی کے ساتھ حضرت کی طرف بڑے خود حضرت شیبہ کا بیان ہے کہ میں اُس وقت حضرت کا اتنا دشمن تھا کہ عداوت کا شعلہ دبا نہیں سکتا تھا اور یوں کہا کرتا تھا کہ اگر سارا عرب و عجم بھی محمد کا اتباع کر لے گا تب بھی میں اتباع نہ کروں گا مگر جس وقت تلوار سونت کر میں آپ کی طرف بڑھا ہوں کہ اپنا خیال پورا کروں تو دفعہ آگ کی ایک بڑی جھپکڑ میری طرف بڑھی جس کے خوف میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دفعہ میں نے حضرت کا ہاتھ اپنے سینہ پر دیکھا کہ آپ نہایت شفقت کی آواز سے یوں فرما رہے ہیں کہ "یا اللہ! اس کو شیطان سے پناہ میں رکھو" خدا جانے اُس دستِ سیما اور کلمہ روح افزا میں کیا مقناطیسی اثر تھا کہ میری ہڈی فوراً میٹ گئی اور آپ کا وجود باوجود مجھ کو میری آنکھ اور کان اور روح و جان گیارہ محبوب معلوم ہونے لگا اس کے بعد میں نے آنکھ کھول دی اور حضرت نے فرمایا کہ آگے بڑھو اور جنگ کرو چنانچہ میں حضرت کی سپرین کر و شمنوں سے جنگ میں لگ گیا اور اس جوش کے ساتھ آگے بڑھا کہ اُس وقت اگر میرا آپ سامنے آتا تو واللہ اُس کے پیٹ میں تلوار گھسائے بغیر نہ رہتا۔ چند لمحہ بعد جب سلمان لوٹ آئے اور کفار کی ہزیمت دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے تو میں بھی اندر داخل ہوا کہ آپ کے پیارے چہرے کی محبت و مسرت کے ساتھ زیارت کروں۔ تب آپ نے میری بدینتی اور سارے مافی الضمیر کو ذکر فرمایا اور کہا کہ "اے شیبہ! جو بات خدا نے تمہارے لئے پسند کی وہ بہتر ہے اُس ارادہ سے جو تم نے اپنے لئے پسند کر رکھی تھی" یہ سنکر میں شرمندہ ہو گیا اور میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر عرض کیا کہ "میرے لئے استغفار فرمائیے کہ خطا میں معاف ہو جاؤں" چنانچہ آپ نے استغفار فرمایا اور بشارت دی کہ حق تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دیئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین سے فارغ ہو کر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابو عامر کو جن کا نام عبید بن سلیم ہے صحابہ کی ایک جماعت کا امیر بنا کر مقرر ہوازن کے تعاقب میں اوطاس کی جانب روانہ فرمایا اور خود باقی اصحاب کو لے کر مستحکم قلعہ میں پناہ گیر ہزیمت خوردہ فوج کو سزا دینے کے لئے طائف کی جانب مراجعت فرمائی۔

حضرت ابو عامر اوطاس کی جانب روانہ ہوئے اور جو ملا اس کو پکڑتے یا قتل کرتے آگے بڑھتے



پے گئے۔ اس غزوہ کا نام غزوہ طائف وغزوہ بنی ثقیف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "مڑا کیا نہیں کرتا" بنی ثقیف اور ہوازن نے جو اپنی جانوں سے تنگ آگئے جب کسی جانب مغرہ دیکھا تو بہتروں نے اپنے آپ کو خود مسلمانوں کا قیدی بنا دیا اور باقی نے لوٹ کر دوبارہ جی توڑ حملہ کیا اسی حالت میں حارث کے بیٹے علا جشمی نے حضرت ابو عامر کے گھٹنے میں تیر مارا کہ اندر سوست ہوتا چلا گیا اور وہ صرف یہ وصیت فرما کر کہ "حضرت میرا سلام عرض کر دیجو" دفعۃً جان بحق تسلیم ہو گئے۔

ابو عامر کے ہاتھ سے جھنڈا اگر اتواُن کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کو سنبھالا اور جب زخمی چاے اُن کے قاتل کا پتہ لگا تو اس کو قتل کیا اور اپنی جماعت کو بھاگتے ہوئے ہوازن کے پیچھے لے چلے گئے یہاں تک کہ انھوں نے ثقیف کے قلعہ میں پناہ پکڑ لی اور حضرت ابو موسیٰؓ رہا بھر پور مال غنیمت لے کر واپس ہوئے۔

حضرت ابو موسیٰؓ رضی اللہ عنہ نے اسلامی نشان ہاتھ میں لیا اور یکدم اسلامی فوج کو لگا کر بہادرانہ حملہ کر دیا اسلامی لشکر کا حملہ وہ حملہ نہ تھا جس کو ہوازن کے بددورک سکتے اس لئے قوم کا سرغنہ و ربیب بن محمد حضرت ربیعہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اس کے جمع کئے ہوئے لشکر نے بے سرو سامانی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا جس وقت ہزار ہوازن بچے پڑھے اور عورت و مرد چالیس ہزار کے زیادہ بکریاں، چوبیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی جو مال غنیمت میں ہاتھ آیا حضرت ابو موسیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا اور اپنے مرحوم چچا ابو عامر شہید کی درخواست پیش کی تو اس وقت آپ بغیر بستر گوریے پر استراحت فرما رہے تھے ابو عامر کا حال سُکر اٹھ بیٹھے اور وضو فرمانے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا فرمائی کہ "بارِ الہا! ابو عامر کی مغفرت فرما اور اُن کو قیامت کے دن اپنی بہتری مخلوق سے بالا درجہ نصیب کر"۔

ابو موسیٰؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لئے بھی دعا فرما دیجیے۔ تو اسی مجلس میں آپؐ ان کے لئے بھی ان الفاظ سے دعا فرمائی کہ "اے الہی! عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰؓ) کی مغفرت کر اور قیامت کے دن کرا والامقام اس کو نصیب فرما"۔ انھیں گرفتار معصیت قیدیوں میں جن کو حضرت ابو موسیٰؓ زندہ گرفتار کر کے لائے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شہاب بنت الحارث بھی تھیں جنہوں نے بہن ہونے کی علامت یہ ظاہر کی کہ بچپن میں جس وقت میں آپ کو گود میں لئے کندھے سے لگائے تھے تو آپؐ میری کمر میں کاٹ کھایا تھا جس کا نشان اب تک موجود ہے چنانچہ آپؐ وہ نشان دیکھا اور اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا کہ تم جاؤ تو میرے پاس رہو اور تمہارے خرچ کی میں کفالت کروں اور چاہو تو تمہارے وطن واپس کر دوں مگر جب



حضرت شیمانے اپنے وطن کو ترجیح دی تو اپنے تین غلام اور ایک باندی اور چند اونٹ اور بکریاں دے کر نہایت اکرام کے ساتھ ان کو ان کے وطن واپس بھیج دیا۔

جس وقت حضرت ابو عامر بن اوطاس کی جانب روانہ کئے گئے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو مقدمۃ الجیش بنا کر اُس قلعہ طائف کا رخ کیا جس میں عوف بن مالک اپنے مشرک رفقاء اور حنین کے ہزیمت خوردہ ثقیفی جماعت کو ہمراہ لے کر پناہ گزیں ہوا تھا اور کامل اٹھارہ دن محاصرہ میں محصور رکھا مگر چونکہ قلعہ کی دیوار کے اوپر سے پھینکے ہوئے تیر نیچے پڑے ہوئے اسلامی لشکر میں اپنا کام اچھی طرح کر سکتے تھے اور مسلمانوں کو دشمن کے جواب دینے کا موقع ملنا مشکل تھا اس لئے منجنیق قائم کی گئی اور اس کے ذریعہ سے پتھر قلعہ کے اندر پھینکے گئے اس کے بعد بھی ان لوگوں نے باہر نکلنے اور کھلے میدان میں لڑنے کا نام نہ لیا تب منادی کرادی گئی کہ جو شخص قلعہ سے باہر آجائے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا چنانچہ انیس آدمی باہر نکل آئے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو قلعہ کا پھاٹک کھولنے اور دروازہ کے راستہ سے باہر نکلنے سے اپنے آپ کو عاجز پا کر قلعہ کی اونچی فصیل سے نیچے لٹک پڑے تھے بالآخر چونکہ ابھی طائف کے فتح کا وقت علم الہی میں نہ آیا تھا اس لئے آٹھارویں دن محاصرہ اٹھالیا گیا اور یہ دُعا فرما کر کہ یا اللہ! ثقیف کو ہدایت نصیب فرما اور ان کو میرے پاس آنے کی توفیق دے۔ وہ بارہ مہابی جو اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے دفن کر دیئے اور مراجعت کی وہاں سے چل کر اپنے جعرانہ قیام فرمایا۔ غنائم حنین کو اسلامی لشکر میں تقسیم فرمایا اور اب چونکہ واپسی مدینہ کا عزم تھا اس لئے عمرہ کا احرام باندھ کر مسلمان مکہ میں آئے اور اربعہ روزی قعدہ کو عمرہ ادا کیا۔ چونکہ ضعیف الاسلام اور نو مسلم اہل مکہ کے دلوں کا پرچا نامنظور تھا اس لئے مال غنیمت میں ان کو زیادہ دیا گیا چنانچہ ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور تنوا اونٹ عطا فرمائے اور جب اس پر قبضہ کر کے ابوسفیان نے اپنے صاحبزادہ یزید کا حق مانگا تو چالیس اوقیہ اور تنوا اونٹ آپ نے اور دیدیئے اس کے بعد دوسرے صاحبزادے معاویہ کے لئے سوال ہوا تو چالیس اوقیہ اور تنوا اونٹ ان کے نام سے عطا فرمائے۔

حکیم بن حزام کو اول تنوا اونٹ عطا فرمائے اور جب انھوں نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے تنوا اونٹ اور دیدیئے۔ اسی طرح نصر بن حارث کو تنوا اونٹ عطا فرمائے۔ اور عمار بن حارث ثقیفی کو پچاس، عباس بن مرداس کو اول چالیس اور تنوا اونٹ عطا فرمائے اور جب انھوں نے ایک نو تصنیف شعر میں اس عطا کا قلیل ہونا ظاہر کیا تو آپ نے نہایت دریا دلی کے ساتھ تنو پورے پورے کر دیئے



اس طرح کچھ اوپر چالیس طلقار مکہ کے ساتھ تالیفِ قلوب کا برتاؤ کیا۔ اس غایتِ سخا کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے قلوب میں اسلام اور ہادیِ اسلام کی عظمت بیٹھ گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیضان سے وہ مستفید ہونے لگے۔

مخلص انصار نے تو اس تالیفِ قلب کو مصالحت پر محمول پر کیا مگر بعض انصار کو اہل مکہ کی ترجیح گراں گزری اور اس کو حق تلفی سمجھ کر یہ الفاظ زبان سے نکالے کہ ”کس قدر بے انصافی ہوا اہل مکہ تو غنیمتِ محنتیں سے مالا مال ہوں اور ہم حالانکہ ہماری تلواریں اب تک خون آلودہ ہیں محروم ہیں۔“ اس لئے جب یہ خبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سبھوں کو جمع کیا اور ایک بڑے چرمی خیمے میں جب کہ انصار کے سوائے کوئی نہ تھا اس طرح خطاب فرمایا کہ ”اے گروہ انصار! کیا باتیں ہیں جن کا چرچا تم آپس میں کر رہے ہو؟“

انصار نے اول تو ادب کے سبب ہی کہا کہ یا رسول اللہ! کچھ بات نہیں ہے مگر جب آپ نے مکرر دریافت فرمایا تو عرض کر دیا کہ ”یا رسول اللہ! عقل مند و مخلص اصحاب نے تو کچھ بھی نہیں کہا البتہ بعض کم عقل اور نو عمر لوگ طلقائے مکہ کی ترجیح کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں۔“

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اے گروہ انصار! کیا میں تم لوگوں کے پاس ایسی حالت میں نہیں آیا کہ تم سب تاریکیِ کفر میں بھٹک رہے تھے، پس خدا نے تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت دی، تم لوگ فقر و مصیبت میں مبتلا تھے خدا نے تمہیں میرے ذریعہ سے غنی اور مطمئن کیا، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے میری وساطت سے تمہارے دلوں کو محبت و اتفاق سے بھر دیا، کہو کیا یہ بات صحیح نہیں؟“ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ”ہاں اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔“ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ”ہاں اے گروہ انصار! اگر تم یوں کہو تو بیشک صحیح کہو کہ اے محمد! تم ایسی حالت میں ہمارے پاس آئے کہ تمام لوگوں نے تم کو جھٹلایا پس ہم نے تم کو سچا سمجھا اور تم پر ایمان لائے، تم بے یار و مددگار آئے اور ہم نے تمہاری مدد کی، تم کو سب سے چھوڑ دیا تھا اور ہم نے تمہاری غمخواری کی، تم غریب و بسکس تھے ہم نے تمہیں پناہ دی، تم بے چین تھے ہم نے تمہیں تسلی دی۔ اے گروہ انصار! کیا اس مُردار دنیا کی بدولت تم مجھ سے ناخوش ہوئے جاتے ہو جس کو میں نے ضعیف الاسلام اہل مکہ میں تالیفِ قلوب کی غرض سے تقسیم کر دیا اور تمہارے ایمان کی پختگی پر اعتماد کر کے تم کو اس میں سے بہت کم دیا۔ اے گروہ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے وطن کو جاؤ؟ قسم ہے اس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہو کہ جو تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو دوسرے لے کر جائیں گے۔ میں



تم لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصاری ہوتا اور اگر کل جہان کے آدمی ایک راستہ چلیں اور تم ایک راستہ تو میں انصاری ہی کے راستہ چلوں گا۔ انصار میرے بدن سے ملحق ہیں، جیسے اندرونی لباس اور دوسرے لوگ بیرونی لباس کے مثل ہیں۔ اے میرے اللہ! رحمت نازل فرما انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔

مورخ لکھتا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم ان باتوں کو سن کر اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور بیتاب ہو کر سب لوگوں نے متفق اللفظ کہا کہ "یا رسول اللہ! ہم اپنے حقوق پر راضی ہیں بالآخر وہ لوگ خوش خوش اپنے گھر گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن اسید کو مکہ کا حاکم اور اپنا نائب مقرر فرما کر انصار و ہاجرین کے ساتھ مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ غزوہ حنین و اوطاس کے مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کے بانٹ دینے کے بعد طائف کے قلعہ میں پناہ لینے والے ثقیف و ہوازن بامرنگے اور چونکہ سمجھ چکے تھے کہ لات و عزی کی مورتیں بالکل بیکار ہیں اس لئے اسلام لے آئے۔ ہوازن نے جب اپنی برادری اور کنبہ کو مسلمانوں کے لونڈی و غلام بنے ہوئے دیکھا تو اپنی قوم کی طرف سے ایک وفد بھیجا جن میں منجملہ چودہ نفر کے حضرت کے رضاعی چچا ابورقان بھی تھے یہ لوگ زہر بن صرد کی ماتحتی میں مدینہ آئے اور سائلانہ طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعی ہوئے کہ خاندان ہوازن کے کل قیدی رہا کر دیئے جائیں اور لوٹا ہوا مال واپس لادیا جائے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران ہوازن کی تقسیم اسی انتظار میں کہ شاید یہ خاندان مسلمان ہو کر اپنے قیدیوں کی رہائی کا خواستگار ہو۔ کچھ اور بدشگون تک ملتوی رکھی تھی اس لئے جواب دیا کہ تم دیکھتے ہو کہ میں تنہا نہیں ہوں میرے ساتھ اور بہت لوگ ہیں جن کے حقوق اموال و مویشی اور غلام باندیوں میں قائم ہو چکے ہیں سو مجھے سچی بات بہت بھاتی ہے سچ کہہ دو کہ تم کو اپنے مال بچے زیادہ پیارے ہیں یا مال و مویشی؟ اور جب انھوں نے کہا کہ عیال کی برابری مال نہیں کر سکتا تو آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے جاؤ اور جب میں فجر کی نماز سے فارغ ہوں تو باوازی بلند اس طرح کہہ دو کہ ہم مسلمانوں کو بارگاہ رسالت میں شفیع لاتے ہیں اور رسول اللہ کو مسلمانوں سے درخواست میں شفیع بناتے ہیں کہ وہ ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر جب مسلمانوں نے جانے کا قصد کیا تو ہوازن نے اپنی درخواست انھیں الفاظ میں پیش کی جو ان کو تعلیم کر دیئے گئے تھے۔ یہ سوال سن کر سب صحابہ بیٹھ گئے اور سب سے اول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جو کچھ میرا اور میرے خاندان بنی عبدالمطلب کا حق ہے وہ تو میں نے تم کو ہیہ کر دیا اور باقی کے



لئے میں لوگوں سے درخواست کروں گا کہ وہ بھی ایثار کو کام میں لائیں۔ یہ منکر انصار و مہاجرین کی آوازیں بلند ہوئیں کہ جو کچھ ہمارے حصہ میں آیا وہ رسول اللہ کا ہے آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں تصرف فرماویں، البتہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس نے آئے ہوئے مال غنیمت کا جانے دینا پسند نہ کیا اور کہا کہ ہم اپنے اور بنو تمیم و بنو فزارہ اور بنو سلیم کے حصے واپس نہ کریں گے۔ تب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دغظ فرمایا اور کہا کہ یہ تمہارے ملکی بھائی مسلمان ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں تم کو معلوم ہے کہ ان کے اسلام کے انتظار میں کئی دن تک ان قیدیوں کی تقسیم بھی ملتوی رکھی اور اب میں نے ان کو دو امر میں اختیار دیا کہ یا بی بی بچے لے لیں یا مال و مویشی۔ سوانخوں نے اہل و عیال کے برابر کسی شے کو نہ سمجھا اور چاہا کہ صرف ان کے قیدی رہا ہو جائیں۔ پس میں سفارش کرتا ہوں کہ جو شخص بطیب خاطر ایثار کرنا چاہے وہ اپنا حصہ ان کو واپس کر دے اور جو اپنا حق دینا گوارا نہیں کرتا وہ بھی اس شرط پر اپنا حق ان کو مہرہ کر دے کہ ایک ایک غلام کے بدلے چھ غلام کا غنیمت میں جو مجھے حاصل ہو ادا کرنے کا میں ضامن و ذمہ دار ہوں، چنانچہ بجز عیینہ بن حصن کے سب نے رضامندی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم بخوشی اپنا حق واپس کرنے پر راضی ہیں مگر آپ نے اس پر اکتفا نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم ہوا کہ تم میں کون راضی ہے اور کون ناراض۔ اس لئے سربراہ اور لوگ کھڑے ہو کر اپنے لوگوں کی رضا سے مجھ کو مطلع کریں۔ چنانچہ سربراہ اور وہ اصحاب یعنی عرفار قوم نے اپنے اپنے لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سب اپنے قیدی رہا کرنے کے لئے بخوشی رضامند ہیں اس طرح پر چھ ہزار قیدی یکدم آزاد کرو دیئے گئے اور اس عالی حوصلگی و ہمتانہ سخاوت کا ایسا عام اثر ہوا کہ بہترے ثقیف بھی مسلمان ہو گئے عیینہ بن حصن نے اپنے حصہ کی بوڑھا باندی کو اس وقت آزاد نہیں کیا البتہ بعد میں انہوں نے بھی اس کو رہا کر دیا۔

ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بھی بعد میں اسلام قبول کیا اور بارشاد نبوی طائف کے حاکم مقرر کئے گئے۔ مالک بن عوف کو ایک سو اونٹ انعام میں بھی دیئے گئے اور نیز اہل و عیال جو کھڑے گئے تھے واپس کر دیئے گئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت طائف کی طرف چلنے لگے تو آپ نے حضرت طفیل بن عمرو مامور فرمایا کہ عمر بن حمہ دوسی کے بت کو جس کا نام ذوالکفین ہے جا کر توڑ ڈالیں اور ضرورت ہو تو اپنی قوم سے استعانت کریں اور جلد فارغ ہونے کے بعد مجھ سے طائف میں آکر ملیں۔ چنانچہ حضرت طفیل نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوئے اور ذوالکفین کو نابود کر کے مین اس



وقت جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف میں آئے ہوئے چوتھا دن تھا اپنی قوم کے چار سو نفر کے ساتھ طائف میں آپ سے آئے۔ طائف سے بنی ثقیف کا محاصرہ اٹھا کر جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ روانہ ہوئے تو پیچھے پیچھے عروہ بن مسعود ثقیفی روانہ ہوئے اور اس سے قبل کہ آپ مدینہ میں داخل ہوں حاضر خدمت ہو کر اسلام لے آئے۔ اس کے بعد انھوں نے اجازت چاہی کہ میں اپنی قوم میں جاؤں اور اسلام کی تبلیغ کروں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ تمھاری قوم میں نخوت و تکبر زیادہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم سے مقابلہ نہ کریں۔ مگر چونکہ حضرت عروہ بن مسعود روز ہمیشہ سے اپنی قوم میں بنگاہ عظمت دیکھے جاتے تھے اس لئے یوں کہہ کر کہ میری قوم مجھ کو اپنے بچوں اور کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آخر بنی ثقیف میں پہنچ کر وہی انجام ہوا جس کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندیشہ ظاہر فرمایا تھا کہ حضرت عروہ نے اپنی جاہ و عظمت کے لحاظ سے قوم کے مان لینے کی توقع پر جب اپنا اسلام ظاہر کیا اور ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تو ہر چار طرف تیروں کا میٹھ بوسنے لگا اور انھوں نے یوں فرما کر کہ "شکر ہے اُس خدا کا جس نے میرا اکرام فرمایا، اور شہادت کی وہ نعمت عطا فرمائی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو عطا ہوئی تھی پس مجھ کو ان ہی بارہ حضرات کے ساتھ دفن کرنا جو چند روز ہوئے حضرت کے ہاتھوں اس زمین میں دفن ہو چکے ہیں" جان ملک الموت کے حوالے کی۔

اس قصہ کے چند ماہ بعد بنی ثقیف کو ہوش آیا اور حضرت کی دعا جو ان کی ہدایت کے لئے ہو چکی تھی اپنی قبولیت کے آثار ظاہر کرنے لگی تو ان کے قلوب میں اسلام کی طرف خود بخود میلان پیدا ہوا اور انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ چاروں طرف کے بد و مسلمان ہو گئے اور جو باقی ہیں وہ اسلام قبول کرتے چلے جاتے ہیں، آخر کس کس سے لڑیں گے اور دریا میں رہ کر گرجھ سے عداوت کا نباہ کیونکر ہو سکے گا بہتر ہے کہ ہم بھی مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر کو جو حضرت عروہ کے ہم عمر تھے سفارت و وساطت کے لئے انتخاب کیا اور درخواست کی کہ تم مدینہ جاؤ اور اپنے موافق مشرطہ کی تحریری دستاویز لے کر سب کے اسلام کا وعدہ کر آؤ۔ عبداللہ دیکھ چکے تھے کہ عروہ بن مسعود کے ساتھ اسلام ہی کی بدولت قوم نے کیا سلوک کیا تھا، اس لئے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک میرے ساتھ چند آدمی نہ کر کے میں تمہارا اس خدمت کو انجام نہ دوں گا۔ آخر حکم بن عمر، شرجیل بن غیلان، عثمان بن ابی العاص، اوس بن عوف اور ہزین خزشہ پانچ افراد کے ہمراہ کئے گئے اور یہ چھیوں



مخص ماہ رمضان ۹ھ میں جب کہ حضرت کو تبوک سے واپس ہوتے چند روز گزسے تھے مدینہ پہنچے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا اکرام فرمایا۔ مسجد کے ایک جانب خمیہ ان کے لئے نصب کرادیا اور ان کو جہان بنا کر ٹھہرایا۔ حضرت خالد بن سعید باہمی گفتگو کا واسطہ بنے اور شرائط اسلام میں گفتگو ہونے لگی۔ ان کی طرف سے تین شرطیں پیش ہوئیں کہ تین سال کے لئے ان کا مشہور بیت جس کا نام لات تھا برقرار رکھا جائے، اور اس مدت کے بعد اس کے توڑنے کا حکم بھی ہو تو خود ان کے ہاتھوں توڑ دیا جائے، اور نماز معاف کر دی جائے کیونکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ اس محنت شاقہ کا تحمل دشوار ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بیت تو ایک لمحہ کے لئے بھی باقی نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ وہ مسلمان ہی کیا جس کے قلب میں مورت کی عظمت ہو۔ اور نماز بھی معاف نہیں ہو سکتی کیونکہ اس مذہب میں خوبی ہی کیا جس میں نماز نہ ہو، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ لات کے مٹانے پر دوسروں کو مامور کیا جائے اور اس خدمت گاہ بنی ثقیف کو معاف کر دیا جائے۔ آخر تین سال کی جہالت میں سال سال بھر کی کمی ہوتے ہوتے ہدینوں کی نوبت آئی اور اس پر اصرار ہوا کہ صرف ایک ہینہ کی جہالت ضرور دیدی جائے تاکہ خیال پرست عورتوں اور ضعیف العقیدہ جاہلوں کو مشتعل ہونے کا موقع نہ ملے۔ مگر جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ کی جہالت بھی منظور نہ فرمائی تو مجبوراً انھوں نے شرائط سے دست برداری کی اور اسی کو ختمیت سمجھ کر کہ ان کا زمانہ جاہلیت کا معبود ان کے ہاتھوں ذلیل و خوار نہ ہوگا، اسلام لا کر ایثار عہدہ کا اقرار کر لیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سعید ہی کے قلم سے امان و حفاظت ملک جان کی بایں مضمون تحریر لکھوا کر ان کے حوالہ کی کہ:

"بسم الله الرحمن الرحيم من محمد النبي رسول الله الى المؤمنين ان عضاه وج  
وصيدة لا يعصدا من وجد يمنع شيئا من ذلك فانه يجلد وينزع ثيابه فان  
تعدى على ذلك فانه يؤخذ ويبلغ به النبي محمد وان هذا امر النبي محمد رسول  
الله صلي الله عليه وسلم

لہ (ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد نبی رسول اللہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کو (اطلاع ہے) کہ وہ جو طائف کی وادی کا نام ہے، درخت اور شکار حرام ہے کا مانہ جائے اور جو ایسا کرتا ہوا یا جاتے گا اس کے دڑے مارے جائیں گے اور کپڑے چھین لئے جائیں گے۔ اگر کسی نے زیادتی کی تو اس کو گرفتار کر کے نبی محمد کے حضور پیش کیا جائے گا۔ یہ حکم ہے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ ۱۲



جس وقت حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو جو ان میں بلحاظ عمر اگرچہ سب سے چھوٹے تھے مگر سمجھدار اور علم کے حریص زیادہ تھے ان کو امیر بنا کر واپسی کی اجازت دی تو ان کے ساتھ ہی ساتھ حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو روانہ فرمایا کہ جا کر لات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور جو کچھ زرد جواہرات اس پر چڑھا ہوا ہے لے آویں۔ چنانچہ دونوں حضرات گئے اور حضرت مغیرہؓ نے کدال سے لات کو توڑ پھوڑ کر اُس کا مال و متاع لاکر حضرت عثمانؓ کے سامنے رکھ دیا۔

عروہ بن مسعودؓ کے شہید ہونے پر ان کے صاحبزادہ ابو ملیح اور بھتیجے قارب بن الاسود اپنی قوم بنی ثقیف سے ناراض ہو کر طائف سے نکل کھڑے ہوئے اور مسلمان ہو کر مدینہ میں آ رہے تھے۔ اب جبکہ ان کی قوم بنی ثقیف مسلمان ہوئی اور لات پر چڑھا ہوا زرد جواہرات غنیمت بن کر آیا تو ابو ملیح نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ عروہ پر قرض تھا اس مال میں سے اُس کو آدھا فراہم کیجئے۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور مرحوم کا سارا قرض ادا کر دیا گیا۔ حضرت قارب بن اسود کا باپ اسود بھی چونکہ مقرض مرا تھا اس لئے انھوں نے بھی عرض کیا کہ میرے باپ کا بھی قرض آدھا فراہم کیجئے۔ حضرت نے جواب دیا کہ عروہ مسلمان تھے اس لئے ان کو قرض سے سبکدوش کرنے کا ہم پر حق تھا مگر تمہارا باپ کافر تھا اُس کا قرض ادا کرنا ضرور نہیں۔ حضرت قارب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ کے مرنے کے بعد تو وہ قرض مجھ پر ہو گیا اور میں مسلمان ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر مسکرائے اور اُس قرض کو بھی اس مال سے آدھا فرمایا +



# اسلام

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہستند  
اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات پر مشتمل و  
مکمل ترین کتاب

حصہ چہارم

تالیف

مولانا محمد عاشق الہی صاحب میرٹھی

ناشر

مدنیہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل منیکوڈ روڈ کراچی



## باب ۷۹

## بنی تمیم اور تحصیل زکوٰۃ و صدقات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن عظیم الشان خدمت پر مامور ہوئے تھے وہ عقلوں کو حیران بنا دیے والی خدمت ہے کہ ادر آپ کو اپنے با عظمت دعوے رسالت اور توحید خداوندی کی آواز کا دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچانا اور اہل عرب میں متولیان کعبہ یعنی قریش کو خصوصیت کے ساتھ بغاوت خداوندی یعنی کفر سے توبہ کرائی تھی کیونکہ وہ نبی زادے اور بیت اللہ کے مجاور ہونے کے سبب صرف عرب ہی کے نہیں بلکہ دنیا بھر کے پیر اور مقتدا بنے ہوئے تھے اور ادھر مسلمان ہونے والی مخلوق کو ایسا زبردست قانون تعلیم فرمانا تھا جو ان کی دین اور دنیا کی چھوٹی بڑی ضرورت کو قیامت تک رفع کر سکے اور سلطنت کے انتظام و سیاست کے لئے کر غریب رحمت تک کی گذران و فلاح آخرت کا وسیلہ بن سکے اس لئے مکہ فتح ہو جانے پر جب آپ کو پہلی سعی میں کامیابی حاصل ہوئی کہ جوق جوق لوگ حاضر ہو کر مسلمان ہونے لگے تو آپ نے تعلیم و تربیت کی دوسری خدمت کے انجام دینے کی طرف توجہ بڑھا دی اور عملی حیثیت سے اس کی انجام دہی کے لئے محرم کا چاند دیکھتے ہی چاروں طرف سے نو مسلم قبائل کے قصبات و دیہات میں اپنے عامل روانہ فرمائے کہ ان سے زکوٰۃ وصول کر کے لائیں اور ان کے اموال میں جو شرعی حق مقرر کر دیا گیا ہے اس کا مطالبہ کریں تاکہ اسلام کی محبت اور خداوند تعالیٰ شانہ کی اطاعت کا امتحان ہو۔ چنانچہ بزرگ بن حصین کو قبیلہ اسلم و غفار کی جانب عباد بن بشر اشہلی کو سلیم و مزینہ کی جانب۔ رافع بن مکیت جہینہ کی جانب۔ عمرو بن عاص بن ہذیل کی جانب۔ بشر بن سفیان کو بنی کعب کی جانب۔ ابن اللہیبہ کو بنی ذبیان کی جانب۔ ہباج بن امیہ کو صنعاء کی جانب۔ زیاد بن لبیدہ کو کھزموٹ کی جانب۔ مالک بن نویرہ کو بنی خثلمہ کی جانب۔ علاء بن حضری کو بحرین کی جانب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نجران کی جانب اور بنی تسمیعہ کی جانب



ن بدر اور قیس بن عاصم دو حضرات کو روانہ فرمایا تاکہ ایک جانب کے نصف حصہ کی تحصیل ایک کریں  
دوسرے حصہ کے صدقات کی وصولیابی دوسرے چنانچہ یہ حضرات روانہ ہوئے اور بازگاہ رسالت  
یہ اس کی تاکید کی گئی کہ زکوٰۃ کی وصولیابی میں سختی نہ کریں اور عمدہ سے عمدہ مال انتخاب کر کے  
لیں بلکہ حسب نصاب مجوزہ نقد ہو یا مویشی اور بکریاں ہوں یا اونٹ متوسط درجہ کالیں جس کا دینا  
ن کو گراں نہ گذرے۔

مسلمانان عرب اگرچہ جنگجو ہونے کے ساتھ شخصی حکومت کی ماتحتی سے نا آشنا اور ہمیشہ کے خود  
مختار تھے مگر چونکہ بیعت ہو چکے تھے اس سرور عالم پیغمبر کے ہاتھ پر جس کی کیمیا اثر نظر کی دنیا میں  
نظر نہیں گذری اس لئے اب ان کو وہ مویشی جس پر ان کی گذران کا مدار تھا اور جو کبھی ان کے نزدیک  
اولاد اور جان بھی زیادہ عزیز تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سامنے ہیج نظر آتے تھے اور جزوی  
حصہ تو معمولی چیز ہے حکم رسالت کی تعمیل میں سارے مویشیوں کی ہمار اور ریشیوں کا اسلامی محصل کے ہاتھ  
میں دیدینا بھی ان کو بار نہیں معلوم ہوتا تھا اس لئے جس وقت مدنی محصل ان قبائل میں آتے تو وہ  
لوگ مسرور ہوتے اور پورے اکرام و احترام کے ساتھ حقوق شرعیہ دے کر دینہ واپس کیا۔

متوکلین کعبہ یعنی قریش کے اسلام قبول کرنے اور نایب ارض یعنی مکہ کے دارالاسلام بن جانے کی آواز  
اگرچہ سارے کوہستان عرب میں گونج چکی تھی اور بدو جو اس عقیدہ سے کہ مکہ پر ظالم و عاصی شخص کا قبضہ  
نہیں ہو سکتا اسلام کی حقانیت کا مدار فتح مکہ کو سمجھے ہوئے بیٹھے تھے اب ہتھیار رکھ چکے اور گروہا گروہ  
مسلمان ہونے شروع ہو گئے مگر پھر بھی حجاز کے گوشوں میں بعض قبائل ایسے آباد تھے جن کی طرف سے  
کوئی صدا بلند ہوتی ہوئی سنائی نہیں دی اس لئے ان کو بھی کھڑکھڑانے کی ضرورت تھی چنانچہ باہر محرم  
۹ھ میں قبیلہ بنی تمیم کی جانب جن کو اپنی فصاحت پر ناز تھا اور شجاعت قومی کے ساتھ نثر و نظم کی معجز بیانی  
پر خصوصیت کے ساتھ فخر تھا حضرت عبید بن حصن فراری کو روانہ کیا گیا کہ پچاس سوار نو مسلم جن میں ہاجر بن  
والفار میں سے کوئی نہ ہو اپنے ساتھ لے کر جاتیں اور تمیم کے ان شاہزادوں کے کان کھٹکھٹاتیں جن کو اپنے  
شاہزاد اور خطیب ہونے کے گھمنڈ پر اعجاز قرآنی پر توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا چنانچہ اسلامی لشکر کے پچاس  
سوار جو راتوں چلتے اور دنوں چھپتے ایک خاص خدمت کی سرانجامی کو تیز رفتاری کے ساتھ جارہے تھے  
دفعۃً اُس صحرا میں آ پہنچے جہاں بنی تمیم کے مویشی چر رہے تھے بنی تمیم جنہوں نے آنیوالی آفت کا خواب بھی  
نہیں دیکھا تھا بدوؤں میں لرزہ ڈال دینے والا سماں دیکھ کر بھاگ نکلے اور امن و اطمینان کو خیر باد کہہ کر  
ایسی بے سرو سامانی کے ساتھ چلے کہ مویشی اور بچوں تک کی خبر نہ لے سکے مسلمانوں میں ان خالی دیکھا تو مال



غنیمت پر قبضہ شروع کیا اور گیارہ مرد اکیس عورتیں تین بچے گرفتار کر کے مدینہ لوٹ آئے۔

نو گرفتار ان مصیبت قیدیوں کو رہ نہایت حارث کے مکان میں اتار دیا گیا اور ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کے لئے قوم کے سربراہ اور وہ شاعروں کے آنے کا انتظار دیکھا گیا۔ چنانچہ اقرع بن حابس نے جب دیکھا کہ محمدی کچھار کے شیر مہرے جتنے کے کھادر میں گھس کر خنجر مار گئے تو عطار دین حاجب اور نعیم بن سعد وغیرہ سات سردار ان ہمیم کو ہمراہ لے کر مدینہ روانہ ہوئے اور عین دوپہر کو مسجد نبوی میں اس وقت داخل ہوئے جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر استراحت میں مشغول تھے۔ چونکہ بنی تمیم کے قیدی اپنے پشت پناہ اشرف کو دیکھ کر رونے اور بلکنے لگے تھے اس لئے عورتوں اور بچوں کی آہ وزاری سے ان کے دل دکھ گئے اور انہوں نے بیتاب ہو کر مسجد ہی سے باواز بلند پکارنا شروع کیا کہ اے محمد ذرا باہر تشریف لائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دفعۃً آنکھ کھل گئی اور آپ کو ان کی چیخ پکار سے تکلیف بھی پہنچی جس کا ذکر ادب کھانے کے لئے حق تعالیٰ نے بایں الفاظ قرآن میں فرمایا ہے کہ کاش یہ لوگ صبر کرتے اور انتظار دیکھتے کہ حضرت خود باہر تشریف لادیں تو ان کے لئے زیادہ مناسب تھا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر حلیم تھے کہ اپنے ان پر کسی قسم کی ناراضی نہیں فرمائی اور اسی وقت باہر تشریف لا کر جواب دیا کہ کہو کیا کہنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شروطن دونوں کے اندر ہمارے اور تمہارے خطیب اور شاعر مقابلہ کر کے ہارجیت دکھلائیں۔ چونکہ اذان ہو چکی تھی اس لئے آپ نے مختصر الفاظ میں اقرار فرما کر ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے اور فرمایا بہتر ہے میں اجازت دیتا ہوں کہ اول اپنے خطیب سے کوئی فصیح خطبہ سنواؤ کہ کھڑے ہو کر حاضرین جلسہ کو مخطوط کرے۔ چنانچہ عطار دین حاجب نے کھڑے ہو کر یہ خطبہ پڑھا: الحمد للہ الذی جعلنا مملوکاً الذی لہ الفضل علینا والذی وہب لنا اموالا عظیماً نفعل فیہا الامر بالمعروف وجعلنا اعز اهل المشقہ واكثرہ عداداً وایسر عداۃ فمن مثلنا فی الناس التساءد ورس الناس واولی فضلہم فمن فاخرہ فلیعد مثل ماعدنا + فلو شئنا لا کثرنا من الکلام ولکن نستحبی من الاکثار لما اعطانا + اقول ہذا لا یاتوا بمثل قولنا وامر افضل من امرنا + جب عطار دین حاجب بیٹھ گئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی تعریف کا مستحق اللہ ہو جس نے ہم کو بادشاہ بنایا اسی کو ہم پر برتری حاصل ہے اور اسی نے ہم کو بکثرت اسوال بخشے کہ ہم جس قدر چاہیں سلوک کریں اور ہم کو مشرق کے باشندوں میں سب سے زیادہ عزت اور جتھے اور بلکے سامان والا بنایا پس ہم جیسا مخلوق میں کون ہو؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور صاحبان فضل نہیں ہیں پس جو کوئی ہمارے فخر کا مقابلہ کرنا چاہے وہ اتنی ہی خوبیاں گنوائے جو ہم بیان کریں۔ سو اگر ہم چاہیں تو اس سے زیادہ کلام کو طویل دے سکتے ہیں لیکن ہم کو تطویل سے شرم آتی ہے اور میں یہ اس لئے کہتا ہوں تاکہ لوگ ہمارے کلام کا مثل با اس سے برتر لا کر دکھلا دیں۔ ۱۳



نے اپنے صحابہ میں سے جو ہار بنے ہوئے اس مجلس مناظرہ میں آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے حضرت ثابت بن قیس  
کو ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر جواب دیں۔ چنانچہ حضرت ثابت کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ یہ فصیح خطبہ پڑھا  
الحمد لله الذی السموات والارض خلقه + قضی فیہن امرة + ومع کرسیہ علیہ + ولہ یکن  
شیئاً قطالا من فضله + ثم کان من فضله ان جعلنا ملوکا + و اسمطعی من خیر خلقه رسولاً + اکرہ  
نسباً + و اصدقہ حدیثاً + و افضلہ حساباً + فانزل علیہ کتاباً + و اثنیہ علی خلقه + و کان خیرۃ  
الله من العلمین + ثم دعا الناس الی الایمان باللہ + فامن بہ المهاجرون من قومہ + ذوی رحمۃ  
اکرم الناس احساباً + و احسنہم وجوهاً + و خیر الناس فعلاً + ثم کان اول الخلق اجابۃً + و استجابةً لله  
عین دعاہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم + نحن فنحن انصار الله + و زمرۃ رسول الله + صلی الله علیہ  
وسلم + فقاتل الناس حتی یؤمنوا + فمن امن باللہ و رسولہ منع ماله و دمه + و من نکث جاهدنا  
فی سبیل الله ابداً + و کان قتله علینا سیراً + اقول هذا + و استغفر الله العظیم للمؤمنین المؤمنات  
و السلام علیک \*

فصحا یرتیم نے دیکھا کہ مکتب محمدیہ کا طالب علم شامیر شرار کے بھرے مجمع میں ایک لڑکی کے اندر بے تکلف ہو کر  
کو پروتا اور فصاحت کے لہریز شستہ تقریر بے تکان سنار رہے جس میں عظمت و جلال کا رنگ جدا ہے اور  
خالق برتر کی سچی کبریائی کا اقرار جدا، تہذیب و حفظ مرا تب علیحدہ ہے اور شجاعت کا سانچہ میں ڈھلا  
ہوا انداز علیحدہ، ہمت و جال بازی الگ ہے اور اطاعت و فرماں برداری الگ۔ یہ عجیب اجتماع  
ضدین ہے کہ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہیں، پھر عبارت بھی طویل اور مجمع کی رعایت بھی ملحوظ، اخوت و  
لہ ہر قسم کی مدح کا استحقاق اللہ کو ہے کہ افلاک و زمین اس کی مخلوق ہے کان میں اپنا حکم نافذ فرمایا اس کا علم اس کی کرسی کو  
محیط ہے اور کسی شے کا وجود نہیں مگر اسی کے فضل سے۔ پھر اس کا ایک فضل ہم پر یہ ہوا کہ اس نے ہم کو بادشاہ بنا دیا اور  
اپنی بہترین مخلوقات میں سے ایک پیغمبر منتخب فرمایا جو سب میں زیادہ کریم النسب راست گو اور شریف الحساب ہیں۔ پھر ان پر  
کتاب نازل کی اور ان کو مخلوق پر امین گردانا اور وہ ہیں ہی تمام جہان میں سب سے بہتر پھر انھوں نے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے  
کی دعوت دی پس ان کی قوم کے مہاجرین رشتہ دار ان پر ایمان لائے جو لوگوں میں سب سے بزرگ نسب والے خوبصورت چہرہ والے  
اور سب سے بہتر افعال والے تھے۔ پھر مخلوق میں خدائی آواز کو سب سے پہلے قبول کرنے والے ہم ہیں سو ہم اللہ کے انصار اور جناب رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور مددگار ہیں کہ لوگوں سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں پس جو شخص اللہ اور اس  
کے رسول پر ایمان لے آئے گا اس نے اپنے مال اور جان کو محفوظ بنالیا اور جس نے انکار کیا تو ہم اس پر ہمیشہ جہاد کرتے  
رہیں گے اور اس کا مار ڈالنا ہمیں بہت آسان ہے۔ بس میرا قول تمام ہوا اور میں عظمت والے اللہ سے مغفرت  
مانگتا ہوں سب با ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے۔ اَسْلَامٌ عَلَیْکُمْ +



ہمدردی کا بھی اظہار اور ابتداء سے لیکر انتہا تک مسلسل و مربوط۔ تو سب دنگ ہو گئے اور مان لیا کہ اس میدان میں مقابلہ کا نام لینا اپنے آپ کو خفیف ہی بنانا تھا مگر پھر اس خیال سے کہ شاید نثر کے بیان کرتے وقت عطار دین حاجب کے سامنے زحل ستارہ آگیا ہو نظم میں مباحثہ چاہا اور زبرقان کو کھڑا کیا کہ شاعر کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ زبرقان بن بدر نے کھڑے ہو کر آٹھ شعر کی ایک نظم پڑھی جس میں اپنی سخاوت، ہمان نوازی، سربا پروری، شجاعت، سرداری اور اپنے ہمعصروں پر بڑائی و تفاخر کا اظہار کیا تھا جب زبرقان بیٹھ گئے تو پھر صحابہ کو ہر تن گوش بن کر انتظار ہوا کہ دیکھتے معرکہ میں مقابل بننے کی عزت کر کے حوالہ کی جاتی ہے چنانچہ حضرت حسان بن ثابت کو اشارہ ہوا اور انھوں نے بے محابا کھڑے ہو کر اسی بحر اور اسی طرز میں اٹھارہ شعر فی البدیہہ پڑھے جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت مدلل بیان کی اور ظاہر کیا کہ وہ افعال جن پر کسی کو تعریف کا استحقاق ہو سکتا ہے آج بجز مسلمانوں کے دوسروں میں نہیں پائے جاتے۔

شعر اربعہ میں بھی نیچا دیکھا تو ان کی گردنیں جھک گئیں، زبانوں کو قفل لگ گیا، پیشانیوں پر پسینے آگئے اور شرم و ندامت میں غرق ہو کر اپنی انصاف پسند طبیعتوں کو چھینے لگے کہ بناؤ آب کیا جواب دیں؟ آخر اس کا جلد فیصلہ ہو گیا اور انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہاتھ بڑھا کر درخواست کی کہ ہم کو بیعت کر لیجئے بیشک آپ کا خطیب ہمارے خطیب بہتر اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل تر ہے ہمارا ناز و تفاخر زیر خاک و فن ہوا، ہم ہائے او آپ جیتے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توبہ کرائی، اقرار توحید و رسالت لیا اور مسلمان بنانے کے بعد ان کے سارے قیدیوں کی رہائی کا حکم دے کر خلعت و عطا پائے شرف بخشا کہ معزز و محترم و مہربان بن کر اپنے وطن کو جائیں اور باقی قوم کو مذہب حق کی تبلیغ و تعلیم کریں۔

صفر کے مہینہ میں حضرت قطبہ بن عامر مع بیس سواروں کے سردار بن کر قبیلہ خثعم کی جانب روانہ کئے گئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ شجون مارنے میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ حضرت قطبہ و سن ادنٹ لے کر جن پرہیز آدھی باری باری سوار ہوتے تھے روانہ ہوئے اور منزل مقصود پر پہنچ کر چھاپہ مارا مگر خثعم بھی کوئی کمزور قبیلہ نہ تھا کہ پیٹھ دیے جاتے اس لئے وہ جاگے اور آنکھیں ملتے ہوئے ہوشیار ہو کر آمادہ کارزار ہو گئے۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور ایسی سخت ہوئی کہ حضرت قطبہ مع چند رفقاء کے شہید ہوئے اور دونوں طرف بہت کچھ زخمی اور لڑائی سے معذور بن گئے۔ آخر چونکہ مسلمانوں کا پشت پناہ فضل خداوندی تھا اس لئے جو مسلمان بچے تھے انھوں نے دشمن کے کچھ قیدی اور مویشی پر قبضہ کر کے مدینہ کا راستہ لیا۔



ختم نے دیکھا کہ چند نفر ہماری عورتیں اور اونٹ بکری پکڑے لے جاتے ہیں تو خیریت و حمیت سے بلبل اٹھنے اور مسلمانوں کے تعاقب میں نشانات قدم لیتے ہوئے اس طرح نکل کھڑے ہوئے جیسے بھڑس اپنے چمٹے پر حملہ کرنے والے کو تلاش کرتی ہیں۔ آخر مسلمانوں کو آپکڑا اور قریب تھا کہ ان کی مشکلیں باندھ لیں کہ دفعۃً سیلاب آیا اور ایک قدرتی زلزلے دونوں فرق کے درمیان دیوار بن کر مسلمانوں کو موقع دیا کہ تیز قدم چل کر مدینہ میں باطمینان داخل ہو جائیں۔ بنی مخشم سیل آپکے کنارے کھڑے ہو کر بحسرت و یاس دیکھ رہے تھے کہ مسلمان انکی عورتوں اور مویشی کو بھگائے لے جا رہے ہیں مگر نہ ان کو پانی میں قدم رکھنے کی ہمت تھی کہ اس کو عبور کریں اور نہ ان کو ٹھہرانے کی کوئی سبیل تھی جن کے رونے بلکنے اور چیخنے چلانے کی۔ آوازیں ان کے کانوں میں پڑ رہی تھیں یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گئے اور ان کو پشیمان و پریشان ٹوٹنا پڑا۔

ربیع الاول میں ایک لشکر ضحاک بن سفیان کی ماتحتی میں بنی کلاب کی طرف بھیجا جنھوں نے مقام زج پر دشمنوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے انکار پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر جنگ ہوئی اور بنی کلاب پیٹھ دے کر بھاگے۔ حضرت اقصید نے اپنے باپ سلمہ کو بھی زج کے حوض پر دیکھا کہ گھوڑے پر سوار اور اپنی قوم کا ساتھی ہو کر مسلمانوں سے آمادہ پیکار ہے تو آگے بڑھے اور اسلام کی دعوت دے کر اماں کا وعدہ کیا۔ مگر سلمہ نے اُس کی قدر نہ جانی اور جواب میں بیٹے کو گالی دے کر نزد اسلام کو بھی گندے لفظ سے یاد کیا جس کو حضرت اقصید سن کر ضبط نہ کر سکے اور گھوڑے کے سہموں پر ایسی تلوار ماری کہ وہ زخمی ہو کر گر گیا اور سلمہ نے پانی کے اندر نیزہ پر سہارا لیا۔ دفعۃً دوسرے مسلمان آگئے اور ان میں سے ایک نے سلمہ کے ڈوڈکڑے کر کے بیٹے کو اس سے بچا لیا کہ باپ کے قاتل مشہور ہوں۔

ماہ ربیع الثانی میں تین سو مسلمانوں کا حاکم بنا کر حضرت علقمہ بن عجز ز مدحی کو حبشہ کی طرف روانہ فرمایا اور کفار کو ہزیمت پیش آئی۔ اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سفید لوار اور سیاہ جھنڈا ملے کر پچاس گھوڑوں اور نواونٹ کے سواروں، ایک سو پچاس انصار کا سپہ سالار بنا کر اُس بتخانہ کو منہدم کرنے کے لئے قبیلہ بنی ہلی کی جانب روانہ فرمایا جس کے مشہور بیت کا نام قلنس تھا اور دنیا کا مشہور سخی حاتم ہی قبیلہ کا تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر نے صبح ہوتے چھاہارا اور بتخانہ کو منہدم کر کے قلنس کو توڑا جس میں تین تلواریں اور تین زمریں برآمد ہوئیں اس کے بعد مال غنیمت پر قبضہ کیا گیا۔ حاتم کے بیٹے عدی جو مذہب نصرانیت رکھتے اور اپنی قوم میں بادشاہ سمجھے جاتے تھے اپنے اہل و عیال کو لیکر ملک شام کی طرف بھاگ گئے البتہ ان کی بہن بکری گتیں اور بہت کچھ اونٹ بکری اور عورتیں بچے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے جن کو حضرت علی نے



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق نکال کر مجاہدین پر راستہ ہی میں تقسیم کر دیا۔ البتہ حاتم کی بیٹی کسی شخص کے  
 میں نہیں لگائی گئیں اور ان کو مع متعلقات کے مدینہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا گیا۔ جناب رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدی کی بہن پر گزے تو انہوں نے عرض کیا کہ ”سرپرست غائب ہو گیا اور باب رخصت  
 ہولید میں بوڑھا بیٹا بیٹھی ہوں کہ نہ کوئی والی وارث ہے نہ خدمت کرنے کے لئے کوئی خدمت گزار۔  
 میرے ساتھ سلوک کرو خدا تمہارے ساتھ سلوک کرے گا۔“ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 عدی کی بہن کو رہا کر دیا اور سواری عطا فرما کر اجازت دیدی کہ اپنے گھر چلی جائیں۔ عدی کی بہن نے  
 یہ احسان و عطا دیکھی تو حاتم کی سزا کے قفسے بھول گئیں، مسلمان ہوئیں اور عدی سے مل کر کہا کہ محمد نے ایسا  
 کام کیا ہے کہ تیرا باب بھی زندہ ہوتا تو نہ کر سکتا۔ بیکس پر ترس کھایا، دشمن کو آزاد کیا اور سواری دے کر بعثت و  
 عظمت گھر پہنچا دیا۔ پس اگر شرافت رکھتا ہے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو اور مسلمان بن کر اپنا واس  
 گو ہر مراد سے لبریز کر۔ چنانچہ حضرت عدی جو کسی زمانہ میں فخر ملک و مایہ ناز سخی کا بیٹا اور قوم کا شاہزادہ  
 ہونے کی مشیخت میں بدست ہو کر یوں کہا کرتے تھے کہ عربی لڑکے کی جس نے مدتوں ہمارے اونٹ چرائے  
 مجھ سے اطاعت نہ ہو سکے گی اور جس دن میں سنوں گا کہ محمدؐ کا لشکر آٹھ اتھوان اونٹوں پر سوار ہو کر شام  
 کی طرف چلے گا۔ جن کو اسی نیت سے کھلا پلا کر آج ہی تیار کر رہا ہوں۔ یہ سن کر عدی کے یہ کلمات سن کر پروانہ  
 امان لئے بغیر مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرت نے مسکرا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد  
 ان کو لئے ہوئے حجرہ میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ کیوں صاحب یہ فرار کب تک ہے گا اور کیا اس سے بھاگتے  
 ہو کہ اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرو اور یہود و نصاریٰ کو دشمن خدا و گمراہ سمجھو؟ یہ کلمات کچھ ایسے با اثر تھے  
 کہ عدی کے دل میں اترتے چلے گئے اور انہوں نے بے اختیار کہا: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ**

## باب ۷۲

### غزوہ تبوک

سلاطین دنیا کی جانب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلام بذریعہ تحریر پہنچا چکے تھے  
 اور اس کا اثر کم و بیش ظاہر ہو رہا تھا دفعۃً آپ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا  
 ہے اور لشکر جرار لے کر براہ شام حجاز کی طرف چلا آ رہا ہے۔ آپ کو مناسب سلوم ہوا کہ خود ہی اس پر  
 لشکر کشی فرما دیں اور اس سے پہلے کہ وہ حدود عرب میں داخل ہو اس کو روک کر مقابل بنائیں چنانچہ  
 ماہ رجب میں آپ نے سفر کا عزم فرمایا اور بیٹھے بیٹھے جد بن قیس سے یوں ارشاد فرمایا: ”میاں چے“



پڑے والوں کے مقابلہ کی بھی ہمت ہے؟ ”جد بن قیس یہ سنکر گہرا گیا اور کہنے لگا کہ ”یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میری طبیعت خورقوں کی طرف بہت جھکتی ہے اس لئے مجھے تو معاف کیجئے اور بلا میں نہ پھنسانئے، حسینانِ روم دیکھ کر صبر نہ ہو سکے گا۔“ حضرت نے منافق کا یہ جواب سنکر منہ پھیر لیا اور سفر کی تیاری فرماتے ہوئے عام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ شاہِ روم پر حملہ کی غرض سے چلنے کی جلد تیاریاں کریں۔

مسلمانوں کے لئے یہ وقت بھی سخت امتحان کا وقت تھا کہ ادھر سفر دور دراز کا تھا اور ادھر گرمی سخت پڑی تھی کہ گھروں میں بھی آرام نہ ملتا تھا اس طرح یہ کہ ادھر کھجور کی فصل جس پر اہل مدینہ کی سال بھر گزارنے کا مدار تھا تیار کھڑی تھی اور اس کے کاٹنے کے لئے صبح و شام کا انتظار تھا اور ادھر آلاتِ جنگ میں بہت کمی اور تنگی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا کہ جن کے پاس ہتھیار نہ ہوں اُن کو ہتھیار دو۔ جن کے پاس سواریاں نہ ہوں اُن کو سواری دو اور جان سے مال سے زبان سے ہمت جو کچھ مدد ہو سکے کرو اور جلد چلو کہ رومی لشکر حدِ حجاز میں داخل نہ ہو جائے۔

ادھر منافقوں نے اپنی حققت اُتارنے کے لئے دوسروں کو اپنا جیسا بنانے کی سعی کی کہ چاروں طرف پکارتے پھرے ”میاں یہ بھی کوئی سفر کا وقت ہے کہ شدتِ گرمی کے سبب بللائے جاتے ہیں اور تمازتِ آفتاب گھر بیٹھے ہوؤں کو بھلے دیتی ہے، چہ جائیکہ جنگل کی ٹوہیں اور ریگستان کی گرم ہواؤں کے ٹھپیرے۔“ اور ادھر معیشت اور مال کی محبت دامنوں کو پکڑنا شروع کیا کہ فصلِ غارت ہونے کے بعد سال بھر تک فائدے کرنے پڑیں گے یا بھیک مانگنی پڑے گی بہر حال عجب کشمکش تھی کہ جہنم کی آگ کو زیادہ گرم سمجھیں یا موسمِ گرما کی دھوپ کو، اور خدا و رسول کی محبت کو ترجیح دیں یا گذرانِ اور کی ہوئی کھجوروں کے خرمیوں کو۔ مگر چونکہ مسلمان اپنے اموال اور جانوں کو جنت کے عوض خدا کے ہاتھ مدتِ ہونی بیچ چکے تھے اس لئے اُن کو پس و پیش ہوا اور یہ کہہ کر کہ ”سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر پر قائم ہیں تو سب کچھ ہے ورنہ اپنی زندگی بھی بیچ ہے۔“ کھڑے ہو گئے اور جلد جلد جو کچھ بن پڑا سامان ساتھ لے کر سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ چندہ کی مد میں جو کچھ مسلمانوں سے بن پڑا لے لیکر حاضر ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے زیادہ اعانت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی کہ تین سو اونٹن مع سامان کے خرید کر مجاہدین کے حوالہ کئے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کئے۔ کچھ اور اسی منافقوں نے جھوٹے حیلے بہانے پیش کر کے حضرت کے ہمراہ جانے سے معذوری ظاہر کی مگر حضرت نے اصرار فرمایا کہ تم کو جبراً چلنا پڑے گا اور نہ عذر قبول فرما کر بخوشی اجازت دی کہ بہتر ہے



یہیں ٹھہرو۔ الغرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت پر اور محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر اور خود بر نفس نفیس تیس ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار لے کر جن میں دس ہزار گھوڑے تھے روانہ ہوئے۔

حضرت کے روانہ ہونے کے بعد عبداللہ بن ابی معہ اپنی جماعت کے جو ثنیۃ الوداع پر لشکر لے پڑا تھا مدینہ لوٹ آیا اور مخالف مسلمانوں میں سے بھی پانچ شخص طبعی کسل کے سبب رہ گئے جن میں حضرت ابو عثیرہ رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ اور متنبہ ہو کر روانہ ہوئے اور تبوک میں حضرت کے جا ملے۔ البتہ تین حضرات یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع مدینہ میں مقیم رہے جو مستوب ہوئے اور جن کی توبہ کا قصہ آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا۔

منافقوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں دیکھا تو چھڑ بھڑک کر شروع کی اور اس کا چرچا کیا کہ ان کا لے جانا حدیث کو گراں گذرا اس لئے ان پر تخفیف کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر بہت رنج ہوا اور سامان جنگ سے تیار ہو کر مدینہ سے نکلے یہاں تک کہ جرقہ کے پڑا تو پر اسلامی لشکر کو پالیا اور حضرت کے اپنی روانگی و شرکت جہاد کا باعث بیان کیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ منافق جھوٹے ہیں۔ میں تم کو اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کے لئے اپنا جانشین بنا کر چھوڑا ہے نہ کہ تم پر تخفیف کی غرض سے۔ پس کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میرے ایسے خلیفہ بنو جیسے موسیٰ کے خلیفہ ہارون تھے بجز اس کے کہ وہاں نائب و منیب دونوں نہی تھے اور میرے بعد کوئی نہی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے واپس ہو گئے اور مدینہ لوٹ آئے۔

چونکہ حضرت ہارون کا دھمال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہو چکا ہے اس لئے اس شیعہ میں قطع نظر اس کے کہ خاص غزوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانشینی اور دشمنی رفع کرنے کے لئے اسے ثابت غامہ کی فضیلت فرمائی تھی یوں بھی حضرت کی وفات کے بعد کی خلافت بلا فصل کا اشارہ نہیں ہو سکتا البتہ اگر حضرت سلیمان کا دواؤ علیہ السلام کے جانشین ہونے کو مشتبہ نہ بنایا جاتا تو شاید اہل تشیع کو کلام کی گنجائش نکل آتی۔ بہر حال آپ منازل قطع فرماتے ہوئے مقام حجر پر پہنچے جہاں کسی وقت صالح علیہ السلام کی قوم یعنی ثمود کی بستیاں تھیں اور عذاب سے برباد ہونے کے بعد اس کے کندھ ر آب تک نظر آ رہے تھے تو اپنے دامن سے اپنا منہ چھپا لیا اونٹنی کو ایڑ لگا کر تیز کیا اور ارشاد فرمایا کہ بجز اس کنوئیں کے جس سے ناقہ صالح پانی پیتی تھی اور کسی کنوئیں کا پانی کوئی نہ پیئے اور نہ اس سے آٹا گندھا ہوا کھائے۔ اس کے بعد آپ حکم دیا کہ یہاں سے تیز نکل چلو کہ عذاب الہی کا محل ہے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والی قوم کے گھروں میں نہ داخل ہو ورنہ عذاب خدا سے ڈرتے اور روتے ہوئے کہ تم پر بھی وہ نہ آنازل ہو جو ان پر نازل ہو چکا ہے



چنانچہ مسلمانوں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں جو پانی لیا ہوا تھا اس کو پھینک دیا اور جو آگ گندھا ہوا تھا وہ گھڑروں اور اونٹوں کو کھلا دیا۔ صبح کو قیام ہوا تو کسی کے پاس نہ دشمنوں کو پانی تھا نہ پینے کو، اس لئے حاضر خدمت ہوئے اور تکلیف ظاہر کی۔ تب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست بردار ہوئے اور حق تعالیٰ نے ایک سیاہ بادل بھیجا جس نے عین اُس میدان میں جہاں اسلامی لشکر پڑا تھا موسلا دھار برس کر سب کو سیر بھی کروایا اور سب نے اپنے مشکیزوں کو بھر کر آئندہ سفر کے لئے ساتھ بھی لے لیا۔ آگے چل کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جو چرنے کے لئے چھوڑ دی گئی تھی کم ہو گئی اور لوگ ادھر ادھر اُس کی تلاش میں نکلے جب دیر ہوئی اور پتہ نہ لگا تو منافقوں نے بدزبانی شروع کی کہ لو صاحب دعویٰ تو یہ ہے کہ آسمان کی خبریں دیتا ہوں اور خبر زمین کی بھی نہیں رکھتے کہ اس وقت اونٹنی کہاں ہے؟ حضرت کو ان کلمات کی اطلاع پہنچی تو بہت رنج ہوا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ یوں کہتے ہیں اور اللہ مجھ کو مجر اس کے کچھ علم نہیں جو خدا نے مجھے دیدیا ہے اور اب مجھے بتا دیا گیا ہے کہ میری اونٹنی کہاں ہے سو میں کہتا ہوں کہ فلاں جنگل اور فلاں وادی میں کھڑی ہے کہ اس کی باگ درخت میں الجھ گئی اور وہ گویا پکڑی گئی ہے کہ نکل نہیں سکتی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس جانب گئے اور درخت اُس کی باگ چھڑا کر ناکہ کو لے آئے۔

ہرقل شاہ روم اس وقت شہر حرقس میں تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ اُس نے ملک شام میں لخم و جذام اور عاملہ و غسان کے مختلف بہادر جماعتوں کا نہایت کثیر لشکر فراہم کیا اور سال بھر کا سامانِ رسد سب کو تقسیم کر دیا ہے مگر یہ خبر افواہ ہی افواہ تھی اور ہرقل جو آپ کے دل میں برحق سمجھتا تھا ڈر کے مارے آپ کے مقابلہ کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ مگر چونکہ فتح مکہ کے بعد کفار کی طرف سے اُمن مل جانے کی وجہ سے اب منافقوں کے نفاق کھلنے اور برباد و بنگوئیں ہونے کا وقت آگیا تھا اس لئے اس افواہ نے اس کی سبیل پیدا کر دی کہ مسلمانوں کے اخلاص و وفاداری کا امتحان ہو گیا اور منافق جنہوں نے مدینہ ہی سے ہٹانے بنائے شروع کر دیئے تھے اگر شرماء حضوری کو ساتھ ہو بھی لے تو راستوں سے کھسکنے شروع ہو گئے یہاں تک کہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ میاں سفید چمڑہ والوں سے لڑنے کو عرب کی سی جنگ نہ سمجھو کہ گئے اور فتح کر آئے، وہ ناچ نچا دیں گے اور ہمیشہ کے لئے سبق پڑھا کر دکھا دیں گے کہ باقاعدہ جنگ کس کو کہتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان واہیات باتوں کی طرف توجہ نہ فرماتے اور سیدھے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ تبوک قریب آگیا اور آپ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تمہارا قیام اس چشمہ پر ہو گا جس میں پانی بہت قلیل ہے تو جو شخص اس پر مجھ سے پہلے پہنچ جائے، اُس کے پانی کو ہاتھ



حقہ جہاد

نہ لگاتے۔ چنانچہ آگے دن جب آپ اس چشمہ پر پہنچے جس کی تہہ میں چوسنے کے قابل پانی تھا تو آپ نے ایک چلوئے کرمنہ میں رکھا اور کئی چشمہ میں ڈال دی۔ کئی کا ڈالنا تھا کہ وہ فتورہ کی طرح ابلنے لگا اور خدا جانے کہاں سے اتنے سوت کھل گئے کہ ساری مدت قیام میں تیس ہزار کا لشکر پیئے، وضو کرنے، نہانے اور جانوروں کے پلانے کے لئے کفایت بھی زیادہ خرچ کرتا رہا اور آج تک اس میں کمی نہیں آئی۔

الحمد للہ بندہ نے بھی اس چشمہ کی زیارت کی اور آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے سوت حیرت انگیز جوش کے ساتھ بشار پانی دیتے چلے جاتے ہیں۔ سارا قصبہ اس سے سیر ہوتا ہے مگر اس میں قطرہ کی بھی کمی نہیں آتی۔ تبوک پہنچ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صحابہؓ کو اطلاع دی کہ آج رات کو تند و تیز اندھیا وچلنے والا ہے اس لئے کوئی اپنے خیمہ سے باہر نہ نکلے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رتی خوب مضبوط باندھ کر سوئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شب کو سخت ہوا کے جھونکوں نے پریشان کر دیا اور ایک شخص جو اتفاق سے اس حال میں باہر نکل آیا۔ ہوا کے بگولوں میں اڑ کر بنی طے کے پہاڑوں میں جا کر پڑا جس کو مدت کے بعد ان لوگوں نے مدینہ پہنچا کر حضرت کے حوالہ کیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ دن تبوک میں ٹھہرے اور قصر نماز پڑھتے رہے اس اثنا میں حاکم ایلہ اور جرہاد اذرح کے باشندوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حزیہ دینا قبول کیا اور مسلمان ہوئے بغیر امان و ذمہ داری کا پروانہ لے کر اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ چونکہ آپ کسی حال اور کسی وقت میں اپنے کام سے غافل نہ تھے اور اطراف و جوانب میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اسی توجہ کے ساتھ قائم تھے جس توجہ سے آپ نے نبی ہوتے وقت اس کا بیڑا اٹھایا تھا اس لئے دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر بن عبد الملک کنڈی کی طرف جو مذہب نصرانیت رکھتا تھا چار سو بیس اسلامی سواروں پر حاکم بنا کر حضرت خالد بن ولید کو یہ ارشاد فرما کر روانہ کیا کہ "بنام خدا جاؤ اکیدر کو نیل گاؤ کا شکار کرتا ہوا پاؤ گے۔ چنانچہ حضرت خالد دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے گرمی کی رات تھی چاندنی چٹکی ہوئی تھی، ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے تھپکیاں دے کر مخلوق کو سلا رہے تھے اور اکیدر نے اپنے قلعہ کی چھت پر اپنی بیگم کے پاس بستر استراحت پر بائیں و اطمینان لیٹا ہوا تھا کہ ایک نیل گائے نے آکر قلعہ کے دروازہ سے اپنے سینک کھجائے شروع کئے یہ آواز اکیدر کی بوی کے کان میں پڑی، تو اٹھی اور خاوند سے کہا کہ ایسی عجیب بات بھی دیکھنے میں نہیں آئی کہ شکار خود آکر دستک دے۔ چنانچہ اکیدر اسی وقت اٹھا اور ہتھیاروں سے مسلح گھوڑے پر سوار ہو کر نیل گائے کے پیچھے ہوا۔ بادشاہ کو آمادہ شکار اور شب کے وقت گھوڑے پر سوار جاتے ہوئے دیکھ کر اس کے کنبہ اور قلعہ کے چند لوگ ساتھ ہوئے جن میں اکیدر کا بھائی حسان بھی تھا جو دیباچ کی قبا پہنے ہوئے تھا جس



میں طلائی کام اور زرعی کی گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔

حضرت خالد بن ولید کے اپنی اسلامی فوج سمیت قصبہ دومۃ الجندل میں داخل ہوئے کا وہی وقت تھا جب کہ اکتیر اپنے کنبہ کو لے ہوئے اس نیل گائے کا پیچھا کر رہا تھا جو دروازہ پر دستک دے کر جنگل کی طرف چلی تھی۔ سو شکار کا توبہ نہ لگا اور اکتیر نے محل سے نکلے ہی اپنے شکار کرنے والوں کی بہادر جماعت کو دیکھا۔ چنانچہ مقابلہ ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ حسان قتل ہوا۔ اس کی زرین قبا اپنے پہنچنے سے قبل بارگاہ رسالت میں پہنچا دی گئی اور اکتیر اس شرط پر زندہ گرفتار کر لیا گیا کہ نبوی دربار سے جو حکم صادر ہو اس پر تسلیم ختم کرے۔

الغرض حضرت خالد منظر و منصور تبوک میں داخل ہوئے اور اکتیر دومۃ الجندل کو قیدی بنا کر حضرت کے حضور میں پیش کر دیا۔ اکتیر نے اپنے مفتوح ہونے کا اقرار کر کے ذقی بن کر رہنے کی درخواست کی اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر مصالحت چاہی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ چار سو زرین دو ہزار اونٹ آٹھ سو اس اور چار سو نیرول کی ادائیگی پر مصالحت فرمائی اور اکتیر اپنے وطن کو واپس ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلام لایا اور اپنے ملک پر بحال رکھا گیا۔ واللہ اعلم۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ ہر قتل کی فوج کشتی کا غلغلہ محض افواہ تھا اور رسول بھی مقیم رہیں تو اس کے مقابلہ کی نوبت نہیں آ سکتی۔ تب آپ نے صحابہ سے مشورہ کر کے مدینہ کو مراجعت فرمائی اور راستہ میں حضرت ذوالجہادین کو جن کا سفر ہی میں انتقال ہوا آپ نے اپنے ہاتھ سے قبر میں اتار کر مادی گیتی کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد آپ چلے اور ایک مقام پر صحابہ کو یہ مشورہ دے کر کہ وادی کے وسیع راستہ کو چلیں خود اس تنگ گھائی کے راستہ ہوئے جو آگے چل کر اسی وادی سے مل جاتی تھی اور مسافت بہت کم قطع کرنی پڑتی تھی رات کا وقت تھا اور اس وقت آپ کے ساتھ صرف دو صحابی تھے یعنی حضرت عمار ناؤ کی باگ تھا سے ہوئے آگے اور حضرت حذیفہ جو اونٹنی کے پیچھے تھے کہ اس کو ہٹکائے لئے چلیں۔ منافقین جن کو ابھی تک اپنی ناکامی کا ہمیشہ کے لئے یقین نہیں ہوا تھا اور جو اسلام کی ہر جگہ نمایاں ترقیاں دیکھ کر بھی اپنی خباثتوں سے باز نہیں آئے تھے اس ٹوہ میں لگے کہ شب کی تاریکی اور گھائی کی تنگ گزر گاہ کا موقع غنیمت سمجھیں اور مجتمع ہو کر ایک آخری کوشش پھر کریں کہ چراغ رسالت گل اور سردار اسلام شہید ہو جائیں۔ چنانچہ بارہ آدمیوں نے مشورہ کیا اور یہ کہہ کر کہ ”میاں اگر مسلمان ہم سے بہتر ہوں تو گویا ہم سب ڈھور اور ڈنگر ہیں“ اور محمد ان کے چرواہے ہم سب احمق ہیں اور ایک محمد ہی حائل اس پر قسام عہدی کی کہ آج رات بھر جاگو اور ہمیشہ کا آرام حاصل کرو اور جب اس پر موافقت ہو گئی تو موقع کی ٹوہ میں میں اس وقت جبکہ



حضرت کی ناقہ نے تیس ہزار فوج کا ساتھ چھوڑ کر تنگ گھالی پر چڑھنا شروع کیا تو آنکھوں نے اپنی سواروں کو تیز کیا اور وسیع وادی کو جو عام لشکر کی گزرگاہ تھی چھوڑ کر حضرت کے پیچھے ہوئے اُن کی سواریاں ناقہ نبوی کے قریب پہنچیں تو حضرت اپنے خادموں کو لکارا اور فرمایا کہ اے عمار تیز چلو اور اے حذیفہ پھاپوں کو دور کرو۔ حضرت حذیفہ نے جو بخیری کے عالم میں باطمینان خفیت غنودگی کے ساتھ چل رہے تھے حضرت کی غضبناک لکار سن کر کانپ گئے اور پیچھے پھر کر دیکھا تو چند اونٹ قطار باندھے آ رہے ہیں جن کے سوار دعائاً باندھے اور کپڑوں کے اتنا منہ چھپائے ہوئے ہیں کہ سچانے نہیں پڑتے اور بجز آنکھوں کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ حضرت حذیفہ نے اپنی ڈھال سے اونٹوں کی تھوڑیوں پر طمانچے مارے اور اُن کو اتنا پرے ہٹا دیا کہ مناسب مل پیدا ہو گیا یہاں تک کہ گھالی ختم ہوئی اور کھلے راستہ پر مسلمانوں کے لشکر نے اپنے قمر کو پھر اپنے دائرہ میں لے لیا۔ منافقوں پر حضرت حذیفہ کی ہوشیاری سے ایسا عجب چھاپا کہ وہ دم بخود رہ گئے اور یوں سمجھ کر کہ ہمارا راز فاش ہو گیا اُلٹے پاؤں لوٹ کر لشکر میں رل مل گئے۔ جب کھلمکھیاں نکل آئیں تو حضرت نے حذیفہ کو ان خبیثوں کے ارادہ بد سے مطلع کیا اور ہر ایک کے نام بہ تفصیل بیان فرمائے کہ فلاں فلاں شخص میرے قتل کا منصوبہ باندھ کر آیا تھا اسی وجہ سے حضرت حذیفہ کو صاحبِ الشتر کہا جاتا ہے اور صحابہ رض جناروں کی نماز میں یہ دیکھ کر کہ حذیفہ کس مسلمان پر نماز نہیں پڑھتے، اس کا پتہ لگا لیتے تھے کہ یہ شخص منافق تھا جس کی اطلاع حضرت نے حذیفہ کو تبوک سے واپسی میں دی تھی۔

الغرض بہارِ رمضان المبارک آپ ثنیۃ الوداع کے راستے سے اپنے جان نثار صحابہ کو لے ہوئے شاد و فرحان مدینہ میں داخل ہوئے اور حسبِ عادت شریفہ اول مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو نفل شکرانہ وصول وطن یا تحیۃ المسجد کی ادا فرمائیں۔ اس کے بعد پس ماندگان کی ملاقات میں معروف ہوئے۔

## باب ۳۷

### مسجدِ خزار اور متخلفین

ابو عامر راہب قوم خرج کا ایک مفسد شخص تھا جو کتا میں پڑھ کر نصرانی ہو گیا تھا۔ پہلے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں سنا تا اور آپ کی نبوت کی پیشین گوئیاں کجیل سے بیان کرتا تھا اگر جب آپ تشریف لاتے تو منکر ہو گیا اور حسد کے مارے آپ کی ہجرت کے وقت مدینہ میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد چند متبعین کو ساتھ لے کر اہل مکہ سے آٹا اور جنگِ احد میں اُن کے ساتھ شریکِ جنگ



ا۔ جب مگر فتح ہو لیا تو وہ طائف بھاگ آیا اور جس وقت اہل طائف بھی اسلام لے آئے تو وہ یہ کہہ کر ملک  
ام کی طرف بھگ گیا کہ عرب کے زیرِ کر لینے پر محمد ناز نہ کریں، دیکھو ہر قتل شاہِ روم کو کتنے لشکرِ جرار کے ساتھ  
لے آکر لانا ہوں کہ حجازی میدانِ خون سے بھر دیں گے اور مشکیں باندھ کر مسلمانوں کو غلام باندیاں  
ماچھوڑیں گے۔ پھر جب اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو اُس نے منافقین کی جماعت کو اس کے ساتھ  
فنیہ سازشیں رکھتی تھی کہ بلا بھیجا کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدِ حیدر آباد وہی مشورت گاہ ہوگی اور اس  
رح مسلمانوں سے الگ ہو کر تنہائی میں تدبیر کرنے کا موقع اچھا ہوتا آجائے گا۔ چنانچہ مسجدِ قبا کے  
متصل مسجد بنائی گئی اور یہ حیلہ تراش کر کہ معذور نمازیوں اور بارش کی سردرائوں میں جماعت  
کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اس کو تعمیر کیا گیا ہے۔ عین اس وقت جب کہ غزوہ تبوک کا تہیہ پورا ہوا  
تھا حضرت سے عرض کیا کہ برکت کے لئے پہلے آپ اس میں نماز ادا فرمائیں تو پھر ہم اس  
میں جماعت قائم کریں۔

اس سے مقصود یہ تھا کہ حضرت کے نماز پڑھنے سے اس کو رونق حاصل ہو جائے گی اور پھر حضرت  
کو یا حضرت کے صحابہؓ کو کسی قسم کی بدگمانی یا جماعت سے پیچھے رہ جانے کی شکایت کرنے کا موقع نہ مل سکے  
گا۔ حضرت کو خبر نہ تھی کہ اس کی بنیاد مکرو فریب پر رکھی گئی ہے اور آپ کی عادت میں داخل تھا کہ مال  
کی درخواست پوری فرماتے اور دل شکنی گوارا نہ کرتے تھے اس لئے آپ نے انکار نہیں فرمایا اور جواب دیا کہ  
اس وقت تو سامانِ سفر میں مشغولیت ہے جس وقت تبوک سے لوٹیں گے اُس وقت دیکھا جائے گا چنانچہ  
جب بعافیت واپسی ہوئی اور آپ مدینہ سے ایک گھڑی کی مسافت والے مقامِ ذمی دران پر پہنچے تو ان  
لوگوں نے یاد دہانی کی اور عرض کیا کہ ہماری تو تعمیر مسجد یہاں سے قریب ہے اس لئے اُس میں نماز پڑھتے چلیے  
اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو اطلاع دی گئی کہ اس مسجد کا بنیادی پتہ اسلام کی ضرورت سانی  
اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی گمات و تدبیر پر رکھا گیا ہے اس لئے آپ اس میں قیام بھی نہ ہونا چاہئے  
چنانچہ فوراً اپنے مالک بنِ دشتم اور معن بنِ عدی کو بلا کر حکم دیا کہ اس مسجدِ ضرار کو جلا کر خاکستر کر دیں اور  
اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں چنانچہ دونوں پیکی لپکے ہوئے محلہ بنی سالم میں جہاں یہ مسجد تھی داخل  
ہوئے اور مالک بنِ دشتم جن کا مکان اسی محلہ میں تھا اپنے ساتھی سے یہ کہہ کر میرے آئے کا انتظار دیکھنا  
اپنے گھر سے چلتی ہوئی کھجور کی لکڑی لائے۔ اس کے بعد سب ضرار کا رخ کیا اور عین اس وقت جب کہ اس  
میں منافقوں کا جمع بھرا بیٹھا تھا آگ لگا کر جلدی جلدی ڈھانا شروع کر دیا۔ منافق تو آگ کے اٹکائے  
دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور وہ جگہ آن کی آن میں کھنڈر بنا کر کوڑی قرار دی گئی جہاں محابہ کی



غلاظت اور کوڑا کرکٹ ڈالا جانے لگا۔

جب آپ دو رکعت نفل سے فارغ ہو کر مسجد میں بیٹھے تو منافقین جو آپ کے ہمراہ نہ گئے تھے کیے بعد دیکرے آنے شروع ہو گئے اور آپ کو مبارکباد دے دیکر اپنی معذوری اور عدم شرکت پر تاسف و حسرت ظاہر کر کے درخواستیں کیں کہ ہمارے لئے استغفار کیجئے کہ گو ہم معذور تھے اور ہمارا نہ جانا عین مصلحت تھا مگر پھر بھی آپ کی معافی و استغفار میں ہماری یہودی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں سنتے، ان کے اندرون کو خدا کے حوالہ کرتے اور ان کی ظاہری خواہش کے موافق استغفار فرما کر ان کو رخصت کر رہے تھے کہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع بھی حاضر ہوئے جو مخلص مسلمان تھے اور محض کسل کے سبب معیت سے محروم رہے تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مخلص مسلمانوں میں پانچ صحابہ حضرت کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے جن میں ایک حضرت ابو خثیمہ تھے جنہوں نے اپنے باغ سے واپس آ کر عین دوپہر کو گھر میں قدم رکھا تو دیکھا کہ دونوں بیبیاں صراحیوں میں ٹھنڈے پانی اور خن پونش کو ٹھریوں میں چھڑکاؤ کر کے اپنے خاوند کی منتظر بیٹھی ہیں کہ دھوپ کی تیش سے گہرائے ہوئے آویں تو ہر طرح کا آرام ہتیا پا کر آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں۔ ابو خثیمہ جو کھٹ پر قدم رکھ کر چاہتے تھے کہ اندر داخل ہوں، دفعۃً قلب پر ایک چوٹ لگی اور یہ سماں بندھ کر افسوس میرے دینی بھائی اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھلے میدان کی ٹو اور ریگستان کی گرم ہوا کے تھپیڑوں میں چلے جا رہے ہوں گے اور ابو خثیمہ ایک چھوڑو دو بیبیوں کے گہواروں اور ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لے رہا ہے۔ ان کا کلیجہ ہاتھوں اچھلنے لگا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے آخر ضبط نہ کر سکے اور اسی وقت قدم باہر نکال کر ہتھیار باندھ سواری پر سوا ہو ملک شام کا رخ کیا اور حاضر خدمت ہو کر اتنی تاخیر کی معافی چاہی۔

دوسرے ابو ذر تھے کہ انھوں نے بھی بعد میں متنبہ ہو کر مدینہ سے کوچ کر دیا اور لشکر سے جا ملنے کی عجلت میں مسلسل چلنے کی وجہ سے جب اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی تو رخت سفر کمر پر لا کر پیادہ پاشا کے راستہ پر لگ لئے یہاں تک کہ اسلامی لشکر میں پہنچے اور حضرت دُور سے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اللہ ابو ذر پر رحم فرمائے کہ اکیلا چلتا ہے اور اکیلا انتقال پاتے گا اور اکیلا ہی قیامت کے دن قبر سے اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ جس وقت حضرت ابو ذر رضی کی وفات کا وقت آیا تو یہ ایک لقمہ و دق بیابان میں تنہا تھے اور ان کے پاس بجز بی بی کے جو عورت ذات ہونے کے سبب کفن و دفن پر قادر نہ تھیں، منہ میں پانی ڈالنے کو بھی کوئی موجود نہ تھا۔ اس عالم بے بسی میں بی بی سخت پریشان تھیں کہ



اللہ کیا کروں گی۔ حضرت ابو ذر نے جو بیماری سے ناتواں ہو رہے تھے یہ حال دیکھ کر پوچھا کہ کیوں پریشان ہے؟ اور جب اُس بیماری نے یہ جواب دیا کہ میرے یا تمہارے بدن پر نہ اتنا کپڑا ہے جو کفن کو کافی ہو سکے اور نہ دینی مرد ہے کہ قبر کھودنے اور غسل و دفن کی ضرورت کو انجام دے سکے۔ تو حضرت ابو ذر نہ مسکراتے اور فرمایا کہ میرا دوست حضرت کا ارشاد پورا ہوتا ہے اور منتظر ہو کہ ایک جماعت ملانوں کی آیا چاہتی ہے جو میری آخری خدمت انجام دے گی۔

بی بی بیماری کو اس تسلی سے کیونکر سکون ہو سکتا تھا جبکہ وہ جان رہی تھی کہ حج کا موسم ختم ہو گیا اور قافلوں کی آمد و رفت مدت ہوئی تمام ہو چکی تاہم وہ گھبرائی ہوئی پہاڑ پر چڑھ گئی کہ آنے والوں کا غبار ہی نظر آئے اور جب خاک بھی اُڑتی ہوئی نظر نہ آئی تو پھر اپنے بیمار خاوند کے سر ہانے آبیٹی جو زمین پر پڑے ہوئے جان توڑ رہے اور بار بار بیہوش ہو جاتے تھے آخر چند ہی لمحے گزرے تھے کہ چند اونٹ نظر پڑے جو کجاوول سے کسے ہوئے اسی جانب لپکے چلے آ رہے تھے۔ اُتم ذر نے یہ صورتیں دیکھیں تو دم میں دم آیا اور آب وہ عورت جسے پیاسے خاوند کے اس بیکیسی و ناداری میں مرنے اور اپنے بیوہ ہونے کا عبرتناک سماں دیکھ کر رونا چاہئے تھا، معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ کفن لانے اور دفنانے والے آہنچے۔ چنانچہ اُتم ذر نے کھڑے ہو کر اہل قافلہ کو اشارہ کیا اور وہ ایک عجیب نظارہ دیکھ کر ادھر متوجہ ہو گئے۔ اُتم ذر نے کہا کہ ایک بیکس مسلمان مر رہا ہے کیا تم میں اتنی ہمت ہے کہ اس کو کفن و دفنا دو؟ اہل قافلہ حیران تھے کہ اس جنگل میں مسلمان کہاں اور تنہائی میں دفن و کفن کی فکر کیسی؟ اس نے سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ اور جب ابو ذر نام سنا تو نہایت تعجب سے یہ کہہ کر کہ کیا ابو ذر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فوراً نیچے اتر پڑے کہ اس خدمت سے بہتر کیا خدمت ہو سکتی ہے۔

حضرت ابو ذر نے جن پر اُس وقت غشی طاری تھی آنکھ کھول کر اپنی دفنانے والی جماعت کو متحیر کھڑا ہوا دیکھا تو خوش ہو گئے اور یوں فرمایا کہ "بشارت ہو تم کو اے مسلمانو! کہ تمہارے مسلمان جماعت ہونے کی اطلاع پیغمبر کی زبان سے نکلی ہے۔ اور اگر میرے یا میری بی بی کے پاس ایک کپڑا بھی اتنا ہو جو میرے کفن کو کافی ہو سکے تو میں اس کے علاوہ دوسرے کپڑے میں کفنایا جانا ہرگز پسند نہ کرتا مگر جب پاس نہیں تو اس کی کفالت تمہارے ذمہ ہے تاہم میں قسم دیتا ہوں کہ تم میں جو شخص حاکم یا چودھری یا نقیب رہ چکا ہو وہ اپنے کپڑے کا کوئی ٹوٹ بھی میرے کفن میں شامل نہ کرے۔ چنانچہ سب دم بخود ہو گئے کیونکہ ان میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ حکومت کر چکا تھا۔ البتہ ایک انصاری نوجوان نے کہا کہ بہتر ہے چچا جان میں خاص اپنی چادر اور کرتا اور تہبند میں آپ کو کفن آؤں گا کیونکہ یہ میری مال کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہیں اور اس



میں کسی حکومت کا کوئی دھاگہ شامل نہیں ہوا۔ پس حضرت ابوذرؓ نے تو یہ فرما کر کہ بہتر ہے تم ہی کفن دینا آنکھیں بند کر کے جان ملک الموت کے حوالہ کی اور نوادار قافلہ نے قبر کھود کر انصاری کے کپڑوں میں کفنایا اور حنیاز جنازہ پڑھ کر دفن دیا تو بیوہ عورت کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

باقی تین اصحاب اسی خیال میں کہ ہم اپنی تیز رفتار ساندنیوں پر سوار ہو کر حضرتؓ کے جاہلیں گے آج کل کرتے رہے یہاں تک کہ وقت نکل گیا اور جب ان کو لشکر میں پہنچنے سے خود مایوسی ہو گئی تو ارادہ سفر بھی نسخ ہو گیا۔ اب یہ لوگ مدینہ کے کوچوں میں نکلے تو دیکھتے تھے کہ یا عورتیں اور بچے باقی ہیں جو درحقیقت سفر کے قابل نہیں اور یا وہ لوگ جن کے دامن نفاق سے آلودہ ہیں اس لئے پریشان ہوتے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ہوا بن کر اڑ جائیں مگر حق تعالیٰ کو خود ان کی اور ان کے ذریعے سے دوسرے مسلمانوں کی آزمائش کرنی منظور تھی اس لئے توفیق نہ ہوئی اور اب اس خیال میں دن پردن گزرتے رہے کہ حضرتؓ آج آج کل آجائیں گے۔

جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے منافقوں کے قلوب کا معاملہ خدا کے حوالہ اور زبان کی معذرتوں پر استغفار فرما رہے تھے یہ تینوں مخلمس بھی پہنچے اور یوں سوچ کر کہ آج جھوٹ بول کر حضرتؓ کو راضی بھی کر لیا تو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے سچ ہی نجات دہندہ ہے اور یہی رسول کے سامنے شایان صاف عرض کر دیا کہ یا رسول اللہ ہم کو کوئی عذر نہ تھا اور بجز کسل و بے بسی کے کسی چیز نے ہم کو آپ کے ساتھ جانے سے نہیں روکا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک جواب دیا کہ بیشک انھوں نے سچ بولا۔ اور ان سے یوں ارشاد فرمایا کہ مجاہد جب تک حق تعالیٰ فیصلہ فرما کر وحی نہ بھیجے اُس وقت تک میں تمہارے قصور کی معافی نہیں دے سکتا۔

حضرت کعب بن مالکؓ یہ جواب سکر اٹھے تو حیران تھے کہ کیا ہو گیا اور ہر چند کہ ان کی قوم بنی سلمہ نے ان کو طاعت بھی کی کہ آج سے پہلے تم سے کسی کوئی خطا صادر نہ ہوتی تھی اور یوں بھی تم بہت کچھ بولنے والے ہو اس لئے جس طرح کچھ اوپر آتی آدمیوں نے معذرتیں کر لیں، اگر تم بھی کر لیتے تو کیا حرج تھا اور جھوٹ کے گناہ کا اگر خیال تھا تو اس کے لئے حضرتؓ کا استغفار کافی ہو جاتا مگر یہ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور حضرتؓ کے ساتھ فریب اور چال کی مصیبت اپنا رنگ لائے بغیر رہ نہیں سکتی اس لئے انھوں نے اس کی پروا نہ کی اور جب ان کو معلوم ہوا کہ ہلال بن امیہ اور مرآہ بن ریح بھی میرے سامنے ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے ہیں تو حضرت کعبؓ یہ کہہ کر کہ ”میرے لئے ان دو بزرگوں کا اقتدا کافی ہے“ حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھ کر تن بہ تقدیر اس سزا کو برداشت کرنے کے لئے تیار



ہو گئے جو آرام طلبی کی بدولت حضرت کا ساتھ چھوڑنے پر ہونی چاہئے تھی۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ شکایت اُسی کی ہوتی ہے جس سے محبت ہو اور تنبیہ اُسی کو کی جاتی ہے جس کی اصلاح مطلوب اور متوقع ہو۔ اس لئے منافقوں کی مکاری پر بھی گرفت نہ ہوتی اور ان اصحابِ ثلاثہ کو باوجود سچ بولنے کے اس جرم کی سخت سزا دی گئی جو ذرا سی راحت کی بدولت شرکتِ جہاد سے رہ جانے اور راستہ کی صعوبت سے ڈر کر حضرت کی معیت چھوڑ دینے کی ان سے صادر ہوئی تھی چنانچہ حضرت نے ان سے بولنا چھوڑ دیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ کوئی ان سے کسی قسم کی بھی بات نہ کرے۔ آپ یہ حضرات بازاروں میں نکلتے تو منافق الگ آواز دے کتے مسلمان جدا اُٹھ بھیر لیتے۔ دشمن منستے اور پچھلے دوست جن سے کسی زمانے میں ان کے بغیر نوالہ نہ توڑا جاتا تھا، ان کو دیکھ کر راستہ کتر جاتے تھے، دکاندار سے چیز کا نرخ پوچھتے تو وہ بتاتا نہیں اور کسی سے اپنی مصیبت بیان کرتے تو وہ سنتا نہیں یہاں تک کہ بلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع تو اس ناقابلِ برداشت تکلیف سے گھبرا کر اپنے گھروں کی پیوند ہو گئے باہر نکلنا چھوڑ دیا، رات دن روتے اور خالقِ برتر کے حضور میں سرسجود پڑے رہتے تھے کہ رحم فرما اور معافی دے مگر کعب بن مالک جو دل جگر کے شخص تھے اس حالت پر بھی چلتے پھرتے مسجد میں آئے اور جماعت میں شریک ہونے رہے کیونکہ ان کو اعتماد تھا کہ عادل و نہربان خدا کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں، اور سچ کی ناؤ کبھی نہیں ڈوبتی۔

یہ عجیب آزمائش کا وقت تھا کہ وہ لوگ جو چند سال پہلے اسلام کے نام سے متوختہ اور حضرت کے خون کے پیاسے تھے آج اطاعتِ رسول کی جانچ میں جھڑ بھڑاتے جاتے ہیں اور ان کی اس ناک کا جس کی وجہ سے اُن کو دُک کر رہنا عام معلوم ہوتا تھا ایسی عبرت خیز سزا سے امتحان لیا جاتا ہے کہ سچ بولنے کی سزا میں اور ایک بار حضرت کے ساتھ جان لڑانے کے لئے جانے سے سرہ جانے کی خطا پر چھوٹے بڑے رئیس و فقیر اور وضع و شریفیت ان کے نظروں سے گرا دیا کہ جدھر جاتے ہیں لوگ گونگے بن جاتے ہیں اور جہاں بات کرتے ہیں تو جواب کے لئے گویا سننے والوں کے مُنہ میں زبان ہی نہیں۔ اس میں خود ان کی بھی آزمائش تھی اور دوسروں کی بھی کہ وہ اُن کے قصور اور سزا کو دیکھتے اور وجہ پوچھتے بغیر اس پر عمل کرنے کو بخوشی تیار تھے عقل حیران ہوتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا اثر نظر نے یکدم کا پاپٹ دی، تائب کو سونا بنا کر دکھایا، دشمنوں کو دوست بنایا اور دوستوں کو ایسا جان نثار بننا سکھایا کہ سخت سے سخت امتحان کے وقت بھی ان کے پاؤں نہ ڈگے پر نہ ڈگے۔

چند روز کے بعد مینوں کی بیبیوں کو حکم پہنچا کہ تم بھی مسلمان ہو اور اس حکم کے اندر داخل ہو اس لئے



خاندانوں سے بے تعلق ہو جاؤ اور ان سے کسی قسم کا کلام نہ کرو۔ یہ عورتیں بھی چونکہ اسی فیضانِ نبوت کی تعلیم یافتہ تھیں اس لئے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں ان کو یہ پس و پیش نہ ہو سکتا تھا کہ اس خاوند کو جس کے ساتھ عمر بھر کے لئے دامن باندھ دیا گیا کیونکہ چھوڑیں اور سہاگن ہونے کی حالت میں رائے بن کر کس طرح زندگی گزاریں اس لئے فوراً بے تعلق ہو گئیں اور شوہروں سے بات کرنا چھوڑ دیا اور شوہروں نے جب ارشادِ نبوی سنا تو دریافت کر ابھیجا کہ حضرت کا منشا کیا ہے آیا ہم طلاق دیدیں یا بے تعلق رہیں؟ اور جب جواب ملا کہ صرف بے تعلق مقصود ہے تو انھوں نے بیویوں سے کہہ دیا کہ جاؤ میکے چلی جاؤ اور جب تک آسمانی حکم سے ہماری قسمتوں کا فیصلہ نہ ہو جائے ہم سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ طلال بن اُمیہ چونکہ بہت بوڑھے تھے اور ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا کہ خبر گیری کر سکتا اس لئے ان کی بی بی کو لپٹہ اجازت دی گئی کہ مقاربت کو حرام سمجھیں اور ضروری خدماتِ بشریت کو انجام دیتی رہیں۔ باقی دونوں حضرات چونکہ جوان اور نفس پر قادر ہونا مشکل سمجھتے تھے اس لئے بحالتِ تہجد ایام گزاری کرنے لگے حضرت کعبؓ خود کہتے ہیں کہ مجھ کو زمین باوجود وسعت کے تنگ معلوم ہوتی تھی اور میں بے تعلق کے ہاتھوں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا تھا مگر اسی کو غنیمت سمجھتا تھا کہ میرا معاملہ خدا سے صاف ہے میں نے جناب رسول اللہ کو دھوکا نہیں دیا اور منافقوں کی طرح کرو فریب کو سپر نہیں بنایا۔ چنانچہ مسجد میں جاتا تو السلام علیکم کہہ کر حضرت کے لبہائے مبارک کو دیکھا کرتا کہ ملتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور نماز پڑھتا تو حضرت کے پاس کھڑا ہو کر چوری کی نظروں سے جھانکنا کرتا تھا کہ حضرت مجھ کو دیکھتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور جب دیکھتا کہ جواب سلام کے لئے لبوں کو ایسی حرکت بھی ہوتی ہے کہ آواز سنائی نہیں دیتی اور جب حضرت مجھ کو نماز میں مشغول پاتے ہیں تو کُن آنکھیوں سے بار بار دیکھتے بھی ہیں تو میں پھولانہ سماتا اور دل میں کہا کرتا تھا کہ اس محبت بھرے عتاب کے قربان جائیے جو صرف تنبیہ کے لئے صورت پر ہے اور دل میں مطلق نہیں۔

ایک ہینہ کا مل گذر گیا اور ان پاکبازوں کی سزا میں تخفیف نہ ہوئی یہاں تک کہ دنیا نظروں میں تاریک ہو گئی۔ زندگی دو بھر اور حیاتِ اُپری معلوم ہونے لگی۔ آخر ایک دن حضرت کعبؓ بدقت تمام گھر کی دیوار پر چڑھ کر حضرت ابو قتادہؓ کو جھانکا جو ان کے پڑوسی ہونے کے علاوہ حجاز اور بھائی اور دنیا میں ان کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ ابو قتادہؓ نے سلام کا لفظ سن کر اوپر کو نظر اٹھائی تو کعبؓ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور جواب دینے بغیر دوسرے شغل میں لگ گئے۔ حضرت کعبؓ کے دل پر ایک برجی سی لگ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اے ابو قتادہؓ تم کو قسم ہے خالقِ برتری اتنا تو بتا دو کہ کیا میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب نہیں سمجھتا؟ ابو قتادہؓ نے کچھ جواب نہ دیا اور گویا سنا ہی نہیں کر دیا



بکڑا ہوا کوئی شخص کیا کہہ رہا ہے۔ آخر کعب نے دوبارہ یہی سوال کیا اور پھر جواب نہ پایا تو سہ بارہ پوچھا اس پر  
تو قادی نے دوسری طرف منہ کئے ہوئے اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔  
کعب بن مالک یہ سنکر رو پڑے اور آخر ہزار حسرت و ندامت ایسی وقت کے ساتھ دیوار سے اتر  
کہ پاؤں رکھتے کہیں تھے اور پڑنا کہیں تھا۔ اور جب اس پر بھی قدرت نہ رہی تو ہاتھ چھوڑ کر دم سے  
زمین پر آگرے۔

یہ واقعہ کہنے کے لئے ایک قصہ ہے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ تعلیم و تربیت  
اور تزکیہ و تائید کا اندازہ کرنے کے لئے ایک ایسا شاہد مل ہے کہ اگر ہزار برس کی کوشش کسی کا ایک  
مستند بھی ایسا قوی الحقیقت اور امتحان اطاعت میں پختہ تیار ہو جائے جیسے حضرت ہزاراں ہزار  
صحابہ میں چھوٹے سے چھوٹا صحابی تھا تو ہم اس کی ہمت پر آفریں اور کامیابی پر مبارکباد دیں مگر کیا  
کریں کہ حضرت کی قوت قدسیہ کی نظیر ہم کو کسی تاریخی کتاب میں بھی نہیں ملتی اور ہم یہ دیکھ کر کہ منافقوں  
کے موجود ہوتے ہوئے خلاصین کا یہ ثبات قدم کرایے سخت امتحان پر بھی ان کو مذہب سے پھر جانے کا  
وسوسہ نہیں ہوا حیران ہوتے جاتے ہیں کہ آخر وہ کیا حلاوت تھی جس کے سبب یہ ساری مصیبتیں  
ان لوگوں کو شیریں معلوم ہوتی تھیں اور حضرت کی محبت میں بجائے کمی کے دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔  
اس پر بھی کعب بن مالک کی آزمائش کا خاتمہ نہیں ہوا اور ایک گھائی اور پیش آتی جس کو قلعہ کہنے سے  
ثابت ہوا کہ اس سزا کو کسی دباؤ یا مجبوری کے سبب انھوں نے برداشت نہیں کیا بلکہ حب خدا و رسول کا وہ  
لاہ جس نے ان کے دلوں کو جکڑ لیا تھا تہہ بہ تہہ مصیبتوں کا تختہ مشق بننے پر ان کو اپنے خیال سے باہر نکلنے  
نہ دیتا تھا۔ حضرت کعبؓ بازار میں جا رہے تھے کہ شامی سوداگروں میں جو غلہ لیکر مدینہ میں فروخت کرنے  
آئے تھے ایک بھلی کو یہ کہتے سنا کہ ”لوگو! کعب بن مالک کا مجھے پتہ بتا دو“ یہ آواز سنکر حضرت کعبؓ  
اور جب لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کر کے بھلی کو اطلاع دی کہ یہی کعب ہیں تو وہ شخص ان کی طرف  
بڑھا اور ایک خطا ان کے حوالہ کر کے جواب کے انتظار میں پاس کھڑا ہو گیا۔ حضرت کعبؓ نے خط کھولا اور دیکھا  
تو شاہ غسان کا تھا اور اس کا یہ مضمون تھا کہ ”ہیں اطلاع پہنچی ہے کہ تمہارے دوست نے تم پر بہت ظلم کیا  
ہے اور چونکہ تم ذلیل و خوار نہیں ہو اس لئے ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہاری قدردانی اور ہر قسم کی بخواری  
کے لئے موجود ہیں۔ یہ مضمون دیکھ کر حضرت کعبؓ کا دل کانپ اٹھا۔ ہاتھوں میں ریشہ پڑ گیا، دل ٹوٹ گیا اور  
آنکھوں میں آنسو پھیر لائے کہ اللہ اکبر میری بد حالی اس درجہ پہنچ گئی کہ کافر نصرانی کو میرے پھسلانے  
کی گنجائش ملی اور اس کو توقع ہوئی کہ میں اس مذہبِ اسلام کو سلام کر بیٹھوں گا جس پر جان دینے کی ہجرت کو



تمنا ہے۔ اس حزن و غم میں بھرے ہوئے خط کو لے ہوئے آگے بڑھے اور ایک طبّاخ کی دکان پر جوڑی  
 ہی تھی چڑھ کر وہ خط اُس کے شعلوں سے بھڑکتے ہوئے تنور میں جھونک کر قاصد سے کہا کہ یہ ہے جو  
 اُس خط کا جس کو تو لے کر آیا ہے۔ اس کے بعد روئے ہوئے اپنے گھر پہنچا اور پریشان و غموم لیٹ رہا۔  
 آخر پورے پچاس دن اسی حالت پر گزر گئے اور ہر قسم کا امتحان پورا ہو لیا۔ طرح طرح سے  
 جھڑپ لائے گئے اور جب ثابت قدمی عالم آشکارا ہو چکی تو رحمتِ خداوندی کے دریا میں جوش آیا  
 اور سچ کا تخم جس کو لگائے ہوئے دن دن کم دو ماہ ہوئے تھے بار آور ہوا۔ وحی نازل ہوئی اور عین اس  
 وقت جب کہ حضرت کعب اپنے مکان کی چھت پر فجر کی نماز ادا کر کے رنج کے مالے تڑپھکائے بیٹھے تھے  
 سلح پہاڑ کی چوٹی سے چھیننے والے شخص کی یہ آواز سنائی دی کہ مالے کعب بن مالک مژدہ باد کعب کا  
 میں اس آواز کا پڑنا تھا کہ رنج کی گنگوڑ گنگوڑ کے بادل پھٹ گئے اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے قریب  
 تھا کہ شادی مرگ ہو جائے، مگر جس خدائے برتر نے اُن کو قبولیتِ توبہ کی بشارت دی تھی اسی نے اُن  
 کی زندگی کو قائم رکھا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کا ایک دوست گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کو تیز دوڑاتا  
 ہوا یہ مژدہ لایا کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر تمہاری توبہ کی قبولیت نازل فرمائی اور حضرت نے نماز فجر  
 کے بعد ہم کو اس کی اطلاع دی تو میں ادھر لپکا اور دوسرے صحابہؓ اپنے اپنے دوستوں بلال بن امیہ  
 اور مرارہ بن ربیع کو مژدہ پہنچانے روانہ ہوئے اگرچہ پہاڑ پر چڑھ کر اطلاع دینے والے کی آواز گھوڑے  
 سوار کے مژدہ سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ مگر اس پر بھی حضرت کعبؓ نے اپنے بدن کے دونوں کپڑے جو پہنے  
 بیٹھے تھے اتار کر بشر کے حوالے کر دیئے اور منگے ہوئے کپڑے پہن کر اسی وقت دربار رسالت میں حاضر  
 ہوئے۔ راستہ میں چار طرف سے مبارکباد کے تحائف ان کی مژدہ ہوئے اور بشارت و مژدہ رسانی کے  
 کلمات کانوں میں پڑتے جاتے تھے اور یہ مسرور و شادان اپنے خدا کے شکر گزار بنے ہوئے پیالے پیہر  
 کی آستانہ بوسی کے لئے مسجد نبویؐ کی طرف لپکے جا رہے تھے یہاں تک کہ حضرت کے حضور میں پہنچے اور  
 دیکھا کہ حضرت کا چہرہ خوشی کے مارے چاند کے ٹکڑے کی طرح دکھ رہا ہے سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے  
 اُٹھ کر مبارکباد دیئے ہوئے مصافحہ کیا اور حضرت نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ بشارت ہوئے کعب تمہاری  
 راست گئی سچیل لائی اور وہ دن تم کو دیکھنا نصیب ہوا جس کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن  
 سے آج تک مدتِ العمر میں سارے ایام سے بہتر کہنا زیبا ہے۔ اس کے بعد حضرت کعبؓ نے عرض کیا  
 کہ یا رسول اللہؐ مال کی محبت اور باغات و زمین کی رغبت نے حضرت کی معیت محروم رکھا اور پچاس  
 دن تک اس مصیبت میں ڈالا ہے۔ اس لئے میں ان کو پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ مگر جب حضرتؐ نے



یوں فرمایا کہ کچھ اپنے لئے ضرور رکھنا چاہئے کہ تنگی لاحق نہ ہو تو انھوں نے صرف خیبر کا حصہ رکھ لیا اور باقی سارا مال مساکین پر تقسیم کر کے آزاد ہو بیٹھے۔

اصحاب ثلاثہ کی قبولیت تو بہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسترت و شادمانی جو شاید اصحاب ثلاثہ کی مسترت بڑھی ہوئی تھی، نمونہ ہو آپ کی اس شفقت کا جو اپنی امت کے ساتھ آپ کو فطری طور پر قائم تھی اور دیگر صحابہ کی مسترت علامت پر اس اخوت اور ہمدردی کی جو حضرت کی برکت سے ان کے دلوں میں پیدا ہوئی تھی اور یہی صحابہ کی کمال اطاعت کا ثبوت ہے کہ اس درجہ محبت رکھنے والی جماعت نے حضرت کا اشارہ پاتے ہی اپنے بھائیوں سے بات تک کر فی چھوڑ دی اور پچاس دن میں کسی ایک ساعت کے لئے بھی اس کا وسوسہ نہ آیا کہ لاؤ حضرت کے پوچھ تو لیں کہ اس مصیبت کا خاتمہ زندگی میں ہو گا یا نہیں؟

## ۱۲-۹ھ

### وفود اور فضیلت حج

اہل عرب چونکہ سناٹھ برس پہلے ابراہیم حاکم مین کی مکر پر فوج کشی اور ہزار ذلت و خواری و ناکام واپسی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور بار بار ہاتھ پر کر چکے تھے کہ مکر پر جابر اور ظالم شخص کا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکر فتح کرنے سے ان کی آنکھیں کھل چکی اور قریش کے مغلوب و زیر ہو جانے سے ان کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں اس لئے کہ وہ متوکیان بیت ہونے کے سبب ذیابھر کے مخدوم اور اولادِ اسمعیل ہونے کی وجہ سے نبی زادے اور ملک کے بادشاہ و شاہزادے بنے ہوئے تھے اور اپنی خفیہ اور علانیہ مختلف تدبیروں میں وہ خود بار بار ناکام رہ چکے تھے۔ لڑائیوں میں ہزیمت و شکستیں اٹھا چکے تھے اور چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھ رہے تھے کہ ملک ان کے ہاتھ سے نکلتا اور مسلمانوں کے قبضہ میں داخل ہو رہا ہے اس لئے ان کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت میں شبہ نہیں رہا ان کے شکوک مٹ گئے اور ان کے دل آپ کی قوت قدسیہ کو جس نے خونخوار دشمنوں کے بھرے مجمع میں ایک آواز سے کر بین برس کے اندر ہزاروں ہزار مخلوق کو اپنا طرف داری نہیں بلکہ شیدا و جان نثار بنالیا تھا مان چکے تھے اس لئے اب ان کو آپ کا دامن پکڑنے میں تاثر نہ رہا اور ہر چار طرف سے قبائل کے منتخب سردار اپنی قوم کے وکیل بن بن کر آنے شروع ہو گئے جن کو وفود کہا جاتا ہے۔

چونکہ وفود عرب کی آمد ۹ھ میں بہت زیادہ ہوئی اس لئے اس سال کو سنۃ الوفود کہا جاتا ہے یہ لوگ آتے، مسلمان ہو کر بقدر ضرورت مذہبی تعلیم حاصل کرتے، فیضانِ نبوت سے جس کا ایک لفظ بھی ان کو



ولی کامل بنانے کے لئے کافی تھا مستفید ہوتے اور رخصت ہو کر اپنی قوم میں احکام شرعیہ کو رواج دیتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو عزت کے ساتھ لیتے، احترام فرماتے، ان خیموں میں جو مسجد و حوالی مسجد میں ان کے لئے نصب کر دیے گئے تھے وہاں بنا کر ٹھہراتے، تعلیم و تہذیب سے مالا مال بناتے اور صلوات و خلعت سے نواز کر رخصت فرماتے تھے۔ چنانچہ تبوک سے واپسی پر تو و فود کی آمد کا تار بندھ گیا اور بقیہ رمضان و شوال و ذی قعدہ میں آپ کو وہاں نوازی سے فرصت ہی نہ ملی ہم چاہتے ہیں کہ و فود کی مختصر فہرست درج کر دیں تاکہ ناظرین کو فی الجملہ اس سے آگاہی ہو جائے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر بہارہ رمضان سب سے پہلے بنی ثقیف کا وفد آیا جن کا ذکر غزوہ طائف میں ہو چکا ہے کہ وہ لوگ انجام کار خود بخود مسلمان ہو گئے۔ وفد بنی تمیم جن کا تذکرہ باب گذشتہ میں ہو چکا ہے کہ افرع ابن سابس وغیرہ نے حاضر ہو کر نظم و نثر میں مباحثہ کیا۔ وفد طے بیان ہو چکا ہے کہ عدی بن حاتم نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ وفد عبد القیس۔ انہی میں وہ اشج عبد القیس تھے جن کی حضرت نے تعریف فرمائی تھی کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جو حق تعالیٰ کو محبوب ہیں ایک حلم اور دوسرے سوچ سمجھ کر کام کرنا اور ان ہی میں جارود بن علامتے جنھوں نے نصرانیت کو ترک کر کے حضرت یوں عرض کیا تھا کہ میں اپنا دین آپ کے دین کی خاطر چھوڑتا ہوں پس آپ میرے دین کی ساری خوبیوں کے ذمہ دار ہو جائیے چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ ہاں میں ضامن ہوں اور جو دین تم اختیار کر رہے ہو وہ اس دین سے کہیں بہتر ہے جس پر تم تھے۔ وفد بنی حنیفہ جو شاہ کے آخر میں آیا انہی میں سیلہ کذاب بھی آیا تھا جو وطن پہنچ کر مرتد ہو گیا اور نبوت کا مدعی بن کر قرآن مجید کے معارضہ میں واپسی تباہی بسخ عبار میں گھر کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں حضرت وحشی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ دو تہرا وفد طے جن میں حضرت زید خیل آئے تھے جن کا نام ان کے غلبہ اصطلاح کے سبب حضرت زید خیر رکھ دیا اور دو قطر زمین عطا فرما کر جاگیر دار بنا کر وطن واپس کیا تھا۔ وفد کندہ جن کی انٹی نفر کی جماعت فاخرانہ لباس اور ریشمی پٹیاں ڈالے آئی تھی۔ انہی میں حضرت اشعث بن قیس بھی تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ مسلمانوں کو ریشم کے لباس سے نسبت تو انھوں نے فوراً کپڑے پہنا ڈیئے اور ریشم کا حصہ قطع کر دیا تھا۔ وفد اشعورین و اہل یمن جن کے متعلق حضرت نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اے اہل مدینہ تم سے زیادہ نرم دل لوگ آیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اشعورین یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے کہ ہم اپنے دوستوں یعنی محمد اور ان کی جماعت کے لئے کو جا رہے ہیں اور انھیں کے ساتھ اہل یمن آئے تو آپ نے فرمایا کہ ایمان بھی ایمانی اور حکمت بھی ایمانیہ۔ وفد ازد۔ انہی میں مرد بن عبد اللہ شریعت لائے تھے جن کو حضرت نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم کے سپہ سالار بن کر اس پاس کے مشرکوں پر



باد کرو۔ چنانچہ یہ جرش پر جو اس وقت ایک محفوظ شہر تھا حملہ آور ہوئے اور کامل ایک مہینہ محاصرہ کئے پڑے  
ہے آخر جب اہل شہر یعنی قبائل بن اور بنی خثعم نے جو مسلمانوں کو دیکھ کر یہیں پناہ گزیں ہو گئے تھے شہر کا  
بروازہ نہ کھولا تو حضرت قنبر و رند و ہاں سے اٹھ آئے لشکر ہیاڑ تک پہنچے تھے کہ اہل شہر نے یوں سمجھ کر کالاکام  
نہیں کیے۔ خاطر لوٹ گئے ان کا تعاقب کیا آخر یہ بھی پلٹ پڑے اور خوب جنگ ہوئی۔ اس وقت حضرت  
مدینہ میں صحابہ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ اس وقت لشکر ہیاڑ پر اللہ کے پہلو انوں کا خون بہا یا جا رہا ہے  
و قد بنی الحارث ہمدانی الاول سلمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو بجانب  
نجران بھیجا کہ جنگ سے پہلے بنی حارث بن کعب کو تین مرتبہ اسلام کی دعوت دیں چنانچہ حضرت خالد روانہ  
ہوئے اور اپنے ماتحت سواروں کو چاروں طرف روانہ کر دیا کہ باوازی بلند پکار دیں کہ اسلام لے آؤ سلا  
پاؤ گے۔ چنانچہ وہ لوگ داخل اسلام ہوئے اور حضرت خالد نے اس کی اطلاع حضرت کو مدینہ لکھ بھیجی  
تب حضرت نے جواب لکھوایا کہ آؤ اور اپنے ہمراہ نو مسلموں کا وفد لیتے آؤ۔ چنانچہ حضرت خالد کے ساتھ  
وہ لوگ حاضر ہوئے اور ماہ شوال میں حضرت کے وصال سے صرف چار ماہ قبل اپنے وطن کو واپس  
ہوئے۔ وفد ہمدان۔ ان باشندگان بن کی جانب بھی حضرت خالد بھیجے گئے تھے کہ اسلام کی تبلیغ  
کریں۔ چنانچہ حضرت خالد اپنے لشکر سمیت پورے چھ مہینے ان دیار میں رہے مگر کوئی مسلمان نہ ہوا۔ آخر  
حضرت علیؓ بھیجے گئے اور انھوں نے نماز سے فارغ ہو کر مسلمانوں کی قطار باندھی اور آگے بڑھ کر حضرت  
کا پیام اہل بن کو سنایا تو وہ لوگ جوق جوق داخل اسلام ہونے لگے جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے پاس حضرت علیؓ کا خط پہنچا اور قبیلہ ہمدان کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے  
اس کے بعد ان کا وفد حاضر خدمت ہوا اور شرائع اسلام سیکھ کر بن کو واپس ہوا۔ وفد مزینہ۔ اس قبیلہ کے  
چار سو نفر حاضر خدمت ہوئے اور جب رخصت ہو کر چلنے لگے تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ راستے کی خوراک آپ  
دلو ایسے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے پاس اس وقت بجز چھواریوں کے کچھ نہیں اور وہ بھی اتنے قلیل کہ تمہاری  
چار سو کی جماعت کو کفایت نہ کریں گے مگر جب انھوں نے پھر یہی سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے گھوڑا لیا کہ ان کو  
اس ٹانڈ پر چڑھا دیا جہاں چھواریاں پڑے تھے۔ سیدنا حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ چار سو مہمانوں کے جتنا ان سے  
لیا گیا اپنی حاجت کے موافق کمجوروں کو تمغلیوں میں بھر لیا۔ اور نمان جو سب میں آخری شخص تھے جس  
وقت بھر پور چھواریاں لے کر اترے تو اس ڈھیر میں ایک چھواریاں کی بھی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ وفد دوسرے  
طفیل ابن عمروؓ جو اپنی قوم میں شریف اور مشہور شاعر تھے کہ میں آئے تو قرآن سے متاثر ہو کر مسلمان ہو  
ئے۔ اس کے بعد حضرت سے درخواست کی کہ دعا فرمائیے حق تعالیٰ مجھے کوئی کرامت عطا فرمائے جس کو میں



اپنی قوم میں اپنے مذہب کی صداقت پر دلیل لاسکوں۔ چنانچہ حضرت نے دعا فرمائی اور ان کو وطن واپس کیا جس وقت یہ وطن کے قریب پہنچے تو ان کے چہرے پر ایک روشنی پیدا ہو گئی جو چراغ کا کام دیتی تھی۔ انھوں نے دعا کی کہ یا اللہ چہرہ سے اُس کو جُدا کر دیجئے۔ مبادا لوگ اُس کو پُرانا مذہب چھوڑنے کی سزا سمجھیں تب وہ روشنی ان کے چابک کے سرے پر جا لگی اور چراغ بن کر تاریکی میں دور تک نور پھیلانے لگی۔ الغرض انھوں نے اول اپنے باپ اور بی بی سے دین محمدی اختیار کرنے کی اطلاع دی اور جب وہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے تو قیوم کو ترغیب دی کہ اسلام لے آویں مگر ان کے کانوں پر جوں نہیں رہی۔ آخر جب حضرت مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت طفیل نے حاضر ہو کر قبیلہ دوس پر بدو عاکرے کی درخواست کی۔ مگر حضرت یوں فرمایا کہ یا اللہ! دوس کو ہدایت دے اور طفیل سے کہا کہ جاؤ نرمی کے ساتھ اپنا کام کئے جاؤ حق تعالیٰ انجام بخیر فرمائے گا چنانچہ یہ پھر اپنے وطن آئے اور کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان میں اسلام کا چرچا پھیل گیا اور اس وقت جب کہ حضرت جنگ خیبر میں مشغول تھے وفد دوس مدینہ میں آیا اور وہاں سے خیبر جا کر حضرت سے ملاقی ہوا۔ وفد نحران یہ نصرانی المذہب تھے اور ساتھ آدمی جن میں ان کے مشاہیر علماء و شیعہ اور اساقفہ یعنی عہد المسیح ایٹیم اور ابو حارثہ بھی تھے حضرت کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اپنی نماز کا وقت آجانے کے سبب وہیں نماز کو کھڑے ہو گئے صحابہ نے چاہا بھی کہ منع کریں مگر حضرت نے پسند نہ فرمایا اور نصاریٰ نے مشرق کی جانب مُنہ کر کے نماز ادا کی۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت عیسیٰ کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ دریافت کیا اور سورۃ آل عمران کی شروع اتنی آیتیں نازل ہوئیں اس پر بھی جب وہ اسلام نہ لائے تو مباہلہ کی آیت نازل ہوئی اور حضرت یوں فرمایا کہ اؤ مذہبی حقانیت کا فیصلہ اس طرح کریں ہر فریق اپنی اولاد یعنی ان متعلقین کو جن کی زندگی کافی طبعاً سب سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے ساتھ لے کر کھلے میدان میں نکلے اور دُعا کرے کہ ہم میں جو بہتر ملحق ہو اس پر خدا کی ٹھسکار نازل ہو جائے۔ چونکہ نصاریٰ دلوں میں آپ کی حقانیت مانے ہوئے تھے اس لئے عذاب الہی کی جرأت نہ کر سکے اور مباہلہ کے وقت معینہ پر حاضر نہ ہوئے۔ حضرت حسب وعدہ فاطمہ علی اور حسن حسین کو لے کر انھیں پر مباہلہ کا اثر مخالف کے نزدیک معتبر اور وثوق حقانیت کی دلیل تھا، میدان میں تشریف لائے اور جب نصاریٰ کو نہ پایا تو یوں ارشاد فرمایا کہ اگر آج یہاں آکر مباہلہ کرتے تو سطح زمین ہر قیامت تک کسی نصرانی کا وجود باقی نہ رہتا۔ الغرض ان میں اکثر اسلام نہیں لائے مگر مطیع و باجگزار ہو گئے۔ وفد بنی سعد بن بکر یعنی ضحاک بن ثعلبہ جنھوں نے حاضر خدمت ہو کر نہایت بیباکی سے سوال کیا کہ اے محمد تم کو قسم ہے اپنے معبود کی، اپنی اولاد کے معبود کی، اپنے سے پہلی مخلوق کے معبود کی اور اس مخلوق کے معبود کی جو تمھارے بعد آنے والی ہے۔ سچ بتاؤ کیا تم کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا ہے کہ ہم اپنے سلا



دیوی دیوتاؤں کی پرستش چھوڑ دیں اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے پابند ہوں اور جب آپ نے سوال کا جواب  
 یا کہ بیشک مجھے خدا ہی نے بھیجا اور فرائض اسلام کا امر فرمایا ہے۔ تو انھوں نے بیعت کی اور یہ کہہ کر فوراً  
 صحت ہو گئے کہ میں اس میں کسی بیشی مطلق نہ کروں گا۔ قوم میں پہنچ کر نہایت مستعدی سے اسلام کی تبلیغ  
 میں اور رات کی تاریکی چھانے قبل سارا قبیلہ نور اسلام سے منور ہو گیا۔ طارق بن عبد اللہ مع قوم کے جو  
 قول کر کے بازار ذوالحجاز میں حضرت کو دیکھ چکے تھے کہ آپ یوں فرماتے ہوئے جا رہے ہیں کہ لوگو!  
 سلام لے آؤ فلاحیت پاؤ گے؟ اور آپ کے پیچھے ایک شخص آپ پر پتھر پھینکتا اور یوں کہتا آ رہا تھا کہ  
 لوگو! اس کا کہنا ہرگز مت ماننا یہ جھوٹا ہے۔ طارق نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں تو معلوم ہوا کہ آگے  
 جانے والے محمد بن عبد اللہ ہیں اور پچھلا شخص آپ کا چچا عبد العزیٰ یعنی ابوہبیب اس کے ایک زمانے بعد  
 یہ لوگ چھوٹے خریدنے کی غرض سے مدینہ آئے اور حضرت کو صدقہ کا ترغیبی خطبہ پڑھتے ہوئے سنا تو ایمان لائے اور شرف  
 باسلام ہوئے۔ وفد نجیب تیراہ نفر اپنی زکوٰۃ و صدقات لے کر حاضر خدمت ہوئے جو شریعت نے ان پر مقرر کی تھی اور  
 جب حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس کو لے کر کیا کریں واپس لیجاؤ اور اپنے ہی فقرار قوم پر تقسیم کر دو۔ تو انھوں نے عرض کیا  
 کہ یہاں سب کی حاجتیں پوری کر دی گئیں اور یہ سچا ہوا مال حق اللہ کی تکمیل میں حاضر خدمت کیا گیا ہے حضرت  
 ان کی صلاح و سعادت پر بہت خوش ہوئے اور ان کو سب سے زیادہ عزت کے ساتھ ٹھہرایا۔ چند روز رہ کر انھوں نے  
 شرائع اسلام سیکھے اور محبت نبویہ سے مستفیض ہو کر رخصت چاہی۔ صحابہ نے کہا بھی کہ ابھی جلدی کیا ہے۔ مگر  
 انھوں نے یہ کہہ کر کہ حضرت کی عنایات و تربیت کا اپنی قوم میں ذکر کرنے اور اثر پھیلانے کی عجلت ہے۔ حضرت  
 سے رخصتی مصافحے کر لئے۔ جب یہ لوگ چلنے لگے تو حضرت نے بلال کے ہاتھ ان کے صلوات و انعامات جو سب میں  
 بہتر تھے عطا فرمائے اور دریافت کیا کہ کوئی رہ تو نہیں گیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ سب کی حاجتیں پوری  
 ہو گئیں مگر ایک لڑکا باقی ہے جس کو خمیوں میں حفاظت کی غرض سے چھوڑ آئے تھے۔ تب حضرت نے ارشاد فرمایا  
 کہ جاؤ اس کو بھی بھیج دو چنانچہ انھوں نے قیام گاہ پر آکر بچہ سے کہا کہ سب مالا مال ہو آئے ہیں اب تمہارا  
 نمبر ہے جاؤ تم بھی اپنا حصہ لے آؤ۔ یہ سن کر بچہ بارگاہ رسالت میں پہنچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری  
 حاجت بھی پوری کر دیجئے مگر وہ سرداران قوم کی کسی حاجت نہیں ہے کہ کھجوریں یا کپڑے لے لوں میری  
 حاجت تو یہ ہے کہ مجھ کو دوا دیجئے اور حق تعالیٰ سے عرض کیجئے کہ میری مغفرت فرمائے، مجھ پر رحمت نازل  
 کرے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کی ذکاوت و صلاحیت نہایت  
 مسرور ہوئے اور تینوں دعائیں دے کر دوسروں کی برابر انعام و اذرا سے بھی نوازا۔ وفد نبی سعید  
 یعنی قبیلہ قضاعہ کا خاندان ندیم اپنی قوم کے چند نفر کو ساتھ لے کر اس وقت مسجد نبوی میں پہنچا کہ حضرت



ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ اسلام لائے تھے مگر یوں سمجھ کر کہ جب تک حضرت بیعت نہ کریں نماز جنازہ کی شرکت ہم کو جائز نہیں ہے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت اندر تشریف لائے اور مہالوں سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی تم نے اسلام کا اقرار کر لیا بس تم مسلمان بن گئے اس کے بعد انھوں نے ایک بچہ کو پیش کیا جو سب میں چھوٹا اور سب کا خادم تھا۔ حضرت نے یہ فرما کر کہ چھوٹے خدمت ہی کے لئے ہوتے ہیں اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے کو یاد ہوا اور وہ اسی مجلس میں اپنی قوم کے امام بنائے گئے کہ لوگوں کو جماعت کے نماز پڑھایا کریں۔ وفد بنی فزارہ۔ خارجہ بن حصین وغیرہ تیرہ نفر مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور قحط سالی و تنگ حالی کی شکایت کر کے دعا چاہی تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے اور اونچے ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا مانگی کہ "یا اللہ اپنے شہروں اور چوپایوں کو پانی سے اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ ملک کو زندہ فرما، اے اللہ! ہم پر بارش برسا جو ضرورت پوری کرے والی ہو، راحت دیندہ ہو، شاداب بنانے والی ہو، عام ہو، وسیع ہو، جلد ہو دیر نہ لگے، نفع رسا ہو، نقصان نہ پہنچائے۔ اے میرے اللہ! ہر بانی کی بارش ہو عذاب کی نہ ہو نہ مکانات گر لے یا ڈوبنے والی ہو اور نہ ملیا میٹ کر دینے والی۔ یا اللہ! ہم پر مینہ برسا دے اور ہم کو دشمنوں پر فتح نصیب فرما۔ وفد بنی اسید و البصرہ بن معبد وغیرہ و منیٰ نفر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دیکھتے ہیں آپ کی لشکر کشتی کتے بدون مسلمان بن گئے اور آپ کو تکلیف پہنچائے بغیر اسلام لے آئے اس لئے ہم کو دوسروں کی نسبت زیادہ دیکھتے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کے اس احسان جتانے کا کچھ جوا نہیں دیا مگر قرآن نازل ہوا اور حق تعالیٰ نے آیت سکھایا کہ

مَنْ مَنَّكَ خِدْمَتِ سُلْطَانٍ مِثْلِي  
مَنْ شَنَّاسِ اَزْدٍ كَخِدْمَتِ كَذَّابِ

اس کے بعد کہانت و قیافہ اور رمل و نجوم کی ممانعت معلوم کر کے یہ لوگ واپس وطن ہوئے۔ وفد ہیرات تیرہ مسلمان بن کی طرف اپنی قوم کے وکیل بن کر آئے۔ جس وقت حضرت مقدادؓ کے دروازہ پر پہنچے تو مقدادؓ نے جو بڑے جہان نواز تھے مرجا کہتے ہوئے ان کے اسباب گھر میں اتر والے اور مالیدہ کا طباق سامنے لار کھا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور اس میں بچ رہا۔ اس کے بچے ہوئے کو ایک پیالہ میں مکر کے مقداد کی بیوی ضباعہ بنت الزبیر نے اپنی نوٹھی سدرہ کے نام حضرت کی خدمت میں بھیج دیا حضرت اس وقت ام سلمہؓ کے حجرہ میں تھے۔ آپ نے سدرہ کو دیکھا تو فرمایا کیا ضباعہ نے تمھیں بھیجا؟ یہ کہہ کر آپ نے پیالہ لے لیا اور سدرہ سمیت سائے گھر والوں نے کھایا اس کے بعد بچا ہوا سدرہ ہی کے ہاتھ حضرت نے ضباعہ کو واپس کر دیا



لو کہتے مہمانوں کے لئے ہے چنانچہ اسی کھانے کو حضرت مقداد اور ضیاء بن عمار بار بار مہمانوں کے سامنے رکھتے اور وہ سیر ہو کر کھاتے رہے۔ آخر جب انھوں نے دیکھا کہ اس میں کمی نہیں آتی تو مضبوط کر سکے اور کہا کہ اے بابرکت گھر والو مختاری خوراک تو سدرِ منق ہوئی ہے یہ کیا بات ہے کہ لہذا کھانے سے ہم دونوں وقت شکم سیر کھاتے ہیں اور کھانے میں کمی نہیں آتی؟ تب حضرت ضیاء نے جواب دیا کہ اس میں حضرت نے کھایا ہے اور تم جیسے ہزار بھی اگر برسوں مقیم رہیں تو ان کو تنگی لاحق نہ ہونے پائے گی۔ یہ معجزہ دیکھ کر وفدِ ہرہ کی عقیدت اور محبت سونے میں ترقی ہوئی اور وہ چند روز ٹھہر کر ضروریاتِ اسلام سیکھنے کے بعد واپس وطن ہوئے۔ وفدِ ہرہ بارہ نفر جن میں حمزہ بن نعمان بھی تھے سلمہ میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرت نے ان کو بشارت سنائی کہ ملک شام اہل اسلام کے ہاتھوں فتح ہوگا اور ہر قتل ایک محفوظ شہر میں پناہ لے گا۔ اس کے بعد کاہن و منجم سے جوچہ گچھ کی ممانعت اور ان قربانیوں کا جو وہ برسمِ جاہلیت کیا کرتے تھے عدمِ جواز خصوصیت کے ساتھ تعلیم فرما کر انعامات کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔ وفدِ بلی۔ اپنے سردار ابو خبیب کے ہمراہ ربیع الاول ۹ھ میں مدینہ آئے۔ حضرت روایف نے جو ان کے ہم قوم تھے اپنے گھر ٹھہرایا اور خود لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ یہ لوگ اسلام لائے اور مین و ن قیام کر کر رخصت ہوئے۔ ان آیامِ قیام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں لے کر روایف کے مکان پر خود تشریف لاتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ لو ان کو بھی مہمانوں کی ضیافت میں شامل کر لو۔ وفدِ ذی مرہ۔ تیرہ نفر حاضر ہوئے جن کے سردار حارث ابن عوف تھے حضرت نے ان کے ملک کی حالت پوچھی تو انھوں نے قحط سالی اور بارش کے نہ ہونے سے بد حالی ظاہر کی۔ تب حضرت نے دعا فرمائی اور چند روز ٹھہر کر سب کو دن و نل اوقیہ اور سردار حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی شام دے کر رخصت فرمایا۔ یہ لوگ اپنے وطن پہنچے تو ملک کو شاداب پایا کہ بارش خوب برس چکی تھی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ بارش برسنے کا وہی وقت تھا جس وقت حضرت مدینہ میں دعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ ان لوگو کو بارش سے سیراب کرے۔ وفدِ خولان۔ و نل نفر ہماہ شعبان ۱۱ھ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اپنی پس ماندہ جماعت کے کیل ہیں۔ اللہ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور صرف آپ کی زیارت کے لئے دود و دراز مسافت قطع کر کے حاضر ہوئے ہیں کہ اونٹوں کے جگر بھٹ گئے اور نرم و سخت پہاڑ و جنگل سب ہی کچھ قطع کر ڈالے تاہم احسان اللہ و رسول کا ہی ہے اور اسی کا شکر و امتنان یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حاضری کی مشقت کا تو یہ نتیجہ ہے کہ تمہارے اونٹ جتنے قدم چلے ہیں ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی ہے اور میری زیارت کے لئے آنے کا یہ ثمرہ ہے کہ میں اپنے زائر کی شفاعت کا ذمہ دار ہوں اور وہ میری پناہ و ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان کو ٹھہرایا اور ان کا



جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اور جس کا نام عم انس تھا۔ حال پوچھا انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک وہ وقت تھا کہ ہم اس کو حاجت روا سمجھتے تھے اپنی کھیتی اور مویشیوں میں سے اس کا حصہ مقرر کیا کرتے اور اس پر چڑھائے چڑھا کر برکت و وسعت کی امید رکھا کرتے تھے۔ ہمیں خوب یاد ہے ایک مرتبہ ہماری بستی میں قحط پڑا اور ایسی سختی آئی کہ ہم مردوں کی ہڈیاں کھانے لگے آخر ہم نے جو کچھ جمع ہو چکی تھی خند کر کے جمع کی اور اس کے متوا بیل خرید کر عم انس کے نام پر ذبح کئے چونکہ یہ اس دیوتا کی نذر تھی اس لئے ذبح کئے ہوئے بیل وہیں جنگل میں چھوڑ آئے کہ گدھ اور کرگس نوچتے اور جنگل کے درندے ان کو کھاتے تھے حالانکہ ہم اس وقت درندوں سے زیادہ گوشت کے محتاج تھے مگر ہمارے عقیدہ اور رسم نے ہم کو فائدے کرائے اور مجبور کیا کہ مردار خوار جانور ہماری قربانیوں سے منتفع ہوں اور ہمارے بلیکے ہوئے بچے اور سسکتے ہوئے بوڑھے کھڑے تکتے رہیں پھر یہ ایک فتنہ بعلیہ تھا کہ ہماری اس حرکت کے بعد بارش نہ آئی اور ہم اس کو عم انس کا کارنامہ سمجھ کر اس کی عظمت و عبادت میں بختہ بن گئے مگر اب الحمد للہ آپ کی تعلیم سے مذہب حق کو عم انس کی محبت سے ہم نے بدل لیا اور بجز چند بوڑھوں اور بوڑھیوں کے کوہِ اَب تک پرانی نلکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں باقی سب کے دلوں سے پتھر کی مورتوں کی عظمت نکل گئی اس کے بعد انھوں نے فرائضِ اسلام سیکھے اور وفارِ عہدِ اَدب امانت، پڑوسی کے حق کی حفاظت اور کسی پر ظلم نہ کرنے کی نصیحت چھوڑ کے ساتھ حاصل کر کے باکرام و احترام رخصت ہوئے۔ وفدِ محارب۔ دس نفر اپنی جماعت کے نائب بن کر سالِ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے۔ یہ قبیلہ عرب کے جملہ قبائل میں سخت تر تھا اور جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام میں اپنے نفس کو قبیلہ قبیلہ پر پیش کرتے پھرتے تھے کہ کوئی رحمدل آپ پر ترش کھا کر اس نعمت سے اپنے داموں کو بھرے اور آپ کو اپنی امان میں اپنے گھر ٹھہرا لے۔ تو سب سے زیادہ ترش اور درشت جواب اسی قبیلہ نے دیا تھا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تو حضرت بلال عیسیٰ و شام دونوں وقت حضرت ہی کے دولت خانہ سے کھانا لے کر ان کو پہنچایا کرتے تھے آخر ایک دن ظہر کے بعد یہ لوگ حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو محاربی کی جانب حضرت نے ٹنگلی باندھ کر دیر تک دیکھا اور فرمایا کہ شاید میں نے تم کو پہلے دیکھا ہی اس وقت محاربی نے عرض کیا کہ بیشک اٹھارہ برس ہوئے جب سوقِ عکاظ میں آپ اپنی جان کو قبائل عرب پر امان کی طلب میں پیش کرتے پھر رہے تھے تو اس وقت میں نے آپ کو نہایت سخت جواب دیا تھا کہ یا رسول اللہ اس روز آپ پر سختی کرنے والا اور اسلام سے دور بھاگنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہ تھا اللہ کا شکر ہے کہ مجھ کو ہدایت ہوئی سالے رفقاء جو اس دن زندہ اور میرے ہم کلام تھے اپنے دین پر مر گئے صرف میں بچا اور دولتِ اسلام سے مالا مال ہوا ہوں۔ یا رسول اللہ مجھے اپنی سخت کلامی پر اب بہت ندامت ہے اور میں درخواست کرتا ہوں کہ میری اس بدزبانی



کیا فرما کر حق تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو بھیجے۔ حضرت یہ منکر مسکرائے اور فرمایا کہ اسلام پہلی ساری خلافتوں  
 کی کفر و شرک تک کو قلع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان کو فرائض اسلام سکھائے اور انعامات دے کر احترام  
 کیا۔ پھر رخصت فرمایا۔ وفدِ صدر جعرانہ سے واپسی کے وقت شہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 حضرت قیس بن سعد کو چار سو مسلمانوں کا حاکم بنا کر یمن کے اس ناحیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا جہر قبیلہ  
 یاء آباد تھا۔ اتفاق سے ایک شخص اسی قبیلہ کے مدینہ سے آرہے تھے۔ جب ان کو لشکر کشی کی اطلاع ملی تو  
 خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنی قوم کے اسلام کا میں ذمہ دار ہوں آپ اپنا لشکر واپس بلا لیجئے  
 انچہ مقام صداقتا سے اسلامی فوج واپس کر لی گئی اور صدائی مسلمانوں نے اپنی قوم میں جا کر تبلیغ  
 عام کی۔ چند روز بعد وہ پندرہ مسلمان لے کر آئے جنہوں نے حضرت سے بیعت کی اور واپس ہو کر قوم صدایہ میں  
 چار طرف اسلام کو پھیلایا۔ وفدِ غسان۔ ان کے تین اشخاص رمضان شہ میں حاضر خدمت ہو کر مسلمان  
 رہے اور واپس ہو کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کی مگر چونکہ وہ لوگ مال دنیا اور اپنے ملک کی حکومت کے  
 لداوہ تھے اس لئے انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ آخر تینوں صحابہؓ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے گذر کرتے  
 رہے یہاں تک کہ دو کا انتقال اسی حالت پر ہو گیا۔ البتہ تیسرے صحابی نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا اور  
 ننگ تیرموک میں شریک ہوئے۔ وفدِ سلمان سات آدمی جن میں حبیب بن عمر بھی تھے شوال شہ میں حاضر  
 خدمت ہو کر اسلام لائے اور قحط سالی کی شکایت کی۔ چنانچہ حضرت نے بارش کی دعا فرمائی اور تین دن جہاں  
 ملا کہ حضرت بلال کے ہاتھ ہر شخص کو پانچ اوقیہ چاندی انعام بھیجا اور یہ مقرر کر کے کہ آج کل ہمارے پاس مال  
 ہمیں ہے ورنہ بہت کچھ دیتے، بعزت و اکرام رخصت کیا۔ وفدِ بنی عس۔ انہوں نے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ یا  
 رسول اللہ! ہمارے علمائے ہم سے آکر لوں کہا ہے کہ جو شخص ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سوائے کہ ہم اپنے موشی اور  
 جائداد کو جو ہماری گذران کا ذریعہ ہے بیچ کھوج کر مدینہ میں آئیں تو بڑی دقت کا سامنا کرے۔ حضرت نے ارشاد  
 فرمایا کہ ہجرت فرض نہیں ہے جہاں رہو اپنے خدا سے ڈرتے رہو وہ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں کمی نہ فرمائے  
 گا۔ اس کے بعد آپ نے خالد بن سنان کا حال پوچھا کہ کوئی بال بچہ بھی چھوڑا؟ اور جب یہ سنا کہ کوئی نہیں ہے  
 ایک لڑکی تھی وہ بھی خدا کو پیاری ہوئی تو آپ نے ہاتھ کیا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ خالد گویا نبی تھا جس کو اس کی قوم  
 نے ہاتھوں سے کھویا۔ دوسرا وفد ازرجہن میں حضرت توفیق بن حارث بھی آئے تھے۔ یہ سات اصحاب حاضر خدمت  
 ہوئے اور جب حضرت نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ”مومن مسلمان“ حضرت اس  
 جواب پر مستم ہوئے اور فرمایا کہ ہر کلام کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں  
 نے کہا کہ پندرہ بائیس ہیں۔ جن میں پانچ عقائد ہیں جن پر ایمان لانا آپ کے قاصدوں نے ضروری بتایا اور پانچ



اور امر ہیں جن کی تعمیل فرض کی گئی اور پانچ باتیں ہماری قدیمی ہیں جن پر ہم قائم ہیں۔ اب اگر آپ ان میں سے کسی کی ممانعت فرمادیں گے تو بیشک چھوڑ دیں گے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان کو گنواؤ۔ انہوں نے جواب دیا۔ عقائد تو یہ ہیں کہ ہم ایمان لائیں اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر۔ اور امر یہ ہیں کہ زبان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہیں پانچ نمازیں پڑھیں رمضان کے روزے رکھیں مال کی زکوٰۃ دیں اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں۔ اور قدیمی نصائح جن کے زائد جاہلیت سے خوگر ہیں یہ ہیں کہ راحت کے وقت شکر کریں، تنگی کے وقت صبر کریں، احکامِ خدا و قدر پر راضی رہیں، جنگ کے موقعوں پر سچے بنیں اور دشمنوں کی بد حالی دیکھ کر بھی خوش نہ ہوں۔ ان کی یہ تقریریں سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور یہ فرما کر کہ حکما رہیں علماء رہیں قریباً کہ سلامتی فہم کی بدولت امتیاز نبوت حاصل کریں۔ یوں کہا کہ پانچ خصلتیں ہم تعلیم کرتے ہیں ان کو ملا کر بین کر لو کہ جو کھاؤ نہیں اس کو جمع نہ کرو جس میں رہو نہیں اس کی تعمیر مت کرو، جو شے کل کو ہاتھ سے نکلنے والی ہے اس کی حرص نہ کرو جس خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس سے ڈرتے رہو اور جس عالم میں جانے اور ہمیشہ رہنے والے ہو اس کی رغبت رکھو۔ وفد بنی منتفق۔ لقیط بن عامر اپنے رفیق نہیک بن عاصم کو لے کر حاضر خدمت ہوئے اور بہت کچھ باتیں حضرت سے دریافت کیں۔ پانچ باتیں جن کی خبر سوائے اللہ کے کسی کو نہیں، یعنی بارش کب ہوگی، مال کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ، موت کب اور کہاں آئے گی، کل کو کیا کرنا ہے اور قیامت کب واقع ہوگی؟ حضرت نے ان کو سنائیں۔ عالم برزخ اور عالم آخرت کے پیش آئندہ حوادث بیان فرمائے۔ قیامت کے واقعات ذکر کئے اور فرائض اسلام کی پابندی پر ان کو بیعت فرما کر اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ وفدِ پنج یہ سب میں آخری وفد ہے جو نصف محرم ۱۱ھ میں حاضر خدمت ہوا۔ انہیں میں حضرت زرارہؓ ابن عمروؓ تھے جنہوں نے اپنے سفر کا خواب بیان کیا کہ میں نے اپنی گدھی کے جھلسا ہوا گنجد پچھیدا ہوا دیکھا ہے۔ حضرت نے تعبیر دی کہ معلوم ہوتا ہے اپنی باندی کو حاملہ چھوڑ آئے تھے اس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ تمہارا بیٹا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر گنجد ہونے کی کیا وجہ؟ تب آپ نے ان کو پاس بلایا اور چپکے سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تمہیں برس کا مرض ہے اور اس کے سفید دھبے ایسی جگہ ہیں جس کو تم لوگوں پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ یہ وفد دو سو نفر تھے جو حضرت معاذؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور اب جہان خانہ نبوی میں مقیم رہ کر شرائع اسلام و فیضانہ قدسیہ سے مستفیض ہوئے اور حضرت کے وصال سے دو ماہ قبل اپنے وطن کو واپس ہوئے +



## باب ۷۵-۱۰ھ

### حجۃ الوداع

ماہ ذیقعدہ قریب الختم ہونے لگا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُفود کی آمد اور ان نو مسلموں کی تعلیم و ارشاد سے فرصت نہ ملی جو دُور دراز کا سفر کر کے اسی غرض سے مدینہ میں آتے تھے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحاج مقرر فرما کر مکہ کو روانہ کیا کہ لوگوں کو شرائع اسلام کے موافق حج کرائیں اور مشرکوں سے جو میدانِ عرفات میں جمع ہوئے عرض نہ کریں۔ چنانچہ حضرت صدیق نے مدینہ کے تین سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کا قصد کیا اور دس اونٹ جن کے گھلوں میں پے ڈال کر اور نذر اللہ ہونے کی علامت میں اپنے ہاتھ سے اشعار یعنی کوہان میں نیزہ چھو کر حرم میں اپنی طرف سے قربانی کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اور ان پر حضرت ناجیہ بن جندب سلمیٰ کو نگران مقرر فرما دیا تھا اپنے ذاتی پانچ اونٹوں کے ساتھ لے کر حج کے لئے روانہ ہوئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پہنچنے نہ پاتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مخصار نامی مادہ نبوی پر سوار کر کے پیچھے پیچھے روانہ کئے گئے تاکہ سورۃ براءۃ جس میں مشرکین سے معاہدوں کے ٹوٹ جانے کا اظہار تھا عرفات یا منیٰ کے کھلمیدان میں عام مخلوق کو سنا دیں۔ اس لئے کہ اہل عرب اپنی عادت کے موافق ہجرت کے متعلق صرف قریبی رشتہ داروں اور اقارب ہی کا پیغام قبول کیا کرتے تھے چنانچہ عروج یا صبحان مقام پر دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی اور یہاں سے ساتھ ساتھ عرفات کو چلے۔

حجہ کی روایت معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ذاتی مسامحتوں کی بناء پر جہینوں میں تقدیم تاخیر کر لیتے اور ہنود کی طرح کہ تیسرے سال کو نہ کاہینہ بڑھا دیتے ہیں قمری جہینوں کو سر کا لیا کرتے تھے اس لئے اس سال جب کہ حضرت صدیق بھیجے گئے ذیقعدہ کو ذی الحجہ بنا لیا گیا تھا اور حج کو یا ایک جہینہ پہلے ہی کر لیا پس مشرکین کے اختیارات کا سلب کلی کرنے اور اسلام کی تکمیل کے لئے بچے بچائے کافروں کے عبادات خداوندی میں تصرفات کو لیا میٹ کرنے کے لئے اس مرتبہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گئے اور آئندہ سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت پر حج فرض ادا کیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترفیع حج کے ادا کرنے میں بھی مطلق تاخیر نہیں فرمائی اور نہ دُفود کی آمد یا اور کوئی دینی مصاحبت اس ترفیع خداوندی کے فوراً پورا کرنے سے مانع ہو سکی جو اسلام کا چوتھا رکن ہے اس لئے کہ حج کو ترفیع بنانے والی آیت اسی سہ ماہ کے آخر میں نازل ہوئی تھی جو سنۃ الوداع کہلاتا ہے اور جس کے حج کو مشرکین نے ناوقت ماہ ذیقعدہ میں قرار



میں لیا تھا اور چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت اور عادت و سیرت کے شایان یہی ہے اس لئے ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے واللہ اعلم بالصواب۔

پھر حال حضرت صدیق نے امیر الحاج بن کر ان مسلمانوں کو جو ساتھ آئے تھے یا نواح و اطراف سے بغرض شرکت میدان عرفات میں جمع اور اسلامی نشان کے نیچے داخل ہو گئے تھے۔ اسلامی طریقہ پر حج کرایا، رسومات مشرکانہ سے آگاہ کیا، طریقہ جاہلیت سے خبردار بنایا اور وہ طرز عملی صورت میں لاکر تعلیم دیدیا جس طرز سے مسلمانوں کو ارکان حج پورے کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو جب کہ سایے حجاج منیٰ میں جمع تھے حجرہ کے قریب کھڑے ہو کر حضرت علیؑ نے سورہ برآۃ کی وہ آیتیں پڑھیں جن میں کفار کے عہد و پیمان کا نقص کر دیا گیا اور ان کو عام اطلاع دی گئی کہ اللہ اور اس کا رسول چونکہ کافروں و مشرک گروہ سے بیزار ہیں اس لئے نہ ان کا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ معتبر ہے نہ مسلمانوں کا ان سے جس قبیلہ سے کسی مدت معینہ کے لئے خاص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان و صلح کا کوئی اقرار فرمایا ہے وہ تو اپنی مدت مقررہ تک بحال سمجھا جائے گا۔ باقی تمام معاہدہ منسوخ ہوئے اور چار ہجری کی پہلی سے کہ اس میں یا اسلام قبول کریں ورنہ اگر ان کو تہ تیغ کر دیا جائے تو کسی کو گرفت و الزام یا باز پرس کا استحقاق حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بعد اپنے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ جنت میں بجز مومن کے کوئی جانے نہ پائے گا۔ آج کے بعد بیت اللہ کا طواف کوئی شخص برہنہ کرنے نہ پائے گا۔ اس سال کے بعد مسجد الحرام میں کوئی کافر شخص مسلمان کے پاس بیٹھنے نہ پائے گا۔ اور کوئی مشرک حج کرنے کے لئے میدان عرفات یا منیٰ میں گھسنے نہ پائے گا۔ یہ پیام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مستقل معجزہ ہے کہ ایسا زبردست دعویٰ بالکل صحیح اُترا۔

یہ وہ با عظمت حکم تھا جس نے حجازی خطہ کو شرک کی آلودگی سے پاک بنانے اور عرب کے وسیع ملک سے کفر کا تخم ہمیشہ کے لئے نکال پھینکنے کے لئے باضابطہ طور پھونکا اور ان بدوی قبائل میں تہلکہ ڈالا تھا جو رگستانی جنگلوں یا پہاڑی دروں میں خال خال پڑے رہ گئے اور اس خیال میں تھے کہ مقتنات سے عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود ہم اپنے آبائی مذہب کی رسومات کو پورا کرتے رہیں گے۔ اور وہ مصالحت جس کی باہم قرار داد ہوتی رہا کرے گی ہمارے جان و مال کو محفوظ رکھے گی۔ ان کو خبر نہ تھی کہ اسلام کسی کا دبا ہوا غلام نہیں ہے کہ اپنی مخالفت و عناد کی صورتیں آنکھوں سے دیکھے اور برداشت کر جائے اور وحدانیت خداوندی ایسی ہمد و انیس نہیں ہے کہ اغیار کو دیکھ کر شک نہ لائے۔ ہاں بد عہدی ایک عیب ہے جس کے شائبہ سے اسلام کا دامن بالکل صاف ہے۔ پس چار مہینے قبل اطلاع دی جاتی ہے کہ جس کو اپنا حوصلہ نکالنے کا ارمان باقی ہو وہ اس کو نکال لے اور جس کو سوچنا سمجھنا ہو وہ سمجھ لے چنانچہ اس اعلان کے



بعد لوگوں میں ہل چل گئی اور چونکہ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ اسلام نے اپنی تنہائی و یکسی کی نازک حالت میں بھی بڑے بڑے مشائخ و نبی زادوں کے لوہے کو نہیں مارا اور برہنہ تلواروں، عیقلہ از سنگینوں، جھلکے ہوئے بھالوں اور چمکتے ہوئے نیزوں کے سامنے بھی گردن نہیں جھکائی تو اب جب کہ ہزاروں ہزار دشمن اس کے دوست اور جان نثار شہید ابن عکبہ میں کسی کی خاک ڈالے اس کے منہ پر کس طرح پڑ سکتی ہے اس لئے خود بخود ان کی گردنیں اطاعت کے لئے جھک گئیں اور جب دونوں حضرات اپنی خدمت انجام دے کر مدینہ پہنچ گئے تو اطراف و جوانب سے اسلام ہی اسلام کا شور سنائی دیا۔ پہاڑیاں و عدائیت و رسالت کے اقرار سے گونج اٹھیں اور ہر بار آفتاب اسلام کی شاہانہ حکومت اپنے قبضہ و انتظام مستحکم بنا لیا۔

مسئلہ ہجری میں آپ اس نو مسلم جماعت کی تربیت و ترقی اور روحانی و جسمانی تعلیم میں بالکل مصروف رہے جو مدینہ میں آپ کے آستانہ پر پڑی ہوئی تھی یا وقتاً فوقتاً آفاق ارض سے ملے منازل کر کے حاضر ہوتی رہتی تھی یہاں تک کہ ماہ ذیقعدہ کا چاند نظر آیا اور آپ فریقہ حج ادا کرنے کے لئے عرفات کی حاضری کا سامان شروع کر دیا۔

یہ سفر حج ایسا تھا کہ مسلمانوں میں کسبلی نہ ڈال دیتا۔ مدینہ کی گلی گلی اور گھر گھر میں تہیہ سفر ہونے لگا اور عورت و مرد، بوڑھے اور بچے سب ہی حج کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر ذیقعدہ کی صبح کو شنبہ کے دن آپ نے غسل فرمایا، سر دھوا، تیل ڈالا، خوشبو لگائی، قصو اور دشنی پر سوار ہوئے اور ابو جہلہ ساعدی کو مدینہ پر عامل بنا کر حرم میں قربانی ہونے والے ستر اونٹ بطور ہدیہ ساتھ لیکر مع ازواج مطہرات اور خاندان کے باوازی بلند طبعیہ پڑھتے ہوئے مکہ کو روانہ ہوئے اور صحابہ کا جم غفیر جس کی شمار نہ ہو سکتی تھی پیدل و سوار آپ کے ہمراہ ہوا۔ سترت مقام پر پہنچ کر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تسبیح کریں اور جنہوں نے ہدیہ ساتھ نہ لی ہو وہ عمرہ کا احرام باندھ کر طواف و نسی کے بعد حلال ہو جائیں اور ازواج مطہرات کو بھی یہی ارشاد فرمایا کہ عمرہ پورا کر کے احرام کھول دیں اور جس کو چھین آجائے وہ طواف کے علاوہ باقی سائے ارکان پورے کرنے اس کے بعد آپ آگے روانہ ہوئے اور مسجد ذوالحلیفہ سے سب احرام باندھ لیا۔

حضرت سید علی رضی اللہ عنہ جو اس وقت ملک یمن کی جانب سپہ سالار تین کر خیران میں گئے ہوئے تھے حضرت کے حج کی اطلاع پائی تو اسلامی لشکر پر ایک سپاہی کو اپنا قائم مقام بنا کر وہاں سے چل پڑے اور راستہ ہی سے اس طرح احرام باندھ کر کہ یا اللہ میں بھی اسی قسم کا احرام باندھتا ہوں جیسا تیرے رسول، تیرے بندے اور تیرے نبی محمد ﷺ باندھ رہے ہیں آئے۔

شعبہ معتمام پر پہنچ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظربیت الشریہ پڑی تو آپ نے



ہاتھ اٹھا کر تکبیر کی اور کد کے راستے اتوار کے دن صبح کے وقت مگر میں داخل ہوئے سب سے پہلے باب السلام کی طرف سے حرم شریف میں آئے اور اضطباع و رمل کے ساتھ طوافِ قدوم ادا کیا اس کے بعد اونٹنی پر سوار ہو کر صفِ مروہ کے درمیان سستی کی پھر حکم دیا کہ جنہوں نے تمتع کا احرام باندھا تھا وہ حلق یا قصر کر کے احرام کھول دیں ، ذی الحجہ کو جس کا نام یوم الترویہ ہے۔ آپ نے مناسک حج لوگوں کو تعلیم فرمائے اور منبر پر کھڑے ہو کر دل دینے والا خطبہ پڑھا جس میں اول حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ لوگو! میری بات توجہ کے ساتھ سُنو کیونکہ میں نہیں جان سکتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر مجھے کھڑا ہوا کبھی نہ پاؤ گے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے اموال قیامت تک ایسے ہی محترم ہیں جیسے تمہارا آج کا دن اور تمہارا یہ مہینہ اور عنقریب تم کو اپنے رب سے ملنا ہے۔ پس وہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال کرے گا۔ اور میں پہنچا چکا ہوں سو جس کے پاس کوئی امانت ہو اس کو چاہئے کہ حقدار کے حوالہ کر دے سود باطل قرار دے دیا گیا۔ البتہ اس المال تمہارے حق میں کہ نہ تم کسی پر زیادتی کرو اور نہ کوئی تم پر زیادتی کرے۔ اللہ نے طے فرمادیا کہ سود کوئی حق نہیں اور میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا سود بھی معدوم ہوا۔ اور ہر خون جو زمانہ جاہلیت میں واقع ہوا ناقابلِ معاوضہ بنا دیا گیا اور سب سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون چھوڑتا ہوں جس کو بلا وجہ ہذیل نے قتل کیا تھا۔ اَمَّا بَعْدُ اے لوگو! شیطان واقعی اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس زمین میں کبھی اس کی پرستش ہو۔ البتہ اس کے سوا ان گناہوں میں اس کا کہنا مانا جائے گا جس کو تم حقیر سمجھ کر کر بیٹھو گے سو تم اپنے دین پر شیطان سے ڈرتے رہنا۔ اے لوگو! مہینوں کا سر کا دینا کفر میں زیادتی ہے جس کے سبب کافر گمراہ ہوتے رہتے ہیں کہ ایک سال اس کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام۔ تاکہ خدا کے حرام بنائے ہوئے کی گنتی تو پوری کر دیں اور جو شے خدا نے حلال کی ہے اس کو حرام اور جو حرام کی ہے اس کو حلال بنالیں۔ یاد رکھو زمانہ اپنی اس پہلی حالت پر قائم ہو گیا جس پر آسمان و زمین کی پیدائش کے دن قائم ہوا تھا اور مہینوں کی تعداد خدا کے نزدیک بارہ ہے۔ میں تین تو متواتر (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم) اور ایک رجب جو جمادی

کے سوا تیرہ سو برس ہوئے ہیں ہر شخص کو رہا ہے کہ دنیا

شائبہ سے اس قدر  
نکالنے کا ارمان باقی ہو وہ اس کو جان بچا کر



اتباعہ۔ اے لوگو! تمہارے اپنی بیبیوں پر حقوق ہیں اور اُن کے کچھ حقوق تم پر ہیں، سو تمہارا بڑا حق اُن پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے کا قدم نہ پڑنے دیں جو تم کو ناگوار ہو۔ اور اُن پر یہ بھی لازم ہے کہ کسی کھلی بے حیائی کی ترکیب نہ ہوں اور اگر ایسا کریں تو تم کو خدا نے اجازت دی ہے کہ ان سے خواب گاہوں میں علیحدگی اختیار کر لو اور ایسی مار دو جو شدید نہ ہو۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو وہ مناسب نفقہ اور لباس کی مستحق ہیں اور عورتوں کے متعلق حُسن معاشرت کی وصیت میری طرف سے قبول کرو کیونکہ وہ تمہاری پابند اور دست نگر ہیں کہ اپنے لئے کسی شے کی بھی مالک نہیں اور تم نے اُن کو اللہ کی امانت بنا کر لیا اور ان کی شرم گاہوں کو کلمات اللہ کے وسیلہ سے حلال بنایا ہے۔ پس اس کا خوب لحاظ رکھو۔ اے لوگو! میں تم کو تبلیغ کا حق ادا کر چکا اور اب تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن کو اگر تم نے مضبوط تمہارے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اس کے رسول کا طریقہ۔ اے لوگو! میری تقریر سن لو اور اس کو خوب سمجھ لو، تم جانتے ہو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمانوں کی جماعت ایک برادری ہے پس کسی شخص کو اپنے بھائی کا مال حلال نہیں بجز اس مقدار کے جو برصغیر نفس وہ خود دیدے پس تم اپنے نفسوں پر ظلم مت کرنا۔ یا اللہ! میں پہنچا چکا۔ اس پر ہر چار طرف صد بلند ہوئی کہ ”بیشک بیشک تو اپنے فرمایا کہ یا اللہ گواہ رہو۔“

چونکہ اس خطبہ میں اپنے رخصت کے کلمات ارشاد فرما کر گویا صحابہ کو بتا دیا کہ یہ حج میرے لئے پہلا بھی ہے اور آخری بھی۔ اس لئے اس کا نام حجۃ الوداع ہوا۔ اس کے بعد آٹھویں کو یومِ نخبینہ جحونِ نہار کے راستہ سے منی روانہ ہوئے اور ظہر و عصر و مغرب و عشاء ادا فرما کر وہیں رات گزاری اور نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے دن اشراق کے وقت عرفات کی جانب روانہ ہوئے وہاں اپنے نمزہ پر خیمہ کے اندر قیام فرمایا۔ ظہر و عصر کو جمع کیا اور ایک اذان و تکبیروں سے دونوں نمازوں کو ظہری کے وقت میں ادا فرما کر جبلِ رحمت پر تشریف لائے، اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس بھرے مجمع میں جہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان حاضر تھے ربیع بن امیہ کو واسطہ بنا کر یہ الفاظ فرمائے کہ لوگوں سے کہو کہ رسول اللہؐ دریافت کرتے ہیں کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ اور جب چار طرف صد بلند ہوئی کہ ماہِ حرام ہے تو اپنے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ اللہ نے تم پر تمہارے خون اور اموال کو قیامت تک کے لئے ایسا ہی حرام بنا دیا ہے جیسے یہ ماہِ حرام رکھ اس میں قتل و قتال کو سب سے ہمیشہ حرام سمجھا، اس کے بعد اپنے ربیعہ سے فرمایا کہ لوگوں سے پوچھو کہ یہ ماہِ حرام ہے؟ اور جب چار طرف آواز آئی کہ بلدا الحرام (یعنی مکہ)، تو اپنے فرمایا کہ اللہ نے تم پر تمہارے



اور اموال کو قیامت تک کے لئے ایسا ہی محترم بنا دیا ہے جیسے یہ شہر محترم دکر اس میں خلا و ارا کا قتل بھی تم نے ہمیشہ ممنوع سمجھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو آج کونسا دن ہے؟ اور جب چار طرف سے آواز آئی کہ یوم الحج الاکبر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے خون اور اموال کو قیامت تک کے لئے تم پر ایسا ہی محترم بنا دیا ہے جیسے تمہارا آج کا دن۔ اس کے بعد آپ نے نہایت بلیغ خطبہ پڑھا اور منجملہ شرائع اسلام و ضروریات دین کے پر بھی فرمایا کہ بے شک اللہ نے ہر حقدار کا حق (میراث کے متعلق) ادا فرما دیا پس وراثت کو وصیت جائز نہیں اور بچہ اسی کا سمجھا جائے گا جس کے نکاح میں اُس کی ماں ہوگی اور زانی کے لئے بجز پتھر کے (بچہ میں کوئی حق) نہیں اور جس نے اپنے آپ کو باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف نسبت کیا یا علام نے اپنے آقا کے سوا دوسرے کا بتایا تو اُس پر ٹھیکار اللہ کی اور فرشتوں کی اور عام آدمیوں کی۔ اللہ نے اس سے مال قبول کرے گا نہ عبادت۔ اس کے بعد تسبیح و تہلیل اور یادِ حق میں مشغول رہے اور آفتاب غروب ہوتے ہی عرفات پہلے دیے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت میں نمازِ مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا اور صبح ہوتے وہاں سے روانہ ہو کر مٹی میں صرف حمرۃ العقبہ کی رمی فرما کر اپنے ہاتھ سے ہدی کے اونٹ نحر کئے اور حلق کر کے احرام کھول دیا۔

اسی دن یعنی دس ذی الحجہ کو جو عید الاضحیٰ کہلاتا ہے مٹی سے روانہ ہو کر مکہ میں طوافِ زیارت کیا۔ آپ زمزم سیر ہو کر سیاہ اور مٹی لوٹ آئے۔ گیارہ بارہ تیرہ کو جو ایام تشریق کہلاتے ہیں تینوں جمروں کی ساتھ سات گنکریوں سے رمی فرمائی اور بعد ظہر وہاں سے روانہ ہو کر محبت میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد براہِ باب العلیا مکہ میں داخل ہوئے اور پھر طوافِ الوداع ادا کر کے مدینہ منورہ مراجعت فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جس وقت یمن سے چلے تھے تو ان کے قائم مقام نے لشکر کے ہر سپاہی کو کتاں کے وہ ٹھٹھے پہنا دیئے تھے جو مالِ غنیمت میں حاصل ہوئے تھے تاکہ دشمن پر رعب پڑے اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھے جاویں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ لباس دیکھا تو غضبناک ہوئے اور حکماً سب کے کپڑے اتار کر ٹھٹھے چلے آئے۔ حضرت علی کی یہ سختی اسلامی لشکر کو گراں گزری اور انھوں نے حضرت علی کی شکایتیں کیں چنانچہ حج سے واپسی پر اس مقام پر جس کا نام غدیر خم ہے جب آپ ٹھہرے تو آپ نے خطبہ پڑھا جس میں حضرت علی کے ساتھ محبت رکھنے کی تاکید فرمائی اور یوں فرما کر کہ "اے لوگو! علی کی شکایتیں نہ کرو۔ واللہ وہ اللہ کی ذات اور اس کے راستہ میں بیشک سخت ہیں" کہ خلافِ حکم خدا ہوتا ہوا دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتے، یہ کلمات فرمائے کہ جس کا موتی میں ہوں علی بھی اس کے موتی ہیں۔ اس کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور مدینہ میں داخل ہو کر یادِ حق کی طرف زیادہ توجہ فرمائی۔



## بار ۷۶۔ ۱۰ھ

### مرض و وفات

محرم اور صفر کے دو مہینے آپ نے ہدایت و ارشاد خلق یعنی تعلیم و تزکیہ اصحاب اور عبادت خالق میں گزارے یہاں تک کہ آپ پر اس آیت کا نزول ہوا **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ** کہ درحقیقت اب آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے اور گویا تمام دنیا کو اطلاع دیدی گئی کہ حضرت کی رحلت کا وقت آگیا چنانچہ ۱۲ صفر کا دن گذر کر آپ آرام سوئے اور نصف شب کو اپنے خادم و آزاد شدہ غلام ابو موسیٰ کو جگا کر فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے وہاں جا کر دعا و مغفرت کروں پس اٹھو اور میرے ساتھ جنت البقیع میں چلو چنانچہ ان کو ساتھ لے کر آپ قبرستان بقیع میں تشریف لائے اور یوں فرمایا کہ اہل مقابر السلام علیکم تم کو مبارک ہو کہ ان فتنوں کے دیکھے بغیر جن میں زندہ لوگ مبتلا ہیں اور جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ایسے آرہے ہیں کہ پھلا فتنہ پہلے سے بھی بدتر ہے آرام کی نیند پڑ کر سو رہے پھر آپ نے خادم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابو موسیٰ! مجھ کو دنیا میں ہمیشہ رہنے اور اس کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئیں اور اختیار دیا گیا کہ یا اس کو پسند کروں یا جنت اور اپنے رب کے ملنے کو ابو موسیٰ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے مال باپ آپ پر قربان دوام حیات اور خزان ارض کی کنجیاں بھی لے لیجئے اس کے بعد جنت بھی آپ نے فرمایا کہ نہیں قسم ہے خدا کی اے ابو موسیٰ میں نے تو جنت اور اپنے رب کے ملنے ہی کو پسند کیا اس کے بعد آپ نے ان اصحاب کے لئے جو بقیع میں مدفون تھے ورنہ استغفار کیا اور حجرہ عائشہؓ میں تشریف لے گئے یہاں پہنچ کر آپ کے سر میں درد شروع ہو گیا اور اس مرض کی ابتدا ہوئی جس میں آپ نے وصال فرمایا۔

جس وقت آپ بقیع سے واپس ہو کر حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا اور وہ سر کرکڑھے ہوئے کراہ رہی تھیں کہ دار اساءہؓ جو کہ آپ کے سر میں بھی درد ہونے لگا تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ بلکہ میں دار اساءہ اے عائشہؓ اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اگر تمہارا انتقال میرے سامنے ہو گیا تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے کفناؤں گا کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا اور اپنے ہاتھوں تم کو دفناؤں گا حضرت عائشہؓ نے جن کو اپنے شوہر کی محبت پر ناز تھا اور اس وقت تکلیف میں مبتلا تھیں جواب دیا کہ جی ہاں ایسا

۱۰ بعض روایات کے موافق مرض کی ابتدا پیر کے دن ہوئی اور بروایت ہنفہ کے دن مگر ممکن ہے یہ اختلاف اس بنا پر ہو کہ مرض بالکل ابتدائی

حالت کو بعض اہل سیر نے خفیف بھڑکھا کر لیا جو ۱۲ منہ ۱۵ بروایت ابتدائی مرض کے دن حضرت میمونہؓ کے گھر تھے اور بروایت

زینب بنت جحش کے گھر اور بروایت حضرت ریحانہؓ کے پاس جو آپ کی کنیز تھیں ۱۲ منہ



حصہ چہارم

ہوا تو آپ کا کیا نقصان ہو گا دوسری بی بی کو میرے بستر پر سٹلا لیجئے گا۔ یہ سن کر حضرت نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو رہے۔ چونکہ دوسری کی تکلیف بڑھتی جاتی تھی اور حرارت ہو گئی تھی اس لئے آپ کا بدن گرنے لگا مگر آپ تکلیف کو خیال میں نہ لائے اور اس حالت میں بھی ازواج میں عدل و مساوات کو ملحوظ رکھ کر باری تقسیم فرماتے رہے یہاں تک کہ مرض میں اشتداد ہو گیا اور اُس دن جب کہ آپ حضرت تیموز کے حجرہ میں تھے آپ نے بار بار دریافت فرمایا کہ کل کو کیا دن ہے اور پرسوں کس کی باری ہے؟ ازواج مطہرات سمجھ گئی کہ حضرت کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار ہے اور آپ کو چونکہ اُن کے ساتھ اُنس زیادہ ہے اس لئے وہاں سکون و آرام زیادہ ملتا ہے اس لئے سب جمع ہو کر اپنی باریاں معاف کیں اور عرض کیا کہ ہم سب بخوشی راضی ہیں کہ آپ آیام مرض بنتِ صدیق کے گھر میں گذاریں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ خوشی سے دیمکنے لگا اور آپ فضل بن عباسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر سہارا دے کر آہستہ آہستہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچ کر آپ کو سخت بخار چڑھ آیا اور مرض میں ساعت بساعت اشتداد ہونے لگا آخر جمعرات کے دن آپ اپنے آنکھیں کھولیں اور ارشاد فرمایا کہ قلم دوات لاؤ، کچھ لکھو اور دل کہ آئندہ کبھی جھگڑا نہ پڑے۔ اس وقت گھر کے اندر چند صحابہ رہ نہ موجود تھے اُن میں اختلاف ہوئے لگا کسی نے کہا قلم دوات لاؤ اور کسی نے کہا کہ حضرت کی تکلیف کا وقت ہے ہماری ہدایت کے لئے قرآن اور سنتِ محمدیہؐ کافی ہے پھر کسی نے دیکھا جائے گا اور کوئی ضروری امر اگر لکھوانا ہو گا تو حضرت دوبارہ حکم دیں گے۔ اس اختلاف کی آواہ حضرت کے کان میں پڑی تو آپ کو گراں گذرا اور غصہ کے ساتھ فرمایا میرے پاس سے سب چلے جائیں۔ اس کے بعد آپ یا وحی میں مشغول ہوئے اور مرض کی تکلیف بڑھنے لگی۔

آخر دوبارہ آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ سات مختلف کنوؤں کا پانی میرے اوپر ڈالو تاکہ بخار کی شدت میں کمی آئے اور میں اپنے اصحاب کو عہد و وصیت سنا سکوں چنانچہ اس کی تعمیل بھی گئی اور جب ذرا آفاقہ ہوا تو آپ سر کو پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لا کر منبر پر بیٹھ گئے۔ مسلمان جن کے دلوں پر حضرت کی تکلیف و مرض کا ہیچ مدد نہ تھا اس قدر رنج و غم دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور سرتاپا انتظار بن کر ارشادِ نبویؐ سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ سب سے اول آپ نے شہداءِ اُحد کے لئے استغفار کیا اور ان پر نزولِ رحمت کی دُعا مانگی۔ اس کے بعد سب سے پہلی بات جو لبِ مبارک سے نکلی وہ یہ تھی کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ یا دنیا پسند کرے یا اپنے قرب کی نعمت سوا اس نے وہی چیز پسند کی جو خدا کے پاس ہے۔ اتنا فرمایا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ دُعا دیتے اور بے اختیار اُن کی زبان سے نکلا بلکہ ہم اپنی جانوں



در اپنے بچوں کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ حضرت تو اتنا فرما کر کہ ”خاموش اپنی جگہ بیٹھے رہو“ دوسری تقریر میں مشغول ہو گئے اور صحابہؓ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے رونے پر تعجب کیا کہ ان بڑے میاں کو دیکھتے کہ حضرت تو ایک بندہ کے اختیار کا قہر بیان فرماتے ہیں اور یہ آنسو بہاتے ہیں مگر جب چند روز بعد معلوم ہوا کہ اس بندہ سے مراد ذات تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، سفر آخرت پسند فرمایا تو سب نے اقرار کیا کہ ابو بکر عقل الناس ہیں۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ یہ دروازے جو مسجد کی طرف کھلے ہوئے ہیں سب بند کر دیئے جائیں بجز ابوبکر کے کہ میرے علم میں ان سے افضل رفیق جس کے مجھ پر ایسے احسان ہوں جن کا بدلہ میں نہیں دے سکا کوئی نہیں ہے اور اگر میں اللہ کے سوا کسی کو خلیل بنانا تو ابوبکر کو بنانا لیکن صحبت اور اخوت ہی یہاں تک کہ اللہ ہم دونوں کو اپنے پاس جمع فرماوے۔ الحمد للہ دنیا میں جس کسی نے میرے ساتھ سلوک کیا میں اس کا بدلہ اس کو پورا دے چکا ہوں ابوبکر کے کہ انھوں نے مال اور جان مجھ پر اتنی قربان کی کہ اس کی مکافات مجھ سے نہ ہو سکی سو اس کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں کہ اس کا بدلہ عطا فرماوے اور اتنا دے کہ وہ راضی ہو جاویں۔ اس کے بعد اپنے انصار کی فضیلت ظاہر کی اور وصیت فرمائی کہ اے لوگو انصار کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا کہ یہ میرے خواص ہیں جن میں مجھ کو پناہ اور ٹھکانا نصیب ہوا۔ پس نیکو کار کے ساتھ احسان کیجو اور خطا وار سے درگزر۔

ہر چند کہ دنیا سے روانگی کا وقت قریب آگیا تھا مگر آپ اپنے کام سے غافل نہ تھے چنانچہ اسی حالت میں ہاجرین و انصار کا ایک لشکر جس میں اجلہ صحابہ شامل تھے مرتب فرما کر حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی ماتحتی میں دیا اور حکم فرمایا کہ فلسطین میں پہنچ کر بقاء و داروم کی زمین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیں مگر چونکہ آپ کے مرض میں اشتداد ہو گیا اس لئے حضرت اُسامہؓ نے رک گئے اور بعض لوگوں کو یہ بھی کہنے کا موقع ملا کہ اجلہ و اکابر صحابہؓ پر ایک نوجوان نا تجربہ کار لڑکے کو سپہ سالار بنادیا گیا اس لئے اسی وعظ میں آپ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور کہا کہ اے لوگو! اُسامہ کے لشکر کو اپنی خدمت کے انجام دینے سے مت روکو اور قسم ہے اپنی حیات کی اگر تم کو اُسامہ کی افسری پر اعتراض ہو تو کیا تعجب ہے جب کہ ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کر چکے ہو حالانکہ اُسامہؓ بھی سرداری کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کے والد زید بن حارثہؓ میں بھی اس کی قابلیت پوری موجود تھی اس کے بعد آپ منبر سے اتر کر حجرہ میں تشریف لے آئے اور صحابہؓ نے لشکر اُسامہ کی روانگی کا سامان شروع کر دیا۔

حضرت اُسامہؓ اپنے لشکر کو لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور ایک فرسخ پر حریف مقام میں ٹھہر گئے تاکہ اہل لشکر اپنی ٹھولی بسری چیز فراہم کر کے آگے روانگی کا انتظام کامل کر لیں۔ اتنے میں حضرت کے اشتدادِ مرض کی خبر



پھر گرم ہوئی اور لشکر کی ہمت نہ ہوئی کہ اپنے دینی و دنیوی سرور کو تکلیف کی اس حالت میں چھوڑ کر فلسطین کا سفر کریں۔ حضرت اُسامہؓ شہر میں آئے اور منجھڑ و دیگر صحابہ کے عیادت کی غرض سے حاضر آستانہ ہوئے تو دیکھا کہ عائشہؓ کا حجرہ مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا ہے اور حضرت پرغشی طاری ہے کہ زبان سے کلام نہیں فرماتے۔

چونکہ آپؐ کے اعصاب اور ٹپھوں پر اس زہر کا اثر ظاہر ہو چلا تھا جو بکری کے گوشت میں ملا کر جنگ خیبر کے وقت ایک یہودی عورت نے آپؐ کو دیا تھا اور اس کی وجہ سے آپؐ پہلو اور پسلیوں میں درد ہوتا تھا اس لئے بعض مل بیت کو ذات الجنب کا دھوکا ہوا اور یوں رائے ہوئی کہ اس دوا کا لپ کر دیا جائے جو حبش کی طرف سے عورتیں لاتی اور اسی مرض کا فوری علاج کہا کرتی ہیں۔ چنانچہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ سفیر پر دوا کا استعمال کرنے کی جرأت کسی میں نہیں تو خود آگے بڑھے اور آپؐ کے پہلو پر دوا کا لدو کر دیا۔ دوا لگتے ہی حضرتؐ نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور نہایت کراہت کے ساتھ فرمایا کہ لدو دس لئے کیا؟ اور جب اطلاع ملی کہ سب گھر والوں کی رائے سے ہوا ہے تو آپؐ نے غصہ کے لہجے میں فرمایا کہ چچا کے علاوہ گھر والوں میں کوئی نہ بچے جس پر لدو نہ ہو۔ چنانچہ دوا تو فوراً پوچھ دی گئی اور حضرت کا قول آخر کار پورا ہوا کہ حاضرین بیت میں سے بجز حضرت عباسؓ کے ہر مرد و عورت کو اپنی زندگی میں لدو د کی نوبت پیش آئی۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہودی سخت دلی کا تذکرہ فرماتے ہوئے قَدْ يَتْلَاكَ ذُنُوبُكَ فَرِيقًا تَتَنَزَّلُ میں قتل انبیاء کی خطا کو مضارع کے صیغہ سے بیان فرمایا تھا جس میں عربی محاورہ کے موافق یوں ترجمہ ہو کر "انبیاء کے ایک فریق کو تم نے بھٹلا دیا اور ایک فریق کو قتل کر رہے ہو" یہ اشارہ فرما دیا تھا کہ چونکہ یہود کا نبیوں کو قتل کرنا تمام نہیں ہوا بلکہ وہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے اس لئے جہاں اس بد نصیب قوم نے بزمان گذشتہ سیکڑوں پیغمبروں کو قتل و شہید کیا ہے وہیں سرورِ پیغمبران یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل بھی انہیں کے ہاتھوں صادر ہونے والا ہے۔ پس ادھر تو حضرت کو مراتب کمالیہ میں سب سے برتر بنانے کے لئے ضرورت تھی کہ شہادت ملے اور ادھر اس پیشین گوئی کے موافق آپؐ کے قتل کی سب سے بڑی معصیت بھی اس روئے جماعت کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی تھی جس نے خداوندی سفیروں کے خون میں اپنے دامن اور ہاتھوں کے رنگنے کو اپنی سرخروئی سمجھ رکھا تھا اس لئے چار سال کے بعد خیبر کی سمیت نے نمود کیا اور بلغھی بخار سے ابتدا کر کے جگر اور کلیجہ کے ساتھ اندرونی احتشاء و اعصاب پر پورا تسلط کر لیا کہ دماغی اعصاب پر اس کے اثر سے آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی۔ کبد و طحال پر اثر سے درد ہوتا اور زبان کے ٹپھوں پر اثر سے بات کرنے میں یہاں تک تکلف ہوتا کہ گویا زبان بند ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت اُسامہؓ اسی حالت میں عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپؐ نے اشارہ سے پاس ملا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بار بار



آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور پھر حضرت اُسامہ پر رکھ رکھ دیتے جس سے وہ سمجھ گئے کہ مجھ کو دعائیں دے رہے ہیں مگر آپ کی زبان نے یاری نہ دی اور زبان سے ایک کلمہ بھی ادا نہ فرما سکے۔

حج سے واپس ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریر بن عبد اللہ بجلي کو جو مین کے باشندہ تھے اور غایت محسن کے سبب اس امت کے یوسف مشہور تھے یمن کی جانب ذوالکلاع حمیری پر فوج کشی کے لئے روانہ فرمایا تھا جو تیج کی اولاد میں تھا اور خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا کہ تین لاکھ آدمی اس کو پوجتے اور سجدہ کرتے تھے چنانچہ حضرت جبریر رضی اللہ عنہ وال پہنچے مگر حضرت کے مرض کی اطلاع پاتے ہی لوٹ آئے۔ ذوالکلاع نے خلافت فاروقی میں اسلام قبول کیا اور اٹھارہ ہزار غلام آزاد کر کے سلطنت پر لات مار کر فقر و فاقہ کو اختیار کیا اور ہمیشہ ناز کرتے رہے کہ دنیا کے مال و عزت کے بدلے اسلام کی دولت میسر آئی۔

الغرض ساعت بساعت حضرت کو بخار بڑھتا گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اُس چادر سے جو آپ ادرے ہوتے تھے لپٹیں پھوٹ کر پاس والوں کو گرم بنا دیتی تھیں کہ وہ گھبرا جاتے تھے ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا پیالہ آپ نے سر پر لے رکھا لیا تھا۔ اُس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے کہ ٹھنڈک پہنچ کر سکون حاصل ہو۔ مگر زہر کی گرمی جو حوالی قلب پر مستولی ہو چکی تھی کسی پہلو قرار نہ لینے دیتی تھی۔ آپ پر بار بار غشی چھا جاتی اور جب ہوش آتا تو سب سے پہلی بات جو زبان سے نکلتی یہ ہوتی تھی کہ "اذان ہو گئی یا نہیں اور پانی لاؤ کہ وضو کروں" آخر کئی مرتبہ ایسا ہونے پر کہ پانی آیا اور آپ پہنچے ہو گئے جب آپ نے سمجھا کہ مسجد تک جانا اب طاقت سے باہر ہے تو ارشاد فرمایا "ابو بکر سے کہہ دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔"

مسجد میں صحابہ جماعت کے منتظر در سے بیٹھے ہوئے تھے نماز کا وقت تنگ ہو چلا تھا۔ ادھر ابو بکر علاوہ اس کے کہ حضرت کے عاشق و شہید اتنے فطری طور پر رفیق القلب پیدا ہوتے تھے اور ان کی بیٹی حضرت عائشہؓ خوب جانتی تھیں کہ میرے باپ سے حضرت کی جگہ خالی نہ دیکھی جائے گی اور وہ گریہ کے غلبہ سے نماز پر گزنہ پڑھا سکیں گے۔ اس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں الخطاب کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھا دیں ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اس خیال سے کہ لوگ حضرت کی جگہ خالی اور اُس پر ابو بکرؓ کو کھڑا ہوا دیکھیں گے تو ہمیشہ کے نحوست کا دوسوہ کریں گے۔ اپنے پدر بزرگوار کو تشام سے بھی بچانا چاہا ہو۔ مگر حضرت نے تین مرتبہ ہی فرمایا کہ "ابو بکر سے کہو کہ امام بن کر نماز پڑھائیں۔ تم عورتیں تو یوسفؑ کی قمیص والی عورتیں بننا چاہتی ہو۔ اللہ اور مسلمان نہیں مانتے مگر ابو بکرؓ کو اور اللہ اور مسلمان نہیں مانتے مگر ابو بکرؓ کو" اس کے بعد آپ پر کھربوشی طاری ہو گئی۔



اس کے بعد جب بلالؓ نے نماز کا وقت ہونے کی حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر حضرتؐ کو اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا کہ دوسرے سے نماز پڑھو اور چنانچہ حضرت بلالؓ آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو موجود نہ پا کر حضرت عمرؓ کو آگے بڑھایا کہ نماز مغرب پڑھائیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کی آواز بلند تھی اس لئے قرأت کی آواز حضرت کا میں پڑی تو آپؐ آنکھیں کھول دیں اور فرمایا کہ ابو بکر کہاں ہیں؟ حضرت عمرؓ کو جب یوم ہوا کہ میرے امام بننے کا حکم حضرت کی زبان سے نہ نکلا تھا تو بہت نادام ہوئے اور حضرت بلالؓ سے تسکایت کی کہ تم نے میرے ساتھ چھا سلوک نہیں کیا۔ اس کے بعد دوسری نماز یعنی عشاء میں حضرت ابو بکر امام بنائے گئے اور حضرت اس حالت کو دیکھ کر مطمئن و مسرور ہو گئے۔

در حقیقت حضرت ابو بکرؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بید محبت تھی اور ظاہر ہے کہ اس نازک وقت سے جب کہ آپؐ کی پاک صدا پر کان دہرنے والا سنگستان عرب میں ایک بھی نہ تھا۔ آج تیسری برس تک کسی موسم، کسی حالت، کسی وقت اور کسی سفر و حضر میں ساتھ نہ چھوڑنے والا شخص جتنا بھی آپؐ کا شہید ہو گا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تن من و جن سب کچھ حضرت پر نثار کر دیا اور کبھی زبان سے محبت کا دعویٰ نکالا نہیں۔ پس در حقیقت نبوت کی قوت قدسیہ سے بدرجہ اتم مستفیض ہو کر شان تکمیل میں سب سے بہتر ہونے کی وجہ سے حضرت کے لگائے ہوئے باغ کی حفاظت کے لئے ان سے بہتر باغبان دوسرا نہ تھا البتہ رفیق القلب اور عاشق رسول ہونے کی وجہ سے آپؐ کی خالی جگہ پر کھڑے ہونے کی چونکاں میں طاقت نہ تھی اس لئے تصرف و ہمت اور توجہ نبوت کی ضرورت تھی کہ اس مضمون میں استقلال ہاتھ سے نہ جانے پاتے چنانچہ جب ابو بکرؓ نماز پڑھانے کو آگے بڑھے اور تکبیر تحریر کے بعد قرأت شروع کی تو گریہ کے حسب ساق پکڑا جائے لگا اور قریب تھا کہ چیخیں نکلیں اور نماز ٹوٹ جائے مگر حضرت کی روحانیت نے ان کو تھاما اور مرض میں خفت پا کر دو خادموں کے کاندھوں پر اس طرح ہاتھ رکھ کر کہ پائے مبارک کا پیٹہ اور زمین پر گھسٹتے ہوئے آتے تھے آپؐ حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور صفوف کو قطع کرتے ہوئے ابو بکرؓ کی بائیں جانب آ بیٹھے۔ ابو بکرؓ کی آواز میں یہ مسرت انگیز سماں دیکھ کر قوت آگئی اور امام رسلؐ کو موجود پا کر کھیلے پاؤں سر کے کہ خود مقتدی بنیں اور حضرت امام۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارہ سے منع کیا کہ پیچھے نہ بیٹھیں مگر ابو بکرؓ کا ادب متحمل نہ ہو سکا اس لئے مکہ بن کر کھڑے ہو گئے کہ حضرت نے نماز پڑھائی اور انہوں نے باواہر بلند تکبیر کہی۔

اس پہلے مرحلے کو طے فرما کر حضرت حجرہ میں تشریف لے آئے اور وصیت کی کہ میری قبر کو عید نہ بنانا (کہ ہر سال مسرت کے ساتھ اجتماع ہو اور شادیاں بھین) اور میری قبر کو بیت نہ بنانا کہ پرستش کی جانے



لکے خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو پوجا اور مسجد بنالیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اہل بیت نہلاؤں وہی کفناویں اور وہی قبریں آتا رہیں۔ سب میں بہتر خوشبو خود کی ہے اور نبی کی روح وہیں قبض کی جاتی ہے جہاں اُس کا دفن ہونا خدا کو پسند آتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ پھر زیادتی ہو گئی اور درود و کرب نے چاروں طرف سے دبا لیا کہ اس مخطط چادر کو جسے اوڑھے ہوئے تھے کبھی چہرہ پر ڈالتے اور کبھی گھبرا کر منہ کھول دیتے تھے۔ اسی حالت میں آپؐ فرمایا کہ جزیرہ عرب میں دو مذہب نہ رہیں گے۔ حضرت فاطمہؑ باپ کی تکلیف دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائیں اور کہا ”ہائے آبا کی تکلیف“ بیٹی کا یہ کلمہ سن کر آپؐ آنکھیں کھول دیں اور شفقت کی نظر ڈال کر فرمایا کہ آج کے بعد تمھارے باپ پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ حضرت فاطمہؑ رونے لگیں اور جب حضرت نے ان کی بیقراری دیکھی تو پاس بلا کر کان میں کہا کہ ”گھبراؤ نہیں۔“ وقت بہت قریب تھا کہ بیٹی بھی اپنے باپؐ آئے گی۔ تو حضرت زہراؑ کو تسلی ہو گئی اور مطلع ہو کر کہ چند ماہ کے بعد میں بھی دنیا چھوڑ دوں گی، ان کو قرار آگیا۔

اربع الاول یعنی یکشنبہ کا دن آپؐ کو سخت تکلیف میں گذرا کہ رگوں میں دوڑنے والے خون کو تمہیت نے گرم بنالیا تھا۔ آپؐ بار بار پانی کے پیالہ میں ہاتھ ڈال کر منہ اور بدن پر پھیرتے اور یوں فرماتے تھے کہ یا اللہ موت کی سکرات سہل کر اور جاں کنی کی تکلیف میں میری مدد فرما۔ آپؐ کی پیشانی پر بار بار پسینہ آتا اور رخساروں کے بہ بہ کر ٹپکتا تھا۔ اور صراپ کی بے چینی کی یہ حالت تھی اور اصرار صحابہ کی مبتانی کا یہ عالم تھا کہ مسجد کے فرش اور حجرہ مبارک کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر روتے اور بدحواس بنے پھرتے تھے کہ دیکھئے کیا ہونا ہے۔ آخر ایک بار کچھ افادہ ہونے پر آپؐ پھر تمہت کی اور سر کو پی باندھے ہوئے دو صحابہ پر سہارا دیتے ہوئے آپؐ مسجد میں تشریف لے آئے۔ اب صحابہ کی سترت کا کیا پوچھنا کہ حضرت کے پاؤں کی آہٹ پا کر ان کی کیا حالت ہوئی جو سترت ان کے ہاتھ پاؤں بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ کر قدموں کو چوم لیں مگر حضرت نے اشارہ فرمایا کہ اپنی حالتوں پر قائم رہو اس لئے سب دم بخود رہ گئے تاہم سمٹ سمٹ کر جگہ چھوڑ دی کہ حضرت صغوف کو قطع فرما کر مسئلے پر تشریف لے جایاں۔ چنانچہ حضرت صغوف اول سے آگے بڑھ کر ابو بکرؓ کی دامنی جا بیٹھ گئے اور نماز میں شرکت فرمائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ منبر پر تشریف لائے اور ایسی بلند آواز سے کہ مسجد اہل نکل گئی و خطا فرمایا جس میں صحابہ کو تسلی دہی سبر کے اجر بیان فرمائے اور کہا کہ ”اے لوگو! دوزخ بھر کاٹی اور دھونکی جانے لگی۔“ فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے شروع ہو گئے اور میں نے اُسی کو حلال کہا، جسے قرآن نے حلال بتایا اور اسی کو حرام بتایا ہے جسے قرآن نے حرام کہا ہے اس کے بعد آپؐ صحابہ کو رخصت فرما کر حجرہ عائشہؓ میں تشریف لے آئے اور یاد حق میں مشغول ہو گئے اس کے بعد آپؐ پر پھر کرب شروع ہوا۔ بہت



حصہ چہارم

تکلیف کے ساتھ گزری یہاں تک کہ عالم کو تاریک بنانے والی صبح آئی اور ۱۲ ربیع الاول کو پرکے دن نے طالع فجر کے وقت سوئی ہوئی مخلوق کو جگا دیا۔ دفعۃً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون محسوس ہوا اور عین اس وقت جب کہ ابو بکر رضی کی آواز قرأت آپ کے کان میں پڑی تو آپ پر وہ اٹھا کر صفوں پر نظر ڈالی اور جب دیکھا کہ نظام ستر منظم ہو گیا اور دین خداوندی کی محافظت کا بوجھ اپنے شاگرد کو اٹھائے ہوئے الحمد للہ آنکھوں سے دیکھ لیا تو خوشی کے مارے آپ کا چہرہ چاند کی طرح دیکھنے لگا۔ صبح اڑھائی بجے محسوس کیا کہ حضرت پر وہ اٹھا کر دیکھ رہے ہیں، تو ان کی ٹوٹی ہوئی کمرے مضبوط ہو گئیں اور شکستہ ذل قابو میں آکر سنبھل گئے اور حضرت کو تندرست پایا تو مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

ابو بکر رضی نے کہ ستر و نمازیں پڑھا چکے تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آج الحمد للہ حضرت کا مزاج رو صحت ہے اس لئے اجازت ہو تو ذرا گھر ہو آؤں اور بنت خارجہ کے پاس جا کر جس کی آج باری کا دن ہے اس کا حق ادا کر آؤں۔ چنانچہ حضرت نے اجازت دی اور حضرت ابو بکر رضی مدینہ میں بمقام سخی جہاں ان کی بی بی بنت خارجہ رہتی تھیں چلے گئے۔

کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ افاقہ سنبھالا ہے اور حضرت کی یہ زیارت آخری اور رخصتی ہے چنانچہ چند سات گزری تھیں کہ حضرت عزرا تیل علیہ السلام اٹھیل فرشتہ کو ساتھ لئے ہوئے جو ایک لاکھ فرشتوں کے سروا ہیں حاضر ہوئے۔ اٹھیل علیہ السلام نے تو حق تعالیٰ کا سلام پہنچا کر عبادت کی کہ طبع مبارک کا کیا حال ہے؟ اور عزرا تیل علیہ السلام نے اجازت چاہی کہ اجازت ہو تو رفیق اعلیٰ پر پہنچانے کی خدمت انجام دوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا جواب دے کر کہ الحمد للہ اچھا ہوں البتہ مرض کی تکلیف ہے۔ ملک الموت کے ارشاد فرمایا کہ ”بہتر ہے اپنا کام کرو۔“ اور حضرت عزرا تیل قبض روح میں مشغول ہوئے اور اُدھر حضرت کے جسم مبارک پر بے چینی و کرب کی یہ حالت پیدا ہوئی کہ کبھی رخسار مبارک اس پہلو رکھتے تھے اور کبھی اُس پہلو بی بی عائشہ رضی نے حضرت کا کرب دیکھا تو سر ہانے بیٹھ کر حضرت کو اٹھایا اور سر مبارک اپنے سینہ پر رکھ لیا کہ ذرا سکون ہو مگر یہ تکلیف تو نزع کی تکلیف تھی جس کا قوی جسم پر زبردست اثر ہونا لازمی تھا اس لئے روح کی بشت کا کچھ ہی حال ہو مگر بدن پر تکلیف کا یہ اثر تھا کہ آپ کو کسی پہلو چین نہ پڑتا تھا۔ اسی حالت میں ایک بچہ پر آپ کی نظر پڑی جو ہاتھ میں

۵۱ چونکہ حج کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ جمعہ کو واقع ہوئی تھی اس لئے ربیع الاول کی بارہویں کو پر کا دن کسی طرح صبح نہیں ہوا، پس یا تو تاریخ ۱۲ نہ ہوگی اور یا ممکن ہو کہ ذی الحجہ و محرم و صفر کے تینوں مہینے ۳۰ کے ہوں گے اور نیز اختلاف مطالع کے سبب مدینہ میں مکہ کی رویت کے ایک دن بعد رویت ہو تو تاریخ اور دن مطابق ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



مسواک لئے ہوئے تھا اور آپؐ اشارہ سے رغبت ظاہر فرمائی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک لے کر آپؐ کے ہاتھ میں دیدی مگر جب آپؐ اس کو منہ میں پھرانے پر قادر نہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے منہ میں لے کر اس کو نرم بنا دیا اور پھر حضرت کو ویدیا کے فرشتوں سے ہم کلامی کے لئے جس صفائی دین کی ضرورت تھی اس کو پورا فرمالیں۔ آخر آپؐ نے مسواک چند مرتبہ منہ میں پھیرا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو واپس دے کر چند بار آمینہ آواز سے کہا کہ اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِیقِ الرَّفِیقِ الْعَلِیِّ اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِیقِ الرَّفِیقِ الْعَلِیِّ۔ یا اللہ برتر جماعت کی رفاقت نصیب کیا یا اللہ عالی مرتبہ رفیق سے بلا۔ اس کے بعد آپؐ کی حرکت کم ہوتی گئی اور بدن بوجھل ہو چلا۔ اول تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ کچھ سکون ہو گیا ہے مگر جب بوجھ بڑھتا ہوا پایا تو چہرہ مبارک پر نظر ڈالی۔ دیکھا تو آنکھوں کی پتلی چڑھ گئی، ناک کا بانسا پھر گیا، پیشانی پر موت کا ٹھنڈا پسینہ آلیا اور رخساروں پر نور کی شعاعیں پھیل چکی تھیں اس لئے گھبرا گئیں کھیر ہاتھوں اچھلنے لگا، ہاتھ کانپنے لگے نظر کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور یہ معلوم کر کے کہ اعلیٰ حضرت روحی فداہ اعلیٰ علیہین کو سدھائے آپؐ کا سر مبارک آمینہ سے تکیہ پر رکھ دیا آنکھیں بند کر دیں اور چادر سے جس کو آپؐ اور سے ہوئے تھے روئے مبارک کو ڈھانپ دیا۔

اس سانحہ عظیمہ کی اطلاع دفعۃً باہر پہنچی اور ہوا کی طرف مدینہ کی گلی اور گوجوں میں گشت لگائی تو صحابہ کے اضطراب و بکی کی حد نہیں رہی، کیونکہ انہی صبح کی نماز میں حضرت کی زیارت کی تھی اور ہشاش بشاش دیکھ کر آئے تھے یاد و گھٹنے گزرنے پر اشراق کے وقت یہ صدا آنے لگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپؐ عالم آخرت کا سفر اختیار فرمایا۔ اس لئے بدحواس ہو گئے اور اکثر لوگ یقین نہ آیا کہ یہ خبر سچی ہے چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بایں کمال و عظمت ایسے مدہوش ہوئے کہ برہنہ تلوار لے کر دروازہ مسجد پر کھڑے ہو گئے کہ حضرت کا وصال نہیں ہوا اور نہ آپؐ دنیا سے رخصت ہوئے کیونکہ آپؐ کو ابھی بہت کچھ کرنا اور منافقین کا تخم سرزمین مدینہ سے نکالنا ہے۔ یقیناً آپؐ اپنے خدا سے ملنے گئے ہیں جیسے موسیٰ بن عمران کو وہ طور پر گئے تھے اور لوگوں نے مشہور کر دیا تھا کہ موسیٰ کا انتقال ہو گیا۔ پس یہ خبر منافقوں نے اڑائی جو کہ اس سے منتفع ہوں۔ سو اگر میں نے کسی کو یہ لفظ کہتے سنا کہ حضرت کو وفات ہو گئی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے کہ بے تامل گردن اڑا دوں گا۔ یہاں تک کہ جس وقت عموالی مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی گھبرائے ہوئے لپکے اور سیدھے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوئے جہت کے پاس پہنچا پر چادر اٹھائی، چہرہ مبارک پر نظر ڈالی، پیشانی پر بوسہ دیا، آنکھوں سے آنسو بہائے اور بعد حزن و غم عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان بیشک جس موت کا ذاتہ حکمنا آپؐ کے لئے خدا نے لازمی کیا تھا اس کو تو آپؐ چمک چمکے اب آپؐ پر دو موتیں ہرگز جمع نہ ہوں گی۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ چادر سے رنج



مبارک کو ڈھانپ کر باہر نکل آئے اور کہا کہ درحقیقت آقائے نامدار آخرت کو سدھائے۔ شاہِ دین و دنیا نے دنیا سے منہ موڑا، جان سے زیادہ پیارا محبوب رخصت ہوا۔ ہم کو سب کچھ پڑھا لکھا کر بتا کر رکھا کر اور اللہ والا بنا کر ہمارے پیغمبر نے لقارِ رب کو اختیار فرمایا۔ اس کے بعد آپ منبر پر چڑھ گئے اور قرآن کی یہ آیت پڑھ کر وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا لَّكُمْ محمد ابھی تو ایک پیغمبر ہی ہیں جن سے پہلے بہترے پیغمبر گذر لئے ہیں، سو اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم لوگ اٹے اپنے ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر لوٹ جائے گا وہ اللہ کا ہرگز کچھ بھی نقصان نہ کر سکے گا۔) یوں فرمایا کہ لے لو گوا اگر تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے تو حضرت کا تو واقعی انتقال ہو لیا اور اگر عبادتِ واقع میں اللہ جل شانہ کی تھی (اور محمد اس کی تعلیم کا وسیلہ تھے) تو اللہ حق و قیوم ہے ہمیشہ زندہ رہے گا سنبھلو اور کوئی حرکت ایسی نہ کرو جو حضرت کی تعلیم اور حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ ان کلمات کا صحابہ کے کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا ڈوبتی ہوئی کشتیاں کنارے آگئیں۔ گئے ہوئے ہوش و حواس لوٹ آئے۔ بے قابو ہو جانے والے دلوں کو قرار آگیا اور زائل ہو جانے والی عقلیں اپنے ٹھکانے آگئیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ ابوبکر کا وعظ سننے پر مجھے تنبیہ ہو کہ ہاں یہ آیت بھی قرآن میں موجود ہے جس میں رسول کی وفات کا اشارہ ہے اور اس نازک وقت میں مسلمانوں کو سنبھلے رہنے کی نصیحت کی گئی ہے چنانچہ میں نے تلوار کو نبیام میں بند کر لیا اور وفاتِ محمدی پر ابوبکر سے متفق الرائے بن کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

یہ وہ نازک وقت تھا جس نے ان صاحبِ استقامت صحابہ کو لڑکھڑادیاتھا جن کے پہاڑ سے زیادہ اٹل استقلال نے اُس وقت بھی ازجا رفتہ نہ ہونے دیا تھا جب کہ خونی ملک کے پہاڑ ان کی عداوت کی صدا سے گونج رہے تھے اور ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ گویا ان کے خون کا پیا سا تھا۔ انھوں نے وحشت خیز زمانہ میں جنگ کے ہولناک منظروں کو راحت و آرام کا گہوارہ سمجھا۔ تلوار و نیزہ کی دھاروں اور تیروں کی بوچھاڑ کو نرم گدہ تصور کیا۔ فاقوں کی مصیبت اور موت کی جانگزی کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھا۔ وطن کی مفارقت کو عزیز جانا اور ہر قسم کی تکلیفوں کو مایہ ناز سمجھ کر رضا و رغبت برداشت کیا مگر آج جب کہ وہ دل لہجائے والی آواز جس کی بدولت سب کچھ جھیلا تھا بند ہو گئی تو اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اپنی جانیں اوپری معلوم ہونے لگیں اور گویا اپنی زندگی بیکار نظر آنے لگی۔ یہ حضرت صدیقِ رضوی کا دم تھا کہ ایسے کاملین کو جن سے آئندہ دنیا کی ظلمتیں کا فور ہونے والی تھیں سنبھال لیا اور منجد ہار میں ڈبکیاں لینے والے جنگی جہاز کو کمر پر لا لیا کہ طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے غرق نہ ہو جائے۔ اُمتِ محمدیہ اس احسانِ صدیقی کو عمر بھر نہیں بھول



سکتی۔ اور درحقیقت یہ طاقت تھی روحانیت محمدیہ کی جس نے ابوبکر رضی کی ذات کو اپنا جامہ اور قالب بنا کر اپنے لگائے ہوئے باغ کی حفاظت کا مشکل کام انجام دیا اور نہ وہ ابوبکر رضی جن کو حضرت کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی طاقت نہ تھی اس زمین کو پلا دینے والے سانحہ کی خودی برداشت نہ کر سکتے تھے بھلا دوسروں کو تو کیا تھا۔

اگر ماہ محرم سے سال شروع ہو جیسا کہ سہولت کی غرض سے آئندہ ہجری سنہ کا حساب مقرر کیا گیا تو ۱۱۲ھ میں درنہ ۱۱۲ھ کے آخری دن ۱۲ ربیع الاول یوم دو شنبہ چاشت کے وقت پورے تریسٹھ سال کی عمر میں مکہ تیرہ دن بیمار رہ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے حجرہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی چنانچہ حضرت عائشہ رضی ان تینوں باتوں پر فخر کیا کرتی تھیں کہ مسواک کی بدولت آخر وقت میں حق تعالیٰ نے میرے لعاب اور حضرت لعاب مبارک کو جمع کیا حضرت کا میرے سینہ پر انتقال ہوا اور میری باری کے اس دن وفات ہوئی جو بیبیوں میں باری قائم رکھنے کے حساب بھی میرے ہی حصہ میں آتا تھا۔

رسول خدا بالائے عرش و زیر زمین تشریف لے گئے۔ جبریل امین کی آمد بند ہو گئی وحی آسمانی کا سلسلہ ختم ہوا اور وہ انوار و تجلیات جن کی جھڑی ٹوسلا دھار مینہ بن کر ہر وقت لگی رہتی تھی ختم ہو گئی سچی ہے خدائے واحد کی ذات کے سوا کسی کو بقا نہیں اور موت کا ناطق حکم تمام مخلوق کے لئے ایسا عام ہے کہ کسی سے ٹلنے والا نہیں۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّ اللَّهَ جَاءَ بِكَ الْوَحْيَ**

۱۱۲ھ

## تدفین و خاتمہ

حضرت ابوبکر رضی کے وعظ سے جب صحابہ رضی کی حالتیں سلجھیں تو اسلام کی آئندہ حفاظت کا فکر لاحق ہوا عرب کے تمدن پر اگر نظر کی جائے کہ چند سارا بان کوئی مختصر سا سفر بھی کریں گے تو اپنے مجمع میں سے کسی ایک شخص کو امیر قافلہ ضرور بنالیں گے۔ یہ بات طرز معیشت سے ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کے ذرا سے کام میں بھی اختلاف رائے سے بچنے کے لئے سردار کی حاجت ہے چہ جائیکہ دین اور دین کا بھی وہ نازک وقت جس نے سردار دین و دنیا کے وصال سے دنیا کو دفعتاً نظروں میں تار یک بنا دیا تھا خصوصاً جب کہ خود سرورِ عالم کے غسل و کفن اور دفن کے متعلق طرز و طریقہ بھی معنی تھا کہ نہ کسی نے حضرت کے بحالت حیات اس کو پوچھا تھا اور نہ ان کی محبت اس سوال کی جرات بلکہ خیال دلا سکتی تھی اس لئے لازمی تھا کہ سب سے پہلے مذہب اسلام کا حامی اور مسلمین صحابہ کرام کا امیر کوئی شخص مقرر ہو جائے کہ اس کے ماتحت بن کر ان ضروریات کو انجام دیں جن میں حضرت کو خصوصیت کے غالب احتمال کی وجہ سے دوسرے اموات پر قیاس نہیں کی جاسکتی تھی۔



ادھر انصار جو مدینہ کے اصل باشندے تھے چاہتے تھے کہ حضرت کا غلام بننا چونکہ بوجہ نبوت تھا اس لئے اس کے تمام ہونے پیچھے اپنے اختیارات کی باگ دوسروں کے ہاتھ میں نہ جائے اور ادھر ہاجرین کو جنہیں اپنا پرہیز ہونا حضرت کے ظل حیات و نبوی کا ٹھکانہ جانے سے محسوس ہو رہا تھا۔ تمنا تھی کہ نظام حکومت قائم رہے اور دونوں قومیں شہر و شکر بن کر اسی اتفاق و یک جہتی کے ساتھ دین کی خدمتوں کو انجام دیں جس طرح اب تک حضرت کے ماتحت بن کر رہتی رہیں۔ چنانچہ حضرت علی و عباس وغیرہ تو حضرت زہرا کے مکان میں خاموش جا بیٹھے اور حضرات ہاجرین مسجد نبوی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر بیٹھنے لگے۔ دفعہ ایک شخص آیا اور کہا کہ اے گروہ ہاجرین بنی ساعدہ کے سفیر میں انصار کا مجمع ہو رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ کو اپنا امیر بنادیں، پس اگر انتظام دین کو منسبط رکھنے کے قدر دان ہو تو فکر کرو کہ تفریق سے پہلے اجتماع کا سامان ہوتا ہو جائے ورنہ کیا وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا اور امت محمدیہ کے دو حصے ہو گئے اختلال عظیم واقع ہو گا جس کی سنبھال قبضہ سے باہر ہو جائے گی۔

یہ سن کر حضرت صدیق و فاروق وہاں سے اُٹھے اور سفیر بنی ساعدہ کی طرف چلے کہ مشورہ میں شریک ہوں اور ہر چند کہ راستہ میں حضرت عویم بن ساعدہ اور متعن بن عدی نے ان حضرات کو جانے ہوئے دیکھ کر کہا بھی کہ انصار کے معاملہ میں دخل دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ بظاہر وہ ماننے والے نہیں ہیں مگر حضرت صدیق نے پروانہ کی اور یہ فرما کر کہ کیا مضائقہ ہے حق بات ہوگی تو ہم سر جھکالیں گے اور ناحق ہوگی تو امر بالمعروف کا فرض ادا کریں گے۔ اس مجمع میں جا پہنچے جہاں حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہونے کے سبب مکمل سے منہ ڈھانپے بیچ میں بیٹھے تھے اور چار طرف سے انصار کا جم غفیر ان کو گھیرے ہوئے تھا۔ جبکہ اجلہ ہاجرین کو بیٹھے ہوئے انصار نے دیکھا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے خطبہ حمد و ثنا پڑھ کر کہا کہ ”چونکہ ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر جرار ہیں اور تم اے ہاجرین ہم ہی میں کی ایک جہت ہو اس لئے مناسب ہے کہ امیر المسلمین کوئی شخص ہم میں سے قرار دیا جائے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ جواب دیں مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تقدیم کی اور فرمایا کہ برادران اسلام جو فضیلت تم نے اپنی بیان کی وہ ہم کو بھی تسلیم ہے مگر حکومت قبیلہ قریش ہی کو شایان ہے جو عرب میں نسب اور وطن دونوں کے اعتبار سے بہتر ہیں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی علیہ السلام کا جو مجمع میں موجود تھے ہاتھ پکڑا اور فرمایا میرے نزدیک مناسب ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔

ہر کام کے لئے ایک سلیقہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت کے لئے قدرت نے قریش ہی کی فطرت میں وہ مادہ رکھا تھا جس نے زمانہ جاہلیت میں بھی ان کو سارے ملک عرب کا ایسا حاکم یا اختیار بنائے رکھا کہ



اسلام  
 کسی قبیلہ اور کسی قوم کو گردن اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اس لئے اگر ہاجرین کو یہ فضیلت نہ بھی ہوئی کہ وہ  
 کنبہ اور خاندان تھے سردار بنی آدم کے تب بھی سیاست کے درجہ میں ماننا پڑتا کہ انصار کیسے ہی ملجاء و کملاء  
 کیوں نہ ہوں مگر عرب کی اقوام مختلفہ کو زیر رکھنے کی قابلیت سے خلقہ محروم ہیں اور جناب رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ کے نو تنہ و ناز پروردہ پودوں کی حفاظت کے لئے قریشی اس  
 باغبان کی ضرورت ہے۔ پس آفریں ہے حضرت صدیق کی حق گوئی اور ہمت پر کہ بھرے مجمع میں بھی ایسی  
 بات کہنے سے نہ جھکے جس میں اپنی بڑائی و اقتدار قائم کرنے کا دوسوہ جدا کیا جاسکتا تھا اور انصار کو  
 ناگوار گذرنے کے سبب خلاف کا احتمال جدا تھا چنانچہ بعض انصار نے اس کی تردید کی اور چار طرف  
 سے آوازیں بلند ہونے لگیں یہاں تک کہ ایک انصاری نے کہا کہ میں اس خلاف کا فیصلہ کئے دیتا  
 ہوں "بہتر ہے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک ہاجرین میں سے" مگر یہ بھی چونکہ مناسب نہ تھا  
 کیونکہ ہر امیر کی امارت اگر اپنی قوم پر قاصر رہے تو وہی تفریق و اختلال نظم ہے جس سے بچنے کی ضرورت ہے  
 اور دونوں کی قوت اجتماعی جماعہ مسلموں کی حاکم قرار پائے تو اختلاف کی صورت میں سرپیچ کی ضرورت  
 ہے جس کے متعلق پھر وہی گفتگو ہے کہ انصار میں سے ہو یا ہاجرین میں سے؟ اس لئے پھر اختلاف ہوا اور ہر  
 شخص اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگا۔

ہاجرین اور انصار کا یہ اختلاف جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا خود شہادت دے رہا ہے کہ عرب اپنے  
 ہر قسم کے قضیے کو طے کرنے کے لئے امیر کے محتاج تھے کیونکہ ایسے حاکم کے نہ ہونے ہی سے جو دونوں پر قابو  
 یافتہ ہونے کے سبب ایک حکم دے کر سب کی گردنیں جھکا دیتا اس قدر شور و شغب کی نوبت نہی کہ  
 امیر مدین کا انتخاب ایک بڑی ہم تن گئی۔ پھر کیا پوچھنا اس حالت کا جو دفن و کفن پیغمبر کے متعلق  
 فی الحال اور جملہ امور دینی و دنیوی کے متعلق آئندہ ہر لحظہ و ہر آن پیش آتی۔ اس سے اندازہ  
 ہو سکتا ہے کہ انتظام شرعی کے بقا کے لئے امیر کی تجویز کرتے ہوئے جو جی تھی اور سیدنا ابو بکر باغبان اسلام  
 کے باغ کی حفاظت میں کس ہمدردی و ہمت کا برتاؤ کر رہے تھے۔

آخر جب آراء مختلفہ کا شور و شغب بڑھا تو حضرت فاروقؓ نے ضروری سمجھا کہ اختلاف کو جلد  
 مٹائیں پس نور اکھڑے ہو گئے اور حضرت صدیق رضاکا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ لائیے ہاتھ پھیلائیے کہ آپ سے  
 بیعت کریں اس لئے کہ آپ بہتر اس مجمع میں کوئی نہیں کہ اس منصب کے شایاں ہو۔

الفرض سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے بیعت کی اور ان کے بعد ہاجرین آگے بڑھے جو وہاں موجود تھے  
 اور جب سلسلہ چل گیا تو انصار نے بیعت شروع کر دی یہاں تک کہ سارا مجمع جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود



تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین اور خلیفہ رسول رب العالمین تسلیم کر کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس طرح پہلا مرحلہ جو سب میں غلیم الشان تھا طے ہو لیا اور انصار و ہاجرین اپنی اپنی جگہ ٹوٹ آئے۔

اگلا دن منگل کا آیا اور صبح نماز کے لئے مسجد میں جمع ہوئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چڑھے کہ امور ضروریہ کا اعلان کریں مگر اس سے قبل کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کچھ فرمائیں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے مسلمانو! کل سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا وہ تم کو معلوم ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اور کہا وہ کوئی آیت قرآنی نہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اُس کا حکم دیا ہو۔ اور نہ کوئی وصیت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ میں اُس کو پورا کیا ہو میرا خیال یہ تھا کہ حضرت اپنا جائزین ضرورتاً فرمائیں گے جو ہمارے معاملات دین و دنیا کا امیر اور مدبر حاکم ہے گا مگر جناب رسالت اب اپنی کتاب و سنت تم میں چھوڑ گئے ہیں جس کو اگر تم مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ بنو گے اور الحمد للہ کہ اس کو تھامے رہنے کے لئے جس انتظام کی ضرورت تھی کر کوئی امیر و حاکم ہو جو مقدمات فیصل اور انتظام دین و دنیا قائم رکھے اس کے لئے غیب سے سامان ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے تم کو مجتمع رکھا اور تمہارے معاملات و دیانات کی باگ ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدی جو تم میں سے بہتر و برتر ہے یعنی صاحب رسول اللہ ثانی آمین اذھما فی الغار۔ پس شکر کرو اس احسان کا اور قدر کرو اس نعمت کی۔ کھڑے ہوؤ اور بیعت کرو سیدنا صدیق کے ہاتھ پر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر لوگ کھڑے ہوئے اور وہ انصار و ہاجرین جو سقیفہ میں موجود نہ بھی تھے یکے بعد دیگرے سب بیعت ہوئے۔ اس طرح پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت عوام و خواص کے نزدیک مسلم ہوئی اور سقیفہ کی بیعت خاصہ کے بعد مسجد نبوی میں علی الاعلان وہ بیعت عامہ صادر ہوئی جس سے انحراف کا پھر کسی کو وسوسہ بھی نہ گذرا۔ اس کے بعد حضرت صدیق کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہارا والی و سرپرست قرار دیا گیا ہوں اور میں تم میں بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر سیدھا چلوں تو میری مدد کیجو اور پڑھا چلوں تو مجھ کو سیدھا کر دیجو۔ سچائی امانت ہے (اس لئے اس کا پابند رہنا پڑے گا کہ وہی اس کا حق ادا کرنا ہے) اور جھوٹ خیانت ہے (اس سے بچنا ضروری ہے) تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اُس کا حق اُس کو واپس دلادوں بشرطیکہ خدا چاہے اور جو تم میں زور آور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں مظلوم کا انتقام اُس کے لئے لوں بشرطیکہ خدا چاہے اور جو قوم جہاد کو ترک کرتی ہے خدا اُس کو دلیل و رسوا بنادیتا ہے اور جس گروہ میں بدکاری پھیل جاتی ہے اُس پر آسمان سے بلا برعام نازل ہوتی ہے۔ مہاجرو! میری اطاعت کیجو جب تک میں اللہ اور اُس کے رسول کا مطیع رہوں اور جب میں اللہ اور اُس کے رسول کا نافرمان ہوں تو نہ اطاعت نہ فرماؤ۔ اٹھو اور نماز پڑھو خدا تم سب پر رحم فرمائے۔



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور آپ کے پھیلائے ہوئے اسلام کی محافظت کے لئے ظاہر ہے کہ حبشی صلاح عملیہ و فضیلت علمیہ کی حاجت تھی اسی قدر قوت انتظامیہ و ملکہ حسن تدبیر کی ضرورت تھی، کیونکہ آپ دنیا کے ہر طبقہ کو دین اور دنیا دونوں کی گزراں کا بہترین طریقہ سکھانے کو تشریف لائے تھے پس ایسا جامع شخص جس میں دونوں قسم کی استعداد اتنی تام و کامل ہو کہ نیابت محمدیہ کا بوجھ اٹھالے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں بجز ابوبکر کے درحقیقت دوسرا نہ تھا اس لئے کہ جہاں سب سے پہلے اسلام لائے تھے ۱۳ سال کامل عبادت حق و اطاعت خدا و رسول میں گزارنے کسی سفر و حضر میں مرافقہ و معیت نبویہ کے نہ چھوڑنے اور تن من و حن سب کو مذہب اسلام پر نثار کر دینے سے اس کا ثبوت مل رہا ہے کہ یہ تمام صحابہ میں افضل تھے، وہیں حدیبیہ میں دُب کر صلح کرنے میں کہ بجز ابوبکر کے دوسرا شخص بطیب خاطر اس مضمون کو جس میں صورۂ غار و کمزوری معلوم ہو رہی تھی گوارا نہ کر سکا۔ اس کا پتہ چل رہا ہے کہ ان کی طبیعت کو فطری طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے مناسبت تھی کہ جو بات آپ کو طبعاً پسند آتی تھی وہی بلا چون چرا اور بغیر کنج و کاؤ کے حضرت صدیقِ کرم کو بھی طبعاً پسند آتی تھی چنانچہ قید بیان بدر کے قصہ میں جس طرح حضرت ۲ کی رائے تھی کہ ان کا چھوڑنا بہتر ہے اسی طرح ابوبکرؓ کی بھی یہی رائے ذاتی تھی اور گو منشا خداوندی کے خلاف تھی کہ کتاب بھی نازل ہوا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت گویا ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ تھی کہ خطا و ثواب میں کسی طرح جدانہ ہو سکتی تھی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ پر بہتان بندی کے قصہ میں کہ باوجود بیٹی ہونے کے ابوبکرؓ سے موافقت نہ ہو سکی اور جو اثر اس غلط افواہ کے چرچا ہونے سے حضرت کے قلب مبارک پر ہوا وہی ابوبکرؓ کے قلب پر وارد ہوا، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت کے ہاتھوں نے حضرت صدیق کا قلب ہی ایسا بنایا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب سے کچھ مشابہت لے ہوئے تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت کی دعوت اسلام کے ابتداء میں جب کہ آپؐ مدعی نبوت بن کر توحید کا صور پھونکا تو حضرت صدیق نے سب سے پہلے بیعت کی اور کسی معجزہ کا سوال کے بغیر صرف اتنا پوچھ کر کہ آپ کس کام سے منع کرتے اور کس قسم کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے اور مجھے غلامی میں داخل کیجئے۔ صاحب بصیرت اور گہری نظر سے کام لینے والے شخص کو اس سے پتہ چل جائے گا کہ ابوبکرؓ کا قلب جس میں نور نبوت چمک اٹھنے کی صلاحیت گویا پہلے ہی سے موجود تھی صرف وجدانیت خداوندی کا دعویٰ سننے کا منتظر تھا کہ ادھر کان میں پڑا اور ادھر قلب بھجنس پا کر اس کو فوراً جگہ دیدی کہ احترام کے ساتھ ٹھہرے اور اپنا گھر سمجھ کر منگن ہو۔

ان واقعات کے ذرا سی توجہ پر بھی ہر وہ شخص جس کو خدا و خدا سے بحث نہ ہو اس کو تسلیم کر لے گا کہ چونکہ



جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینیس سالہ کارنامہ کو سنبھالنے کی خدمت صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو تینیس سالہ خدمت و اطاعت میں پورا تجربہ کا رہنے والا اور مالی و بدنی ہر قسم کے امتحان میں کامیاب اُترنے کے علاوہ طبعی و قلبی اعتبار سے بھی آپ کی مجالست و موافقت لے کر پیدا ہوا ہو اور ایسا شخص ابوبکرؓ کے علاوہ دوسرا نہ تھا اس لئے ضرورت نہ تھی کہ حضرت اپنی جانشینی کے لئے ان کو نامزد فرماتے اور صاف الفاظ میں اطلاع دیتے کہ ”میرے بعد ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ بلا فصل سمجھنا“ اور گوچہ الوداع سے پہلے سال ان کو امیر الحاج بنا کر عرفات روانہ فرمائے اور خاص مرض وصال میں نماز کی امامت ان کے حوالہ فرما کر سترہ نمازوں میں مقتدا بنا ہوا دیکھ کر مسرور و مطمئن ہونے سے یہ بات بھی کھل گئی تھی کہ امامت و امامت کے شایان ابوبکرؓ ہی ہیں۔ تاہم امامت کے متعلق یہ الفاظ فرماتے کہ ”میں گوارا کرتا اللہ اور آدمی مگر ابوبکر کو“ اور دوسرے مضامین خفیہ سے جن میں حلی اشاروں سے بصورت پیشین گوئی خلافت صدیقی کا وقوع ظاہر ہو رہا ہے۔ اس بحث میں بہت کچھ روشنی پڑ رہی ہے مگر ہم مؤرخ ہونے کی حیثیت سے شہادت واقعات و دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سخت ترین خدمت کے انجام دینے کے لئے علمی و عملی فضیلت اور انتظامی و سیاسی قابلیت میں ابوبکرؓ سے بہتر کوئی شخص چونکہ دوسرے کو ثابت نہیں کر سکتا اس لئے جس طرح مخلوق کی بد حالی دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی و رسول اور مصلح و ہادی ہونے کے دعویٰ کو سچا اور یہ دوسرا اس اعلان کے لئے مزاحم نہ ہوا کہ لوگ متکبر و طالب حکومت بتائیں گے اور آوازے کسیں گے کہ لیجئے عبد اللہ کے یتیم صاحبزادے نبی ہو گئے۔ اسی طرح پر حضرت کے وصال پر صحابہ میں جو زلزلہ واقع ہوا تھا اس نازک موقع کی سنبھال کے لئے اگر حضرت صدیق مدعی خلافت بن کر اپنی زبان سے بھی کہتے کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو تو بیجا نہ تھا بلکہ امت محمدیہ پر شفقت اور گلستان احمدی کے ساتھ مین ہمدردی تھی کہ غلوں کا طالب جاہ و مال بتائے یا خواہاں حکومت و ریاست مگر کام کسی طرح سنبھلا رہے مگر مستبک الاسباب خدا نے اس کا موقع نہ دیا اور اس سے پہلے کہ ابوبکرؓ پیش قدمی کریں اسی پر اکتفا فرمایا کہ حضرت فاروقؓ کی درخواست پر ہاتھ پھیلا دیں اور بیعت لینے میں انکار نہ کریں چنانچہ وہ باحسن وجہ پورا ہوا پہلے ہی خطبہ میں اس منصب کی صلاحیت و اہلیت کا لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ابوبکرؓ نہ اپنے کو دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں نہ حکومت کے شائق ہیں اور جب ضرورت سر پر پڑ گئی تو سب سے زیادہ اہم فریضہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ رعایا کے پاسان بن کر قوی و ضعیف کو ایک نظر سے دیکھیں، ظالم کو دبانے اور مظلوم کی دادرسی میں نہ ڈریں اور نہ کوتاہی کریں، ترقی اسلام کو ملحوظ رکھیں، جہاد کو ضروری اور مذہب پر جان نثاری و شہادت کو عزت دین و دنیا کا وسیلہ سمجھیں، زنا و بدکاری کو دنیوی و بال کا بھی بڑا ذریعہ جانیں، طاعت خدا و رسول



کو مطلع نظر رکھ کر اعلان کر دیں کہ میری اطاعت چونکہ محض دین کی خاطر ہے اس لئے اسی وقت تک ضروری ہے جب تک میں دیندار بنارہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی استقامت پر مغرور و نازاں نہ ہوں بلکہ عام مخلوق سے خواہشمند بنیں کہ غلطی پر چلتا پائیں تو فوراً متنبہ کر دیں کہ ہر مسلمان بھائی پر حق ہے۔

الغرض نظام شرعی کے مستحکم ہونے کے بعد بیوم شنبہ تہمیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے اور تہمیز ہوا کہ حضرت کو غسل دیا جائے یا نہ دیا جائے اور دیا جائے تو بدن مبارک سے کپڑے اتارے جائیں یا نہ اتارے جائیں آخر اختلاف کا فیصلہ اس طرح ہوا کہ حق تعالیٰ نے سب پر نیکو مسئلہ کیا کہ دفعۃً اُوٹھ کر سب کے سر نیچے جھک گئے اور اسی حالت میں گھر کے گوشے سے ایک غیبی ندا آئی کہ تم کپڑوں کے غسل دو چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جسم مبارک کو اٹھا کر اپنے سینے کے سہارے لگایا حضرت عباس و فضل اور شعم نے رخ بدلنے اور کروٹ لوٹ لانے میں مدد دی اور آسامہ بن زید رضی اللہ عنہ و شقران رضی اللہ عنہ جو حضرت کے آزاد شاہ غلام تھے پانی ڈالنا شروع کیا۔ اس وقت ایک تیز خوشبودار ہوا اٹھی جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہلک گیا اور جس کا سونگھنا اس سے پہلے اور پیچھے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مقدس کو کمرے کے اوپر تلے باقی اور خوشبو سے متمتع ہو کر عرض کرتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ بچاؤ حیات و ممات کس قدر معطر ہیں۔ اس کے بعد آپ کا کمرہ پھوڑ دیا گیا اور تین سفید مہابی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص و عمامہ نہ تھا اس لئے کہ قمیص جو غسل کے سبب بھیگ چکا تھا کفن سے بدن مستور ہو جانے کے سبب نکال لیا گیا تھا کہ دوسرے کپڑوں کو تر بنا کر خراب نہ کرے۔ اس کے بعد جنازہ گھر میں رکھ دیا گیا کہ نماز پڑھی جائے چنانچہ اول مردوں نے گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھی پھر خواتین آئیں اور انھوں نے نماز پڑھی ان کے بچے آئے اور اس شرف سے مشرف ہوئے۔ چونکہ ہر مرد وزن اور بچہ و بوڑھا متمتع تھا کہ شرفیاب ہو اس لئے جماعت نہ ہو سکی اور بشر کی مختلف جماعتیں تو نماز پڑھتی ہوئی نظر بھی آگئیں باقی فرشتوں کی خبر نہیں کہ کس تعداد کی جماعت نماز ادا کی۔ اس اہتمام میں منگل کا دن ختم ہوا اور اب قبر کے متعلق فکر لاحق ہوئی کہ کہاں کھودائی جائے اور لحد ہو یا شق؟ مگر چونکہ حضرت فرما چکے تھے کہ انبیاء کی روح وہیں قبض کی جاتی ہے جہاں وہ اپنا مدفون ہونا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنایا اور فرمایا کہ آپ کو وہیں دفن کرو جہاں آپ کا بستر تھا اور ایک شخص کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جائے جو اہل مدینہ کی طرح لحد کھودتے ہیں اور دوسرا شخص حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے بلالے کو روانہ کیا جائے جو اہل مکہ کی طرح شق کھودتے ہیں پس حق تعالیٰ اپنے محبوب کے لئے جو بات پسند فرمائے گا وہ واقع فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جب حضرت ابو طلحہ پہلے آ پہنچے تو معلوم ہو گیا کہ لحد ہی کے کھودنے کو حق تعالیٰ



نے انتخاب فرمایا ہے۔ جب ابو طلحہ قبری سے فارغ ہو چکے تو ماہتاب سلام کو زیر زمین پہنچانے کا تہیہ ہوا اور یہ وہ وقت تھا کہ اگر روحانیت محمدیہ پشت پناہ نہ ہوتی تو صحابہ رضی کی ہمت نہ تھی کہ اس خدمت کو انجام دے سکتے چنانچہ حضرت علی و عباس اور حضرت عباس کے دو صاحبزادے قثم اور فضل یعنی ایک چچا اور میں چچا زاد بھائی گل ان چار حضرات نے شب چہار شبہ میں جب کہ نصف رات گزر چکی تھی آپ کو قبر شریف میں اتارا اور آپ کی لحد پر فوجی اینٹیں پاٹ کر اس کا منہ بند کر دیا اس کے بعد مٹی بھر دی گئی جس میں تمام صحابہ شریک ہوئے اور قبر مبارک کو کھان نما بنا کر حضرت بلال رضی نے ایک مشکیزہ پانی کا چھڑک دیا کہ مٹی بیٹھ جائے۔

حضرت شقرآن نے ہجر آن کا بنا ہوا کھیس جس کو حضرت اوڑھا کرتے تھے اس خیال سے کہ آپ کے بلوس کا استعمال دوسرے شخص کے لئے خلاف ادب ہے اپنی رائے سے قبر شریف میں بچھا دیا تھا مگر بعد میں وہ نکال لیا گیا اور کفن سے زائد کوئی کپڑا لحد مبارک کے اندر نہیں رکھا گیا۔ اس سے فارغ ہو کر صحابہ رضہ حضرت زہرا کے پاس آئے تو وہ بے اختیار رو پڑیں اور فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے دلوں کے لمس طرح گوارا کیا کہ آبا جان کو قبر میں دفنا کر زیر زمین سلا آئے؟ ان کلمات نے صحابہ کے زخمی دلوں پر تیر کا کام دیا اور عام گریہ و زاری سے کبرام مچ گیا۔ اس میں شک نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کی شان اسی مطلق ہے کہ آپ کی وفات بھی منظرِ رحمتِ الہیہ ہے چنانچہ ﴿لَا خَيْرَ خَيْرٍ لِّلْعَالَمِينَ﴾ ﴿لَا اُولٰٓئِكَ اٰخِرَتُكُمْ اَرْ لَئِنْ دُنِيَ اَوْ دُنِيَ اُولٰٓئِكَ لَئِنْ دُنِيَ اَوْ دُنِيَ اُولٰٓئِكَ لَئِنْ دُنِيَ اَوْ دُنِيَ اُولٰٓئِكَ﴾ اس ارشاد سے کہ اللہ نے اپنے بندہ کو دنیا و آخرت میں اختیار دیا کہ جس کو چاہے پسند کرے چنانچہ اس نے آخرت ہی کو پسند کیا ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کی شان کمال قرب خداوندی و علو مرتبت کے لئے سفرِ آخرت کو مقصود تھی اور اس ارشاد سے کہ حق تعالیٰ جب کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت کے پیغمبر کو امت سے پہلے وفات دیتا ہے اور نیز آپ کے یوں فرمانے سے کہ ”اپنی امت کے لئے میرا مان بن کر میں آگے جاتا ہوں کیونکہ میری وفات کی برابر ان پر کوئی مصیبت نہ ہوگی۔ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کی حیات ایک قسم کی نعمت تھی تو وفات تمام مسلمانوں کے لئے دوسرے قسم کی رحمت ہے مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ آپ کی وفات کا ساخنہ طبعاً اور فطرۃً ایسا روح فرسا اور موثر رہا ہے کہ اس کی نظیر نہ دوسرا ہوا اور نہ قیامت تک ہو۔ ﴿فَاَنَّا لِلّٰهِ وَاَنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ﴾ ﴿اَللّٰهُمَّ مَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ﴾

(مطبوعہ مشہور پریس۔ میکلوڈز روڈ کراچی)



91/-  
(جملہ حقوق طبع برائے پاکستان محفوظ ہیں)

DATA ENTERED تاریخ

اسلام ✓

مکمل

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق  
مستند اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات  
پر مشتمل مکمل ترین کتاب

تالیف

✓  
مولانا محمد عاشق الہی میسرطھی

ناشر

یزین پبلشنگ کمپنی مشہور محل سیکرٹریٹ و ڈکرائی

مشہور پریس کراچی

دکنہ نجی سہولت